سکالر سیریز

فیڈرل بورڈ کے نصاب اور نئے طریقہ کار کے عین مطابق

ایک مکمل اور منفرد امدادی کتاب

فیڈرل

جدید تعمیرِ ادب (لازمی)

مع قواعد و انشا

خصوصیات:

- تشریحات کے لئے تعارفی عبارتیں
- حوالہ جات میں مشکل الفاظ کے معانی اور مفہوم
- قواعد و انشا کی مثالیں اور آسان مشقیں
- شعری و نثری اصناف کا تعارف
- تلخیص کے لیے آسان مشقیں
- اضافی مختصر سوال جواب اور کثیر الانتخابی سوالات

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
پروفیسر عاطف الیاس
ڈاکٹر اسد فیض

11

سکالر پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور

سکالرز
سیریز

فیڈرل بورڈ کے نصاب اور نئے طریقہ کار کے عین مطابق

معروضی و موضوعی مع قواعد

فیڈرل جدید تعمیرِ ادب (سال اول)

سال اول کے لیے ایک مکمل کتاب

مؤلفین

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
شعبہ اُردو
اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر عاطف الیاس
شعبہ اُردو
پنجاب گروپ آف کالجز

نظرِ ثانی

ڈاکٹر اسد فیض
وائس پرنسپل
اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز F-7/3، اسلام آباد

اسکالرز پبلیکیشنز، اُردو بازار، لاہور

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

فیڈرل

جدید تعمیرِ ادب

(سال اول)

ناشر: **سکالرز پبلیکیشنز**
فدائی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور (پاکستان)

حقوقِ اشاعت 2019ء اسکالرز پبلیکیشنز (پاکستان)

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اس کتاب میں شائع کردہ مواد کا کوئی بھی حصہ عکسی، میکانی، فوٹو کاپی یا کسی دیگر طریقے سے، ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر، چھاپنا، ریکارڈ کرنا یا ترسیل کرنا خلافِ قانون ہے۔ اس فعل کے مرتکب فرد/ افراد کے خلاف ضابطہ دیوانی و فوجداری کے تحت قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی جو ہرجانہ/ جرمانہ یا دونوں ہوسکتی ہیں لہٰذا احتیاط کریں۔

ٹریڈ مارک: سکالرز پبلی کیشنز اور اُس کا لوگو (Logo) سکالرز پبلی کیشنز، پاکستان کے رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہیں، یہ تحریری اجازت کے بغیر استعمال نہیں ہوسکتے۔

عرض ناشر: چھپائی سے قبل اس امر کا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ مواد ہر قسم کی غلطی سے مبّرا ہوتا ہم اس بات کا امکان ہوسکتا ہے کہ کوئی غلطی نادانستہ طور پر رہ گئی ہو۔ ادارہ ہذا ناشر، مؤلف اور مصنف اس قسم کی غلطی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اگر شائع شدہ مواد سے کسی فرد یا افراد کو کسی قسم کا نقصان پہنچے یا پہنچنے کا احتمال ہو تو بھی ناشر مؤلف اور مصنف اس قسم کے نقصان وغیرہ کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔
مصنف/ مؤلف کی پوری کوشش رہی کہ مواد ہر طرح کی غلطی سے پاک ہو تاہم اس کے باوجود بھی بتقاضائے بشریت غلطی کا امکان ہوسکتا ہے۔ اگر قاری کی نظر سے کوئی بھی غلطی گزرے تو براہ کرم ادارہ ہذا کو ضرور مطلع کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح ہوسکے۔

دیگر معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔

042-37231595   042-37241133

Printed & Bound in Lahore, (Pakistan)

کمپوزنگ: ارشد عالمی
0321-4448849

ٹائٹل ڈیزائننگ: توقیر حسین
0316-4181600

قیمت: -/Rs. 350

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

ان طالب علموں کے نام

جو محنت اور توکل پر یقین رکھتے ہیں

ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

مؤلفین

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اہم بات

طلباء کو چاہیے کہ املا کی صحت کا خیال رکھیں۔ ذیل میں چند الفاظ دیے جا رہے ہیں، جن کی املا کے حوالے سے اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی زیادہ محتاط نہیں ہوتے۔ لیکن معمولی توجہ سے ان عام اغلاط کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ درج ذیل فہرست ماہر لسانیات رشید حسن خان کی کتاب ''اُردو املا'' کو مدنظر رکھ کر ترتیب دی گئی ہے۔ اُن کے مطابق جو الفاظ کسی سہارے کے بغیر کھڑے ہو سکتے ہیں، انھیں ملا کر لکھنا غلط ہے۔ 2014ء میں پنجاب ٹیکسٹ بورڈ کی مرتب کردہ اُردو کی تمام نصابی کتب میں بھی انھی اصول کو پیش نظر رکھا گیا۔

غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح
آجکل	آج کل	کیلئے	کے لیے	کاروائی	کارروائی
اُسکا	اُس کا	ہمقدم	ہم قدم	اسلئے	اس لیے
اُسکی	اُس کی	رولنمبر	رول نمبر	ستمگر	ستم گر
کیونکہ	کیوں کہ	ھمارا	ہمارا	پھلوان	پہلوان
کیونکر	کیوں کر	تمہارا	تمھارا	ہمسفر	ہم سفر
جبکہ	جب کہ	تمہاری	تمھاری	چوہدری	چودھری
چونکہ	چوں کہ	انہیں	انھیں	انہوں	انھوں
دیئے	دیے	جنہیں	جنھیں	جنہوں	جنھوں
کئے	کیے	ھے	ہے	تمہیں	تمھیں
لئے	لیے	ھمیں	ہمیں	تمہی	تمھی
چاہئے	چاہیے	آسامی	اسامی	الحمداللہ	الحمدللہ
آذادی	آزادی	گذارش	گزارش	بہاولنگر	بہاول نگر
لاپرواہی	لاپروائی	تقرری	تقرر	بہاولپور	بہاول پور
لاپرواہ	لاپروا	پرواہ	پروا	خانپور	خان پور
انشاءاللہ	ان شاءاللہ	لاھور	لاہور	کوٹسمابہ	کوٹ سمابہ
دھی	دہی	لیجئے	لیجیے	غوثپور	غوث پور
رہئے	رہیے	دیئے	دیے	منہ	منھ
یونیورسٹی	یونی ورسٹی	پذیرائی	پزیرائی	گیے	گئے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

الحمدللہ!

شکر اس ذات کا کہ جس نے انسان کو پڑھنا، لکھنا اور بولنا سکھایا۔ یوں انسان اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کے اظہار پر قادر ہوا۔ یہ کتاب بھی اسی تشکر کے اظہار کی ایک ادنی سی کوشش ہے۔ الحمدللہ! جدید تعمیر ادب قریباً پچاس سالوں سے ایک ہموار تسلسل کے ساتھ شایع ہو رہی ہے۔ ابتدا میں اس کا نام ''اردو قواعد و انشا'' تھا۔ اسے آغاز ہی سے جو قبول عام حاصل رہا، وہ سراسر اللہ سبحان و تعالیٰ کا احسان اور کرم ہے۔ بلاشبہ ہم سب اسی کے نظرِ کرم کے محتاج ہیں۔

جدید تعمیر ادب کا زیرِ نظر ایڈیشن نئے اور جدید نصاب کے عین مطابق ہے۔ اسے نصاب اور امتحانی پرچے کی ضروریات کو مدنظر رکھ کے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ طلبہ امتحانی پرچے میں بہتر سے بہتر نمبر حاصل کر سکیں۔ اس مقصد کے پیش نظر جہاں نصاب سے متعلق بہتر سے بہتر مواد شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہیں کچھ اضافی چیزوں پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ یقیناً یہ اضافی آرائش و زیبائش اس کتاب کی انفرادیت اور امتیاز بھی ہے۔ ان شاءاللہ اساتذہ اور طلبہ دونوں اس حقیری کوشش کو بے حد مفید پائیں گے۔

تشریحات میں تعارفی عبارتیں دی گئی ہے جو طلبہ تشریح سے پہلے لکھ سکتے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ تشریحات میں مستند حوالہ جات مع شاعر کے نام، شامل کیے جائیں۔ پھر حوالہ جات میں مشکل الفاظ کے معانی و مفہوم بھی دیے گئے ہیں تاکہ طلبہ انھیں یاد کرتے ہوئے کوئی دقت محسوس نہ کریں۔ قواعد کے حصے میں شامل سوالات کو مثالوں اور مشقوں سے آسان فہم بنایا گیا ہے۔ ان شاءاللہ طلبہ ان مشقوں کو بہت مفید پائیں گے۔

الغرض ہم نے اپنی سی پوری کوشش کی ہے کہ دوسروں سے بہتر اور منفرد کام سامنے لایا جائے۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ بہ تقاضائے بشریت یہ تمام کوششیں، ناقص اور نامکمل ہی رہیں گی۔ اور ان میں اصلاح اور تصحیح کی گنجائش بدرجہ اتم موجود رہے گی۔ اس لیے اپنی اس کوشش کو بہتر سے بہتر بنانے اور اغلاط سے پاک کرنے کے لیے، ہمیں تمام اساتذہ کرام، طلبہ اور دوسرے پڑھنے والوں کی طرف سے تجاویز کا انتظار رہے گا۔ جس کے لیے ہم ان کے بے حد شکر گزار ہوں گے۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں　　اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

مؤلفین

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اُردو (لازمی) اور قواعد و انشاء
سوالات اور نمبروں کی تقسیم

برائے امتحان سال اول 2019ء

❀ امدادی کتاب: جدید تعمیرِ ادب

حصہ اول

سوال نمبر1: معروضی طرز (کثیر الانتخابی سوالات MCQs) 1 x 20 = 20

حصہ دوم

سوال نمبر2: سوالات کے مختصر جوابات 4 x 12 = 48

(یہ سوالات حصہ نثر، حصہ نظم، حصہ غزل اور حصہ قواعد میں سے پوچھے جائیں گے)

حصہ سوم

(نصابی کتاب اور قواعد و انشا سے متعلق سوالات)

سوال نمبر3: نثری اقتباس کی تشریح

سبق کا عنوان:	1	
مصنف کا نام:	1	
تشریح:	4	6 =

سوال نمبر4: نظم کے اشعار کی تشریح

نظم کا عنوان:	1	
شاعر کا نام:	1	
تشریح:	5	7 =

سوال نمبر5: غزل کے اشعار کی تشریح

ہر شعر کے شاعر کا نام:	3 = 1 x 3	
ہر شعر کی تشریح:	6 = 2 x 3	9 =

سوال نمبر6: مکالمہ یا رُوداد 5 =

سوال نمبر7: درخواست یا خط 5 =

کل نمبر: 100

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اُردو (لازمی) برائے گیارہویں جماعت
ماڈل سوالیہ پرچہ
(فیڈرل بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، اسلام آباد)

حصہ اول

وقت: 25 منٹ　　　　(کل نمبر: 20)

نوٹ: حصہ اول لازمی ہے۔ اس کے جوابات الگ سے مہیا کی گئی او ایم آر (OMR) جوابی کاپی پر دیں۔ جوابی کاپی کو پہلے پچیس منٹ میں مکمل کر کے ناظم مرکز کے حوالے کریں۔ کاٹ کر دوبارہ لکھنے کی اجازت نہیں۔ لیڈ پنسل کا استعمال ممنوع ہے۔

سوال نمبر 1: مہیا کی گئی او ایم آر (OMR) جوابی کاپی پر دی گئی ہدایات کے مطابق ہر سوال کا درست جواب منتخب کر کے متعلقہ دائرہ پُر کریں۔ ہر جزو کا ایک نمبر ہے۔

(1) شامل نصاب مضمون ''[illegible]ٹے آدمی'' کس کی تخلیق ہے؟
(A) سرسید احمد خان　(B) مولوی ذکاء اللہ　(C) ڈاکٹر غلام مصطفی　(D) ڈاکٹر سید عبداللہ

(2) مشتاق صدیقی کا کون سا مضمون شامل نصاب ہے؟
(A) لمحہ فکریہ　(B) اپنی مدد آپ　(C) پاکستانی قومیت کا مسئلہ　(D) کچھ ادب کے بارے میں

(3) سرسید کے ایک دوست مولانا محمد قاسم نے مسلمانوں کی دینی تربیت کے لیے کس مدرسہ کی بنیاد رکھی؟
(A) ندوۃ العلماء　(B) دار العلوم　(C) دیوبند　(D) دائرۃ المعارف

(4) نیکی، بدی، توفیق کس ڈرامہ کے کردار ہیں؟
(A) تعلیمِ بالغاں　(B) رستم وسہراب　(C) یہودی کی لڑکی　(D) خوب صورت بلا

(5) مائیکل انجلو کون تھا؟
(A) ادیب اور شاعر　(B) مصور اور معمار　(C) افسانہ نگار　(D) نقاد

(6) ''خطوط غالب'' میں قطب الملک سے کون سی شخصیت مراد ہے؟
(A) میر نصیر الدین　(B) میر افضل علی　(C) میر سرفراز حسین　(D) میر اشرف علی

(7) شامل نصاب ڈرامہ ''تعلیمِ بالغاں'' میں مولوی صاحب کس محکمہ کے نام درخواست لکھوا رہے تھے؟
(A) محکمہ صحت　(B) محکمہ خوراک　(C) محکمہ ماحولیاتی آلودگی وصفائی　(D) محکمہ تعلیم

(8) ''تخت فرس پہ علی اکبر کا خطاب'' کس کا مرثیہ ہے؟
(A) مرزا دبیر　(B) میر انیس　(C) جوش ملیح آبادی　(D) میر حسن

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

(9) شامل نصاب نظم ''نعت'' محسن کاکوروی کے کس مجموعہ سے ماخوذ ہے؟

(A) قصیدہ مدح خیر المرسلین (B) حسنت جمیع خصالہ (C) بہارستان (D) گلستان محمد

(10) شامل نصاب نظم ''شہر آشوب'' میں کس شہر کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا ہے؟

(A) دہلی (B) فیض آباد (C) لکھنؤ (D) آگرہ

(11) ''لسان العصر'' اکبر الہ آبادی کس صدی کے شاعر ہیں؟

(A) اٹھارویں (B) انیسویں (C) بیسویں (D) اکیسویں

(12) ''مسدس بدحالی'' کس شاعر کا شعری مجموعہ ہے؟

(A) سید ضمیر جعفری (B) الطاف حسین حالی (C) مرزا محمود سرحدی (D) سید محمد جعفری

(13) نظم ''پرانا کوٹ'' کس [illegible]ت کی عکاسی کرتی ہے؟

(A) غلامانہ (B) امیرانہ (C) حاکمانہ (D) فقیرانہ

(14) میر تقی میر نے سجدہ نماز میں کس چیز کو لازم [illegible] دیا؟

(A) محبت (B) عقیدت (C) اخلاص (D) عاجزی

(15) میر درد کے کلام کا نمایاں وصف کیا ہے؟

(A) معاملہ بندی (B) تصوف (C) مقصدیت (D) سیاست

(16) غالب کی واعظ سے کہاں ملاقات ہوئی؟

(A) مسجد (B) مندر (C) مے خانے (D) گھر

(17) علامہ اقبال نے کس شاعر کی وفات پر پُرتاثیر مرثیہ لکھا تھا؟

(A) میر تقی میر (B) خواجہ میر درد (C) غلام ہمدانی مصحفی (D) داغ دہلوی

(18) مضمون لکھنا، قرآن پڑھنا، سچ کہنا، بہک جانا قواعد کی رو سے کیا ہیں؟

(A) مرکب توصیفی (B) مرکب عطفی (C) مرکب عددی (D) مرکب مصدر

(19) ''شیر لوہے کے جال میں ہے'' اس جملے میں علم بیان کی کون سی خوبی پائی جاتی ہے؟

(A) استعارہ (B) مجاز مرسل (C) تشبیہ (D) کنایہ

(20) کسی جملے میں دو افعال اکٹھے آئیں تو دوسرا فعل کیا کہلاتا ہے؟

(A) متعلق فعل (B) متعدی فعل (C) معاون یا امدادی فعل (D) فعل لازم

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

حصہ دوم (کل نمبر 48)

وقت: 2:35 منٹ　　　　　　　　　　　　　　　　　　کل نمبر: 80

نوٹ: حصہ ''دوم'' اور ''سوم'' 2-1 صفحات پر مشتمل ہے۔ ان سوالات کے جوابات علیحدہ سے مہیا کی گئی جوابی کاپی پر دیں۔ ایکسٹرا شیٹ (Sheet-B) طلب کرنے پر مہیا کی جائے گی۔ آپ کے جوابات صاف اور واضح ہونے چاہئیں۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل سوالات کے تین سے چار سطروں تک محدود جوابات لکھیں:　　(48 = 4 x 12)

(i) ولیم ڈراگن کے اصول کا مفہوم بیان کریں۔ (بحوالہ اپنی مدد آپ)

(ii) مجدد الف ثانی نے اسلام کی کیا خدمت سرانجام دی؟

(iii) ''رتن ناتھ سرشار'' کا کردار ''داروغہ جی'' کس طرح کے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے؟

یا

غالب اپنے کلام کو کیوں ترستا ہے؟

(iv) شیخ سعدی کے مزار پر مصنف کی کیا کیفیت ہوئی؟

(v) ''ساماں سے کوئی صاحبِ ایماں نہیں ہوتا'' مرزا سلامت علی دبیر نے حضرت علی اکبر کی زبانی اس مصرعے میں کیا پیغام دیا ہے؟

یا

سید ضمیر جعفری کے مزاحیہ کلام کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟

(vi) ''نصیحتِ اخلاقی'' کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

(vii) میر تقی میر کی ''پرستش'' کیا رنگ لائی؟

(viii) ''مصحفی'' نے آدمی کے اچھا ہونے کی کیا دلیل پیش کی ہے؟

یا

''غالب'' شاہ کو کس بات پر دُعا دے رہے ہیں؟

(ix) ''داغ'' کے فنا ہونے پر محبوب کا ردِعمل واضح کریں۔

(x) تلمیح کی تعریف اور دو مثالیں تحریر کیجیے۔

یا

قافیہ کی تعریف اور دو مثالیں تحریر کریں۔

(xi) دی گئی تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں: گل اندام، تہہ دام، حرفِ مکرر، گردشِ مدام

(xii) درج ذیل عبارت کی تلخیص کیجیے اور مناسب عنوان بھی تجویز کیجیے:

''اس میں شک نہیں کہ عزت و تکریم کا حتمی اور قطعی اختیار اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے لیکن اُسی اللہ نے انسان کو عقل و دانش اور فہم و ذکا سے بھی نوازا ہے۔ اُسے اختیار کا حامل بنایا ہے کہ ''خیر و شر'' میں کس کا انتخاب کرتا ہے۔ لہذا انسان پر بہت بڑی ذمہ داری آن پڑتی ہے کہ وہ زندگی اور آخرت دونوں میں کُلی کامیابی کے لیے اپنے کردار پر بھرپور توجہ دے، اعمال پر کڑی نظر رکھے اور حتی الوسع اپنے حقوق و فرائض میں اعتدال اور توازن کی فضا برقرار رکھے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یقیناً وہ ضمیر کی خلش اور انجان بے تابی کا شکار نہیں ہوگا۔''

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

حصہ سوم (کل نمبر 32)

سوال نمبر ۳: سبق اور مصنف کا حوالہ دیتے ہوئے کسی ایک جزو کی تشریح کیجیے: (6 = 1 + 1 + 4)

(الف) (چڑانے کے انداز میں نقل کرتے ہوئے) اجی میں تو بانس بریلی کا ہوں، بانس بریلی کا، کھاتے پاکستان کا، گاتے بانس بریلی کا۔ آج جس کو دیکھو کوئی سندھی ہے کوئی پنجابی ہے، کوئی بلوچی ہے، کوئی پٹھان ہے، ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رہا ہے اور لائق شاگرد پوچھ رہے ہیں کہ اتحاد کے ٹکڑے ٹکڑے کس نے کیے مولوی صاحب؟ ارے ٹکڑے ٹکڑے تو تمہارے ہونے تھے کم بختو۔

(ب) ''میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے، ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو، کیا تم نے مجھ سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، اتنا تو کہو کہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے۔ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی، نہ کتابوں کا بیورا بھجوایا، ہاں مرزا تفتہ نے ہاتر س سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچ کتابوں کے آغاز کے ان کو دے آیا ہوں اور انہوں نے چاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔''

سوال نمبر ۴: کسی ایک جزو کی بحوالہ شاعر تشریح کیجیے اور نظم کا عنوان بھی لکھیں۔ (7 = 1+1+5)

(الف)
توشہ مسافروں کا یہی ، اور یہی ہے زاد — خضر سے رتبے میں ہے زیاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مرد خوش نہاد — لے آئے گی ہوائے موافق دُرِ مراد
دیکھے گا یاس میں کرمِ کار ساز کو
تھامے گا دستِ موج میں دریا جہاز کو

(ب)
دمِ بارانِ رحمت گرد کا گرداب ہو جانا — گڑھوں کا پھیل کر تالاب درتالاب ہو جانا
بپھر کر نالیوں کا ''رستم و سہراب'' ہو جانا — محلے کے گلی کوچوں کا زہرہ آب ہو جانا
مہینوں تک برنگ ہرچہ بادا باد یہ سڑکیں

سوال نمبر ۵: کوئی سے تین اشعار کی تشریح کیجیے اور ہر شعر کے شاعر کا نام بھی لکھیں: (9 = 3 + 3 + 3)

(الف) اب جان جسمِ خاک سے تنگ آ گئی بہت — کب تک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھوئیے
(ب) ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی — وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے
(ج) تم دل آزار بنے رشکِ مسیحا کیسے — کم نہ ہونے دو مرادرد سوا ہونے دو
(د) افسوس کہ ہم تو رہے مستِ خوابِ صبح — اور آفتابِ عمر لبِ بام آ گیا
(ہ) محتسب آج تو مے خانے میں تیرے ہاتھوں — دل نہ تھا کوئی، کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

سوال نمبر ۶: ''کھیلوں کی افادیت'' کے موضوع پر دو طالب علموں کے درمیان مکالمہ تحریر کیجیے۔ (5)

سوال نمبر ۷: دوست کے نام خط لکھ کر اسے موسمِ گرما کی تعطیلات اپنے ہاں گزارنے کی دعوت دیجیے۔ (5)

✪✪✪✪✪

فہرست

نمبر شمار	عنوانات		صفحہ نمبر
	حصہ نثر		1
	سبق کا عنوان	مصنف کا نام	
1	اپنی مدد آپ	(سرسید احمد خاں)	3
2	جھوٹے لڑکے	(مولوی ذکاء اللہ)	17
3	نظریہ پاکستان	(ڈاکٹر غلام مصطفی خان)	27
4	پاکستانی قومیت کا مسئلہ	(ڈاکٹر سیّد عبداللہ)	39
5	کچھ ادب کے بارے میں	(ڈاکٹر عبادت بریلوی)	49
6	لمحۂ فکریہ	(مشتاق احمد صدیقی)	59
7	داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں	(رتن ناتھ سرشار)	66
8	آنگن	(خدیجہ مستور)	77
9	خوب صورت بلا	(آغا حشر کاشمیری)	87
10	تعلیم بالغاں	(خواجہ معین الدین)	94
11	شیراز اور کنارِ آب رُکنا باد وغیرہ	(ابن انشا)	100
12	روم: زندہ شہر اور مردہ شہر	(جمیل الدین عالی)	112
13	لالچی وزیر	(بشیر احمد بلوچ)	119
14	خطوط غالب	(مرزا اسد اللہ خان غالب)	124
15	مکاتیبِ اقبال	(علامہ محمد اقبال)	130

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

	نظم کا عنوان	شاعر کا نام	
	حصہ نظم		137
1	حمد	(ماہر القادری)	139
2	نعت	(محسن کاکوروی)	148
3	شہرِ آشوب	(نظیر اکبر آبادی)	158
4	شہزادے کا چھت پر سونا اور پری کے ہاتھوں اغوا ہونا	(میر حسن)	168
5	دُرمراد	(میر ببر علی انیسؔ)	177
6	تختِ فَرَس پر علی اکبر کا خطاب	(مرزا سلامت علی دبیر)	186
7	اُمید	(الطاف حسین حالی)	197
8	نصیحتِ اخلاقی	(اکبر الہ آبادی)	207
9	جلوۂ سحر	(حفیظؔ جالندھری)	216
10	پرانا کوٹ	(سیّد محمد جعفری)	223
11	یہ سڑکیں	(سیّد ضمیر جعفری)	233
12	قطعات	(مرزا محمودؔ سرحدی)	241
13	اخلاص	(عبد الرحمن بابا/مترجم: طہٰ خان)	250
	حصہ غزل		259
1	میر تقی میرؔ		261
2	خواجہ میر دردؔ		274
3	غلام ہمدانی مصحفیؔ		282
4	مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ		290
5	نواب میرزا خان داغؔ دہلوی		304

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	قواعد وانشاء	311
	مکالمہ نویسی	312
1	گاہک اور پھل فروش کے درمیان مکالمہ	313
2	ڈاکٹر اور مریض کے درمیان مکالمہ	314
3	ایک کتابی کیڑے اور کھلاڑی کے مابین مکالمہ	316
4	دو دوستوں کے درمیان امتحانی نظام کے بارے میں مکالمہ	317
5	دو دوستوں کے درمیان موبائل فون کے فوائد اور نقصانات پر مکالمہ	319
6	دو دوستوں کے درمیان اچھے اُستاد کے بارے میں مکالمہ	320
7	دو دوستوں کے درمیان امتحان کی تیاری کے حوالے سے مکالمہ	321
8	دو ماؤں کے درمیان بچوں کے اخلاق کے بارے میں ایک مکالمہ	323
9	باپ بیٹے کے مابین زندگی کے نصب العین پر مکالمہ	324
10	رشوت ستانی کے بارے میں ایک مکالمہ	326
11	دو طلبہ کے درمیان عمومی اور فنی تعلیم کے بارے میں مکالمہ	327
12	وقت کی پابندی۔ایک مکالمہ	328
13	دو طلبہ کے درمیان ملازمت اور کاروبار کے بارے میں مکالمہ	330
14	دو دوستوں کے درمیان اُردو زبان کی اہمیت پر مکالمہ	331
15	مالک مکان اور کرایہ دار کے درمیان مکالمہ	333
16	دو دوستوں کے درمیان سفرِ حج کے بارے میں مکالمہ	334

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

	روداد نویسی	337
1	ایک نعتیہ مشاعرے کا آنکھوں دیکھا حال	338
2	یوم اقبال کی روداد	339
3	جلسہ تقسیم انعامات کی روداد	341
4	سیلاب کا آنکھوں دیکھا حال	342
5	ایک الوداعی تقریب	344
6	ایک زلزلے کی روداد	345
7	پاسنگ آؤٹ پریڈ کی روداد	346
8	محفلِ مشاعرہ کی رُوداد	347
9	بس کے حادثے کا آنکھوں دیکھا حال	350
10	کالج میں منعقد ہونے والے جلسہ سیرت النبیؐ کی روداد	351
11	آتش زدگی کے واقعہ کا آنکھوں دیکھا حال	352
12	ایک مباحثے کی روداد	353
	درخواست نویسی	355
1	پرنسپل کے نام بیماری کی وجہ سے طویل رخصت کی درخواست	355
2	پرنسپل کے نام فیس معافی کے لیے درخواست	355
3	پرنسپل کے نام کیریکٹر سرٹیفکیٹ کے حصول کے لیے درخواست	356
4	پرنسپل کے نام حج پر جانے کے لیے رخصت کی درخواست	356
5	پرنسپل کے نام کالج میں دوبارہ داخلے کے لیے درخواست	357
6	پرنسپل کے نام بورڈ کا داخلہ بھجوانے کی درخواست	357
7	پرنسپل کے نام مضمون تبدیل کروانے کے لیے درخواست	358
8	پرنسپل کے نام تفریحی اور مطالعاتی دورے پر جانے کے لیے درخواست	358
9	صوبائی وزیر تعلیم کے نام اپنے علاقے میں گرلز ہائی سکول کے قیام کے لیے درخواست	359

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

10	ایس پی کے نام تھانے دار کے ناشائستہ رویے کے بارے میں درخواست	359
11	ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر کے نام اپنے علاقے میں وبا پھیلنے کے حوالے سے درخواست	360
12	میئر کارپوریشن کے نام علاقے کی متعفن صورت حال کے بارے میں درخواست	360
13	پوسٹ ماسٹر کے نام ایک پارسل کی گمشدگی کے حوالے سے درخواست	361
14	ہیلتھ آفیسر کے نام قصبے میں ڈسپنسری کے قیام کے لیے درخواست	361
15	چیئرمین بورڈ کے نام سند جاری کرنے کی درخواست	362
16	چیئرمین بورڈ کے نام پرچے کی پڑتال کی درخواست	362
	خطوط نویسی	363
1	دوست کے نام، مدینہ منورہ سے قلم کا تحفہ موصول ہونے پر	366
2	چھوٹے بھائی کے نام، بزم ادب میں حصہ لینے کی ترغیب	367
3	والد کے نام، لاہور کی تاریخی عمارات کی سیر کا ذکر	368
4	چھوٹے بھائی کے نام، استاد کے احترام کے بارے میں	369
5	دوست کے نام، امتحان میں اس کی ناکامی پر	370
6	استاد کے نام، ڈاکٹر بن جانے کے بعد شکر گزاری کا خط	371
7	دوست کے نام، والدہ محترمہ کی وفات پر اظہار تعزیت	372
8	والد کے نام، اپنی زندگی کے نصب العین کے بارے میں	373
9	چھوٹے بھائی کے نام، پڑھائی کے ساتھ جسمانی ورزش کی اہمیت کے بارے میں	374
10	والد کے نام، اپنی تعلیمی کارکردگی کی اطلاع	375
11	بھائی کے نام، امتحان کی تیاری کے سلسلے میں مشورے	376
12	اخبار کے مدیر کے نام، اُردو کی موجودہ اہمیت اور حیثیت کے بارے میں	377
13	اخبار کے ایڈیٹر کے نام، ٹریفک کی تیز رفتاری کے حوالے سے	378
14	میونسپل ایڈمنسٹریٹر کے نام، شاپنگ بیگ کے نقصانات	379
15	دوست کے نام، اپنے علاقے / ملک کے حالات کے متعلق آگاہی	380

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

✿	تلخیص نگاری	381
1	مشقی کام	383
2	نمونے کی عبارتیں	390
3	مشقی عبارتیں	393
✿	معروضی حصہ	405
✿	ادبی اصطلاحات	405
1	علمِ بیان	405
2	علمِ بدیع	414
✿	ادبی اصناف	420
1	شعری اصناف	420
2	نثری اصناف	428
✿	قواعد	431
1	امدادی افعال	431
2	مطابقت	435
3	حروف کا استعمال	443
✿	ہدایات برائے پرچہ	448

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

نصابی مباحث
حصہ نثر

- مصنف کا تعارف
- سبق کا تعارف
- لغت و توضیحات
- تشریح مع حوالہ متن اور سیاق وسباق
- مشقی سوالات کا حل
- اضافی سوالات کے مختصر جوابات
- کثیر الانتخابی سوالات

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اپنی مدد آپ

سرسیّد احمد خان

(۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء - ۱۸۹۸ء)

مصنف کا تعارف:

سرسیّد احمد خان دِلّی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد سیّد محمد متقی کو بادشاہ کے دربار میں بڑا اثر ورسوخ (عمل دخل) حاصل تھا۔ اُس زمانے کے رواج کے مطابق اُنھوں نے قرآنِ مجید، عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ والد اور بڑے بھائی کے انتقال کے بعد اُن کی زندگی پر مذہبی رنگ نمایاں ہو گیا اور اُنہوں نے فقہ (شریعت کے احکام کا علم)، حدیث اور قرآنِ مجید کا از سرِ نو (دوبارہ سے) مطالعہ شروع کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت وہ بجنور (انڈیا کا ایک شہر) میں تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تباہی نے اُن کے دل پر گہرا اثر کیا اور مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا (کسی کام کو کرنے کا عہد کیا)۔

اُنہوں نے اندازہ لگایا کہ کسی بھی قوم کی اصلاح (خامیاں دور کر کے صحیح راستے پر ڈالنا) اور ترقی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں اس لیے اُنہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کیں۔ علی گڑھ کالج اس کی روشن مثال ہے۔ اس کے علاوہ عام مسلمان گھرانوں کی تربیت اور اصلاح کے لیے ایک رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' بھی جاری کیا۔

سرسیّد کا ایک اور بڑا کارنامہ سادہ اور آسان نثر کی ترویج تھا۔ اُنہوں نے اُس زمانے کی طرزِ نگارش، جو مقفیٰ (جس میں قافیہ استعمال ہو) اور مسجع نثر (ایسی نثر جس میں قافیہ استعمال کیا گیا ہو) کی صورت میں تھی، کو ترک کیا اور مقصدیت (کسی کام میں مقصد کا ہونا) کو رواج دیا۔ دراصل وہ ادب برائے ادب (ایسا ادب جو صرف حِظ یا لطف اٹھانے کے لیے لکھا جائے) کے قائل نہ تھے، بلکہ اُنہوں نے ادب کو اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ اُن کی تحریر میں بڑا تنوع (مختلف قسم کا ہونا) تھا۔ اُنہوں نے مذہب، ریاست، تاریخ، ادب، فلسفہ، اور منطق (دلیل بازی)، ہر موضوع پر طبع آزمائی کی۔ سرسیّد کا اُردو ادب پر بڑا احسان ہے کہ وہ زبان جو پہلے فقط حسن و عشق اور تخیلاتی (خیالی) دنیا تک محدود تھی، حقیقت نگاری (حالات و واقعات کی حقیقت کو سچائی کے ساتھ بیان کرنا) اور اصلاح کے لیے استعمال ہونے لگی۔

سبق کا تعارف:

زیرِ نظر سبق ایک مضمون ہے۔ یہ سب سے پہلے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں شایع ہوا تھا۔ اس مضمون کا بنیادی تصور اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ گویا ''اپنی مدد آپ'' ہی افراد یا قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

MACATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر(2)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عمدہ	اعلیٰ درجے کا، پسندیدہ	گو	اگرچہ
گروہ	جماعت، ٹولہ، قسم	جوش	جذبہ، لگن
غیرت	عزتِ نفس، خودداری	عزت	آبرو، نیک نامی، رتبہ
ازخود	خود بہ خود	ذلیل	بے عزت، بے وقعت
امر	کام، فعل، معاملہ، بات	بدیہی	ظاہر، واضح، روشن، لازمی
لابدی	لازمی	عمدہ انتظام	اچھا نظم و نسق، اچھا بندوبست
باہمی	آپس کا	بہبودی	بھلائی، بہتری
بیش بہا	قیمتی	نہایت	انتہائی
مقولہ	قول، کسی کا فرمان، کسی شخص کی ایسی بات یا جملہ جو اہم ہو اور اس میں دانائی کی بات کہی گئی ہو۔		

صفحہ نمبر(3)

برتاؤ	رویہ، راہ و رسم، سلوک	قوائے عمل	عمل کرنے کی قوتیں، (قوا : قوت کی جمع ہے)
روزِ روشن کی طرح	نہایت واضح	پس	اس لیے، اس وجہ سے
مانع	رکاوٹ، منع کرنے والا	منفی	مثبت کی ضد، گھٹایا گیا، خارج کیا گیا
دانش مندی	عقل مندی	عمل درآمد	نفاذ، کسی قانون یا ضابطے کے مطابق عمل کرنا
ثمروں	پھل، بدلہ، نتیجہ	حظ اُٹھانا	لطف اُٹھانا، فائدہ حاصل کرنا
کفایت شعار	بچت کرنے والا	شراب خور	شراب پینے والا
تائب	توبہ کرنے والا، چھوڑنے والا	کفایت شعاری	بچت کرنا
نفس کشی	اپنی غلط خواہش پر قابو پانا	تہذیب	اخلاق و آداب، خوش اخلاقی، زندگی گزارنے کے تصورات

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نیچر	فطرت	شائستگی	اعلیٰ اخلاق، تمیز، اچھی عادتیں، سلجھاؤ
نیچر کا قاعدہ ہے	قدرت کا اصول ہے	درحقیقت	دراصل
منحصر	انحصار، دارومدار	اکھڑ	اجڈ، ضدی، غیر مہذب، سخت مزاج
پنسال	جہاں پانی کا ذخیرہ ہو، پانی ماپنے کا آلہ، پانی نکلنے کی جگہ		

صفحہ نمبر(4)

ناتہذیبی	بداخلاقی، بداطواری	بدچلنی	بُرے طور طریقے، بدکرداری
تنزلی	زوال	باہمی معاشرت	ایک دوسرے سے تعلقات
نیست و نابود	برباد، بالکل ختم	خیر خواہی	بھلائی چاہنا
معزز	عزت دار	وضع	بناوٹ
شغل اشغال	تفریحی کام	حاشا وکلا	ہرگز نہیں
آقا	مالک	شرارت کا مطیع	بدی کے تابع

صفحہ نمبر(5)

جان اسٹیورٹ مل	ایک فلسفی	دانا حکیم	دانش ور، عقل مند آدمی
خودمختار	اپنی مرضی کرنے میں آزاد	پرستش	پوجا کرنا
حقیر	بے وقعت، ذلیل، کم تر	مقید و ذلیل	قیدی اور ذلیل
لچھمی	لکشمی، دولت کی دیوی	پچھلا	جس کا بعد میں ذکر کیا گیا ہے
خضر	ایک شخص جن کا ذکر قرآن میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا ہے۔ مراد رہنما		
فانوسِ خیال	ایک کاغذی فانوس جس پر جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں اور گھمانے سے یہ بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مراد نظر کا دھوکا، خیالی چیز		

صفحہ نمبر(6)

اجرا	جاری کرنا	دست کاری	ہاتھ سے بنی چیزیں
قدیمی	پرانا	ولیم ڈراگن	آئرلینڈ کا محب وطن شہری

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ڈبلن	آئر لینڈ کا دارلحکومت	مضبوط یقین	پختہ یقین، یقینِ کامل
استقلال	مستقل مزاجی	اگلی پشتوں	گذشتہ نسلوں
زمین جوتنا	ہل چلانا، کاشت کرنا	آلاتِ جرثقیل	بھاری بوجھ اُٹھانے والی مشینیں، کرین وغیرہ۔
معمار	تعمیر کرنے والے	لگاتار	مسلسل
بے بہا	بہت زیادہ	پرکھوں	آباؤ اجداد
مثلِ مار	سانپ کی طرح	سرِ گنج	خزانے پر۔ مراد ہے سانپ کی طرح خزانے پر بیٹھ رہنا
نمائش گاہ	ایسی جگہ جہاں لوگوں کو دکھانے کے لیے اشیاء کی نمائش کی جاتی ہے۔		

صفحہ نمبر (7)

بے لگاؤ	انتہائی	نظیر	مثال، نمونہ
تعلیمِ نفسی	نفسیات کا علم	خفیہ خفیہ	چپکے چپکے، خاموشی سے
نفس کشی	اپنے نفس پر قابو رکھنا	طاق	دیوار میں ایک محراب دار ڈاٹ، جس میں چراغ وغیرہ رکھتے ہیں
عاقبت	اگلی دنیا، آخرت	علمی تحصیل	علم حاصل کرنا، پڑھائی
برتر	بہتر و بالاتر	مشاہدہ	دیکھنا
سوانح عمری	حالاتِ زندگی		

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ (صفحہ 1)

سبق کا عنوان: اپنی مدد آپ

مصنف کا نام: سر سید احمد خان

تشریح

زیرِ نظر سبق ایک مضمون ہے۔ یہ سب سے پہلے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں شایع ہوا تھا۔ اس مضمون کا بنیادی تصور اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ گویا ''اپنی مدد آپ'' ہی افراد یا قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

زیرِ نظر اقتباس میں سرسید قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ سمجھا رہے ہیں۔ اس کا آغاز انھوں نے ایک مشہور مقولے یا کہاوت سے کیا ہے کہ خدا بھی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ مقولہ یا کہاوت ایسے نتیجے کو کہتے ہیں جو انسانوں نے نسلوں کے تجربے سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ گویا کسی بھی فرد یا قوم کی حالت بدلنے کے لیے جس جذبے کی ضرورت ہے، وہ اپنی مدد آپ ہے۔ جب یہ جذبہ آگے بڑھنے کی بنیاد بن جاتا ہے تو ایک فرد بتدریج اپنی حالت بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں کا محتاج نہیں رہتا۔ وہ ہمیشہ ہر خیر یا نیک کام کو اپنی ذات سے شروع کرتا ہے۔ وہ انتظار نہیں کرتا کہ کوئی آئے گا اور اس کی حالت کو بدلے گا۔ وہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرے گا، تب تک وہ قوم کی حالت نہیں بدل سکتا۔ یہی حال ایک قوم کا ہے۔ وہ جب تک دوسروں کی محتاج رہے گی، ہمیشہ پست، کمزور اور پیچھے رہے گی۔ لیکن اگر اس قوم میں اجتماعی طور پر اپنی حالت بدلنے کا خیال پیدا ہو جائے اور وہ اس جذبے کی بنیاد پر اپنا سفر شروع کر دے، تو وہ قوم بہت جلد ترقی، مضبوطی اور حکمرانی کے راستے پر نکل پڑتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔ (الرعد: 11)

سرسید کے خیال میں جب اپنی مدد آپ کرنے کا جوش ایک شخص میں پایا جاتا ہے تو وہ اس کی ذاتی ترقی کی بنیاد بنتا ہے۔ لیکن اگر یہی جوش بہت سے لوگوں میں پایا جائے تو قومی ترقی اور مضبوطی کی بنیاد بنتا ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی دوسرا کسی شخص یا قوم کے لیے کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اس شخص یا قوم کے دل سے اپنی مدد آپ کا جذبہ ختم ہوتا جاتا ہے۔ اس جذبے کا ختم ہو جانا ہی زوال کی ابتدا ہے کیونکہ جب ایک شخص یا گروہ اپنی مدد آپ کے جذبے سے خالی ہو جاتے ہیں تو ان کے اندر سے غیرت جیسی عمدہ قوت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو افراد کو یا اقوام کو دوسروں سے آگے نکلنے کی تحریک دیتی ہے۔ پھر غیرت کے بعد عزت بھی رخصت ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ شخص یا قوم دوسروں کی نظر میں ذلیل اور رسوا ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی لیے اقبال نے کہا تھا:

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں   پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

(جہانِ تگ و دو: مراد یہ دنیا جس میں ہر لمحہ کشمکش جاری ہے۔ درویش: مراد مردِ مومن۔ تاجِ سرِ دارا: مراد بادشاہت کا تاج)

اقتباس 2:

تمام تجربوں سے یہ ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی و عمدگی ------------- اور بچوں کی شخصی ترقی ہے، جن سے وہ قوم بنی ہے۔ (صفحہ 3)

سبق کا عنوان: اپنی مدد آپ

مصنف کا نام: سرسید احمد خان

تشریح

زیرِ نظر سبق ایک مضمون ہے۔ یہ سب سے پہلے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں شایع ہوا تھا۔ اس مضمون کا بنیادی تصور اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ گویا ''اپنی مدد آپ'' ہی افراد یا قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد ہے۔

زیرِ بحث اقتباس میں سرسید اپنا ایک مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسی بھی قوم کی فضیلت اور عزت اس قوم کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے پر منحصر نہیں ہوتی۔ دنیا میں سرفرازی حکومتی انتظام یا کارکردگی سے نہیں ملتی بلکہ اقوامِ عالم میں سرفرازی، کامیابی اور عزت اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اس قوم کے لوگوں کا اخلاق کیسا ہے؟ ان کا کردار کیسا ہے؟ ان کے خیال میں یہ ایک ناقص خیال ہے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کہ قوموں کی عزت ان کی حکومتوں سے ہوتی ہے۔ جب بھی کسی قوم کے بارے میں بات کی جاتی ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قوم کے افراد اپنے اخلاق، کردار اور سیرت میں کیسے ہیں۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کی شخصی حالت کس درجے پر ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

جب تک ایک قوم کے افراد کا اخلاق اور کردار میں تہذیب کا رنگ نظر نہیں آئے گا، وہ قوم کبھی بھی دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتی۔
ان کے خیال میں چونکہ قوم افراد کا مجموعہ ہے اس لیے قوم کی تہذیب دراصل ان افراد کی تہذیب ہے جن سے مل کر وہ بنی ہے۔ اگر قوم کے افراد مہذب اور شائستہ ہوں گے تو قوم تہذیب یافتہ کہلائے گی اور قوم کے افراد بدتہذیب اور بدکردار ہوں گے تو قوم غیر مہذب کہلائے گی۔
چوں کہ سرسید اس خیال کے حامی تھے کہ قوم افراد سے مل کر بنتی ہے، اس لیے ان کا خیال ہے کہ صرف افراد کی حالت بہتر ہونے سے قوم ترقی کر سکتی ہے۔ یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک کسی قوم کے افراد کا کردار، اس قوم کا مجموعی کردار بن جاتا ہے۔ یہاں اگرچہ انھوں نے قوم کے دوسرے اجزائے ترکیبی نظر انداز کر دیے ہیں، لیکن یہ بات حقیقت ہے کہ ایک قوم کی ترقی میں ایک اہم کردار اس کے افراد ادا کرتے ہیں۔
ان کے خیال میں قوم درحقیقت ان مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں سے مل کر بنتی ہے جو اس کا حصہ ہیں اس لیے ترقی کا معیار یہ ہے کہ ان لوگوں کی حالت بہتر کی جائے۔ انھیں تعلیم یافتہ، باکردار اور مہذب بنایا جائے۔ جب تک افراد کی حالت کو بہتر نہیں بنایا جائے گا قوم کی حالت بہتر نہیں ہوگی۔ الغرض سرسید کسی بھی قوم کی ترقی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کے لوگوں کی شخصی حالت کو بہتر بنایا جائے۔

اقتباس3:

قومی ترقی مجموعہ ہے: شخصی محنت، شخصی عزت------------شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ دی جائے۔ (صفحہ 4)

سبق کا عنوان: اپنی مدد آپ

مصنف کا نام: سرسید احمد خان

تشریح

زیر نظر سبق ایک مضمون ہے۔ یہ سب سے پہلے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کا بنیادی تصور اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ گویا ''اپنی مدد آپ'' ہی افراد یا قوموں کے عروج وزوال کی بنیاد ہے۔۔

زیر بحث اقتباس میں سرسید یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ چونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے یعنی قوم افراد سے مل کر بنی ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ کسی قوم کی ترقی اس کے افراد کی ترقی ہے تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ اگر اس قوم کے افراد محنت کرنے والے، عزت کرنے والے، ایمان داری سے اپنا کام کرنے والے اور دوسروں کی ہمدردی رکھنے والے ہوں گے تو وہ یہ تمام خوبیاں قومی وجود کا خاصہ بن جائیں گی۔ یہاں انھوں نے افراد کے اخلاقی وجود کو قوم کے اجتماعی وجود کے برابر قرار دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک قوم ایک دیوار ہے اور افراد اس کی اینٹیں۔ یہ اینٹیں جتنی بھی اچھے معیار کی، مضبوط اور دیرپا ہوں گیں، وہ دیوار اتنی ہی مضبوط اور دیرپا ہوگی۔

اس طرح وہ قوم دنیا کی دوسری قوموں سے آگے نکل جائے گی اور ممتاز ٹھہرے گی۔ اسی طرح اگر کسی قوم کے افراد سست ہوں گے، بے ایمانی اور خودغرضی کے مرض کا شکار ہوں گے، تو یہ تمام برائیاں ان کے قومی وجود کا حصہ بن جائیں گیں جو قوم کو آہستہ آہستہ زوال کی پستیوں میں دے گی۔ بقول اقبال:

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے — کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

پھر اس چیز کی وضاحت کرتے ہیں کہ چونکہ ایک شخص میں برائیاں اس کی ذاتی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہوتی ہیں اس لیے جب تک برے شخص کے ذاتی کردار اور زندگی کی اصلاح نہیں کی جائے گی، کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی برائی کو بیرونی کوششوں یعنی قانون اور سختی سے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ برائیاں کسی نئی صورت میں نمودار ہو جائیں گیں۔ سرسید کے خیال میں ایک شخص اپنی کمزوریوں اور برے اعمال کے سبب برا بنتا ہے۔ یہ برائیاں اس کے دلی وجود کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یعنی اس کی ذات کا حصہ بن جاتی ہیں۔ ان برائیوں کو اس سے نکالنا آسان نہیں ہوگا۔ اگر ہم ان برائیوں کو نکالنے کے لیے قانونی کوشش کریں گے تو اس کے نتیجے میں وہ شخص ظاہری طور پر تو اپنی حالت بدل لے گا لیکن اس کے دل کی حالت نہیں بدلے گی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ بظاہر تو اس برائی سے باز رہے گا لیکن وہ برائی جو اس کے دل میں بیٹھ چکی ہے، وہ کسی اور شکل میں نمودار ہو جائے گی۔ یعنی اس کا اخلاقی وجود اسی خرابی کا شکار رہے گا بس اس کی شکل بدل جائے گی۔ اس حالت کو بدلنے کے لیے اس کی دلی حالت اور کردار کی اصلاح کرنا پڑے گی۔ جو سرسید کے خیال میں اس کی تربیت ہی سے ممکن ہے۔ الغرض کسی قوم کی حالت بدلنے کے لیے اس قوم کے افراد کی حالت بدلنے کی ضرورت ہے۔

اقتباس 4:

جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح اور ترقی ________ وہی شخصی چال چلن قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے۔ (صفحہ 4-5)

سبق کا عنوان: اپنی مدد آپ

مصنف کا نام: سرسید احمد خان

تشریح

زیر نظر سبق ایک مضمون ہے۔ یہ سب سے پہلے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں شایع ہوا تھا۔ اس مضمون کا بنیادی تصور اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ گویا ''اپنی مدد آپ'' ہی افراد یا قوموں کے عروج وزوال کی بنیاد ہے۔

زیر بحث اقتباس میں سرسید اپنی مدد آپ کے تصور کی وضاحت میں ایک بنیادی غلطی کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہماری اصلاح اور بہتری کا انحصار گورنمنٹ یا اس قانون پر ہے جو ان پر نافذ ہے۔ لیکن یہ ایک غلط تصور ہے۔ جب تک قوم کے افراد اس تصور کے ساتھ بندھے رہتے ہیں، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کل کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ گویا یہ تصور قوم کے اندر بے عملی پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ جب تک لوگ اس امید پر جیتے رہتے ہیں، تب تک کوئی مستقل اور قابلِ عمل نتیجہ یا اصلاح قوم میں پیدا نہیں ہوتی۔ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی آئے گا اور ان کی حالت بہتر ہوگی۔ اس انتظار میں وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کل کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس امید پر زندہ رہتے ہیں کہ کوئی مسیحا انھیں اس دلدل سے نکالے گا۔ وہ خود ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ کوئی تدبیر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ سستی اور کاہلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کی دلی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ جس میں وہ صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا رہتے ہیں۔ بقول اقبال:

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی مگر تم کیا ہو — ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

(منتظرِ فردا: کل کا انتظار کرنے والے)

ان کے خیال میں چاہے کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ یا قانون میں کر لی جائیں، ان کی حیثیت ایک فانوس خیال سے زیادہ نہیں ہوتیں، جس میں تصویریں چلتی ہوئی تو نظر آتی ہیں لیکن در حقیقت وہ ایک وہم ہوتا ہے۔ وہ انھیں توہمات اور سرابوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور

MRCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

منزل کبھی نہیں ملتی۔ وہ انھیں حقیقت سمجھ کر اپنی تمام تر توانائیاں ان پر صرف کر دیتے ہیں لیکن وہ کبھی حقیقت نہیں بنتے۔ سر سید کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنی قوم میں مستقل تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں، آزادی کے صحیح تصور سے آشنا ہونا چاہتے ہیں، دنیا میں عزت اور مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے افراد کے کردار کو بلند کرنا ہوگا۔ انھیں اعلیٰ اخلاق اور تہذیب سے مزین کرنا ہوگا۔ اور یہی ترقی آخر کار قومی ترقی کی حقیقی بنیاد بنے گی اور اس کی پائیداری کی ضامن ہوگی۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اقتباس 5:

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی جو اپنے ساتھیوں ---------------- آئندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے۔ (صفحہ 7)

سبق کا عنوان: اپنی مدد آپ

مصنف کا نام: سر سید احمد خان

تشریح

زیر نظر سبق ایک مضمون ہے۔ یہ سب سے پہلے رسالہ "تہذیب الاخلاق" میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کا بنیادی تصور اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ گویا "اپنی مدد آپ" ہی افراد یا قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد ہے۔

زیر بحث اقتباس میں سر سید اپنی مدد آپ کے فلسفے کا ایک عملی رخ دکھاتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایک معاشرے میں ایک شخص چاہے غریب اور عاجز ہی کیوں نہ ہو، وہ جب محنت اور ایمان داری سے اپنا کام کرتا ہے تو اس کا اثر آنے والی نسلوں پر بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے وہ ایک بنیادی تصور پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ایک شخص محنت اور ایمان داری سے اپنا کام کرتا چلا جاتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کا اثر ایک نیوکلیائی ری ایکشن کی طرح ضرب کھاتا چلا جاتا ہے۔ پہلے پہل اس سے چند لوگ متاثر ہوتے ہیں، پھر مزید لوگ ان چند لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں، پھر مزید لوگ، الغرض یہ محنت اور ایمان داری کا اثر چپکے چپکے دوسروں کے دل میں گھر کرتا چلا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ اثر دیکھا نہیں جا سکتا، اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک چراغ جلنے کی مانند ہے، جس سے پھر دوسرے چراغ جلتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے آہستہ آہستہ اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور قوم کا آسمان روشن ہو جاتا ہے۔

ان کے خیال میں یہ ایک مسلسل اور سست عمل ہے لیکن جب ایک انسان مستقل اچھا عمل کرتا ہے تو دوسروں کے دل میں گھر کرتا جاتا ہے۔ لوگ اس کی دیکھا دیکھی وہ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک سے دو اور دو سے چار بننے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جسے روکا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو ایک شخص سے شروع ہو کر پوری قوم کی تقدیر بن جاتا ہے۔ اسی لیے احمد فراز نے کہا تھا:

شکوہ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

(شکوہ ظلمت شب: تاریک رات کا شکوہ۔ اپنے حصے کی شمع جلانا: اپنے حصے کا کام کرنا)

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

مشق

سوال 1: ''اپنی مدد آپ'' کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں جو تین تین سطور سے زیادہ نہ ہوں۔

-1 وہ کون سا آزمودہ مقولہ ہے جس میں انسانوں اور قوموں کی ترقی کا تجربہ جمع ہے؟

جواب: وہ آزمودہ مقولہ یہ ہے: ''خدا ان کی مدد کرتا ہے، جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں۔'' یعنی کوئی شخص یا قوم تب تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس کے اندر خود اپنی حالت کو بدلنے کا جذبہ اور شوق موجود نہ ہو۔ اگر یہ جذبہ موجود ہو تو پھر خدا بھی ان کی مدد کرتا ہے اور وہ قوم ترقی کے سفر پر آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

-2 سرسید کے خیال میں کون سی قوم ذلیل اور بے عزت ہو جاتی ہے؟

جواب: وہ قوم جس کے دل میں اپنی مدد آپ کا جذبہ باقی نہ رہے اور وہ دوسروں سے مدد کی طلب گار ہو جائے تو آہستہ آہستہ اس کے اندر سے غیرت جیسی قوت ختم ہو جاتی ہے جو آگے بڑھنے کے لیے از حد ضروری ہے اور یوں وہ قوم دوسروں کی نظر میں ذلیل اور بے عزت ہو جاتی ہے۔

-3 نیچر کا قاعدہ کیا ہے؟

جواب: سرسید کے خیال میں نیچر کا قاعدہ یعنی قدرت کا قانون یہ ہے کہ جیسی قوم ہوتی ہے بالکل ویسے ہی حکمران ہوتے ہیں۔ اگر قوم نکمی، جاہل اور سست ہوگی تو حکمران بھی ویسے ہی ہوں گے۔ اور اگر قوم محنتی، جفاکش اور بہادر ہوگی تو حکمران بھی ان خوبیوں سے مزین ہوں گے۔

-4 قومی ترقی کن خوبیوں کا مجموعہ ہے؟

جواب: سرسید کے خیال میں قوم افراد سے مل کر بنتی ہے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر افراد محنتی، عزت مند، ایمان دار اور ہمدردی کرنے والے ہوں گے تو پورا قومی وجود ان خوبیوں سے مزین ہو جائے گا اور وہ دنیا میں دوسروں سے ممتاز ہو جائے گی۔

-5 قومی تنزلی کن برائیوں کا مجموعہ ہے؟

جواب: سرسید کے خیال میں قوم افراد سے مل کر بنتی ہے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر افراد سستی، بے عزتی، خود غرضی اور برائیوں کا مجموعہ ہوں گے تو لامحالہ یہ برائیاں پورے قومی وجود کا حصہ بن جائیں گیں۔ جس سے نہ صرف قوم زوال پزیر ہوگی بلکہ دنیا میں ذلیل اور رسوا ہو جائے گی۔

-6 بیرونی کوششوں سے برائیوں کو ختم کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: سرسید کے خیال میں جب تک برے شخص کے ذاتی کردار اور زندگی کی اصلاح نہیں کی جائے گی، کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی برائی کو بیرونی کوششوں یعنی قانون اور سختی سے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ برائیاں کسی نئی صورت میں نمودار ہو جائیں گیں۔

-7 سرسید کے خیال میں اصلی غلام کون ہے؟

جواب: اصلی غلام وہ نہیں جس کا آقا یا بادشاہ ظالم ہے بلکہ اصلی غلام وہ ہے جو بد کردار ہے یعنی برے اور کمزور کردار کا مالک ہے، جو بد اخلاقی کے مرض میں مبتلا ہے۔ جو جہالت اور شرارت جیسی برائیوں کا شکار ہے۔ اور سب سے بڑھ کر وہ خود غرضی کے مرض میں مبتلا ہے اور قومی ہمدردی سے بے پروا ہے۔

-8 دنیا کی معزز قوموں نے کس خوبی کی وجہ سے عزت پائی؟

جواب: دنیا کی تمام وہ قومیں جو ممتاز ہوئیں اور جنھوں نے اقوامِ عالم میں عزت پائی، ان میں اپنی مدد آپ کی خوبی مشترک ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

جو قوموں کو عروج کے راستے پر گامزن کرتی ہے۔ انھوں نے اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کر کے ترقی کا سفر طے کیا۔

9- ولیم ڈراگن کے اصول کا مفہوم بیان کریں؟

جواب: ولیم ڈراگن کے الفاظ میں آزادی ہماری محنت پر منحصر ہے۔ اگر ہم محنت کرتے رہیں اور اپنی قوتوں کا صحیح استعمال کریں تو اس سے بہتر کوئی طریقہ بہتری کا نہیں ہے۔ گویا محنت اور مستقل مزاجی کامیابی کی بنیاد ہیں۔

10- کون سی خوبی آدمی معزز اور قابلِ ادب بنا دیتی ہے؟

جواب: سرسید کے خیال میں علم اور عمل دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جب آدمی علم کو اپنے عمل میں ڈھال لیتا ہے اور اپنے کردار کو بلند کر لیتا ہے تو یہ خوبیاں اسے معزز اور قابلِ ادب بنا دیتی ہیں۔ گویا عمل ہی انسان کی عظمت کی بنیاد ہے۔

سوال 2: درست جواب کا انتخاب کیجیے۔

1- خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں، یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ:

(ا) کہاوت ہے (ب) مقولہ ہے (ج) ضرب المثل ہے (د) محاورہ ہے

2- ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش اس کی سچی:

(ا) تنزلی کی بنیاد ہے (ب) شہرت کی بنیاد ہے (ج) عزت کی بنیاد ہے (د) ترقی کی بنیاد ہے

سوال 3: سبق "اپنی مدد آپ" کو پیش نظر رکھتے ہوئے، درج ذیل جملے مکمل کریں۔

1- خدا ان کی مدد کرتا ہے جو ---------- مدد کرتے ہیں۔ (آپ اپنی)

2- جس طرح پانی خود ---------- میں آجاتا ہے۔ (اپنی پنسال)

3- قوم شخصی ---------- کا مجموعہ ہے۔ (حالتوں)

4- قوم کی سچی ---------- کرو۔ (خیر خواہی)

5- ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ ---------- ملے۔ (خضر)

سوال 4: سبق "اپنی مدد آپ" کا مرکزی خیال لکھیں جو پانچ جملوں سے زیادہ نہ ہو۔

جواب: اس مضمون کا بنیادی تصور اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی فرد یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ گویا اپنی مدد آپ ہی افراد یا قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد ہے۔ جو شخص یا قومیں اس جذبے سے عاری ہو جاتی ہیں وہ آہستہ آہستہ غیرت اور عزت سے محروم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے علم کی نسبت عمل انسان کو معزز اور قابلِ ادب بنا دیتا ہے۔

سوال 5: سیاق و سباق کے حوالے سے اقتباس کی تشریح کریں۔

قومی ترقی مجموعہ ہے .... حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے۔

جواب: دیکھیے: اقتباسات کی تشریح۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: سرسید نے قوم کی اصلاح اور ترقی کے لیے کیا اندازہ لگایا۔

جواب: انھوں نے اندازہ لگایا کہ کسی بھی قوم کی ترقی اور اصلاح تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں مسلمانوں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تعلیم وتربیت پر صرف کیں۔علی گڑھ کالج اس کی روشن مثال ہے اور عام مسلمان گھرانوں کے لیے انھوں نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔

سوال2: اُردو نثر کے معاملے میں سرسید کا بڑا کارنامہ کیا ہے۔

جواب: سرسید کے زمانے میں اُردو نثر میں شاعرانہ انداز اور قافیہ بندی کا بہت رواج تھا۔اس کے علاوہ مبالغہ آرائی اور خیالی باتوں کا ذکر بھی عام تھا۔سرسید کا اُردو نثر پر احسان یہ ہے کہ ایک تو انھوں نے سادہ اور آسان نثر کو رواج دیا۔دوسرا انھوں نے خیالی قصوں کی بجائے حقیقی موضوعات اور مقصدیت کو مدنظر رکھا۔

سوال3: سرسید نے ادب کو کس چیز کا ذریعہ بنایا۔

جواب: سرسید ادب برائے ادب کے قائل نہیں تھے۔وہ ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔اس لیے انھوں نے ادب کو معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔وہ ادب جو حسن وعشق اور خیالی دنیا تک محدود تھا، انھوں نے اسے حقیقت نگاری اور اصلاح کے لیے استعمال کیا۔

سوال4: جب کسی شخص یا گروہ کے لیے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

جواب: جب کسی شخص یا گروہ کے لیے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اپنی مدد آپ کا جذبہ اور سوچ اس کے دل سے مٹ جاتی ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس میں غیرت اور جرأت جیسی خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ شخص یا قوم دوسروں کی نظر میں ذلیل ہو جاتی ہے۔

سوال5: سرسید کے خیال میں گورنمنٹ کے عمدہ ہونے سے انسان کو کیا فائدہ ملتا ہے۔

جواب: ان کے خیال میں گورنمنٹ کے عمدہ ہونے سے انسان کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ہاں صرف یہ ہے کہ انسان کو آزادی سے اپنی صلاحیتوں کو آزمانے اور ان کے استعمال کا موقع ملتا ہے۔اس کے علاوہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی شخصی حالت کو بہتر بنانے کے لیے کوشش کر سکتا ہے۔

سوال6: سرسید کے نزدیک جو عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ میں کی جاتی ہیں، ان کی حیثیت کیا ہے۔

جواب: ان کے خیال میں جو عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ میں کی جاتی ہیں، ان کی حیثیت کسی فانوسِ خیال سے زیادہ نہیں ہوتی۔جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی تو دیتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں ہوتیں یعنی صرف ایک وہم ہوتی ہیں۔

سوال7: جان اسٹیورٹ مل کے قول کا مفہوم کیا ہے۔

جواب: اس کے خیال میں اگر عوام میں اپنی اصلاح کرنے کا جذبہ موجود ہے تو ایک ظالم اور اپنی مرضی کرنے والی حکومت بھی برے نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔جو چیز اپنی اصلاح کے جذبے کو برباد کر سکتی ہے، وہی اصل میں نقصان دہ ہے۔

سوال8: انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر غور کرنے سے کیا معلوم ہوتا ہے۔

جواب: انسان جب اپنی گزری ہوئی نسلوں کے حالات پر غور کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسان کی نسل در نسل محنت سے حاصل ہوئی ہے۔یعنی ہر نسل نے محنت کی اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ گئی۔اس طرح انسانی تہذیب کی عمارت ترقی کرتی رہی۔

سوال9: ہمیں اپنے پرکھوں کی جائیداد کس لیے دی گئی ہے۔

جواب: یہ جائیداد ہمیں اس لیے دی گئی ہے کہ اس کو ترقی دیں اور ترقی یافتہ حالت میں آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جائیں۔یہ اس لیے نہیں دی گئی کہ ہم اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں اور اس کی حفاظت کریں۔

سوال10: ایک عاجز اور مسکین آدمی جو محنت اور ایمان داری سے اپنا کام کرتا ہے، اس کا آنے والی نسلوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔

جواب: ایک عاجز اور مسکین آدمی جو محنت اور ایمان داری سے اپنا کام کرتا رہتا ہے، اس کا آنے والی نسلوں کی بھلائی پر بڑا عمدہ اثر پڑتا ہے۔اس کا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (KOUSER FAHIM AD)

کرداراور اثر آنے والی نسلوں میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے اور ایک اچھی مثال بن جاتا ہے۔

سوال 11: کون سا علم انسان کو انسان بناتا ہے۔

جواب: سرسید کے خیال میں عملی علم انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی علم سے انسان کو روحانی اور مادی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ انسان اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہ ہوتا ہے اور اس طرح انسان اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

سوال 12: لارڈ بیکن کے قول کا مفہوم کیا ہے۔

جواب: اس کے خیال میں انسان کا عمل اس کے علم سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ یعنی جب تک انسان جو سیکھتا ہے، اسے اپنے عمل میں نہیں لاتا تب تک وہ معزز اور قابلِ ادب نہیں بن سکتا۔ مختصر یہ کہ عمل علم سے زیادہ درجہ رکھتا ہے اور یہی انسان کو عزت دار بناتا ہے۔

سوال 12: کیا آپ سرسید کے خیال سے متفق ہیں۔

جواب: ۔سرسید کے خیال سے جزوی اتفاق ہے۔ اس کلیے کو ہر جگہ لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک انسان جب اپنی حالت بدلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی حالت بدلتی چلی جاتی ہے۔ لیکن جہاں تک ایک قوم کی بات ہے تو وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ قوم میں ایک اجتماعی سوچ، جذبہ یا عمل پیدا کرنے کے لیے فرد سے زیادہ حکومت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ کیوں کہ حکومت ہی لوگوں کو منظم کرنے کے لیے قانون اور تربیت کے لیے تعلیمی نظام بناتی ہے۔ جیسے اگر ایک سکول کے تمام بچے خود چاہیں بھی تو خود کو اجتماعی طور پر منظم نہیں کر سکتے جب تک سکول انتظامیہ اور اساتذہ مل کر انھیں منظم نہ کریں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ سرسید احمد خان پیدا ہوئے:

(ا) دلی ✓ (ب) لکھنؤ (ج) فیض آباد (د) علی گڑھ

2۔ والد اور بھائی کی وفات کے بعد سرسید پر کون سا رنگ نمایاں ہو گیا:

(ا) سیاسی (ب) علمی (ج) مذہبی ✓ (د) صوفی

3۔ 1857 کی جنگ آزادی کے وقت سرسید کہاں موجود تھے:

(ا) دلی (ب) علی گڑھ (ج) لکھنؤ (د) بجنور ✓

4۔ سرسید نے اندازہ لگایا کہ کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں:

(ا) سیاست کے بغیر (ب) مذہب کے بغیر (ج) تعلیم کے بغیر ✓ (د) دولت کے بغیر

5۔ سرسید نے مسلمانوں کی تربیت اور اصلاح کے لیے کون سا رسالہ جاری کیا۔

(ا) تعلیم و تربیت (ب) پھول (ج) تہذیب الاخلاق ✓ (د) راوی

6۔ سرسید کا ایک بڑا کارنامہ ترویج دینا ہے:

(ا) سادہ اور آسان نثر کو ✓ (ب) کہانیوں کو

(ج) شاعری کو (د) مکتوب نگاری کو

7۔ سرسید نے اردو نثر میں رواج دیا:

(ا) خیالی باتوں کو (ب) فرضی قصوں کو (ج) مقصدیت کو ✓ (د) ادب کو

8۔ سر سید نے ادب کو ذریعہ بنایا:
(ا) دولت کمانے کا (ب) شہرت کا (ج) اخلاقیات کا (د) اصلاح کا ✓

9۔ جب کوئی دوسرا کسی شخص یا گروہ کے لیے کچھ کرتا ہے تو ان کے دل میں کم ہو جاتا ہے:
(ا) اپنی مدد آپ کا جذبہ ✓ (ب) دولت کمانے کا جذبہ
(ج) شہرت حاصل کرنے کا شوق (د) صحت بہتر کرنے کا شوق

10۔ ''خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں'' یہ ایک عمدہ ________ ہے:
(ا) کہانی (ب) نظریہ (ج) محاورہ (د) مقولہ ✓

11۔ سچی ترقی کی بنیاد ہے:
(ا) خوش حالی (ب) اپنی مدد آپ کا جذبہ ✓ (ج) معاشی حالت (د) معاشرتی حالت

12۔ ایک نہایت عمدہ انسانی قوت ہے:
(ا) وقار (ب) عزت (ج) غیرت ✓ (د) ضمیر

13۔ انسان کی اصل چمک دمک ہے:
(ا) عزت ✓ (ب) غیرت (ج) قوت (د) شرافت

14۔ ________ کی تمام قومیں اچھے بادشاہ کو ترقی اور خوشی کا ذریعہ سمجھتی ہیں:
(ا) یورپ (ب) ایشیا ✓ (ج) امریکہ (د) افریقہ

15۔ اپنی مدد آپ کا جذبہ سچی ترقی کی ________ ہے:
(ا) تصویر (ب) ابتدا (ج) بنیاد ✓ (د) انتہا

16۔ یہ بات ________ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں مدد نہیں ملتی:
(ا) درست (ب) سچ (ج) بے شبہ ✓ (د) غلط

17۔ گورنمنٹ کا فرض بہ نسبت مثبت اور باعمل ہونے کے زیادہ تر ________ اور مانع ہے:
(ا) مشکل (ب) الجھا ہوا (ج) منفی ✓ (د) کمزور

18۔ قانون کیسا بھی ہو سست کو محنتی اور فضول خرچ کو ________ نہیں بنا سکتا:
(ا) سخی (ب) کفایت شعار ✓ (ج) امیر (د) خوش حال

19۔ گورنمنٹ جن لوگوں پر حکومت کرتی ہے ان کا ________ ہوتی ہے:
(ا) آئینہ (ب) مثال (ج) خواب (د) عکس ✓

20۔ یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے کہ جیسی قوم ہو ویسی ہی اس کی ________ ہوتی ہے:
(ا) تصویر (ب) ترقی (ج) حکومت ✓ (د) پیداوار

21۔ عمدہ رعایا پر عمدہ اور جاہل رعایا پر ________ حکومت کرنی پڑتی ہے:
(ا) بری (ب) نااہل (ج) جاہل (د) اکھڑ ✓

22۔ شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمان داری اور شخصی ہمدردی ________ کا مجموعہ ہے:
(ا) خاندانی ترقی (ب) قومی ترقی ✓ (ج) حکومت (د) قبائلی ترقی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(OUSEEFAHMAD)

23۔ قومی ہمدردی سے بے پروا اور خود غرضی کا غلام اصل ________ ہے:
(ا) انسان (ب) غلام ✓ (ج) جاہل (د) ظالم

24۔ جان سٹیورٹ مل بہت بڑا دانا ________ گزرا ہے:
(ا) حکیم ✓ (ب) مدبر (ج) دانش ور (د) شخص

25۔ قومی ترقی کے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ کوئی ________ ملے:
(ا) بڑا رہنما (ب) بادشاہ (ج) خضر ✓ (د) عقلمند اور حکیم

26۔ لالہ اشرفی مل ہر روز ________ کی پوجا کرتے ہیں:
(ا) مورتی (ب) لکشمی ✓ (ج) بچھی (د) بتوں

27۔ اور پر بھروسا ________ کو برباد کر دیتا ہے:
(ا) عزت (ب) غیرت (ج) قوم (د) انسان ✓

28۔ اپنی مدد آپ کا اصول ________ کر دیتا ہے:
(ا) غلاز کو (ب) آزادی کو (ج) بدیوں کو ✓ (د) نیکیوں کو

29۔ اوروں پر بھروسا اور اپنی مدد آپ کے اصول ایک دوسرے کے ________ ہیں:
(ا) متوازی (ب) ضد (ج) مخالف ✓ (د) متضاد

30۔ ولیم ڈراگن کہاں کا رہنے والا تھا:
(ا) جرمنی (ب) آئرلینڈ ✓ (ج) انگلینڈ (د) سکاٹ لینڈ

31۔ ولیم ڈراگن نے کامیابی کا ذریعہ بتایا ہے:
(ا) استقلال (ب) محنت (ج) محنت اور دعا (د) استقلال اور محنت ✓

32۔ مثل مارِ سرِ گنج میں "مار" سے مراد ہے:
(ا) گنجا آدمی (ب) سانپ
(ج) نگران (د) خزانے کے اوپر بیٹھا ہوا سانپ

33۔ دوسروں کے چال چلن پر اثر انداز ہوتا ہے:
(ا) علم (ب) شخصی چال چلن ✓ (ج) کڑا احتساب (د) حکومتی اثر

34۔ زندگی کے برتاؤ کا علم کام آتا ہے:
(ا) مدرسے میں (ب) دوستوں کے ملنے میں (ج) کارخانے میں (د) ہر جگہ ✓

35۔ ________ آدمی کی زندگی کو درست اور اس کے علم کو باعمل بناتا ہے۔ یہ قول ہے:
(ا) سرسیّد (ب) ولیم ڈراگن (ج) سٹیورٹ مِل (د) لارڈ بیکن ✓

36۔ سبق "اپنی مدد آپ" کے مصنف کا نام ہے:
(ا) مولوی ذکاء اللہ (ب) سرسیّد احمد خاں ✓ (ج) مشتاق صدیقی (د) رتن ناتھ سرشار

37۔ سبق "اپنی مدد آپ" کس کتاب سے لیا گیا ہے:
(ا) مقالاتِ سرسیّد ✓ (ب) آثار الصنادید (ج) خطباتِ احمدیہ (د) حیاتِ جاوید

✪✪✪✪✪

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

جھوٹے لوگ

مولوی ذکاء اللہ

(۱۸۳۲ء - ۱۹۱۰ء)

مصنف کا تعارف:

مولوی ذکاء اللہ دِلّی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ثناء اللہ تھا۔ بارہ برس کی عمر میں دہلی کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں مولوی محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد کا ساتھ ہو گیا اور ان تینوں میں بڑے تعلقات پیدا ہو گئے۔ مولوی ذکاء اللہ کو ریاضی سے خاص مناسبت تھی۔ ماسٹر رام چندر ریاضی کے استاد تھے۔ وہ اپنے اس لائق شاگرد پر خاص عنایت فرماتے تھے۔ ذکاء اللہ اکثر اوّل آتے اور وظیفے حاصل کرتے تھے۔ دو تمغے بھی اپنی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر حاصل کیے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر اسی کالج میں معلمِ ریاضی مقرر ہو گئے۔ پھر آگرہ کالج میں سات سال تک اُردو اور فارسی کے معلم رہے۔ ۱۸۵۵ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ گیارہ سال یہ فرائض انجام دے کر ۱۸۶۶ء میں نارمل اسکول دلّی کے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ تین سال کے بعد اورینٹل کالج کی لکچراری کے لیے پروانۂ تقرر آیا لیکن اتفاق سے اس کے ساتھ ہی میور سنٹرل کالج الٰہ آباد کی پروفیسری بھی انہیں پیش کی گئی۔ اُنہوں نے الٰہ آباد کو ترجیح دی اور ۱۵ سال اس کالج میں فارسی کے پروفیسر رہ کر ۱۸۸۵ء میں پنشن حاصل کی۔ پھر عمر کے باقی ۲۴ سال خانہ نشین رہ کر تصنیف و تالیف میں گزار دیے۔

ان کی وفات کے بعد ڈپٹی نذیر احمد کا ایک مضمون، ان کے متعلق، رسالہ تمدن دہلی (بابت اگست ۱۹۱۱ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں مولوی ذکاء اللہ کے بعض خاص حالات لکھے گئے ہیں۔ اس مضمون کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:

"بعض مسلمان یہ بھی پوچھ بیٹھتے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کس قسم کے عالم پیدا کرے گی جو پانچ یونیورسٹیاں آج تک پیدا نہ کر سکیں۔ آج کو مولوی ذکاء اللہ زندہ ہوتے، تو میں انہیں کو پیش کر دیتا کہ مسلم یونیورسٹی درجۂ تکمیل کو پہنچ کر وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیز (اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں)، ان جیسے عالم پیدا کرے گی: کریم النفس (شریف آدمی)، وسیع الاخلاق، منکسر المزاج (عاجز)، روشن دماغ، متنوع المعلومات (جس کے پاس قسم قسم کی معلومات ہوں)، کثیر التصانیف (زیادہ کتابیں لکھنے والا)، خیر خواہ عامۂ خلائق (لوگوں کا بھلا چاہنے والا)، فیاض طبع (سخی مزاج، کھلے دل کا)۔۔۔ راسخ الاعتقاد (اپنے عقیدے میں پختہ)، صلح کل (سب کے ساتھ بنا کے رکھنے والا)، مرنجاں مرنج (وہ شخص جو ہر حالت میں خوش رہے)۔"

سبق کا تعارف:

زیرِ نظر سبق ایک مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے جھوٹ بولنے والوں کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ جھوٹ بولنے والوں کی اقسام بیان کرتے ہیں اور ان کی نفسیات پر بحث کرتے ہیں۔ ان کی اس تحریر میں اصلاحی رنگ بہت نمایاں ہے۔ مختصر یہ کہ وہ جھوٹ سے بچنے، سادگی اور سچائی کو اپنانے کا درس دے رہے ہیں۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 11

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ضرب المثل	ایسی بات جو زمانوں کے تجربات سے ثابت شدہ ہو	ملکات نفسانی	نفس کی عادتیں
دروغ گو	جھوٹ بولنے والا	رئیس	سردار
حافظہ	یادداشت	خادم	نوکر
نباشد	نہیں ہے	اہل فرانس	فرانس والے
بنج بیوپار	کاروبار، خرید و فروخت	گودن	احمق، نادان
تعلق	واسطہ	دل پھر جانا	دل اکتا جانا
افلاطون	یونان کا مشہور فلاسفر	انوکھی	منفرد
قوائے عقلیہ	عقل کی صلاحیتیں	صدق دل سے	سچے دل سے
دیوتا	مراد سردار	تراش کر	خود سے بنا کر
اختراع	نئی بات نکالنا	حکایت	کہانی
بھیس	روپ	موافق	کے مطابق
بھانڈ پھوٹنا	اصل بات سامنے آنا	راستی	سچائی
نقشِ اول	پہلا نشان	مستحکم	مضبوطی
استوار	قائم	اختراعی جھوٹ	اپنی طرف سے بنایا گیا جھوٹ
قاعدہ	اصول، طریقہ		

صفحہ نمبر 12

فروغ دکھائے	پھلے پھولے	اندیشہ	خطرہ
ملمع	نقل	جانشین	کسی کی جگہ بیٹھنے والا
نفاق	اتفاق کی ضد	رشتہ مندی	تعلق
قلعی کھلنا	حقیقت آشکار ہونا	متمکن	براجماں ہونا، بیٹھنا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
گھڑکر	خود ساختہ	صلح کل	صلح رکھنے والا، سب سے دوستی رکھنے والا
متضاد	مخالف	فخر کرنا	قابل عزت جاننا
منقش	نقش ہو جانا	فریب	دھوکا
سراسر	پورا، مکمل	دغا	جعل سازی
فقط	صرف	سبب	وجہ
نُطق	گویائی زبان بولنے کی قوت	کِذب	جھوٹ
جنگ زرگری	دولت بنانے کی جنگ، دکھاوے کی لڑائی، مصنوعی لڑائی		

صفحہ نمبر 13

باہمی تعلقات	آپس کے تعلقات	گوشمالی کرنا	کان کھینچنا، سزا دینا
فساد	لڑائی جھگڑا	سرکشی	بپھر کر انکار کرنا، نافرمانی
رواج	دستور	نہ چھوٹائیں	نہ روکیں
معصوم	گناہوں سے پاک	چسکا	شوق، لگن، ذائقہ
خطائیں	غلطیوں	بھلے مانس	شریف
بے باک	نڈر	تشخص	اپنی شخصیت
گستاخیوں	بے ادبی کرنا	تعلّی	اپنی بڑائی بیاں کرنا
گھڑنا	اپنی طرف سے بات بنانا	گانٹھتا ہے	داخل کرتا ہے
عیب	بُرائی	شبہ	شک
اہلِ پیشہ	مختلف پیشوں والے	بھاؤ	قیمت
وکلا	وکیل کی جمع		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

اب سنو کہ ایک جھوٹے تو وہ ہوتے ہیں ---------------- بدل بدل کر اس طرح بیان کریں کہ وہ جھوٹ ہو جائے۔ (صفحہ 11)

سبق کا عنوان: جھوٹے آدمی

مصنف کا نام: مولوی ذکا اللہ

تشریح

زیرِ نظر سبق ایک مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے جھوٹ بولنے والوں کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ جھوٹ بولنے والوں کی اقسام بیان کرتے ہیں اور ان کی نفسیات پر بحث کرتے ہیں۔ ان کی اس تحریر میں اصلاحی رنگ بہت نمایاں ہے۔ مختصر یہ کہ وہ جھوٹ سے بچنے، سادگی اور سچائی کو اپنانے کا درس دے رہے ہیں۔

زیرِ بحث اقتباس میں مولوی ذکا اللہ جھوٹ بولنے والوں کی دو بڑی قسمیں بیان کی ہیں۔ ان کے خیال میں ایک تو وہ لوگ ہیں جو بات تو جھوٹی کہتے ہیں لیکن وہ اسے پورے خلوصِ دل سے اسے سچ سمجھتے ہیں۔ یعنی وہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ جھوٹ دراصل ان کی سمجھ یا ناقص علم کا قصور ہوتا ہے۔ وہ اپنے جھوٹ کو سچ سمجھ کر پورے ایمان کے ساتھ بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے خیال میں دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ جس جھوٹی بات کو بیان کرتے ہیں، اسے دل میں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اسے محض اس لیے لوگوں کے سامنے سچ بنا کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ اسے سچ سمجھیں۔ ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو ذاتی یا گروہی مفاد کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔

مصنف اس دوسری قسم کے جھوٹوں کی مزید دو قسمیں بیان کرتا ہے۔ پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو خود جھوٹی بات گھڑتے ہیں۔ وہ جھوٹی بات تخلیق کرتے ہیں۔ اسے سر سے پاؤں تک ایجاد کرتے ہیں اور پھر لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں۔ وہ اپنی جھوٹی بات کو کہیں سے لیتے نہیں ہیں بلکہ خود ایجاد کرتے ہیں۔ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والوں کی دوسری قسم وہ ہے جو لوگ کسی سچ بات کو جھوٹ بنا کر دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ اکثر سچی بات کو اپنے خیال کے مطابق بدل کر جھوٹ بنا دیتے ہیں۔ ایسا اکثر دیکھنے میں آتا ہے جب ایک شخص کو سچ بات سے فائدہ نہیں ہوتا تو وہ اسے بدل کر فائدہ کماتا ہے۔

اقتباس 2:

دوسری صورت جس میں ایک جھوٹی بات ---------------- نکل جائے گی، پھر قلعی کھل جائے۔ (صفحہ 12)

سبق کا عنون: جھوٹے آدمی

مصنف کا نام: مولوی ذکا اللہ

تشریح

زیرِ نظر سبق ایک مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے جھوٹ بولنے والوں کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ جھوٹ بولنے والوں کی اقسام بیان کرتے ہیں اور ان کی نفسیات پر بحث کرتے ہیں۔ ان کی اس تحریر میں اصلاحی رنگ بہت نمایاں ہے۔ مختصر یہ کہ وہ جھوٹ سے بچنے، سادگی اور سچائی

MDCATBY(FUTUREDOCTORS)(TOUSEEFAHMAD)

اپنانے کا درس دے رہے ہیں۔

زیر بحث اقتباس میں مصنف جھوٹوں کی دو قسموں میں سے پہلی طرح کے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ کسی جھوٹی بات کو خود سے گھڑ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ ایک جھوٹ کو دل میں ایجاد کرتے ہیں اور پھر اسے پھیلاتے ہیں۔ چوں کہ ان کی اس بات کے پیچھے سرے ہی سے کوئی سچی بات موجود نہیں ہوتی اس لیے انھیں جھوٹ اور سچ کی کشمکش سے نہیں گزرنا پڑتا۔

یعنی پہلی صورت میں تو ایک شخص جس کے دل میں سچی بات بھی ہو اور وہ اسے جھوٹ بنالے تو وہ شخص ضرور کشمکش میں مبتلا رہے گا۔ لیکن اوپر بیان کیا گیا شخص، جس نے خود سے جھوٹ گھڑا ہوتا ہے، اسے اس قسم کی فکر سے نہیں گزرنا پڑتا۔

پہلی صورت میں سچی بات کو جھوٹ کا لباس اُتار کر دیکھ لینا آسان ہوتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں جب جھوٹ خود سے گھڑا جاتا ہے اور اس کا پتلا بنایا جاتا ہے، ایسی صورت میں جھوٹ کے پکڑے جانے کا خوف کم ہوتا ہے۔ کیوں کہ پہلے سے کوئی سچی بات موجود ہی نہیں ہوتی۔ ہاں صرف یہ ڈر ہے کہ چوں کہ جھوٹ خود گھڑا ہوتا ہے اس لیے اسے بیان کرنے میں اور اس کی ترکیب الٹ پلٹ ہونے سے انسان ایک ہی بات کو مختلف انداز میں بیان کر سکتا ہے۔ جس سے جھوٹ پکڑے جانے کا ڈر ہو سکتا ہے۔

اقتباس 3:

تم نے بہت سے آدمی دیکھے ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔صلحِ کُل رکھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ (صفحہ 12)

سبق کا عنوان: جھوٹے آدمی

مصنف کا نام: مولوی ذکا اللہ

تشریح

زیرِ نظر سبق ایک مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے جھوٹ بولنے والوں کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ جھوٹ بولنے والوں کی اقسام بیان کرتے ہیں اور ان کی نفسیات پر بحث کرتے ہیں۔ ان کی اس تحریر میں اصلاحی رنگ بہت نمایاں ہے۔ مختصر یہ کہ وہ جھوٹ سے بچنے، سادگی اور سچائی کو اپنانے کا درس دے رہے ہیں۔

زیر بحث اقتباس میں مصنف جھوٹے لوگوں کی قسموں میں سے ایک قسم بیان کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جھوٹ بولنے والوں کی ایک قسم وہ ہے جو جیسا وقت اور موقع دیکھتے ہیں، اسی طرح کی بات گھڑ لیتے ہیں یا جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ اس معاملے میں جھوٹ سچ کا بالکل بھی خیال نہیں رکھتے۔ عموماً یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خوشامد کرنے والے، طاقت ور کو سلام کرنے والے، اپنا فائدہ دیکھ کر بات بدلنے والے ہوتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ سچ بات کیا ہے بلکہ یہ فائدہ دیکھ کر یا اپنا رعب قائم کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔

چوں کہ عام طور پر یہ لوگ وقتی فائدے دیکھ کر یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں اس لیے ان کے جھوٹ کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ ایک شخص کو ایک بات کہیں گے تو دوسرے شخص کو دوسری بات۔ گویا ہر شخص کے ساتھ بات پر بات بدلتے چلے جائیں گے۔ ایک شخص کے سامنے کسی چیز کے حق میں دلائل دیں گے اور دوسرے کے سامنے اسی چیز کی مخالفت میں زمین آسمان ایک کر دیں گے۔

چوں کہ دل میں کوئی بات میں پورے یقین کے ساتھ موجود نہیں ہوتی اس لیے جھوٹ پر جھوٹ گھڑتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ دوسروں کو خوش کیا جائے۔ ایسی باتیں کر کر کے وہ اپنے آپ کو صلحِ کُل سمجھنے لگتے ہیں۔ یعنی ایسا آدمی جو ہر ایک سے صلح کر کے رہے۔ لیکن حقیقت میں یہ سراسر منافقت ہے۔ یعنی انسان کسی ایک سچی بات پر قائم رہنے کی بجائے جتنے لوگ ہوں، اتنے جھوٹ بنائے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

یہ جھوٹ اور منافقت کی جمع ہے۔اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس مرض سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

شہر میں کوئی بشر ایسا نہ تھا جس کے چہرے پہ کوئی چہرا نہ تھا

اقتباس 4:

اکثر ماں باپ اپنے بچوں کو ان کی معصوم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو وہ بڑے ہونے پر اور بڑھے گا۔(صفحہ 13)

سبق کا عنوان: جھوٹے آدمی

مصنف کا نام: مولوی ذکا اللہ

تشریح

زیر نظر سبق ایک مضمون ہے جس میں مصنف نے جھوٹ بولنے والوں کا تجزیہ کیا ہے۔وہ جھوٹ بولنے والوں کی اقسام بیان کرتے ہیں اور ان کی نفسیات پر بحث کرتے ہیں۔ان کی اس تحریر میں اصلاحی رنگ بہت نمایاں ہے۔مختصر یہ کہ وہ جھوٹ سے بچنے، سادگی اور سچائی کو اپنانے کا درس دے رہے ہیں۔

زیر بحث اقتباس میں مصنف ماں باپ کو ایک بڑی ہی عمدہ نصیحت کر رہے ہیں۔چوں کہ سبق کا موضوع جھوٹے لوگ ہیں اس لیے وہ ماں باپ کو بچوں کو جھوٹ سے بچانے کے لیے سمجھاتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ عام طور پر ماں باپ بچوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر یا غلطیوں پر سزا دیتے ہیں۔یا بچوں کو شرارت کرنے پر اور گستاخیوں پر سزا دیتے ہیں لیکن مصنف کے خیال میں ماں باپ کو بچوں کو سزا صرف دو چیزوں پر دینی چاہیے۔ایک جھوٹ بولنے پر اور دوسرا نافرمانی پر۔

یہ دو ایسی برائیاں ہیں جو انسانی کردار کو خرابی کی طرف لے جاتی ہیں۔جب ایک بچہ شروع شروع میں انجانے میں جھوٹ بولنا شروع کرتا ہے اور اسے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔اسے معصوم سمجھ کر معاف کر دیا جاتا ہے۔تو اس کے دل میں یہ بات پختہ ہوتی جاتی ہے کہ یہ کوئی برا کام نہیں ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شروع میں انجانے میں جھوٹ بولنا، آہستہ آہستہ عادت بن جاتا ہے۔اور انسان کو اس بری عادت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ معمولی کام ہے۔دوسرا نافرمانی کی برائی اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو وہ اس کے کردار کا حصہ بن جاتی ہے۔پہلے پہل وہ ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے، پھر وہ اساتذہ کی نافرمانی کا برا کام کرتا ہے اور پھر جب اس میں یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے تو وہ اللہ کی نافرمانی کا گناہ کرنے سے بھی نہیں شرماتا۔

اسی لیے مصنف یہ سمجھتے ہیں کہ باقی سب کچھ چھوڑ کر صرف ان دو برائیوں پر ضرور سزا دینی چاہیے یا سختی کرنی چاہیے۔ماں باپ صرف ان دو برائیوں کو نظر میں رکھیں ورنہ بچے کے کردار میں جو خامیاں پیدا ہوں گی وہ اس کی فطرت کو مسخ کر دیں گیں۔اس کی وجہ بنیادی یہ ہے کہ جھوٹ اور نافرمانی تمام برائیوں کی جڑ ہیں۔

مشق

ا۔ جھوٹے آدمی کے حافظے کے بارے میں مولانا ذکاءاللہ نے جو ضرب المثل بیان کی ہے۔اُس کا مفہوم بیان کریں۔

جواب: جھوٹ آدمی کے بارے میں جو ضرب المثل بیان کی ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ جھوٹے آدمی کا حافظہ نہیں ہوتا۔یعنی چونکہ وہ جھوٹ گھڑ

MDCAT(FUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD)

ہے، ایک ہی بات کو کئی طرح سے بیان کرتا ہے، اس لیے کوئی ایک بات اس کے حافظے میں نہیں رہتی اور وہ کسی بھی بیان کی ہوئی بات کو یاد نہیں رکھ پاتا۔

۲۔ **کس چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے آدمی کو اپنے وعدے یاد نہیں رہتے؟**

جواب: مولوی ذکاءاللہ کے مطابق ایسا آدمی جس کا حافظہ کمزور ہوتا ہے، اسے کچھ یاد نہیں رہتا۔ کیونکہ حافظہ ہی ایسی قوت ہے جو انسان کو تمام چیزیں یاد رکھنے میں مدد کرتی ہے۔ اسی سے انسان کو اپنے وعدے یاد رہتے ہیں۔

۳۔ **مصنف نے جھوٹوں کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں؟**

جواب: مصنف کے مطابق جھوٹوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں: ایک وہ جو جھوٹ تو بولتے ہیں لیکن اپنی بات کو سچ سمجھتے ہوئے۔ دوسرے وہ جو جھوٹ گھڑتے ہیں یعنی اپنی طرف سے بات بنا کر جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو سچی بات کو جھوٹ بناتے ہیں اور دوسرے وہ جو پورا کا پورا جھوٹ ہی گھڑ لیتے ہیں۔

۴۔ **انسانوں میں باہمی رشتۂ منطق کس سبب سے ہے؟**

جواب: مصنف کے مطابق انسانوں کے درمیان باہمی تعلق "نطق"، یعنی بولنے کی قوت کی وجہ سے ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے اور اسی کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا تبادلہ کرتے ہیں اور یوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہو سکتے ہیں۔

۵۔ **جھوٹ سے سچ کا جاننا کیوں مشکل ہوتا ہے؟**

جواب: مصنف کے خیال میں جب کوئی ایک جھوٹی بات کو اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرے اور اس کے مقابلے میں کوئی سچی بات اس کے دل میں نہ ہو تو ایسے جھوٹ کو پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔

۶۔ **درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔**

الفاظ و محاورات	جملے
اختراعی جھوٹ	اسے اختراعی جھوٹ کی اس قدر عادت ہو چکی ہے کہ اس کے لیے سچ بولنا ناممکن ہو چکا ہے۔
نقشِ اول	جو نقشِ اول دل پر جم جائے، وہ مٹتا نہیں۔
سچی حکایت	کچھ لوگ اپنے مطلب کی خاطر سچی حکایت کو بھی جھوٹ بنا دیتے ہیں۔
اندیشہ	ایک جھوٹے شخص کو ہر لمحہ پول کھلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔
جانشین	اکبر کے بعد جہانگیر اس کا جانشین بنا۔
منقش	قلعے کے منقش دروازے آج بھی مغلوں کے ذوق کی نشانی ہیں۔
ملکات نفسانی	حافظہ تمام ملکاتِ نفسانی کا رئیس ہے۔

۷۔ **جھوٹے لوگوں کی جو خصلتیں مصنف نے بیان کی ہیں۔ انہیں مفصل لکھیے۔**

جواب: جھوٹے لوگ سچی حکایت کو بھی بدل دیتے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے بات گھڑتے ہیں جس میں سچ نام کو نہیں ہوتا۔ وہ موقع محل دیکھ کر اپنی بات بدل لیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ لوگوں کو خوش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

۸۔ ''جھوٹے آدمی'' میں جو مرکبات مستعمل ہیں، اُن کی نشاندہی کریں۔
جواب: ضرب المثل، قوائے عقلیہ، ملکاتِ نفسانی، صدقِ دل، نقشِ اول، جنگِ زرگری، صلح کل، اہلِ پیشہ

۹۔ مرکب مصادر کسے کہتے ہیں؟ پانچ مرکب مصدر تلاش کر کے لکھیں۔
جواب: اگر کسی مصدر سے پہلے کوئی اسم لگا دیا جائے تو وہ مرکب مصدر بن جاتا ہے۔ مرکب مصادر درجِ ذیل ہیں:
جھوٹ بولنا، مار کھانا، سرزنش کرنا، ڈینگیں مارنا، جوش آنا

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: مشہور ضرب المثل، جھوٹ آدمی کا حافظہ نہیں ہوتا، کے بارے میں عقل کیا کہتی ہے۔
جواب: عقل کہتی ہے کہ یہ ضرب المثل بہ ظاہر ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جب تک ایک جھوٹے آدمی کا حافظہ اچھا نہیں ہوگا، وہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ اپنے جھوٹ کو پھیلا نہیں سکتا۔ اسے ہر دفعہ اپنے جھوٹ کو بیان کرنے کے لیے یاد رکھنا پڑتا ہے۔ اس لیے خیال میں جھوٹ اور حافظہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

سوال 2: جس جھوٹ کی بنیاد سچ پر ہو، اس کا قائم رہنا کیوں مشکل ہوتا ہے۔
جواب: ایک تو بنیادی قاعدہ ہے کہ سچ کے مقابلے میں جھوٹ قائم نہیں رہ سکتا۔ دوسرا سچ کا اثر ہمیشہ دل پر قائم رہتا ہے۔ اس کی بنیاد دل میں مضبوط رہتی ہے۔ اس لیے اس پر جھوٹ کی جو قلعی چڑھائی جاتی ہے، وہ آہستہ آہستہ اُتر جاتی ہے اور سچ سامنے آجاتا ہے۔

سوال 3: مصنف کے خیال میں کس قسم کے جھوٹے لوگ اپنے آپ کو صلح کل سمجھتے ہیں۔
جواب: مصنف کے خیال میں وہ لوگ جو جیسا موقع اور وقت دیکھتے ہیں، ویسی ہی بات گھڑ لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کسی سچ جھوٹ کی پروا نہیں کرتے۔ ایک ہی معاملے میں ایک شخص سے ایک بات کہتے ہیں اور دوسرے شخص سے دوسری بات۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو صلح کل سمجھتے ہیں۔

سوال 4: مصنف کے خیال میں ماں باپ کو بچوں کو کس بات پر سزا دینی چاہیے۔
جواب: اکثر ماں باپ بچوں کو چھوٹی چھوٹی شرارتوں پر سزا دیتے ہیں لیکن مصنف کے خیال میں ماں باپ کو بچوں کو صرف دو باتوں پر سزا دینی چاہیے۔ ایک جھوٹ بولنے پر اور دوسری نافرمانی کرنے پر۔ کیونکہ جب تک یہ برائیاں ختم نہیں ہوں گی، دوسری برائیاں جڑ پکڑتی رہیں گی۔

سوال 5: مصنف کے خیال میں وہ کون سے بھلے مانس ہیں جنھیں جھوٹ بولنے کی بیماری ہوتی ہے۔
جواب: مصنف کے خیال میں کچھ لوگ ہوتے تو بھلے مانس ہیں لیکن انھیں جھوٹ بولنے کی بیماری ہوتی ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اپنی داستانیں بالکل اسی طرح بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، جس طرح شاعر اپنی بڑائی کے قصے گھڑتے ہیں۔ گویا وہ دوسروں کے سامنے برتر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوال 6: وہ کون لوگ ہیں جو اپنے فائدے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔
جواب: وہ لوگ جو اپنے فائدے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں، زیادہ تر دکان دار اور اہلِ پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہوتے تو شریف ہیں لیکن اپنے اپنے کاموں میں فائدے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ مثلاً دکان دار بھاؤ تاؤ کرتے ہوئے یا وکیل مقدمہ لڑتے ہوئے جھوٹ بولتے ہیں۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ مولوی ذکاءاللہ کا سن پیدائش ہے:
(ا) 1830ء (ب) 1831ء (ج) 1832ء ✓ (د) 1833ء

2۔ مولوی ذکاءاللہ کا سن وفات ہے:
(ا) 1910ء ✓ (ب) 1911ء (ج) 1912ء (د) 1913ء

3۔ مولوی ذکاءاللہ پیدا ہوئے:
(ا) علی گڑھ (ب) لاہور (ج) دلی ✓ (د) لکھنؤ

4۔ مولوی ذکاءاللہ کے والد کا نام تھا:
(ا) ثناءاللہ (ب) کلیم اللہ (ج) حبیب اللہ (د) نقیب اللہ

5۔ مولوی ذکاءاللہ دلی کالج میں کس عمر میں داخل ہوئے:
(ا) دس (ب) گیارہ (ج) بارہ ✓ (د) تیرا

6۔ مولوی ذکاءاللہ کو خاص مناسبت تھی:
(ا) شاعری سے (ب) مصوری سے (ج) ریاضی سے ✓ (د) فلکیات سے

7۔ مولوی ذکاءاللہ کس کالج میں ریاضی کے معلم مقرر ہوئے:
(ا) دلی کالج ✓ (ب) فورٹ ولیم کالج (ج) آگرہ کالج (د) علی گڑھ کالج

8۔ مولوی ذکاءاللہ کس کالج میں سات سال تک اردو اور فارسی پڑھاتے رہے:
(ا) دلی کالج (ب) فورٹ ولیم کالج (ج) آگرہ کالج ✓ (د) علی گڑھ کالج

9۔ مولوی ذکاءاللہ ڈپٹی انسپکٹر مدارس بنے:
(ا) 1852ء (ب) 1853ء (ج) 1854ء (د) 1855ء ✓

10۔ مولوی ذکاءاللہ کس سکول کے ہیڈ ماسٹر بنے:
(ا) علی گڑھ سکول (ب) اسلامیہ سکول (ج) سنٹرل ماڈل سکول (د) نارمل سکول دلی ✓

11۔ مولوی ذکاءاللہ نے سنٹرل کالج الہ آباد میں کتنا عرصہ فارسی پڑھائی:
(ا) تیرا سال (ب) چودہ سال (ج) پندرہ سال ✓ (د) سولہ سال

12۔ مولوی ذکاءاللہ کی وفات پر ڈپٹی نذیر احمد کا مضمون کس رسالے میں شائع ہوا:
(ا) تہذیب الاخلاق (ب) تمدن ✓ (ج) زمانہ (د) ہمایوں

13۔ سبق ''جھوٹے لوگ'' کے مصنف کا نام ہے:
(ا) مولوی ذکاءاللہ ✓ (ب) سر سیّد احمد خاں (ج) غلام مصطفیٰ خاں (د) رتن ناتھ سرشار

14۔ ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' ایک مشہور ______ ہے:
(ا) مقولہ ✓ (ب) روزمرہ (ج) قول (د) محاورہ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEF AHMAD)

15۔ دروغ کو فروغ دینے کے لیے ضرورت ہوتی ہے:
(ا) عقل کی (ب) دولت کی (ج) تعلقات کی (د) حافظے کی ✓

16۔ افلاطون نے تمام قوائے عقلیہ کا دیوتا کہا ہے:
(ا) اعصابی نظام کو (ب) دل کو (ج) حافظے کو ✓ (د) دماغ کو

17۔ فرانسیسی کسی کو کودن کہنا چاہیں تو کہتے ہیں کہ وہ ________ نہیں رکھتا:
(ا) عقل (ب) حافظہ ✓ (ج) سمجھ (د) دماغ

18۔ ''جھوٹے لوگ'' میں مصنف نے جھوٹوں کی قسمیں بتائی ہیں:
(ا) ایک (ب) دو ✓ (ج) تین (د) چار

19۔ جو لوگ کسی سچی حکایت کو جھوٹ بناتے ہیں اس کی بنیاد ________ پر ہوتی ہے:
(ا) درستی (ب) سچائی ✓ (ج) جھوٹ (د) پانی

20۔ سچی حکایت کو جھوٹ کی بنیاد بنانا گویا ________ ہے:
(ا) سچ کو جھوٹا لباس پہنانا (ب) سچ پر جھوٹ کی ملمع کاری ✓
(ج) جھوٹ پر سچ کی ملمع کاری (د) فریب

21۔ صلح کل وہ لوگ ہوتے ہیں جو:
(ا) لوگوں کا دل خوش کرتے ہیں ✓ (ب) ہر ایک سے جھوٹ بولتے ہیں
(ج) جھوٹ سچ ملا دیتے ہیں (د) ہر ایک سے بنا کر رکھتے ہیں

22۔ صلحِ کل دراصل ________ ہے:
(ا) دھوکا (ب) جھوٹ (ج) منافقت ✓ (د) ا، ب اور ج

23۔ انسانوں کے درمیان باہم رشتہ مندی ________ کی وجہ سے ہے:
(ا) دوستی (ب) ہمسائگی (ج) خونی رشتے (د) نطق ✓

24۔ نطق میں کذب شامل کرنے سے پھیلتا ہے:
(ا) فتنہ (ب) فساد ✓ (ج) جھوٹ کا رواج (د) شر

25۔ جھوٹ زیادہ نقصان دہ ہے:
(ا) تلوار اور آگ سے ✓ (ب) بم سے (ج) جنگ سے (د) بیماری سے

26۔ بعض بھلے مانس پیشہ ورانہ جھوٹ کو ________:
(ا) برا سمجھتے ہیں (ب) برا نہیں سمجھتے ✓ (ج) جائز سمجھتے ہیں (د) جھوٹ نہیں سمجھتے

27۔ سبق ''جھوٹے لوگ'' کا ماخذ ہے:
(ا) آنگن (ب) تنقیدی زاویے (ج) محاسن الاخلاق ✓ (د) فسانہ آزاد

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

نظریۂ پاکستان

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

(۲۳/ستمبر ۱۹۱۲ء - ۲۵/ستمبر ۲۰۰۵ء)

مصنف کا تعارف:

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان جبل پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام گلاب خان تھا، جو نسلاً پٹھانوں کے یوسف زئی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم جبل پور سے حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ وہاں سے اُنہوں نے فارسی، اُردو اور قانون کا امتحان پاس کیا اور امراؤتی کالج ناگ پور میں بطور استاد مقرر ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ کراچی چلے آئے۔ یہاں وہ پہلے اُردو کالج اور پھر سندھ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اُردو مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کو بے شمار سرکاری وغیر سرکاری اعزازات سے نوازا گیا۔ وہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی یونیورسٹیوں میں پی-ایچ-ڈی سطح پر لکھے جانے والے کئی مقالات کے ممتحن رہے۔

اُردو تحقیق کی روایات کو مستحکم کرنے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا اہم کردار ہے۔ اُنہوں نے خود بھی گرانقدر خدمات انجام دیں اور تحقیقی کام کرنے والوں کی سرپرستی بھی کی۔ اُنہوں نے زبان کے ساتھ اس کے اثرات کی دریافت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں معنی اور مطلب کی پوری وضاحت کر دیتے تھے۔ دینی معلومات ہوں، علمی، ادبی یا تحقیقی، ان کا اندازِ بیان توضیحی (وضاحت کے انداز میں) اور تشریحی (تشریح کے انداز میں) تھا۔ وہ دقیق (مشکل) خیالات کو بڑی آسانی اور روانی سے قلم بند کرتے تھے۔ انکسار اور سادہ بیانی ان کے اسلوب کا حصہ ہے۔ فارسی میں ان کی مہارت مسلّمہ حیثیت (مانا ہوا۔ جسے سب تسلیم کریں۔) ہے۔

سبق کا تعارف:

یہ سبق ایک مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے برصغیر کے مسلمانوں کی تقریباً چار سو سالہ تاریخ بیان کی ہے۔ اس میں اکبر کے دور سے لے کر قیامِ پاکستان تک تاریخ کا سفر دکھایا گیا ہے۔ اور ان اہم شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے تاریخی اور سیاسی شعور کو آگے بڑھایا۔ مختصر یہ سبق تحریکِ پاکستان کی تاریخ اور نظریہ پاکستان کی تشریح ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر (16)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
رواداری	لحاظ، رعایت	شیوہ	طور طریقہ، عادت
غلبہ حاصل کرنا	غلبہ پالینا' برتری حاصل کرنا	الحاد	دین سے پھرنا، سیدھے راستے سے ہٹنا
عمل دخل	مداخلت	رائج کرنا	رواج دینا

MDCATBYFUTUREDOCTORSKTOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سربلندی	سرفرازی	نفاق	پھوٹ، دشمنی
سر اٹھانا	قوت پکڑنا	قدم جمانا	مستحکم ہونا
انتشار	افراتفری	ولولہ	جوش، جذبہ

صفحہ نمبر (17)

مفاہمت	صلح صفائی، سمجھوتہ	غنیمت جاننا	کافی سمجھنا، فائدہ مند جاننا
قابض	قبضہ کرنے والا	زک پہنچانا	تکلیف پہنچانا
بہم پہنچائی	مہیا کی	عناد	دشمنی
فریب	دھوکا	تحفظ	حفاظت

صفحہ نمبر (18)

عملی جامہ پہنانا	عملی شکل دینا	خودمختار	اپنے فیصلے خود کرنے کا اختیار، آزاد
استوار کرنا	مضبوط کرنا	تشکیل کرنا	شکل دینا، بنانا
قیاس	خیال	ملت	ایک عقیدے کی بنیاد پر بننے والی قوم

صفحہ نمبر (19)

جمعیت	اکٹھ، اجتماع	اشاعت	جاری کرنا
انحصار	دارومدار	اتحاد	اتفاق، دوستی، محبت
اقلیت	تعداد میں کم ہونا	معرض وجود میں آنا	عملی روپ لینا، بن جانا
ملک و نسب	ملکی حدود اور قبیلے خاندان کی بنیاد پر	اخوت	بھائی چارہ
مستحکم	مضبوط	عدل	انصاف
بندھن	قید، پھندہ	ترویج دینا	رواج دینا
جداگانہ	الگ	یقین	بھروسا، اعتبار
مساوات	برابری	عمل پیہم	مسلسل عمل، محنت
محض	صرف		
ذات پات	گروہ، نسلی بنیاد پر گروہ بندی جیسے ہندوؤں میں برہمن، اچھوت وغیرہ۔		
چھوت چھات	اعلیٰ ذات والوں کا چھوٹی ذات والوں سے چھونے سے پرہیز		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر (20)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مفاد	فائدہ	توانا	مضبوط
ان شاءاللہ	اگر اللہ نے چاہا	فلاحی مملکت	ایسی ریاست جس میں عوام کو ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہوں

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ (صفحہ 16)

سبق کا عنوان: نظریہ پاکستان

مصنف کا نام: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے برِ صغیر کے مسلمانوں کی تقریباً چار سو سال کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس میں اکبر کے دور سے لے کر قیام پاکستان تک تاریخ کا سفر دکھایا گیا ہے۔ اور ان اہم شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے تاریخی اور سیاسی شعور کو آگے بڑھایا۔ مختصر یہ سبق تحریکِ پاکستان کی تاریخ اور نظریہ پاکستان کی تشریح ہے۔

زیرِ بحث اقتباس میں مصنف نے شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ اُس زمانے میں اکبر کے دور سے شروع ہونے والی خرابیاں اپنی انتہاؤں کو چھو رہی تھیں۔ اور دوسری طرف اورنگزیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ گویا ایک طرف سیاسی زوال تھا تو دوسری طرف مسلمانوں میں معاشرتی برائیاں جڑ پکڑنے لگی تھیں اور ہندوانہ اثرات ان کے گھر میں داخل ہونے لگے تھے۔

ان حالات میں شاہ ولی اللہ اور ان کے بیٹوں شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ شاہ ولی اللہؒ نے مجدد الف ثانیؒ کی طرح مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ انھوں نے مسلمانوں میں ہندوانہ رسم و رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے قرآن کی تعلیم عام کرنے کے لیے اس کا فارسی ترجمہ کیا۔ ان کے ایک بیٹے شاہ رفیع الدین نے قرآن کا پہلا اردو ترجمہ کیا۔ شاہ عبدالقادر نے قرآن کی پہلی اردو تفسیر لکھی۔ اس کے علاوہ بھی یہ خاندان قرآن و حدیث کا علم عام کرنے کے لیے اپنی ممکن کوششیں کرتا رہا۔

اس کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسمٰعیل نے، جو شاہ عبدالغنی کے بیٹے تھے، اپنے مرشد سید احمد بریلویؒ کے ساتھ مل کر انگریزوں اور سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔ ان کا مقصد ہندوستان کو آزاد کروا کے اس میں اسلامی قوانین نافذ کرنا تھا۔ لیکن چند سرداروں کی غداری کی وجہ سے، یہ دونوں مجاہد 6 مئی 1831ء کو بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ لیکن ان کی شہادت سے مسلمانوں کے اندر ایک جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا جس نے آگے چل ہندوستان کی تاریخ کو بدل ڈالا۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

اقتباس 2:

چناں چہ 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔احساسِ کمتری کو دور کرنے کی کوشش کی۔(صفحہ 16-17)

سبق کا عنوان: نظریہ پاکستان

مصنف کا نام: ڈاکٹر غلام مصطفی خان

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے جس میں مصنف نے برصغیر کے مسلمانوں کی تقریبا چار سو سال کی تاریخ بیان کی ہے۔اس میں اکبر کے دور سے لے کر قیام پاکستان تک کا سفر بیان کیا گیا ہے۔اور ان اہم شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے تاریخی اور سیاسی شعور کو آگے بڑھایا۔مختصر یہ سبق تحریکِ پاکستان کی تاریخ اور نظریہ پاکستان کی تشریح ہے۔

زیرِ بحث اقتباس میں مصنف 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد کے حالات اور سر سید احمد خان کا کردار بیان کر رہے ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ اورنگزیب کی وفات سے شروع ہونے والا زوال 1857ء تک اپنی انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ مسلمان اپنی کمزوریوں اور غیروں کی سازشوں کی وجہ سے ہندوستان کی حکومت کھو چکے تھے۔ جنگ آزادی لڑی گئی جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ہندوستان مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے ان پر ہر طرح کا ظلم اور ستم ڈھایا۔ان کا قتل عام کیا گیا۔ان کی جاگیریں چھین لی گئیں۔انھیں دہلی سے نکل جانے کا حکم سنا دیا گیا۔سرکاری نوکریوں کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیے گئے۔مسلمانوں کا تعلیمی نظام ختم کر کے انگریزی نظامِ تعلیم نافذ کیا گیا۔یہ سب کچھ انگریزوں نے اس لیے کیا کیوں کہ انھوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا۔اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اقتدار واپس لے سکیں۔اس کسمپرسی کا نقشہ میر تقی میر نے ان الفاظ میں کھینچا تھا:

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں　　　تھا کل تلک دماغ جنھیں تاج و تخت کا

ان حالات میں جب مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان فاصلے بڑھ چکے تھے۔سر سید احمد خان نے جو راستہ چنا، وہ یہ تھا کہ انگریزوں سے تعلقات بہتر کیے جائیں۔ان کی تہذیب کو اختیار کیا جائے۔ان کے لائے ہوئے تعلیمی نظام میں پڑھ لکھ کر سرکاری نوکریاں حاصل کی جائیں۔اُن کے خیال میں یہ سب اس لیے ضروری تھا کہ انگریزوں سے فاصلے کم کیے جا سکیں جو اب ہندوستان کے حکمران تھے۔ان کے اس خیالات کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کی بڑی مخالفت کی لیکن وہ اپنے کام میں لگے رہے۔انھوں نے انفرادی اصلاح پر توجہ دی۔زوال کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں انھیں دور کرنے کی کوشش کی۔تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے احساسِ کمتری کو دور کیا جا سکے۔

اقتباس 3:

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔(صفحہ 19)

سبق کا عنوان: نظریہ پاکستان

مصنف کا نام: ڈاکٹر غلام مصطفی خان

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے۔جس میں مصنف نے برصغیر کے مسلمانوں کی تقریبا چار سو سال کی تاریخ بیان کی ہے۔اس میں اکبر

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

سے لے کر قیامِ پاکستان تک کا سفر دکھایا گیا ہے۔ اور ان اہم شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے تاریخی اور سیاسی شعور کو آگے بڑھایا۔ مختصر یہ سبق تحریکِ پاکستان کی تاریخ اور نظریہ پاکستان کی تشریح ہے۔

زیر بحث اقتباس میں مصنف مسلمانوں کے نظریہ قومیت کی وضاحت کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے وہ بتا چکے ہیں کہ دنیا میں قومیت کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک وہ جو مغرب نے قائم کی ہے اور جس کی بنیاد رنگ، نسل اور زبان پر ہے۔ دوسری وہ جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کی تھی اور جس کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر ہے۔ یعنی مسلمانوں کا نظریہ قومیت مغرب کے نظریہ قومیت سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں رنگ، نسل، زبان اور وطن کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہ اسلام کے عقیدہ توحید سے وجود میں آیا ہے۔ جس میں ہر رنگ، ہر نسل، ہر زبان بولنے والے اور ہر وطن کے لوگ شامل ہو سکتے ہیں۔

اس میں اگر فارس کے رہنے والے سلمان فارسیؓ کے لیے جگہ ہے تو اس میں روم سے آنے والے صہیبؓ بھی بھائی ہے اور اس میں حبشہ سے تعلق رکھنے والے بلال سیدنا بلالؓ بن سکتے ہیں۔ اس میں کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اس میں برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ قومیت کی یہ بنیاد نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر کی خاک تک لوگوں کو ایک جسمِ واحد بنا دیتی ہے۔ جو ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ اسی نظریاتی بنیاد کی وجہ سے اسے ملت یا امت کہا گیا ہے۔ ایسی ملت یا امت جس میں دنیا کے ہر شخص کے لیے جگہ ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ مسلم قومیت میں تو ہر نسل، ہر رنگ، ہر زبان اور ہر خطے کے لوگ شامل تھے۔ لیکن اسے جس قوم کے ماتحت بن کر رہنا تھا وہ اپنی بنیاد پر اسلامی قومیت سے بالکل مختلف تھی۔ وہ بت پرستی اور ذات پات میں الجھی ہوئی تھی۔ اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں نے ایک الگ زمین کا خطہ لینے کا مطالبہ کیا جہاں اپنے نظریے اور عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

اقتباس 4:

ہمیں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔ (صفحہ: 19)

سبق کا عنوان: نظریہ پاکستان

مصنف کا نام: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے برصغیر کے مسلمانوں کی تقریباً چار سو سال کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس میں اکبر کے دور سے لے کر قیامِ پاکستان تک کا سفر دکھایا گیا ہے۔ اور ان اہم شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے تاریخی اور سیاسی شعور کو آگے بڑھایا۔ مختصر یہ سبق تحریکِ پاکستان کی تاریخ اور نظریہ پاکستان کی تشریح ہے۔

زیر بحث اقتباس میں مصنف نظریہ پاکستان کی بنیاد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ نظریہ پاکستان محض ایک قومیت کا نعرہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادوں میں اسلام کے تصورات موجود ہیں۔ نظریہ پاکستان کا مقصد ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزاری جا سکے۔

وہ لکھتے ہیں کہ نظریہ پاکستان کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر جو معاشرہ بنے اس میں برابری، مساوات، عدل، دیانت، خدا ترسی، انسانی ہمدردی اور کردار کی عظمت جیسے اسلامی تصورات کو فروغ دیا جائے۔ یعنی اس میں اچھائیوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے اور برائیوں کو دبایا جا سکے۔ مصنف کے نزدیک تبھی وہ معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلا سکتا ہے۔

ان کے خیال میں نظریہ پاکستان کا مطلب صرف ایک حکومت قائم کرنا نہیں ہے کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں تو پہلے بھی ایشیا اور افریقہ میں موجود ہیں۔ اس کا اصل مقصد ایک ایسی ریاست بنانا ہے جہاں اسلام کے سنہری اصولوں کو نافذ کیا جا سکے۔ جس کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچایا جا سکے۔ جہاں اسلام کے احکامات کو نافذ کر کے ایک مثالی ریاست بنائی جا سکے جو پوری دنیا کے لیے ایک مثال ہو۔ جسے دیکھ کر لوگ اسلام کے سنہری اصولوں کی سچائی کو جان سکیں۔ الغرض اس کا مقصد وہی ہے جو اقبال کا خواب تھا یعنی ایک ایسا ملک جہاں اسلام کے احکامات کو نافذ کر کے دنیا کے سامنے ایک مثال رکھی جا سکے۔

ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی

(چرخِ نیلی فام: نیلا آسمان۔ گردِ راہ: راستے کی گرد مراد راستہ۔ کارواں: قافلہ مراد مسلمان امت)

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(الف) بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری سے کیا نقصان ہوا؟

جواب: بادشاہ اکبر نے رواداری کو فروغ دینے کے لیے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں۔ ہندوؤں کو مملکت میں بڑے بڑے عہدے دیے۔ جس سے ملکی سیاست میں ان کا عمل دخل بڑھ گیا اور ہندوانہ کلچر عام ہو گیا۔ یعنی اس رواداری سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔

(ب) مجدد الف ثانیؒ نے اسلام کی کیا خدمت انجام دی؟

جواب: انھوں نے اکبر کے دینِ الٰہی کے خلاف آواز اُٹھائی اور اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد کی۔ اس وجہ سے انھیں قید میں بھی رہنا پڑا۔ ان کی کوششوں سے شاہ جہاں اور بعد میں اس کا بیٹا اورنگ زیب دین کے خادم بنا اور ہندوستان میں اسلامی اصولوں پر پھر سے عمل ہونے لگا۔

(ج) حیدر علی اور سلطان ٹیپو انگریزوں کے خلاف جنگ میں کیوں ناکام ہوئے؟

جواب: میسور کے حکمرانوں حیدر علی اور سلطان ٹیپو نے ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اول تو ملک کے دوسرے سرداروں نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور دوسرا اپنوں کی غداری نے ان کی شکست میں اہم کردار ادا کیا۔ یہاں اپنوں سے مراد وہ نواب اور سردار تھے جو انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

(د) کانگریس کا قیام کب عمل میں آیا اور اس کے بنیادی مقاصد کیا تھے؟

جواب: کانگریس کا قیام 1885ء میں عمل میں آیا۔ آغاز میں اس کے بنیادی مقاصد میں یہ شامل تھا کہ وہ پورے ہندوستان کے رہنے والوں کو ان کے حقوق دلوائیں گے لیکن بعد میں یہ جماعت صرف ہندوؤں کے مفادات کے لیے کام کرتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی جماعت بنانے کا خیال پیدا ہوا۔

(ہ) شدھی اور سنگھٹن جیسی انتہا پسند تحریکیں چلانے کا مقصد کیا تھا؟

جواب: جس زمانے میں تحریکِ خلافت شروع ہوئی، اسی زمانے میں انتہا پسند ہندوؤں کی طرف سے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کی گئیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے۔ سنگھٹن تشدد پسند تحریک تھی۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(و) نظریۂ پاکستان سے کیا مراد ہے؟

جواب: نظریہ پاکستان سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اپنے عقیدے، تہذیب، ثقافت، رہن سہن، تاریخ، ہیرو، رسم و رواج کے لحاظ سے ایک الگ قوم ہیں لہٰذا وہ ایک الگ وطن کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

(ز) نظریۂ پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لیے آپ کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

جواب: اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب صرف ایک ہی چیز پیشِ نظر رکھیں کہ ہمارا جینا مرنا صرف اسلام کے لیے ہے۔ یہ ملک بھی اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اس لیے اسے صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست بنانے کے لیے ہمیں دن رات محنت کرنی چاہیے اور اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

۲۔ درست جواب کا انتخاب کریں۔

(ا) مصنف کے خیال کے مطابق مسلمانوں نے ہمیشہ کس چیز کو اپنا شیوہ بنایا؟

(الف) انسانیت　(ب) رواداری　(ج) صداقت

(ب) مجدد الف ثانیؒ نے کس کے عہد میں سختیاں جھیلیں؟

(الف) جہانگیر　(ب) اکبر　(ج) اورنگزیب

(ج) شاہ اسماعیل کا شاہ ولی اللہؒ دہلوی سے رشتہ تھا:

(الف) بھائی کا　(ب) والد کا　(ج) پوتے کا

(د) تحریک خلافت کے رہنما تھے:

(الف) مولانا شوکت علی　(ب) مولانا محمد علی جوہر　(ج) دونوں

(ہ) مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے کی ناپاک تحریک کا نام تھا:

(الف) آریہ سماج　(ب) سنگٹھن　(ج) شدھی

(و) آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا:

(الف) ۱۹۰۳ء میں　(ب) ۱۹۰۵ء میں　(ج) ۱۹۰۶ء میں

(ز) اقبالؒ نے سب سے پہلے خطبہ الہ آباد میں آزاد وطن کا نظریہ پیش کیا:

(الف) ۱۹۰۳ء میں　(ب) ۱۹۳۰ء میں　(ج) ۱۹۳۵ء میں

(ح) نہرو رپورٹ شائع ہوئی:

(الف) ۱۹۲۳ء میں　(ب) ۱۹۲۸ء میں　(ج) ۱۹۲۹ء میں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

۳۔ درج ذیل الفاظ وتراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ ومحاورات	جملے
کفروالحاد	آج کل کفروالحاد کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے۔
رائج	ہمارے ہاں انگریزی قانون آج بھی رائج ہے۔
تہذیبی اصلاح	آج بھی تہذیبی اصلاح کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔
خلیفہء اسلام	حضرت عمر رضی حضرت ابوبکر صدیق رضی کے بعد خلیفہء اسلام منتخب ہوئے۔
قومیت	اسلام کا تصور قومیت مغرب سے بالکل مختلف ہے۔
مثالی مملکت	مدینہ کی اسلامی ریاست ایک مثالی مملکت تھی۔
انتشار	ہمارے ملک میں مغربی تہذیب کے اثرات سے انتشار برپا ہے۔
مستحکم	ایک مستحکم پاکستان ہی عالمِ اسلام کا لیڈر بن سکتا ہے۔
معرضِ وجود	پاکستان 14 اگست 1947 کو معرضِ وجود میں آیا۔

۴۔ اس مضمون سے کم از کم پانچ ایسے جملے تلاش کر کے لکھیں جن میں امدادی فعل کا استعمال ہو۔

1۔ جب کفروالحاد اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔
2۔ ملک میں کافرانہ طور طریقے رائج ہو گئے تھے۔
3۔ لیکن انگریزی اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔
4۔ اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہو سکتا۔
5۔ انھوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: اُردو تحقیق کے سلسلے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کا کیا کردار ہے؟

جواب: بنیادی طور پر اُردو تحقیق کی روایت کو مستحکم کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا کردار بہت زیادہ اہم ہے۔ انھوں نے خود بھی تحقیق میں بہت زیادہ کام کیا اور تحقیقی کام کرنے والوں کی سرپرستی بھی کی ہے۔

سوال 2: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا اسلوب کیسا تھا؟

جواب: ڈاکٹر صاحب کا اسلوب آسان اور سادہ تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں معنی اور مطلب کی وضاحت کر دیتے تھے۔ وہ کسی بھی قسم کی تحریر لکھتے تھے، اُن کا انداز وضاحت کرنے والا ہوتا تھا۔ مشکل خیالات بھی اُن کی تحریر میں آ کر آسان ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُن کے اسلوب میں عاجزی ایک نمایاں خوبی ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(FOUZIA FAHMAD)

سوال3: اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کو زوال کیوں شروع ہوا۔

جواب: اورنگ زیب کی وفات کے بعد اُس کے بیٹوں کے درمیان کبھی اتحاد اور اتفاق نہ ہو سکا۔ اُن کے درمیان انتشار اور کمزوری کا فادہ اُٹھا کر مرہٹوں اور ہندوؤں نے اپنے پیر پھیلانے شروع کیے اور انگریزوں نے اپنے قدم مضبوط کر لیے۔ اس طرح ہندوستان میں بتدریج مغلیہ سلطنت کو زوال آتا چلا گیا۔

سوال4: شاہ ولی اللہ اور اُن کے بیٹوں نے کیا خدمات سرانجام دیں۔

جواب: اورنگ زیب کی وفات کے بعد مسلمانوں میں سیاسی زوال کے ساتھ ان میں مذہبی اور معاشرتی زوال بھی شروع ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے بیٹوں نے مسلمانوں کی معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کے لیے کوششیں کی۔ اس کے علاوہ ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل نے سید احمد بریلوی کے ساتھ ملک کو آزاد کروانے کے لیے اپنی جان قربان کی۔

سوال5: 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو ناکامی کیوں ہوئی؟

جواب: مغل حکومت اورنگ زیب کی وفات کے بعد بتدریج کمزور ہوتی گئی۔ دوسری طرف انگریز 1857ء تک پورے ہندوستان میں اپنی گرفت مضبوط کر چکے تھے۔ اس لیے اگرچہ مسلمانوں نے آزادی حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اُن کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

سوال6: سرسید نے انگریزوں سے مفاہمت کیوں ضروری سمجھا؟

جواب: جب مسلمان 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکام ہو گئے اور انگریز پورے ملک پر قابض ہو گئے تو سرسید نے انگریزوں سے مفاہمت کا راستہ تلاش کیا۔ تاکہ مسلمان اپنی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح کر سکیں اور احساس کمتری سے باہر نکل سکیں۔

سوال7: پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں اور مسلمانوں میں رنجشیں کیوں پیدا ہو گئیں؟

جواب: پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کا مقابلہ جرمنی سے تھا اور خلافت عثمانیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چونکہ خلافت عثمانیہ کو مسلمانوں کی دینی اور سیاسی وحدت کی علامت سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے خلافت کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ اور مسلمانوں میں رنجشیں پیدا ہو گئیں۔

سوال8: انگریزوں نے خلافت عثمانیہ کے حوالے سے مسلمانوں سے کیا وعدہ کیا تھا؟

جواب: انھوں نے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ جنگ جیت گئے تو وہ خلافت کو نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن جنگ جیتنے کے بعد انگریز اپنے وعدے سے مکر گئے اور انھوں نے خلافت عثمانیہ کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

سوال9: قرارداد پاکستان کی وضاحت کریں؟

جواب: جب مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کا دین، تہذیب اور رہن سہن سب کچھ غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں سے مختلف ہے تو انھوں نے اپنے لیے الگ وطن کا مطالبہ پیش کیا۔ یہ قرارداد 23 مارچ 1940ء میں لاہور کے منٹو پارک میں پیش کی گئی جسے قرارداد پاکستان کہا جاتا ہے۔

سوال10: دنیا میں قومیت کی بنیادیں کون کون سی ہیں؟

جواب: دنیا میں قومیت کی بنیادیں دو ہیں۔ ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم کیں۔ جس کے اہم عناصر رنگ، زبان، نسل اور جغرافیائی حدود ہیں۔ دوسری بنیاد وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی جو عقیدہ توحید پر کھڑی ہے جس کی رُو سے ساری دنیا کے مسلمان ایک ملت ہیں۔

سوال11: مسلمانوں کی نظریاتی قومیت کی وضاحت کریں؟

جواب: مسلمانوں کی نظریاتی قومیت لا الہ الا اللہ پر قائم ہے۔ یہ زبان، رنگ، نسل اور جغرافیائی حدود سے بلند ہے۔ یعنی ساری دنیا کے مسلمان

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ایک قوم یا ملت ہیں اور ان کے درمیان لا الہ الا اللہ کا رشتہ قائم ہے۔ انھیں ایک لڑی میں پروئے رکھتا ہے۔

سوال 12: مسلمانوں کی نظریاتی قومیت، مغرب کی نظریاتی قومیت سے کس طرح جدا ہے؟

جواب: چونکہ مسلمانوں کی نظریاتی قومیت عقیدہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ پر قائم ہے۔ اس لیے یہ مغرب کی نظریاتی قومیت کی طرح کی زبان، رنگ، نسل یا جغرافیائی حدود کو نہیں مانتی ہے اور یہی ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق ہے۔ پس ساری دنیا کے مسلم ایک قوم اور وجود ہیں۔

سوال 13: کیا نظریہ پاکستان کا مقصد صرف ایک حکومت قائم کرنا تھا؟

جواب: نظریہ پاکستان کا مقصد صرف ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ اس کا مقصد اسلامی اصولوں کو نافذ کرنا، انھیں دنیا میں پھیلانا اور ساری دنیا کے لیے ایک مثالی ریاست قائم کرنا تھا۔

سوال 14: پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو کیوں ناگوار گزرا؟

جواب: ہندوؤں کو پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ اس لیے ناگوار گزرا کہ اول تو ان کے ایک ہندوستان کا تصور ختم ہو گیا۔ دوسرا وہ اکثریت میں تھے۔ اس لیے اگر ہندوستان اکٹھا رہتا تو وہ آسانی سے مسلمانوں کی طاقت اور شناخت ختم کر سکتے تھے۔

سوال 15: اگر ہم نظریہ پاکستان کے پیشِ نظر اپنی سیرت اور کردار کو ڈھالا تو کیا فائدہ ہوگا۔

جواب: اگر ہم اپنی سیرت اور کردار کو نظریہ پاکستان کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں بلند ہوں گے۔ اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایک مضبوط اور عظیم پاکستان بنانے میں کامیاب ہوں گے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا سن پیدائش ہے:

(ا) سنہ ۱۹۱۱ء (ب) سنہ ۱۹۱۲ء ✓ (ج) سنہ ۱۹۱۳ء (د) سنہ ۱۹۱۴ء

2۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا سن وفات ہے:

(ا) سنہ ۲۰۰۵ء ✓ (ب) سنہ ۲۰۰۶ء (ج) سنہ ۲۰۰۷ء (د) سنہ ۲۰۰۸ء

3۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے ایل ایل بی، ایم اے اُردو، ایم اے فارسی کی ڈگریاں کس یونیورسٹی سے حاصل کیں:

(ا) سندھ یونیورسٹی (ب) بنارس یونیورسٹی (ج) علی گڑھ یونیورسٹی ✓ (د) پنجاب یونیورسٹی

4۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے پی ایچ ڈی (اُردو) کب کیا:

(ا) سنہ ۱۹۴۶ء (ب) سنہ ۱۹۴۷ء ✓ (ج) سنہ ۱۹۴۸ء (د) سنہ ۱۹۴۹ء

5۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کس کالج میں بطور استاد مقرر ہوئے:

(ا) دلی کالج (ب) علی گڑھ کالج (ج) امراؤتی کالج ✓ (د) اسلامیہ کالج

6۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے سندھ یونیورسٹی میں خدمات سرانجام دیں:

(ا) بطور صدر شعبہ اُردو ✓ (ب) بطور لیکچرار (ج) بطور چانسلر (د) بطور وائس چانسلر

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

7۔ کس چیز کو مستحکم کرنے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا کردار ہے:

(الف) اردو تنقید کو (ب) اردو تحقیق کو ✓ (ج) اردو ادب کو (د) اردو شاعری کو

8۔ ''اقبال اور قرآن'' کس کی تصنیف ہے:

(الف) ڈاکٹر سیّد عبداللہ (ب) مولوی ذکا اللہ (ج) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ ✓ (د) ڈاکٹر عبادت بریلوی

9۔ مسلمانوں نے ہمیشہ ________ کو اپنا شیوہ بنایا ہے:

(الف) بھائی چارے (ب) محبت (ج) رواداری ✓ (د) مساوات

10۔ ________ کی بے جا رواداری اور ہندوؤں کی سیاست سے مداخلت سے کافرانہ طریقے عام ہو گئے:

(الف) بابر (ب) اکبر ✓ (ج) شاہ جہاں (د) جہاں گیر

11۔ اکبر کے خلاف اسلام کی سربلندی کے لیے ________ نے قید و بند کو قبول کیا:

(الف) مجدد الف ثانیؒ ✓ (ب) شاہ ولی اللہ (ج) شاہ عبدالعزیز (د) سیّد احمد شہید

12۔ مغل بادشاہ ________ دین کا خادم بنا:

(الف) اکبر (ب) بابر (ج) جہاں گیر (د) اورنگزیب عالمگیر ✓

13۔ مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف کی تحریک شروع کی:

(الف) شاہ ولی اللہؒ نے (ب) شاہ ولی اللہ اور ان کے بیٹوں نے ✓

(ج) سرسید نے (د) سراج الدولہ نے

14۔ سیّد احمد اور شاہ اسماعیل کی شہادت ________ میں ہوئی:

(الف) ۱۸۳۰ء (ب) ۱۸۳۱ء ✓ (ج) ۱۸۳۲ء (د) ۱۸۳۳ء

15۔ کانگرس کی بنیاد ________ میں پڑی:

(الف) ۱۸۸۴ء (ب) ۱۸۸۵ء ✓ (ج) ۱۸۸۶ء (د) ۱۸۸۷ء

16۔ سرسیّد نے مسلمانوں کو ________ الگ کرنے کی کوشش کی:

(الف) سیاست سے (ب) انگریزوں سے

(ج) کانگریس سے (د) کانگرس اور ہندوؤں کی سیاست سے ✓

17۔ مسلم لیگ کی بنیاد ________ میں رکھی گئی:

(الف) ۱۹۰۶ء میں ✓ (ب) ۱۹۰۷ء میں (ج) ۱۹۰۸ء میں (د) ۱۹۰۹ء میں

18۔ مسلم لیگ کی بنیاد کس نے رکھی:

(الف) قائداعظم (ب) سرسیّد احمد خاں نے (ج) نواب وقار الملک ✓ (د) الطاف حسین حالی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

19۔ تحریکِ خلافت کے رہنما تھے:
(ا) محمد علی جوہر (ب) شوکت علی (ج) علامہ اقبال (د) ا،ب،ج ✓

20۔ مسلمانوں کو پھر سے ہندو بنانے کی تحریک تھی:
(ا) رام راج (ب) شدھی ✓ (ج) سنگٹھن (د) ب اور ج دونوں

21۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں نے تحریک ______ شروع کی:
(ا) شدھی (ب) سنگٹھن ✓ (ج) کانگریس (د) ا اور ب دونوں

22۔ نہرو رپورٹ ______ میں شائع ہوئی:
(ا) ۱۹۲۷ء میں (ب) ۱۹۲۸ء میں ✓ (ج) ۱۹۲۹ء میں (د) ۱۹۳۰ء میں

23۔ اقبال نے تصورِ پاکستان الٰہ آباد میں ______ دیا:
(ا) ۱۹۲۸ء (ب) ۱۹۲۹ء (ج) ۱۹۳۰ء ✓ (د) ۱۹۳۱ء

24۔ قراردادِ پاکستان منظور ہوئی:
(ا) ۱۹۳۰ء (ب) ۱۹۴۰ء ✓ (ج) ۱۹۴۵ء (د) ۱۹۴۷ء

25۔ قومیت کی تشکیل بنیادوں پر ہوتی ہے:
(ا) دو ✓ (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

26۔ جغرافیائی بنیادوں پر قومیت کی تشکیل کی:
(ا) ہندوؤں نے (ب) مسلمانوں نے (ج) اہلِ مغرب نے ✓ (د) سکھوں نے

27۔ مسلمانوں کی قومیت ______ قومیت ہے:
(ا) جغرافیائی (ب) وطنی (ج) مذہبی ✓ (د) [illegible]

28۔ مسلمانوں کی نظریاتی قومیت کی بنیاد ہے:
(ا) نسل (ب) کلمہ طیبہ ✓ (ج) رنگ (د) وطن

29۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد تھا:
(ا) ایک ملک کا حصول (ب) اسلامی فلاحی مملکت کا قیام ✓
(ج) حکومت حاصل کرنا (د) ہندوؤں سے علیحدگی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

پاکستانی قومیت کا مسئلہ

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

(۵/اپریل ۱۹۰۶ء - ۱۴/اگست ۱۹۸۶ء)

مصنف کا تعارف:

ڈاکٹر سیّد عبداللہ ضلع مانسہرہ کے گاؤں منگلور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآنِ مجید کے ساتھ اُردو کی درسی کتب، حساب، خوش خطی (خوب صورت انداز میں لکھنا)، ابتدائی فارسی اور خطوط نویسی کی تعلیم گھر پر پائی۔ پھر مقامی سکول میں داخلہ لے کر مڈل پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں میٹرک کا امتحان اُنہوں نے اسلامیہ ہائی سکول لاہور سے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں ایف اے اور سنہ ۱۹۲۶ء میں بی اے کرنے کے بعد سنہ ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے ایم اے فارسی کیا۔ یہاں اُنہوں نے پروفیسر حافظ محمود شیرانی، قاضی فضلِ حق اور پروفیسر اسمٰعیل جیسے اساتذہ سے فیض پایا (فائدہ اٹھایا)۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں ایم اے عربی کا امتحان بھی امتیاز سے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں ہی جرمن سرٹیفکیٹ اور سنہ ۱۹۳۴ء میں لائبریری سرٹیفکیٹ کے امتحان پاس کیے۔ سیّد عبداللہ پنجاب یونیورسٹی میں عربیک اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ان کی تقرری اورینٹل کالج لاہور میں استاد کی حیثیت سے ہوئی۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں وہ شعبۂ اُردو میں منتقل ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سنہ ۱۹۵۲ء میں اسی شعبے میں پروفیسر اور پھر صدرِ شعبہ مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج میں پرنسپل کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اُنہیں اُردو سے بے پناہ لگاؤ تھا اور وہ دن رات، بلکہ آخری سانس تک اُردو کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے۔ ۹/مارچ سنہ ۱۹۸۶ء کو شعبۂ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (یہ دراصل "دائرۃ المعارف الاسلامیہ کا اُردو زبان میں کیا گیا ترجمہ ہے جو جامعہ لائڈن، ہالینڈ سے 1913 سے 1918 کے درمیان شائع ہوتا رہا۔ یہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور ڈاکٹر سید عبداللہ کی تجویز پر قائم کیا گیا تھا۔) میں اپنے دفتر میں کام کر رہے تھے کہ ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ کئی ماہ اس مرض میں مبتلا رہنے کے بعد آخر یہ نامور استاد، ادیب، صحافی، عالم اور محسنِ اُردو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

سبق کا تعارف:

یہ سبق ایک مضمون ہے جس میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانی قومیت کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے نظریہ پاکستان اور تشکیل پاکستان کے مقاصد کے پیشِ نظر پاکستانی قومیت کی وضاحت کی ہے کہ اس کی بنیاد اسلام ہے۔ پھر انھوں نے پاکستانی قومیت کے تصور کی روشنی میں صوبائیت پرستی اور گروہ بندی کی نفی پر زور دیا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

MDCATRYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 23

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
قومیت	قوم سے متعلقہ	قطعی	حتمی
بوجھ بجھارت	پہیلی بجھوانا	گنجائش نہیں	جگہ نہیں
مقرروں	تقریر کرنے والوں	تعجب	حیرانی
محرروں	تحریر کرنے والوں	متفقہ تحریک	ایسی تحریک جس پر سب متفق تھے
شب و روز	دن اور رات	تہذیبی ہستی	تہذیبی پہچان، رہن سہن
محکم	واضح، مضبوط	نقطۂ نظر	خیال، سوچ
حجت بازی	تکرار، جھگڑا کرنا	مضطرب	بے قرار
واضح	بغیر الجھاؤ کے	عقیدہ	وہ سوچ جو ہمارے ایمان کا حصہ ہے
مرکزی نقطہ	بنیادی نقطہ	تصور حیات	زندگی کا تصور
نظام زندگی	زندگی کا نظام	پہلو بہ پہلو	پہلو کے ساتھ ساتھ

صفحہ نمبر 24

تحفظ	محفوظ کرنا	بدن	جسم
جغرافیائی	علاقے اور سرحد کے لحاظ سے	سالم	
ظاہر	جو بات سامنے ہو	پریشان کن	پریشان کرنے والے
باطن	ظاہر کا الٹ اندرون	شوشہ	اڑائی گئی بات
تخیل	سوچ	مرکزی عقیدہ	بنیادی عقیدہ
محرک	سبب	گمراہ کن	غلط راستے پر لے جانے والے
تشبیہ	کسی خوبی کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 25

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جزیرۃ العرب	عرب کا جزیرہ	لازم وملزوم	ایک دوسرے کے لیے ضروری
وسیع ہوئی گئیں	پھیلتی گئیں	نفاذ	کسی قانون یا قاعدے کو نافذ کرنا
لپیٹ میں لینا	اپنے اندر سمونا	نظامِ فکر	سوچ کا نظام
رہبانیت	دنیا سے الگ ہو جانا	نظامِ عقائد	عقائد کے نظام
مصائب	مشکلات	بربریت	ظلم وستم
سرچشمہ	بنیاد	قوی	مضبوط
بے پر کی اڑانا	[illegible] مشہور کرنا	نسلی تعصبات	نسلی بنیاد پر ایک دوسرے کو کم تر یا اعلیٰ جانا
وحدت	ایک [illegible]	لڑنے بھڑنے لگنا	آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا
مادہ پرستی	دنیا کی چاہت کی خاطر		

صفحہ نمبر 26

خوفناک	ڈر سے بھرپور	ذی فہم	عقل مند
علاقہ پرستی	اپنے علاقے سے بے جا محبت	لسانی تحریک	زبان سے متعلقہ تحریک
ذہن نشین	ذہن میں بٹھانا	کم فہم	کم عقل
شیرازہ	اتحاد	دانست	سمجھ
منتشر	بکھیر دے	شُبے	شک
تعصب	دشمنی	پس پردہ محرکات	پیچھے چھپے اسباب

صفحہ نمبر 27

علاقائیت	علاقوں کی تقسیم	اشتراک	تعاون
اساس	بنیاد	ماسوا	اس کے علاوہ
تہذیبی وحدت	ایک تہذیب	مساوی	برابر
مداح	تعریف کرنے والا	مسلم اصول	تصدیق شدہ اصول

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
معترف	اعتراف کرنے والا	ظہور میں آیا	قائم ہوا
خواہاں ہوں	خواہش مند ہوں	یک جہتی	مضبوطی
خلل	رکاوٹ	یگانگت	اتحاد

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

مسلمانوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مشترکہ ہندوستان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خطروں سے بچانے کے لیے مضطرب تھے۔ (صفحہ 23)

سبق کا عنوان: پاکستانی قومیت کا مسئلہ

مصنف کا نام: ڈاکٹر سید عبداللہ

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے جس میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانی قومیت کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے نظریہ پاکستان اور تشکیل پاکستان کے مقاصد کے پیش نظر پاکستانی قومیت کی وضاحت کی ہے کہ اس کی بنیاد اسلام ہے۔ پھر انھوں نے پاکستانی قومیت کے تصور کی روشنی میں صوبائیت پرستی اور گروہ بندی کی نفی پر زور دیا ہے۔

زیرِ نظر اقتباس میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا کہنا ہے کہ پاکستانی قومیت کا سوال پاکستان بننے سے پہلے ہی حل ہو چکا تھا۔ کچھ لوگ اب چودہ برس گزرنے کے بعد خواہ مخواہ یہ سوال اُٹھا رہے ہیں کہ پاکستانی قومیت کوئی چیز ہے بھی یا نہیں؟ وہ مزید کہتے ہیں کہ ہمیں اس سوال کا جواب تحریک پاکستان میں دیکھنا چاہیے۔ جہاں اس اس مسئلے پر انگریز اور ہندو دونوں کو تسلیم کرنا پڑا تھا کہ مسلمانوں کا دعویٰ تسلیم کرنا پڑا اور ماننا پڑا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔

ان کے خیال میں تحریک پاکستان مسلمانوں کی متفقہ تحریک تھی۔ جو اس لیے اُٹھائی گئی تھی کہ مسلمانوں کے اندر یہ احساس جنم لے رہا تھا کہ وہ ایک الگ قوم ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز سے قومیت کا جو تصور سامنے آیا تھا اس کی بنیاد جغرافیائی یا علاقائی تھی۔ لیکن اس تصور کے تحت مشترکہ ہندوستان میں رہنے مسلمانوں کے یہ ڈر تھا کہ وہ محض ایک اقلیت بن کر رہ جائیں گے۔ ان کی تہذیب، رہن سہن، تاریخ، ہیرو، زبان، عقیدہ سب ختم ہونے کے خطرے سے دو چار ہوں گے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی تہذیبی شناخت کھو بیٹھیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اکثریتی تہذیب اور تمدن کے غلبے تلے اپنی پہچان کھو بیٹھیں گے۔

حقیقت یہ تھی کہ آل انڈیا کانگرس بھی اسی بات کا پرچار کر رہی تھی کہ ہندوستان میں رہنے والے ایک قوم ہیں۔ اور یہ وہی تصور تھا جو جدید قومیت کے زیر اثر فروغ پا رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف مسلمان اس تصور کو تسلیم کرنے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھے۔ وہ آنے والے خطرے کو دیکھ رہے تھے۔ انھیں یہ خوف تھا کہ متحدہ ہندوستان میں وہ اپنی روایات، زبان اور اپنا مخصوص اندازِ زندگی کھو بیٹھیں گے۔ وہ اپنا عقیدہ، اپنی تہذیب اور زندگی سے متعلق اپنا خاص نقطہ نظر چھوڑنے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھے، جس کی بنیاد اسلام تھی۔ جو دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں سے بالکل جدا تھا۔ وہ ایک ایسی تہذیب کے وارث تھی جس کی پہلی بنیاد ہی اللہ کو ایک ماننا تھا۔ جس میں اس زندگی اور مرنے کے بعد کی زندگی ۔۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

حوالے سے ایک مخصوص فکر موجود تھی۔ اور اس فکر کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کا رہن سہن، کھانا پینا، سلام دعا، زندگی موت، شادی بیاہ، خاندانی نظام، وراثت کے قوانین الغرض ہر چیز دوسروں سے جدا تھی۔ اس لیے ان کا قومیت کا تصور اس مغربی تصور سے بالکل جدا تھا جس کو کانگرس فروغ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی لیے اقبالؔ نے کہا تھا:

اپنی ملت پر قیاس، اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

الغرض تحریک پاکستان اسی تہذیب کو بچانے کے لیے ایک کوشش تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنی ہزار سالہ تہذیبی وراثت کو کسی طریقے سے بچایا جا سکے۔ اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جسے ہم پاکستانی قومیت کی اولین بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ جس کا مرکزی تصور اسلام اور اس کا نظامِ زندگی ہے۔

اقتباس 2:

علامہ اقبال نے جس وطنیت کی مخالفت کی ہے-------------------- یہ چیز اسلام کے عملی تصور کے خلاف ہے۔ (صفحہ 25)

سبق کا عنوان: پاکستانی قومیت کا مسئلہ

مصنف کا نام: ڈاکٹر سید عبداللہ

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے جس میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانی قومیت کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے نظریہ پاکستان اور تشکیل پاکستان کے مقاصد کے پیش نظر پاکستانی قومیت کی وضاحت کی ہے کہ اس کی بنیاد اسلام ہے۔ پھر انھوں نے پاکستانی قومیت کے تصور کی روشنی میں صوبائیت پرستی اور گروہ بندی کی نفی پر زور دیا ہے۔

زیر نظر اقتباس میں مصنف اقبال کے تصور وطنیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہم اقبال کے کلام کا مطالعہ کریں تو ہمیں جا بجا اس میں وطنیت کی مخالفت کا تصور ملتا ہے۔ مثلاً:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

لیکن ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال صرف اس تصور کے مخالف تھے جو یورپ کا وطنیت کا تصور ہے۔ جس کی اپنی ایک طویل تاریخ ہے۔ جو صدیوں کے ارتقا کے بعد یورپ میں وجود میں آیا۔ جس کی بنیاد رنگ، نسل، زبان یا جغرافیہ تھا۔ اس تصور نے یورپ میں نفرت کی فضا پیدا کی۔ انسانوں کے درمیان دشمنی کی دیواریں کھڑی کیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ یورپ یا اہلِ مغرب بہت سی مصیبتوں کا شکار ہوئے۔ اسی تصور کی وجہ سے ان کے درمیان پہلی اور دوسری جنگِ عظیم لڑی گئیں۔ تو ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں علامہ اقبال مغرب کے تصورِ وطنیت کے مخالف تھے جو انسانوں کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرتا ہے۔

جب کہ دوسری طرف وہ وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال کی شاعری یا فلسفے میں کہیں بھی جغرافیائی مملکت کی مخالفت کا تصور نہیں ملتا۔ ان کے خیال میں کسی بھی عقیدے یا تہذیب کے لیے ایک جغرافیائی مملکت کا ہونا لازمی ہے۔ جس طرح ایک مملکت اگر عقیدے اور زندگی گزارنے کے تصور کے بغیر ہوگی تو وہ ظلم اور بربریت کی مثال ہوگی۔ وہاں کسی تہذیب کا جنم لینا مشکل ہوگا۔ اسی طرح کوئی عقیدہ بھی کسی مملکت کے بغیر صرف ہوائی تصور ہی ہوگا۔ ایک عقیدے کی عملی شکل ایک جغرافیائی مملکت کا ہونا ہے۔ جہاں وہ نافذ ہو سکے اور اس کے ماننے والے اس کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی کوئی جغرافیائی مملکت نہ ہو تو وہ عقیدہ محض خیالی فلسفہ ہوگا یا رہبانیت ہوگا۔ جس میں دنیا گزارنے کا کوئی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اصول موجود نہیں ہوگا۔ اور بقول ڈاکٹر سید عبداللہ یہ چیز اسلام کے عملی تصور کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام ایک عملی دین ہے جو زندگی گزارنے کے اصول دیتا ہے بلکہ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی گزارنے کے لیے قدم قدم پر رہنمائی موجود ہے۔ اس لیے اسلام کا عملی عقیدہ ایک خطہ زمین کا تقاضا کرتا ہے جہاں اسے نافذ کیا جا سکے۔

اقتباس 3:

میں پاکستان کی سب اقوام کا معترف اور مداح ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الگ ملک کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ (صفحہ 27)

سبق کا عنوان: پاکستانی قومیت کا مسئلہ

مصنف کا نام: ڈاکٹر سید عبداللہ

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے جس میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانی قومیت کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے نظریہ پاکستان اور تشکیل پاکستان کے مقاصد کے پیش نظر پاکستانی قومیت کی وضاحت کی ہے کہ اس کی بنیاد اسلام ہے۔ پھر انھوں نے پاکستانی قومیت کے تصور کی روشنی میں صوبائیت پرستی اور گروہ بندی کی نفی پر زور دیا ہے۔

زیر نظر اقتباس میں ڈاکٹر سید عبداللہ نظریہ پاکستان کے پس منظر میں صوبائیت پرستی اور گروہ بندی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ پاکستان میں رہنے والی سب اقوام کے مداح ہیں اور ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں بسنے والی ہر قوم اور ہر نسل کے لوگ ایسی قابلیت رکھتے ہیں کہ وہ پاکستان کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔ اس کے علاوہ وہ پاکستان میں بولی جانے والی تمام زبانوں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں بولی جانے والی ہر زبان کو ترقی کرنی چاہیے۔ اس کے فروغ کے لیے کوششیں ہونی چاہئیں۔ جو تہذیبی ورثہ یا روایات ان زبانوں میں موجود ہیں، ان کی بقا اور فروغ کے لیے کوششیں ہونی چاہئیں۔

لیکن وہ چاہتے ہیں کہ یہ سب کچھ صرف ایک شرط پر ہو کہ ہر علاقے اور زبان کی ترقی سے پاکستان کے وقار اور مجموعی ترقی میں اضافہ ہو۔ یعنی ہر صوبہ، نسل، گروہ یا زبان جو ترقی بھی کرے، اس سے پاکستان کی مجموعی قومی ترقی پر مثبت اثرات مرتب ہوں۔ وہ پاکستان کی مجموعی ترقی میں اپنا کردار ادا کرے۔ محض اپنے گروہ یا زبان کی ترقی کا سوچنا اور قومی ترقی کو نظر انداز کرنے سے انتشار پیدا ہوگا۔ اگر صرف صوبائیت اور اپنی زبان کے بارے سوچا جائے گا تو لامحالہ یہ چیز ملکی ترقی میں رکاوٹ ڈالے گی۔ جس سے آہستہ آہستہ فرق بڑھتا جائے گا۔ ہر گروہ یا زبان ایک مجموعی حالت سے نکل کر اپنے اپنے خول میں بند ہوتے چلے جائیں گے۔ جو قومی اتحاد کے لیے سخت نقصان دہ ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر گروہ اور ہر زبان مجموعی ملکی ترقی میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ یہی وہ تاریخی حقائق ہیں جن کے زیر اثر مسلمانوں نے ایک الگ وطن بنانے کا سوچا تھا۔ جہاں وہ اپنی اپنی ثقافت اور زبان کے ساتھ ساتھ مجموعی ملکی ترقی کے لیے کوشش کریں گے۔ جہاں ان کے درمیان رنگ، نسل اور زبان کی تفریق موجود نہیں ہوگی بلکہ لا الہ الا اللہ کا رشتہ ہوگا جو انھیں ایک جسم کی طرح یک جا رکھے گا۔ اور جسم کے کسی بھی حصے میں تکلیف کی صورت میں دوسرے حصے بھی بے قرار ہوں گے۔ بقول اقبال:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

(جذب باہم: ایک دوسرے سے جوڑنے والی قوت۔ محفل انجم: ستاروں کی محفل)

مشق

۱۔ صحیح یا غلط پر نشان لگائیں۔

(الف) پاکستان کے بعض خطوں کی تحریک دراصل نسلی تحریک ہے۔ (صحیح)

(ب) پاکستانی قومیت بالکل غیر واضح چیز ہے۔ (غلط)

(ج) پاکستانی قومیت کی اب پھر تعریف پوچھی جانے لگی ہے۔ (صحیح)

(د) مسلمان اپنی تہذیب اور زندگی کے نقطۂ نظر کو چھوڑنے کے لیے تیار تھے۔ (غلط)

(ہ) اقبال، عقائد اور وطن کی وحدت میں گہرا عقیدہ رکھتے تھے۔ (صحیح)

۲۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ و محاورات	جملے
متحدہ قومیت	متحدہ قومیت کا تصور اجتماعی مفاد کے لیے ضروری ہے۔
حجت بازی	تم محض حجت بازی سے اپنی بات نہیں منوا سکتے۔
مستحکم	پاکستان صرف اسلام کی بنیاد پر مستحکم ہو سکتا ہے۔
نقطۂ نظر	ان کا نقطۂ نظر اس معاملے میں بالکل مختلف ہے۔
شکوک و شبہات	اس کے ذہن میں بہت سے شکوک و شبہات ہیں۔
تہذیبی وراثت	ہمیں اپنی تہذیبی وراثت کی حفاظت کرنی چاہیے۔
نیک نیتی	اگر تم یہ کام نیک نیتی سے کرو گے تو کامیاب ہو گے۔

۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانی قومیت کا جو مسئلہ بیان کیا ہے، آپ اس سے کس حد تک متفق ہیں؟

جواب: ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانی قومیت کے مسئلے کو تاریخی اور نظریاتی پس منظر میں واضح کیا ہے۔ ان کے خیال سے بڑی حد تک اتفاق کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کو محض کسی جغرافیائی حدود یا وطن تک محدود کر دینا بھی غلط ہے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور یہ پوری دنیا کے لیے ہے۔

۴۔ قومیت اور علاقائیت کے مابین، جو امتیاز مصنف نے واضح کیا ہے، اُسے اپنے لفظوں میں لکھیں۔

جواب: ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق قومیت اجتماعی مفاد کے لیے ضروری ہے۔ یہ اتحاد اور اتفاق کی بنیاد ہے جبکہ علاقائیت اس اتحاد اور اتفاق کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اس لیے ہمیں علاقائیت پر قومیت کو ترجیح دینی چاہیے۔

۵۔ خالی جگہیں اصل متن کے مطابق پُر کریں۔

(الف) جن کے تصورات کو میں .... پر محمول نہیں کرتا۔ (بد نیتی)

(ب) پاکستان کے لیے جدا قومیت کا .... اٹھایا جاتا ہے۔ (سوال)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

(ج) جس کی کسی نے .... کرادی تھی۔ (وضاحت)

(د) پاکستانی .... بالکل واضح چیز ہے۔ (قومیت)

(ہ) قوم کو ابھی خود بھی معلوم نہیں کہ ہم .... بھی ہیں یا نہیں۔ (قوم)

۲۔ متعلق فعل کیا ہوتا ہے؟ فعل، فاعل اور مفعول کی مناسبت سے کیسے تبدیل ہوتا ہے؟

جواب: تعریف: وہ تمام الفاظ جو فعل کے معنوں کی وضاحت کرتے ہیں متعلق فعل کہلاتے ہیں۔ مثلاً:

عمر نے کتاب خریدی۔

عمر نے بازار سے کتاب خریدی۔

عمر نے کل بازار سے کتاب خریدی۔

اگر آپ بغور دیکھیے تو پہلے جملے میں عمر فاعل ہے کتاب مفعول ہے اور خریدی فعل ہے۔ دوسرے جملے میں فعل کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کتاب خرید کے کہاں بازار سے کیا گیا ہے۔ جبکہ تیسرے جملے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کتاب آج نہیں کل خریدی گئی۔ لہٰذا ان جملوں میں "بازار سے" اور "کل" متعلقات فعل ہیں۔

فعل کی فاعل اور مفعول کی مناسبت سے تبدیلیاں سمجھنے کے لیے دیکھیے (مطابقت)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں اب پاکستانی قومیت کے مسئلے کا سوال غیر اہم کیوں ہے؟

جواب: ایک تو ڈاکٹر سید عبداللہ سمجھتے ہیں کہ پاکستانی قومیت کے مسئلے کا سوال 1947ء سے پہلے ہی حل ہو چکا ہے۔ جب تمام مسلمانوں نے بطور ایک قوم پاکستان کا مطالبہ کیا تھا تو پاکستانی قومیت کی بنیاد اسلام ہی ٹھہری تھی اس لیے آج اس مسئلے کو پہلی سمجھ کر سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

سوال 2: تحریک پاکستان کیوں شروع ہوئی تھی؟

جواب: یہ اس لیے شروع ہوئی تھی کہ مسلمان یہ محسوس کر رہے تھے کہ مشترکہ ہندوستان میں ان کی روایات، تہذیب اور رہن سہن کے باقی رہنے کے امکان بہت کم ہوں گے اور انھیں ڈر تھا کہ وہ اس مشترکہ نظام میں اپنی تہذیبی شناخت کھو بیٹھیں گے اس لیے انھوں نے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا۔

سوال 3: پاکستانی قومیت کن عقیدوں سے عبارت ہے؟

جواب: پاکستانی قومیت ان عقیدوں سے عبارت ہے یا ان پر مبنی ہے جن کی بنیاد اسلام اور اس کا دیا ہوا نظام زندگی ہے اور پھر ان کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب اور تمدن کا تحفظ ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستانی قومیت کے اہم عناصر اسلام اور اس سے نکلنے والی تہذیب اور تمدن ہے۔

سوال 4: مصنف نے قومیت کے مسئلے کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے؟

جواب: مصنف کہتے ہیں کہ قومیت کا مسئلہ ایک پھول کی طرح ہے۔ جس طرح پھول کا ایک ظاہر یعنی رنگ اور ایک باطن یعنی خوشبو ہوتی ہے اسی طرح قومیت کے مسئلے کا بھی ایک ظاہر یعنی خطہ زمین یا ملک ہے اور اس کا ایک باطن یعنی وہ خواب ہے، جو اس کی وجہ بنا ہے اور

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD

خواب کو نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے۔

سوال5: کیا قومیت کے لیے جغرافیہ یا خطہ زمین لازمی ہے؟

جواب: مصنف کے خیال میں کوئی قوم صحیح معنوں میں تبھی قوم بنتی ہے جب اس کی جغرافیائی حدیں موجود ہوں۔ یعنی ایک قومیت کے لیے کسی ملک کا ہونا لازمی ہے۔ اگر کوئی قوم بغیر ملک کے ہوگی تو وہ غلام ہوں گے یا بکھرے ہوئے ہوں گے۔

سوال6: کیا اسلامیت اور وطنیت میں کوئی تضاد ہے؟

جواب: اسلامیت اور وطنیت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ مصنف کے مطابق اسلامیت وطنیت سے مکمل ہوتی ہے۔ کیوں کہ اسلام کوئی خیالی چیز نہیں ہے بلکہ اسلام کا نفاذ ایک ملک کا تقاضا کرتا ہے جہاں اس کے احکامات کو نافذ کیا جا سکے۔

سوال7: اقبال کس وطنیت کے مخالف تھے۔

جواب: علامہ اقبال جس وطنیت کے مخالف تھے وہ یورپ کی وطنیت کا تصور ہے۔ جس کی بنیاد زبان، رنگ، نسل اور جغرافیائی حدود پر ہے۔ جو انسانیت کی زیادہ تر مصیبتوں اور مشکلات کی اصل وجہ ہے۔ تو اقبال اس تصور کے خلاف تھے لیکن اقبال کے کلام میں کسی جغرافیائی ملک کے ہونے کی مخالفت نہیں ملتی۔

سوال8: علامہ پرستی اور وطنیت میں کیا فرق ہے؟

جواب: علاقہ پرستی سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص جس علاقے میں رہتا ہے صرف اس کے لیے سوچے اور اس کے فائدے کو مقدم رکھے۔ اگرچہ انسان جہاں رہتا ہے، اس سے محبت ایک فطری چیز ہے لیکن علاقائی مفادات کو قوم اور وطن کے مفاد کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ اس لحاظ سے علاقہ پرستی قومیت یا وطنیت پرستی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

سوال9: پاکستانی قومیت اور وحدت کے لیے کیا لازمی ہے؟

جواب: پاکستانی قومیت اور وحدت کے لیے اسلام اور ان جذبات کو زندہ رکھنا ہوگا جو اس ملک کی تشکیل کی وجہ بنے۔ اس ملک کی وحدت کے لیے اسلام ہی بنیاد ہے اور اس کے علاوہ اردو زبان بھی یک جہتی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۰۵ء (ب) ۱۹۰۶ء ✓ (ج) ۱۹۰۷ء (د) ۱۹۰۸ء

2۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۹۸۳ء (ب) ۱۹۸۴ء (ج) ۱۹۸۵ء (د) ۱۹۸۶ء ✓

3۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے میٹرک کا امتحان کس سکول سے پاس کیا:

(ا) اسلامیہ ہائی سکول ✓ (ب) علی گڑھ سکول (ج) سنٹرل ماڈل سکول (د) سندھ ہائی سکول

4۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کس یونیورسٹی میں عربک اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے:

(ا) عثمانیہ یونیورسٹی (ب) علی گڑھ یونیورسٹی (ج) قائداعظم یونیورسٹی (د) پنجاب یونیورسٹی ✓

5۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کس مرض میں وفات پائی:

(ا) فالج ✓ (ب) ٹی بی (ج) کینسر (د) دمہ

6۔ ''پاکستانی قومیت کا مسئلہ'' کے مصنف کا نام ہے:

(ا) سرسیّد احمد خاں (ب) غلام مصطفی خاں (ج) ڈاکٹر سیّد عبداللہ ✓ (د) مشتاق احمد صدیقی

7۔ پاکستانی قومیت ابھی قسم کی چیز ہے:

(ا) مشکل (ب) بوجھ بجھارت ✓ (ج) متنازعہ (د) نہ سمجھ میں آنے والی

8۔ قومیت کا مسئلہ حل ہو چکا تھا:

(ا) ۱۹۴۷ء سے پہلے ✓ (ب) 1857 سے پہلے

(ج) مغلیہ عہد میں (د) ۱۹۳۰ء میں

9۔ مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان میں خوف تھا:

(ا) اقلیت بن جانے (ب) پہچان ختم ہونے کا

(ج) ہندو بنا لیے جانے کا (د) تہذیبی ہستی مٹنے کا ✓

10۔ پاکستان کی روح تبھی زندہ رہ سکتی ہے جب:

(ا) اس کے بدن کی حفاظت کی جائے ✓ (ب) نظریہ پاکستان کی حفاظت کی جائے

(ج) تہذیب زندہ رہے (د) الف ب دونوں

11۔ ہر زندہ قوم میں __________ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

(ا) تصورات (ب) تاریخ (ج) جغرافیے ✓ (د) مقاصد

12۔ قومیت کا اوّلین ظاہری نشان ہے:

(ا) خیال (ب) تاریخ (ج) معاشرہ (د) جغرافیہ ✓

13۔ اسلامی اجتماعیت کا اوّلین تصور __________ مملکت سے وابستہ ہے:

(ا) ایک نظریاتی (ب) جغرافیائی ✓ (ج) اسلامی جمہوری (د) جمہوری

14۔ اقبال __________ کے خلاف تھے:

(ا) ملک (ب) وطن (ج) مغربی وطنیت ✓ (د) چنگیزیت

15۔ بعض لوگ حب الوطنی کے پردے میں __________ کی تحریک چلا رہے ہیں:

(ا) دوستی (ب) علاقہ پرستی ✓ (ج) قومیت (د) علاحدگی

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کچھ ادب کے بارے میں

ڈاکٹر عبادت بریلوی

(۱۹۲۰ء - ۱۹۹۸ء)

مصنف کا تعارف:

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز اینگلو عربیک کالج دلی (یہ ابتدائی طور پر مغلوں کے زمانے میں قائم ہوا لیکن انگریزی حکومت آنے کے بعد اسے انگریزوں نے نئے انداز میں منظم کیا۔) سے کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آئے اور اورینٹل کالج لاہور (برصغیر پاک و ہند کا قدیم ترین ادارہ جو 1870 میں قائم ہوا جو اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ منسلک ہے۔) سے منسلک ہو گئے اور ترقی کرتے ہوئے شعبۂ اُردو کے صدر بن گئے۔ ڈین فیکلٹی آف آرٹس بھی رہے اور اورینٹل کالج کے پرنسپل بھی۔ ۱۹۸۰ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش (ملازمت چھوڑ دینا) ہوئے۔

وہ اُردو کے ایک نامور محقق (تحقیق کرنے والا) تھے۔ اُن کی بیشتر کتابیں ہندو پاک کی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب کا حصہ رہی ہیں لیکن بطور نقاد بھی اُن کی حیثیت مسلمہ (مانا ہوا یا تسلیم کیا ہوا) ہے۔ اُن کی تنقید کا انداز وضاحتی تجزیے کا ہے۔ ایسے تجزیے میں کسی مصنف کے ابتدائی احوال سے لے کر ارتقائی مرحلے (کسی چیز کے بننے کے مراحل) سبھی پہلو زیرِ بحث آ جاتے ہیں۔ اُن کا تجزیہ عام طور پر ہمدردانہ ہوتا تھا۔ وہ ادبی مسائل کی پیچیدگیوں میں نہیں اُلجھتے، بلکہ معنوی سطح پر رہتے ہوئے ادب پارے کا تمام احوال قاری کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ وہ اپنے تجزیے کو درجہ بہ درجہ قاری کے سامنے کھولتے ہوئے اسے اپنے منطقی استدلال (عقلی دلائل) سے قائل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے ہاں تحقیق اور تنقید کا رشتہ زیادہ مضبوط نظر آتا ہے۔ ایک محقق کی حیثیت سے اُنہوں نے فورٹ ولیم کالج (یہ کالج انگریزوں نے اپنے افسران کو اُردو سکھانے کے لیے کلکتہ میں قائم کیا تھا۔ لیکن اس کالج نے اُردو زبان کے نثری ادب کی ترقی کے لیے نئی راہیں کھول دیں) کے اساتذہ کے تصنیفی کارناموں اور غیر معمولی نوادر (نادر چیزیں، عجائبات، قیمتی اشیا) کو تلاش کیا۔ اُنھوں نے گلکرسٹ کی نظمیں، حیدری کی کہانیاں، وؔلی، میرؔ اور مومنؔ کے حالاتِ زندگی تلاش کی، جو ایک گراں قدر (قیمتی) تخلیقی کارنامہ ہے۔

سبق کا تعارف:

یہ سبق ایک تنقیدی مضمون ہے۔ جس میں ڈاکٹر عبادت بریلوی ادب کی ابتدا اور ارتقا کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ وہ ادب کی ضرورت اور اہمیت واضح کرتے ہیں۔ وہ تخلیقی شعور پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح انسان جو محسوس کرتا ہے، اسے ادب کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ وہ انسان کے احساسِ حسن اور ادب کے درمیان رشتہ تلاش کرتے ہیں۔ الغرض یہ مضمون قاری کے لیے ادب کا عمدہ تعارف بن جاتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

MIDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 30

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
صدی	سوسال	دل موہ لینے والی	دل کو کھینچ لینے والی
بیت گئے	گزر گئے	تغیرات	تبدیلیاں
ازل	کائنات کے پہلے دن سے یا ہمیشہ سے	سانچوں میں	اندازمیں
سوتا	چشمہ	تہذیب	رہنے سہنے کے طریقے
شعوروادراک	سمجھ بوجھ	حوادث	حادثہ کی جمع
ہزارہا	سینکڑوں	بادسموم	گرم ہوا
کروٹیں لیں	انداز بدلے	حائل	رکاوٹ
شاہراہ	سڑک	روشناس	متعارف
مشاطگی	حسین بنانا		

صفحہ نمبر 31

صحیح رائے	درست خیال	مدوجزر	اتار چڑھاؤ
ذہن نشین	ذہن میں بٹھالینا	تلاطم	دریا، سمندر کی موج کا جوش مارنا
غوروخوض	غوروفکر	متلاطم	جوش مارتی لہریں
زاویے	انداز	ادب کی تخلیق	لکھنا لکھانا شروع کیا
قدامت	پرانا پن	تخلیق کا جوہر	لکھنے کا مادہ
لطف	مزہ	فطری	قدرتی
ودیعت کی گئی	داخل کی گئی	جامہ پہنانا	لباس پہنانا
نوعیت	انداز	آفرینش	پیدائش
جذبات واحساسات	شعور میں	سوائے جذبات	خیالات کے علاوہ
موجیں	خیالات	نووارد	نیا آنے والا
بیدار نہ ہوئے تھے	جاگے نہ تھے	شعور	سمجھ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 32

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ابتدائی زمانے	شروع کے زمانے میں	حالات کی کروٹیں	حالات کے تجربات
وقتی تاثر	وقتی محسوسات	سماج	معاشرہ
ابتدائی نقوش	ابتدائی نشانات	آس پاس	قریب
بنتے سنورتے گئے	نکھرتے گئے	اضطراری	بے چینی
موضوعات	موضوع کی جمع	سماجی	معاشرتی
عالم آشکارا	دنیا کے سامنے پیش کرنا	آفاقیت	عالم گیریت
سماجی	معاشرتی	بسیرا کر لیتی ہیں	ڈیرہ ڈال لیتی ہیں
سانحات	سانحہ کی جمع، حادثہ	عکاسی	عکس بندی کرنا
نقوش چھوڑ جاتے ہیں	اثرات مرتب کر جاتے ہیں	ادبی مذاق	ادبی سوچ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 33

شستگی	مہذب	صناعانہ	تخلیقانہ، ہنرمندی سے
نکھار	خوب صورتی	احساسِ جمال	خوب صورتی کا احساس
فقدان	کمی	تسکین	تسلی، سکون
جگ بیتی	دنیا بیتی	افتادِ طبع	طبیعت کی اٹھان
آراستہ و پیراستہ کرنا	خوب سجانا	منغض	ناراض، رنجیدہ
قوی	مضبوط	کریہہ	کراہت بھرے
شیدائی	چاہنے والا ہے		

صفحہ نمبر 34

کمال	خوبی	رعنائی	چمک

اقتباسات کی تشریح

عبارت 1:

برخلاف اس کے جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا-----------------اور ان ہی انقلابات کے سانچوں میں ڈھلتا رہا۔ (صفحہ 30)

سبق کا عنوان: کچھ ادب کے بارے میں

مصنف کا نام: ڈاکٹر سید عبادت بریلوی

تشریح

یہ سبق ایک تنقیدی مضمون ہے۔ جس میں ڈاکٹر عبادت بریلوی ادب کی ابتدا اور ارتقا کا تعارف کرواتے ہیں۔ وہ ادب کی ضرورت اور اہمیت واضح کرتے ہیں۔ وہ تخلیقی شعور پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح انسان جو محسوس کرتا ہے، اسے ادب کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ وہ انسان کے احساسِ حسن اور ادب کے درمیان رشتہ تلاش کرتے ہیں۔ الغرض یہ مضمون قاری کے لیے ادب کا عمدہ تعارف بن جاتا ہے۔

زیرِ نظر اقتباس میں مصنف ادب کے ارتقا کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان اور ادب کا تعلق ہمیشہ سے ہے۔ انسان ازل سے اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کو ادب کی صورت میں ڈھالتا رہا ہے۔ ہزاروں سالوں سے یہ سفر جاری ہے اور اس میں کہیں جدائی نظر نہیں آتی۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

شاعری روزِ ازل سے ہوئی تخلیق ندیم شعر سے کم نہیں ، انساں کا پیدا ہونا

ان کے مطابق اس سفر میں انسان کے تخلیقی شعور سے ادب کا جو چشمہ پھوٹا تھا، وہ آج بھی بہ رہا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ہزاروں انقلاب آئے، جنھوں نے دنیا کا نقشہ بدلا لیکن کوئی انقلاب، تبدیلی یا حادثہ ادب کے چشمے کو خشک نہیں کر سکا۔ بلکہ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا، ادب ترقی کی راہوں پر اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ گویا زمانے اور ادب کی تاریخ اور ارتقا میں کہیں کوئی دوری نظر نہیں آتی۔ جیسے جیسے دنیا بدلتی رہی، اس میں انقلاب برپا ہوتے رہے، نقشے بدلتے رہے، یہ سب تبدیلیاں ادب کو مزید نکھارتی اور سنوارتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ادب حسین سے حسین تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس میں وہ کیفیت پیدا ہوتی چلی گئی جو دلوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جو ذہنوں کو بدلنے کا اختیار رکھتی ہے۔ بلکہ اس تاثیر کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا اور بدلتا گیا، ادب اس کے اثرات کو قبول کرتا رہا۔ وہ ان تبدیلیوں کو اپنے اندر سمو کر نئے انداز اور شکلیں اختیار کرتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم جب بھی ادب کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں زمانوں کے بدلتے ہوئے انقلابات کی تصویریں بہ خوبی نظر آتی ہے۔ گویا ادب ایک آئینہ ہے جس میں انسانی تہذیب اور تمدن کی تصویریں صاف دکھائی دیتی ہیں۔

عبارت 2:

یہ تخلیق کی اس فطری خواہش کا نتیجہ ہے۔------------خوب صورت الفاظ کا جامہ پہنا دینا ادب کہلاتا ہے۔ (صفحہ 31)

سبق کا عنوان: کچھ ادب کے بارے میں

مصنف کا نام: ڈاکٹر سید عبادت بریلوی

تشریح

یہ سبق ایک تنقیدی مضمون ہے۔ جس میں ڈاکٹر عبادت بریلوی ادب کی ابتدا اور ارتقا کا تعارف کرواتے ہیں۔ وہ ادب کی ضرورت اور

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

اہمیت واضح کرتے ہیں۔ وہ تخلیقی شعور پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح انسان جو محسوس کرتا ہے، اسے ادب کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ وہ انسان کے احساسِ حسن اور ادب کے درمیان رشتہ تلاش کرتے ہیں۔ الغرض یہ مضمون قاری کے لیے ادب کا عمدہ تعارف بن جاتا ہے۔

زیرِ نظر اقتباس میں مصنف انسان اور تخلیق کے فطری رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تخلیق کا مادہ انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ یہ اس کی فطری صلاحیت ہے جو اسے قدرت کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اسی لیے انسان میں تخلیق کرنے کی خواہش ازل سے موجود ہے۔ بالکل اسی طرح انسان ادب بھی تخلیق کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ لیکن مصنف کے خیال میں دوسری تخلیقات اور ادبی تخلیقات میں ایک بنیادی فرق ضرور ہے۔ دوسری تمام تخلیقات کا اظہار یا تو مادی ہے یا وہ مادی فائدے کے لیے کی جاتی ہے ہیں۔ لیکن صرف ادب ایک ایسی تخلیق ہے جس کا تعلق مادیت سے نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت روحانی ہے۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ادب سراسر ایک روحانی واردات ہے۔ جس میں انسان اپنے خیالات، احساسات اور جذبات میں جو لہریں اُٹھتی ہیں، جو تبدیلیاں آتی ہیں، انسان انھیں الفاظ کی صورت میں ڈھالتا ہے۔ یہ الفاظ انسان کے روحانی دنیا کا اظہار ہوتے ہیں۔ جس میں مادیت کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ان کے خیال میں ادب انسان کی تمام تر تخلیقات میں سب سے اعلیٰ اور برتر مقام کا حامل ہے۔ یہ انسان کی روحانی دنیا کا عکس ہے۔ جسے ادیب خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنا کر دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور یہی چیز اسے دوسری تخلیقات سے ممتاز کرتی ہے۔

عبارت 3:

سوال یہاں یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ان جذبات و احساسات ------------------- اس کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔ (صفحہ 32)

سبق کا عنوان: کچھ ادب کے بارے میں

مصنف کا نام: ڈاکٹر سید عبادت بریلوی

تشریح

یہ سبق ایک تنقیدی مضمون ہے۔ جس میں ڈاکٹر عبادت بریلوی ادب کی ابتدا اور ارتقا کا تعارف کرواتے ہیں۔ وہ ادب کی ضرورت اور اہمیت واضح کرتے ہیں۔ وہ تخلیقی شعور پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح انسان جو محسوس کرتا ہے، اسے ادب کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ وہ انسان کے احساسِ حسن اور ادب کے درمیان رشتہ تلاش کرتے ہیں۔ الغرض یہ مضمون قاری کے لیے ادب کا عمدہ تعارف بن جاتا ہے۔

زیرِ نظر اقتباس میں مصنف انسان کی فطرت کے اس پہلو کو زیرِ بحث لائے ہیں کہ وہ جو کچھ تخلیق کرتا ہے، اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ سب سے پہلے ایک سوال اُٹھاتے ہیں کہ انسان اپنے جذبات اور احساسات کو بیان تو کرتا ہے لیکن وہ اسے دوسروں تک کیوں پہنچانا چاہتا ہے۔ اور پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ بھی انسان کی فطری خواہش ہے کہ وہ جو کچھ تخلیق کرے، اسے دوسروں تک پہنچائے۔ بقول الطاف حسین حالی:

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں　　مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

دراصل انسان ایک معاشرتی حیوان ہے جو مل جل کر زندگی گزارتا ہے۔ وہ زندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کرتا ہے۔ اسی مل جل کر رہنے اور تعاون سے ایک معاشرہ جنم لیتا ہے۔ جہاں انسان بہت سے رشتوں میں جڑا ہوتا ہے۔ یہ رشتے، یہ تعلق انسان کو زندہ رہنے کا

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

حوصلہ دیتے ہیں۔مل جل کر آگے بڑھانے میں مددگار ہوتے ہیں۔ پھر دوسری طرف انسان کی زندگی دکھ سکھ، خوشی غم، دھوپ چھاؤں سے عبارت ہوتی ہے۔ایک طرف انسان اپنی خوشی میں دوسروں کو شریک کرتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنے غم بھی دوسروں سے بانٹتا ہے۔الغرض انسان پر جو کچھ بیتتی ہے یا وہ محسوس کرتا ہے، وہ دوسروں کو اس میں شریک کر لینا چاہتا ہے۔یہی فطری خواہش ادب کی تخلیق کے بعد اسے دوسروں تک پہنچانے کی تحریک بنتی ہے۔ادب انسان کے خیالات، جذبات اور احساسات کا آئینہ ہوتا ہے جس میں انسان کی معاشرتی اور انفرادی زندگی کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔وہ ان تصویروں میں رنگ بھرنے کے بعد انھیں دوسروں تک پہنچاتا ہے تا کہ دوسرے لوگ بھی ان تصویروں کو دیکھ سکیں۔

مشق

۱۔ متن کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) انسان کے اندر .... کا احساس سب سے زیادہ قوی ہے۔ (حسن)

(ب) زمانے کی .... اس کو زیادہ سے زیادہ بناتی سنوارتی ہے۔ (مشاطگی)

(ج) ان جذبات واحساسات کو .... نے خود اپنے تک محدود کیوں نہیں رکھا۔ (انسان)

(د) ادب سے انسان کی .... کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ (دلچسپی)

(ہ) بہر حال یہ .... کے ابتدائی نقوش تھے۔ (ادب)

(و) ادب کے قدم ترقی کی .... پر برابر آگے بڑھتے گئے۔ (شاہراہ)

(ز) احساسِ جمال کا ہونا ہر .... کے اندر لازمی ہے۔ (انسان)

۲۔ عبادت بریلوی نے اس مضمون میں کن زاویوں سے ادب کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے؟

جواب: ڈاکٹر عبادت لکھتے ہیں کہ تخلیق کا مادہ ہر انسان میں موجود ہے۔اسی تخلیق کا خوب صورت اظہار ادب ہے۔انسان جب ادب تخلیق کرتا ہے تو روحانی تسکین حاصل کرتا ہے۔ادب صرف اپنی ذات کا اظہار نہیں بلکہ یہ دوسروں کی زندگی کی کہانی بھی ہے۔اس لیے دوسرے انسان اس میں دلچسپی محسوس کرتے ہیں۔ادب بدصورت موضوعات کو بھی خوب صورت بنا کر پیش کرتا ہے۔

۳۔ تنقید کی تعریف کریں نیز بتایئے کہ زیرِ نظر مضمون ''کچھ ادب کے بارے میں'' کہاں تک اس پر پورا اُترتا ہے؟

جواب: تنقید کا لفظی معنی کھرے کھوٹے کو الگ کرنا ہے۔اس میں کسی ادب پارے کے حسن و قبح کا جائزہ لیا جاتا ہے یعنی اس کی فنی خوبیوں اور کمزوریوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی کا یہ مضمون ''کچھ ادب کے بارے میں'' ایک سادہ اور مدلل مضمون ہے۔جس میں گہرائی تو موجود نہیں لیکن وہ اپنے پڑھنے والے کو اپنے موضوع کی گرفت سے آزاد بھی ہونے نہیں دیتا۔

۴۔ ادب کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

جواب: ادب انسان کے جذبات، احساسات اور خیالات کے اظہار کا نام ہے۔یہ انسان کی تخلیق کی فطری خواہش کا مظہر ہے۔انسان جب ادب تخلیق کرتا ہے تو اس کی فطری خواہش کی تسکین کے ساتھ ساتھ اس کے جمالیات ذوق کی تسکین بھی ہوتی ہے۔پھر ادب انسان کی آپ بیتی کے ساتھ ساتھ جگ بیتی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا سبب بنتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

۵۔ فعل کی فاعل سے مطابقت کے حوالے سے جملے درست کر کے لکھیں۔

	غلط جملے	درست جملے
☆	میری کتابیں، قلم اور کاپیاں سب کچھ کھو گئے۔	میری کتابیں، قلم اور کاپیاں سب کچھ کھو گیا۔
☆	چار کپ، ایک گلاس اور دو پلیٹیں ٹوٹ گئے۔	چار کپ، ایک گلاس اور دو پلیٹیں ٹوٹ گئیں۔
☆	شاہ جہاں نے عمارتیں بنوائیں۔	شاہ جہاں نے عمارتیں بنوائیں۔
☆	ہم نے پہاڑ کے پتھروں کو کالے پائے۔	ہم نے پہاڑ کے پتھروں کو کالا پایا۔
☆	فضول خرچی کی وجہ سے اُس کا سرمایہ اور احترام لُٹ گئے۔	فضول خرچی کی وجہ سے اُس کا سرمایہ اور احترام لُٹ گیا۔

۶۔ سیاق وسباق کے حوالے سے درج ذیل جملوں کی تشریح کریں۔

(الف) ایک طرف تو تخلیق کی فطری خواہش اور دوسری طرف اپنے آس پاس کے افراد سے دل پر بیتی ہوئی حالت کو ظاہر کر دینے کا خیال، ان دونوں عناصر نے مل کر ادب کو پیدا کیا۔

(ب) اس اعتبار سے ادب کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا ہے کیوں کہ ہماری سماجی زندگی میں کوئی اور مقام ایسا نہیں آ سکتا، جہاں بدصورت چیز کو بھی حسین بنا کر پیش کیا جا سکے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: ڈاکٹر عبادت بریلوی کے اندازِ تنقید پر روشنی ڈالیں۔

جواب: ڈاکٹر عبادت بریلوی اُردو کے نامور محقق تھے۔ لیکن بطور نقاد بھی ان کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کی تنقید کا انداز وضاحتی ہوتا ہے۔ عام طور پر ان کا تجزیہ ہمدردانہ ہوتا ہے۔ وہ معنی کی سطح پر رہتے ہوئے قاری کو دلیل سے قائل کرتے ہیں۔

سوال 2: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ادب میں کیسی تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔

جواب: اگرچہ دنیا میں ہزاروں انقلاب آئے ہیں لیکن ادب کا چشمہ کبھی خشک نہیں ہوا۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ادب زمانے کے ساتھ آگے بڑھتا رہا ہے۔ اور ہر دور کے اثرات قبول کر کے خوب صورت سے خوب صورت ہوتا رہا ہے۔

سوال 3: انسان نے ادب کی تخلیق کب شروع کی؟

جواب: مصنف کے مطابق جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے، اس وقت سے وہ ادب تخلیق کر رہا ہے۔ ان کے مطابق تخلیق کی خواہش انسان کے اندر بالکل فطری ہے۔ اس لیے وہ ادب کی طرح ہر تخلیق میں لطف محسوس کرتا ہے۔

سوال 4: ادبی تخلیق اور عام تخلیق میں کیا فرق ہے؟

جواب: چوں کہ تخلیق کی خواہش انسان کے اندر فطری ہے اس لیے وہ تخلیق میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ البتہ ادبی تخلیق عام تخلیق سے اس لیے مختلف ہے کہ عام تخلیق کا تعلق مادی نفع سے ہوتا ہے جب کہ ادبی تخلیق کی نوعیت روحانی ہوتی ہے۔ اس کا تعلق جذباتی احساسات اور خوشی سے ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEF AHMAD

سوال5: ابتدائی زمانے کے ادب کی نوعیت کیا تھی؟

جواب: ابتدائی زمانے میں ہمیں ادب ان گیتوں کے شکل میں ملتا ہے جنھیں انسان نے کسی چیز سے متاثر ہو کر تخلیق کیا۔ پھر وہ لوگوں کو زبانی یاد ہوگیا۔ پھر جب لکھنے کا رواج عام ہوا تو انھیں پہلے پتوں اور پھر کاغذ پر لکھ لیا گیا۔

سوال6: انسان اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کو دوسروں تک کیوں پہنچانا چاہتا ہے؟

جواب: چوں کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے، وہ مل جل کر رہتا ہے، اس لیے جو کچھ اس پر بیتتا ہے، وہ اسے دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ اس کی معاشرتی اور فطری خواہش ہے۔ اس طرح وہ اپنے دکھ اور سکھ میں دوسروں کو شریک کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔

سوال7: بڑا ادب یا آفاقی ادب کسے کہا جاتا ہے؟

جواب: ادب صرف انسان کی ذاتی واردات کا بیان نہیں ہے بلکہ میں اس میں جو کچھ دوسرے انسانوں پر گزرتا ہے، وہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس لیے ادب آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ لیکن اس میں جب آفاقیت پیدا ہو جاتی ہے یعنی ہر جگہ اور ہر زمانے کا انسان اس میں اپنا حال دیکھتا ہے تو یہ آفاقی ادب کہا جاتا ہے اور یہی بڑا ادب کہلاتا ہے۔

سوال8: ایک انسان دوسرے کے لکھے ہوئے ادب میں دلچسپی کیوں لیتا ہے؟

جواب: چوں کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اس لیے دوسرں کے ساتھ مل جل کے رہنا اور ان کے حالات و واقعات میں دلچسپی لینا بالکل فطری عمل ہے۔ اور ادب بھی ایک انسانی تخلیق ہے جو ذاتی اور اجتماعی جذبات کا عکس ہے، اس لیے انسان کا اس میں دلچسپی لینا بھی فطری ہے۔ اس کے ذریعے وہ اپنے اور دوسروں کے حالات سے باخبر رہتا ہے۔

سوال9: ادب اور حسن کا کیا تعلق ہے؟

جواب: چوں کہ انسان ادب میں اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کو خوب صورت انداز میں پیش کرتا ہے، اس لیے ادب اور حسن کا ساتھ ازلی ہے۔ دوسری طرف انسان فطرتاً حسن پسند ہے، اس لیے ادب میں دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ادب فنکارانہ حسن کا نمونہ ہوتا ہے۔

سوال10: ادب میں فنکار کا کمال کیا ہے؟

جواب: ایک بات تو طے ہے کہ ادب بہ ذات خود حسین ہوتا ہے لیکن اس کے موضوعات حسین بھی ہوتے ہیں اور بدصورت بھی۔ یہ فنکار کا کمال ہے کہ وہ بدصورت سے بدصورت موضوع کو بھی حسین بنا کر پیش کرتا ہے اور یہی چیز اسے ادب بناتی ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۱۸ء (ب) ۱۹۱۹ء (ج) ۱۹۲۰ء ✓ (د) ۱۹۲۱ء

2۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی سن وفات ہے:

(ا) ۱۹۹۶ء (ب) ۱۹۹۷ء (ج) ۱۹۹۸ء ✓ (د) ۱۹۹۹ء

3۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا:

(ا) علی گڑھ کالج (ب) دلی کالج (ج) اینگلو عربک کالج ✓ (د) اورینٹل کالج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

4۔ قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر عبادت بریلوی کس ادارے سے منسلک ہوئے:
(ا) گورنمنٹ کالج (ب) اسلامیہ کالج (ج) دیال سنگھ کالج (د) اورینٹل کالج ✓

5۔ سبق ''کچھ ادب کے بارے میں'' کے مصنف کا نام ہے:
(ا) ڈاکٹر سیّد عبداللہ (ب) ڈاکٹر عبادت بریلوی ✓ (ج) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ (د) ڈاکٹر انور سدید

6۔ سبق ''کچھ ادب کے بارے میں'' کس کتاب سے لیا گیا ہے:
(ا) فسانہ آزاد (ب) محاسن الاخلاق (ج) مباحث (د) تنقیدی زاویے ✓

7۔ ادب کا سوتا بہتا چلا آتا ہے:
(ا) صدیوں سے ✓ (ب) ہزاروں سال سے (ج) دو ہزار سالوں سے (د) ازل سے

8۔ ادب کی تخلیق کب شروع ہوئی:
(ا) لاکھوں سال پہلے (ب) ہزاروں سال پہلے
(ج) انسان کی ابتدا کے ساتھ ✓ (د) کچھ معلوم نہیں

9۔ ادب کی تخلیق______ کا نتیجہ ہے:
(ا) ضرورت (ب) طلب و تسکین (ج) دولت کمانے کے لیے (د) فطری خواہش ✓

10۔ ادب کی تخلیق کا تعلق ہے:
(ا) روحانی ✓ (ب) مادی (ج) ضرورت سے (د) غربت سے

11۔ ادب خوب صورت الفاظ کا جامہ پہناتا ہے:
(ا) خواہشات کو (ب) جذبات و احساسات کو ✓ (ج) جذبات کو (د) ضروریات کو

12۔ ابتدائی زمانے میں ادب کے نشانات ہمیں ملتے ہیں:
(ا) کہانیوں میں (ب) غاروں میں (ج) گیتوں میں ✓ (د) داستانوں میں

13۔ جب لکھنے کی ابتدا ہوئی تو ادب، محفوظ کیا گیا:
(ا) پتوں پر (ب) کاغذ پر (ج) کپڑے پر (د) ا، ب، ج ✓

14۔ خیالات اور احساسات کو دوسروں تک پہنچانا انسان کی______ ہے:
(ا) فطری خواہش ✓ (ب) ضرورت (ج) حاجت (د) اندرونی طلب

15۔ ادب انسان کا______ فعل ہے:
(ا) فطری (ب) اضطراری اور سماجی ✓ (ج) سماجی (د) اضطراری

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

16۔ بڑے ادب کی بڑی پہچان________ ہے:

(ا) علاقائی ہو (ب) قومی ہو (ج) آفاقیت ✓ (د) محدود ہو

17۔ انسان کے اندر________ سب سے قوی ہے:

(ا) خودنمائی کا جذبہ (ب) حسن کی نفی (ج) حسن کا احساس ✓ (د) حسن کی تعریف

18۔ انسان فطرتاً حسن کا________ ہے:

(ا) طلب گار (ب) شیدائی ✓ (ج) دوست (د) دشمن

19۔ ادب میں دلچسپی لینے سے________ ہوتی ہے:

(ا) احساسِ جمال کی تسکین ✓ (ب) مادی فائدہ

(ج) تسلی (د) بے چینی

20۔ احساسِ جمال ہر انسان کے اندر________ ہوتا ہے:

(ا) ایک جیسا (ب) نہیں (ج) تھوڑا بہت (د) لازمی ✓

21۔ موضوعات اگر بدصورت ہوں تب بھی ادب میں________:

(ا) کشش ہوتی ہے (ب) دلچسپی کا پہلو ہوتا ہے (ج) حسن ہوتا ہے ✓ (د) فائدہ ہوتا ہے

22۔ فنکار کا کمال یہ ہے کہ بدصورت چیز میں بھی________ پیدا کر سکے:

(ا) صفائی (ب) کشش (ج) رعنائی اور دلکشی ✓ (د) سفید رنگت

23۔ فنکار کی صناعی بدصورت چیز کو________:

(ا) اچھا بنا دیتی ہے (ب) حسن کے زیور سے آراستہ کرتی ہے ✓

(ج) اور بدصورت بناتی ہے (د) کم تر بنا دیتی ہے

24۔ بدصورت چیز کو حسین بنانا صرف________ کام ہے:

(ا) ادب کا (ب) ادب اور فنونِ لطیفہ کا ✓ (ج) فنونِ لطیفہ کا (د) میڈیکل سائنس کا

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لمحۂ فکریہ

مشتاق احمد صدیقی

(۲/ اگست ۱۹۶۰ء)

مصنف کا تعارف:

صوبہ خیبر پختونخواہ کے مردم خیز شہر ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے۔ پشاور یونیورسٹی سے ایم-اے (اُردو) کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۸۷ء سے صوبے کے مختلف کالجوں میں درس وتدریس میں مصروف رہے اور آج کل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج نمبر ا ایبٹ آباد میں بحیثیت صدر شعبۂ اُردو اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے ایم-فل اُردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے مقالہ مرزا عزیز احمد دلاورپوری، احوال و آثار (کسی کے حالات)، لکھ کر مکمل کیا جبکہ اسی یونیورسٹی سے پی-ایچ-ڈی کے ریسرچ سکالر رہے اور ان کے پی-ایچ-ڈی کے مقالے کا عنوان "ممتاز شیریں کا ذہنی ارتقاء" ہے۔

ان کا طبعی رجحان (فطری پسند ناپسند) تحقیق اور تنقید نگاری کی طرف رہا۔ ان کی نگارشات (تحریریں) مختلف ادبی رسائل وجرائد اور کالج میگزینز میں چھپتے رہے، ان کے اہم مطبوعہ مضامین درج ذیل ہیں:

۱- پیروڈی اور اُردو ادب	۲- تحقیق وتنقید کا رشتہ
۳- پنیاں انگارے ایک جائزہ	۴- تصورِ خدا اور مفہوم دُعا
۵- صحرائیت وبدویت اقبالؒ کی نظر میں	۶- ایہام گوئی کی تحریک کے اسباب

سبق کا تعارف:

یہ سبق ایک مضمون ہے۔ جو بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل اور ماحولیاتی آلودگی پر لکھا گیا ہے۔ اس میں جہاں مصنف نے بڑھتی ہوئی آبادی اور اس سے پیدا ہونے مسائل پر بحث کی ہے، وہیں انھوں نے انسانی اعمال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ماحولیاتی مسائل کو بھی نمایاں کیا ہے۔ ان کے خیال میں زمین پر خوش حال زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اعمال میں توازن پیدا کیا جائے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

لغت وتوضیحات

صفحہ نمبر 37

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
وطن عزیز	پیارا وطن	نظریہ آبادی	آبادی کا نظریہ
ترقی پذیر	ترقی کرنے والا	اِفراطِ آبادی	آبادی کے بڑھنے
قدرتی وسائل	قدرتی ذرائع	روز افزوں مہنگائی	آئے دن بڑھتی ہوئی مہنگائی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مالامال	بھرپور	مصائب	مسائل
آلودگی	فضائی گندگی	متعین کی جاتی ہے	طے کی جاتی ہے
معیارِ زندگی	زندگی کا معیار	بے تحاشا	بہت زیادہ
معیشت دان	معیشت کا علم رکھنے والا		

صفحہ نمبر 38

لہجۂ فکریہ	فکر انگیز لہجہ	وسائل کی قلت	وسائل کی کمی
آگاہی	کسی کے بارے میں معلومات دینا	توازن	برابری
تخلیقِ آدمؑ	آدمؑ کی پیدائش	پیچیدہ حالات	پُر پیچ حالات
لامحالہ	لازما	ناگزیر ہے	نہایت ضروری ہے
بے تحاشا	بہت زیادہ	فقدان	کمی ہے

صفحہ نمبر 39

نجی	ذاتی یا غیر سرکاری	آزادیٔ اظہار	بات کرنے کی آزادی
جوئے خون	خون کی ندی	ممد ومعاون	مددگار
دہر	دنیا	عدمِ توازن	توازن نہ ہونا
مفلسی	غربت کی انتہائی معراج	ابتری	بُری حالت
مادی اشیاء	دنیاوی ضرورت کی چیزیں	انتشار	اتفاق کی ضد
ذہنی کیفیت	ذہنی حالت	خود اعتدالی	ذاتی طور پر درمیان راستہ اپنانا
شرحِ خواندگی	پڑھے لکھے افراد کی شرح	تشکیل پانا	شکل پانا، بننا
جمہوری اقدار	جمہوری قدریں	ماخوذ	اخذ کیا گیا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

شہری آبادیوں کا استعمال شدہ گندہ پانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور آبادی کے بارے میں فکر مند ہوں۔(صفحہ 38)

سبق کا عنوان: لمحۂ فکریہ

مصنف کا عنوان: مشتاق احمد صدیقی

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے جو بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل اور ماحولیاتی آلودگی پر لکھا گیا ہے۔اس میں جہاں مصنف نے بڑھتی ہوئی آبادی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل پر بحث کی ہے، وہیں انھوں نے انسانی اعمال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ماحولیاتی مسائل کو بھی نمایاں کیا ہے۔ان کے خیال میں زمین پر خوش حال زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اعمال میں توازن پیدا کیا جائے۔

زیرِ نظر اقتباس میں مصنف شہروں میں بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی اور اس کے نتائج پر بحث کر رہے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ جہاں شہروں میں بڑھتی ہوئی آبادی ایک طرف قدرتی وسائل کے لیے خطرہ ہے، وہیں اس سے ماحولیاتی مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ شہری آبادیوں کا استعمال شدہ گندے پانی، کارخانوں، فیکٹریوں اور گاڑیوں سے نکلنے والے دھویں اور ہر طرف پھیل جانے والی گندگی نے آبی، فضائی اور زمینی آلودگیوں میں اضافہ کیا ہے۔جس سے انسانی صحت اور زندگی کو بے پناہ خطرات کا سامنا ہے۔ان آلودگیوں کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔جو آنے والی نسلوں کی بقا کے لیے بھی ایک بہت بڑا خطرہ ہیں۔ہر طرف گندگی کے ڈھیر، گندہ پانی، دھواں انسانی صحت اور زندگی کے لیے زہرِ قاتل بنا ہوا ہے۔صرف گندے پانی کے مسائل کی وجہ سے آج دنیا کی کثیر آبادی ہیپاٹائٹس جیسی جان لیوا بیماریوں کا شکار ہے۔ بقول آتش:

بستیاں چاند ستاروں پر بسانے والو   کرۂ ارض پر بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ

پھر مصنف آلودگی کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی آبادی کے ایک دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ بڑھتی ہوئی آبادی سے قدرتی وسائل پر بے پناہ بوجھ پڑتا ہے۔اگر آبادی زیادہ ہو اور وسائل کم ہوں تو لامحالہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمیں وسائل کی قلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔اور جب وسائل کی قلت ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ بڑھتے ہوئے انتشار اور افراتفری کی صورت میں نکلے گا۔لوگ ایک دوسرے سے آگے نکل کر وسائل پر قبضہ جمانے کی کوشش کریں گے۔جس کا نتیجہ جنگوں اور لڑائیوں کی صورت میں نکلے گا اور یوں نہ صرف انسانی آبادی بے پناہ خطرات سے دوچار ہوگی بلکہ آگے چل کر اس کی بقا کا مسئلہ بھی سر اُٹھائے گا۔وہ مشہور برطانوی معیشت دان تھامس مالتھس کے نظریہ آبادی سے اتفاق کرتے ہوئے، آبادی میں کمی کرنے والے اقدامات پر زور دیتے ہیں۔ان کے خیال میں آج انسان کو درپیش اس سب سے بڑے مسئلے کے حل کے لیے دنیا بھر کے معیشت دان، منصوبہ ساز اور ماحول دوست افراد فکر مند ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ آبادی اور وسائل میں ایسا توازن پیدا کیا جا سکے جو پوری نوعِ انسانی کے لیے مفید ہو۔جس سے انسان کا معیارِ زندگی بہتر بنایا جا سکے۔اسے بہتر سے بہتر ماحول اور مواقع میسر آ سکیں۔ لیکن یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے جب بڑھتی ہوئی آبادی اور ماحولیاتی آلودگی پر قابو پایا جا سکے۔

MDCAT BY (FUTURE DOCTOR) TOUSEEF AHMAD

اقتباس 2:

بہتر معیار زندگی ہر فرد کا بنیادی حق ہے۔--------------------بے روزگاری کی شرح میں بے حد اضافہ ہوجاتا ہے۔(صفحہ 39)

سبق کا عنوان: لمحۂ فکریہ

مصنف کا عنوان: مشتاق احمد صدیقی

تشریح

یہ سبق ایک مضمون ہے جو بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل اور ماحولیاتی آلودگی پر لکھا گیا ہے۔اس میں جہاں مصنف نے بڑھتی ہوئی آبادی اور اس سے پیدا ہونے مسائل پر بحث کی ہے، وہیں انھوں نے انسانی اعمال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ماحولیاتی مسائل کو بھی نمایاں کیا ہے۔ان کے خیال میں زمین پر خوش حال زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اعمال میں توازن پیدا کیا جائے۔

زیر نظر اقتباس میں مصنف بڑھتی ہوئی آبادی کے منفی اثرات کا جائزہ لے رہے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ ہر انسان کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ بہتر معیار کے ساتھ زندگی گزارے۔لیکن یہ تب تک ممکن نہیں جب تک آبادی اور وسائل میں توازن پیدا نہیں ہوسکتا۔جب آبادی موجودہ وسائل سے زیادہ ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ انتشار پیدا ہوگا۔ہر انسان یا گروہ دوسروں سے آگے بڑھ کر وسائل پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ جس سے ان کے آپس کے تعلقات میں محبت، رواداری، احترام کی جگہ خود غرضی، بے اطمینانی اور نفرت جنم لے گی۔جب صورتِ حال یہ ہوگی کہ آبادی کے ایک حصے کو تو وسائل دستیاب ہوں گے لیکن دوسرا حصہ ان سے محروم ہوگا تو ان کے درمیان نفرت کا پیدا ہوجانا لازمی امر ہوگا۔یہی نفرت آگے چل کر جنگوں اور لڑائیوں کی صورت اختیار کرے گی۔جس سے بذات خود انسانی نسل کے لیے بھی خطرات بڑھیں گے۔پھر دوسری طرف خود غرضی جیسی سماجی برائیاں جنم لیں گیں۔جو ہر سماجی برائی کی بنیاد ہے۔کیونکہ جب معاشرے میں ہر طرف نفسا نفسی اور خود غرضی پھیل جائے تو ہمدردی اور محبت جیسے مثبت رویے دم توڑ دیتے ہیں۔لوگ ایک دوسرے سے صرف غرض کے رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانیت دم توڑ دیتی ہے اور بے حسی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔پھر جرائم کی شرح میں اضافہ ہوجاتا ہے۔کیونکہ آبادی اور وسائل کے درمیان عدم توازن سے بے روزگاری بڑھتی ہے۔جس کا نتیجہ بڑھتے ہوئے جرائم کی صورت میں نکلتا ہے۔خصوصاً نوجوان اس سے متاثر ہوتے ہیں اور پھر وہ تاریک راستوں کے مسافر بن جاتے ہیں۔جس کا انجام نہ صرف ان کے لیے بھیانک ہوتا ہے بلکہ معاشرے کی بنیادوں کو بھی کمزور کر دیتا ہے۔عدم تحفظ اور عدم اطمینان عام ہوجاتا ہے۔الغرض مصنف کے خیال میں ان تمام مسائل سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ آبادی اور قدرتی وسائل میں ایک توازن پیدا کیا جائے جو ایک خوش حال انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے اور جب یہ حالات پیدا ہوجاتے ہیں تو بقول جون ایلیا انسان میں یہ سوچ پیدا ہوجاتی ہے:

وفا ، اخلاص ، قربانی ، محبت
اب ان لفظوں کا پیچھا کیوں کریں ہم

مشق

۱۔ متن کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) وطنِ عزیز ایک..................ملک ہے۔ (ترقی پذیر)

(ب) تخلیقِ آدم کے بعد نسل انسانی..................سے پھیلنی شروع ہوئی۔ (تیزی)

(ج) درختوں کے بے تحاشا..................سے جنگل سکڑ گئے۔ (کٹاؤ)

(د) تا کہ پوری..................کے معیار زندگی کو بہتر کیا جاسکے۔ (نوعِ انسانی)

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

(ہ) وطنِ عزیز بھی اسی طرح کے .... سے دو چار ہے۔ (پیچیدہ حالات)

(و) بہتر معیارِ زندگی ہر فرد کا .... حق ہے۔ (بنیادی)

(ز) جس میں ہماری .... اقدار سب سے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ (مذہبی)

۲۔ معیارِ زندگی سے کیا مراد ہے؟ اس کو کس طرح بلند کیا جاسکتا ہے؟

جواب: معیارِ زندگی سے مراد ہے، زندہ رہنے کے لیے بنیادی ضروریات اور سہولیات کا میسر ہونا ہے۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کے لیے چند بنیادی ضروریات مثلاً روٹی، کپڑا اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے ساتھ اسے چند بنیادی سہولیات مثلاً صحت، تعلیم اور سکیورٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مصنف کے خیال میں معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے آبادی پر کنٹرول، شرح خواندگی میں اضافے اور بہتر ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ اگر وطنِ عزیز کی آبادی وسائل کے مطابق ہو تو وطن میں کیا متوقع تبدیلیاں رونما ہوں گی؟

جواب: مصنف کے مطابق اگر وطنِ عزیز میں آبادی وسائل کے مطابق ہو تو غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، معاشی خوش حالی آسکتی ہے، لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہوجاتا ہے اور سماجی برائیاں نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہیں۔

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہوجائے۔

الفاظ و محاورات	جملے
دباؤ	وہ دباؤ میں کام نہیں کرسکتا۔
منصوبہ بندی	ہمیں ہر کام کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔
خود اعتدالی	ہر شخص کو خود اعتدالی کی عادت ڈالنی پڑے گی۔
انتشار	جب معاشرے میں انصاف نہ ہو تو انتشار برپا ہوجاتا ہے۔
پاسداری	ہمیں اپنے وعدوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔

۵۔ درج ذیل الفاظ کو اِعراب لگا کر درست تلفّظ کے ساتھ لکھیں۔

تَشْکِیل، مِعْیار، اَمْر، آخِرَت، تَوازُن

۶۔ اپنے شہر کے میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر کو خط لکھیں اور شاپنگ بیگ کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں تلف کرنے کی تجاویز دیں۔

جواب: دیکھیے (خطوط نویسی)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: عموماً کس قسم کے دباؤ کے نتیجے میں کسی ملک یا معاشرے میں معیارِ زندگی میں کمی واقع ہوجاتی ہے؟

جواب: جب کسی ملک یا معاشرے میں آبادی اور وسائل کے درمیان بہت زیادہ فرق واقع ہوجاتا ہے، خصوصاً خوراک کے وسائل بہت زیادہ کم ہوجاتے ہیں اور آبادی بڑھ جاتی ہے تو عموماً اس ملک یا معاشرے میں معیارِ زندگی میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMED)

سوال 2: مشہور برطانوی معیشت دان تھامس مالتھس کا نظریہ آبادی کیا ہے؟

جواب: مشہور برطانوی معیشت دان تھامس مالتھس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ چوں کہ آبادی کا بڑھنا وسائل میں کمی کا باعث بنتا ہے اس لیے آبادی میں کمی لا کر وسائل پر پڑنے والے دباؤ اور کمی کو دور کیا جا سکتا ہے۔

سوال 3: آبادی کے حوالے سے ترقی پذیر ملکوں کا المیہ کیا ہے؟

جواب: گزشتہ دہائیوں میں ترقی پذیر ممالک مثلاً بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش اور پاکستان آبادی میں اضافے کا شکار ہیں۔ ان ممالک میں بڑھتی ہوئی آبادی سے ان کے وسائل میں تیزی سے کمی واقع ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی ترقی کی رفتار متاثر ہو رہی ہے۔

سوال 4: شہری آبادیوں کے مسائل کیا ہیں؟

جواب: شہری آبادیوں میں بڑھتی ہوئی آبادی سے استعمال شدہ گندے پانی، کارخانوں، فیکٹریوں اور گاڑیوں کے دھوئیں، کوڑا کرکٹ اور ہر طرف پھیلی ہوئی گندگی نے بہت متاثر کیا ہے۔ ان کی وجہ سے شہری آبادیاں آبی، فضائی اور زمینی آلودگی کا بری طرح شکار ہیں۔

سوال 5: معیارِ زندگی کا سماجی ماحول سے کیا تعلق ہے؟

جواب: جہاں مادی چیزیں اور سہولیات معیارِ زندگی کو بہتر بناتی ہیں وہیں سماجی ماحول بھی اسے بلند کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے جس معاشرے میں تعلیم عام ہو، صحت کی سہولیات آسانی سے میسر ہوں، خواتین کو ان کا جائز مقام حاصل ہو، ہر کسی کو ترقی کے یکساں مواقع میسر ہوں، قانون سب کے لیے برابر ہو اور پڑھنے لکھنے کا رواج ہو، وہاں معیارِ زندگی بہتر ہو جاتا ہے۔

سوال 6: کیا آپ مصنف کی رائے سے متفق ہیں؟

جواب: مصنف نے جو رائے پیش کی ہے وہ تھامس مالتھس کی ہے۔ اسلام کی رائے یہ ہے کہ اللہ جس جاندار کو زمین پر اُتارتا ہے، اس کا رزق ساتھ اُتارتا ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جتنی آبادی زیادہ ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ زمین کی پیداوار ہوتی ہے۔ مسئلہ وسائل کی کمی کا نہیں بلکہ وسائل کی منصفانہ تقسیم کا ہے۔ آج دنیا میں صرف 26 لوگ دنیا کی آدھی آبادی کی دولت سے زیادہ دولت کے مالک ہیں۔ اسی طرح دنیا بھر میں 1 فیصد لوگ 99 فیصد لوگوں سے زیادہ دولت کے مالک ہیں۔ اور یہ سب کچھ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہے جو وسائل کو 1 فیصد لوگوں کے ہاتھ میں اکٹھا کر دیتا ہے۔ وسائل کی منصفانہ تقسیم صرف اور صرف اسلام کے معاشی عدل سے وجود میں آتی ہے۔ جس میں دولت امیروں کے ہاتھ میں جمع ہونے کی بجائے معاشرے میں گردش کرتی رہتی ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ مشتاق احمد صدیقی کس سن میں پیدا ہوئے:

(ا) ۱۹۶۰ء ✓ (ب) ۱۹۶۱ء (ج) ۱۹۶۲ء (د) ۱۹۶۳ء

2۔ مشتاق احمد صدیقی کس شہر میں پیدا ہوئے:

(ا) پشاور (ب) مردان (ج) سوات (د) ایبٹ آباد ✓

3۔ مشتاق احمد صدیقی کا طبعی رجحان کس چیز کی طرف ہے:

(ا) ناول اور افسانہ (ب) ناول اور داستان (ج) تنقید اور تحقیق ✓ (د) مضمون نگاری

MDCATBYFUTUREDOCTORSYOUSUFAHMAD

4۔ پاکستان ایک ________ ملک ہے:

(ا) ترقی یافتہ (ب) کمزور (ج) ترقی پذیر ✓ (د) طاقت ور

5۔ پاکستان کی ترقی کی راہ میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں:

(ا) دہشت گردی اور لاقانونیت (ب) آلودگی اور آبادی ✓

(ج) بے روزگاری (د) لوڈ شیڈنگ

6۔ وسائل اور آبادی کے مابین تفاوت سے متاثر ہوتا ہے:

(ا) حکومت (ب) ریاست (ج) معیارزندگی ✓ (د) ترقی

7۔ نظریۂ آبادی پیش کیا:

(ا) تھامس مالتھس نے ✓ (ب) سٹیوارٹ مل نے (ج) سرسید نے (د) مشتاق احمد صدیقی نے

8۔ آبادی کے دباؤ کی ________ قسمیں ہیں:

(ا) پانچ (ب) چار (ج) چھ (د) دو ✓

9۔ ہمارے ملک میں آبادی کے دباؤ کی ایک بڑی وجہ ہے:

(ا) کم عمری میں شادی ✓ (ب) بڑی عمر میں شادی

(ج) فرصت کے اوقات کی کثرت (د) گرم مرطوب آب وہوا

10۔ ہماری سالانہ شرح آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے:

(ا) 1.63 فیصد (ب) 1.73 فیصد ✓ (ج) 1.83 فیصد (د) 1.93 فیصد

11۔ ۲۰۵۰ء تک ہماری آبادی ________ ہو جائے گی:

(ا) 349 ملین ✓ (ب) 350 ملین (ج) 351 ملین (د) 352 ملین

12۔ آبادی میں اضافے کی وجہ سے ________ بوجھ بڑھ گیا ہے:

(ا) لوگوں پر (ب) والدین پر (ج) حکومت پر (د) قدرتی وسائل پر ✓

13۔ معیشت اور ماحولیات کے منصوبہ ساز زور دیتے ہیں:

(ا) وسائل بڑھانے پر (ب) ضروریات گھٹانے پر

(ج) وسائل اور ضروریات کے توازن پر ✓ (د) ضروریات بڑھانے پر

14۔ منصوبہ سازوں کا اصل ٹارگٹ ہے:

(ا) وسائل بڑھانا (ب) معیارِ زندگی بڑھانا ✓ (ج) آسائشیں بڑھانا (د) آبادی بڑھانا

✪✪✪✪✪

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMED)

داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں

رتن ناتھ سرشار

(۱۸۴۶ء - ۱۸۹۵ء)

مصنف کا تعارف:

پنڈت رتن ناتھ سرشار کا شمار اُردو ادب کے ممتاز (نمایاں) ادیبوں میں ہوتا ہے۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔ تخلیق نگاری کا شوق اُنہیں اخبارات اور رسائل کی طرف کھینچ لایا، وہ مختلف رسالوں اور اخبارات کے مدیر (کسی رسالے کا نگران) رہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد (حیدر آباد دکن کے دوبار وزیر اعظم رہے۔ انگریزی حکومت سے بھی سر کا خطاب ملا۔) کی دعوت پر حیدر آباد چلے گئے اور "دبدبۂ آصفی" (جلیل مانک پوری نے یہ رسالہ حیدر آباد سے نکالا تھا۔) کے ایڈیٹر بن گئے۔ اُن کا انتقال ۱۸۹۵ء میں حیدر آباد میں ہوا۔

اُردو ناول کے ارتقاء (مرحلہ بہ مرحلہ ترقی) اور فروغ میں سرشار کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ اُن کی تخلیقات فسانۂ آزاد، جامِ سرشار اور سیر کہسار نے ایسی شہرت پائی کہ بہت سے نامی گرامی مصنّفین اور مصلحین (اصلاح کرنے والے) قوم ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا ابتدائی ناول "فسانۂ آزاد"، اخبارِ اودھ میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ ان کے ناولوں میں سیر سپاٹے، ہنسی مذاق اور عجیب وغریب کمالات موجود ہیں۔ ان کا قلم رواں دواں تھا اور انداز اتنا پختہ تھا کہ محیر العقول (عقل کو حیرت میں ڈال دینے والا) واقعات پر بھی حقیقت کا گماں ہوتا تھا۔

دراصل اُن کا نظریہ تھا کہ ناول محض حظ (لطف اٹھانا) اُٹھانے اور وقت گزاری کا وسیلہ ہے۔ اُن کے ناولوں میں بالواسطہ مقصدیت (جس میں کوئی مقصد ہو) اور اصلاح (خامیاں دور کرنا اور بہتری لانا) کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اُنہوں نے اپنی نثر کو آرائش (سجانا) سے محفوظ رکھا ہے۔ تاہم محاورات، روزمرہ اور تمثیل وتشبیہ (مثال اور کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینا) کی معاونت (مدد) سے اس کا رشتہ قدیم طرزِ تحریر (تحریر لکھنے کا انداز) سے جڑتا نظر آتا ہے۔

سبق کا تعارف:

یہ سبق رتن ناتھ سرشار کے ناول "فسانۂ آزاد" سے ماخوذ ہے۔ یوں تو رتن ناتھ سرشار نے کئی ناول لکھے لیکن جو شہرت "فسانہ آزاد" کے حصے میں آئی، دوسرے اس سے محروم رہے۔ اگرچہ اس ناول کا پلاٹ ڈھیلا ڈھالا ہے لیکن یہ ناول لکھنو کی زوال پزیر معاشرت کی سچی تصویر ہے۔ جس میں اس کی تہذیبی، سیاسی اور اخلاقی ٹوٹ پھوٹ کا مشاہدہ بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ اس ناول کے کردار لکھنو کی ڈوبتی ہوئی تہذیب کے نمائندہ کردار ہیں۔ زیر بحث سبق میں "داروغہ" اور "خوجی" کے کرداروں سے معاشرے میں پائی جانے والی اخلاقی گراوٹ کا اندازہ بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 42

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
داروغہ	کسی محکمے کا انتظام چلانے والا	کھداوند	اللہ تعالیٰ، خداوند
باسی	پرانی	گلام	غلام
کمر باندھنا	کسی کام پر اتر آنا	مجال	ہمت
بھائی بند	ہم پیشہ افراد	چاشنی	مٹھاس
در چوم کے	منت سماجت کر کے	جرا	ذرا
راندے جانا	ٹھکرائے جانا	اوِل مال	ایک نمبر مال، اعلیٰ درجے کا مال

صفحہ نمبر 43

ماشور	مشہور	وارے نیارے	موجیں
لجت	لذت، ذائقہ	اُجی ہجور	ارے حضور
ہونٹ بندھنے لگنا	مزہ آنے لگتا ہے	بھید	راز
تاریکھ	تاریخ	پیڑ	درخت
انگریجی	انگریزی	مُل	بھاؤ
گدے بازیاں کرنا	عقل دوڑانا، قیاس کرنا	وجن	وزن
بکھیڑا	جنجال، مصیبت	کتر بیونت	کانٹ چھانٹ
جھنجٹ	پریشانی	سیر بھر	گلو کے قریب
یاروں	دوستوں		

صفحہ نمبر 44

اندھیر نگری چوپٹ راجہ	جہاں ظلم ہو وہاں حکومت ناکام ہوتی ہے	خوجی	خوج لگانے والا
چین کرو	آرام کرو	ساجھا نہ ہوگا	حصہ نہ ہوگا
رسید	پرچی	بھنگ	نشہ آور شربت

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مول تو	حساب کتاب	واہی تباہی	بکواس
باکی	باقی	بےہودہ	بری باتیں
ممارک	مبارک ہو	دست پناہ	ناہ دینے والے ہاتھ، چمٹا
ماملے	معاملے	ٹکرگدوں	ٹکڑوں پر پلنے والے
پھٹکار	لعنت	گیدی	بےعزت
کورنمک	ناشکرا، نمک حرامی	قرولی	شکاری چاقو
روسا	امیرزادے	غرّاتا ہے	بھکاری دھاڑتا ہے
جون تک نہ رینگی	ذرا اثر نہ ہوا	مردک	حقیر آدمی، ناکارہ شخص
بالائی رقم	اوپر کی رقم	کچا چٹھا جڑنا	صحیح صحیح حال بتانا
شیرِ مادر	ماں کا دودھ		

صفحہ نمبر 45

صحبت	محفل	ٹیڑھی کھیر	مشکل کام ہے
گھانس نہیں چھیلا کیے	گھاس نہیں کاٹی	پھوٹی قسمت	بدقسمتی
چہرہ شاہی	سرکاری سکہ جس پر بادشاہ کی تصویر ہو	بوہنی	دن کا پہلا سودا
الٹی آنتیں گلے پڑنا	نیکی کا بدلہ بدی میں ملنا	منحوس	نحوست بھری
چین چپڑ کرنا	جھگڑا کرنا، تکرار کرنا	وارے نیارے ہونا	موجیں ہونا
قلعی کھولنا	حقیقت سامنے لانا	بزاز	کپڑے کا کاروبار کرنے والا
موم ہوگئے	نرم پڑگئے ہو		

صفحہ نمبر 46

جھنجھٹ	جھگڑا	مردنی چھا جانا	چہرہ مرجھا جانا
ولایت سے	لندن سے	ہوائیاں اُڑی ہونا	ہوش اڑے ہونا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دوج	قمری مہینے کی دو تاریخ تک	نیارا	چالاک، ہوشیار
سنڈ نہیں	اجازت نہیں	پتے پر ٹوک دیا	ہاتھ پر ٹوک دیا
کھپریل	کھپروں سے بنائی چھت	چنیں چناں	ایسا ویسا
رینگتے ہوئے	آہستہ آہستہ چلتے ہوئے	مونڈھے	کرسی نما چیز
دن سے موجود	اچانک آ گئے	تدبیر	طریقہ

صفحہ نمبر 47

گیدی	بے عزت	غل مچانا	شور مچانا
بے تر کرنا	گڑبڑ کرنا، ادھر ادھر کرنا	دھول دھپے	مار پیٹ
اتنی کرولیاں	اتنے چاقو	جھلا رہے تھے	برا محسوس کر رہے تھے
چپت جمائی	چانٹ لگائی	واللہ	اللہ کی قسم
گتھ گئے	لڑنے لگے	تگڈم	تین افراد کا گٹھ جوڑ

صفحہ نمبر 47

فریاد	عرض	صلواتیں سنانا	گالیاں دینا، بھلا کہنا
وکھت	وقت	دھپیائے گئے	تھپڑ مارے گئے
لاکھ لاکھ کہا	بے شمار مرتبہ کہا	بے بھاؤ کی پڑنا	مار کھانا، بے عزت ہونا
پنجے جھاڑ کر	مکمل طور پر	تان تان کر	نشانہ باندھ کر
چتپٹ	ایک قسم کی شرط Toss	لپٹر	تھپڑ
کمجور	کمزور	مردک خر	گدھے جیسے حقیر بندہ
چھٹی کا دودھ یاد آنا	بہت زیادہ شرمندہ ہونا، بہت مار کھانا	شنوائی	بات نہ سننا
خاص دان	مخصوص نشست	خدام	خادم کی جمع

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 48

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
معا	اچانک	گیدی	بے عزت، نکما
فقرہ چست کیا	فقرہ، جملہ ارشاد کیا	تکیہ کلام	بات کرنے کا مخصوص انداز
ڈٹے بیٹھے تھے	اکڑے بیٹھے تھے	تا کے باشد	کب تک ایسا ہوگا
واقف	جاننا	بھڑ پڑے	لڑ پڑے
کھوٹے	جعلی	پیچ بچاؤ کرنا	معاملہ رفع دفع کرانا
لام کاف بکنے لگے	برا بھلا بکنے لگے	جھلے	بے وقوف
کھب گئی	جم گئی، اتر گئی	بچرو	بچارہ
اظہار	رائے	لپاڈگی	جسمانی لڑائی، مار دھاڑ
مینڈھے لڑا دیے	آپس میں لڑائی شروع کروا دی	کندے تول کے رہنا	
تیکھے	تیز، چالاک	قرولی بھونکنا	

صفحہ نمبر 49

گاؤدی	احمق، نادان	موکے	موقع
گراں	مہنگا	چوکنا	حیران ہونا
ارزاں	سستا	گدھا پن	بیوقوف بننے والی بات ہے
واسطہ	تعلق	سمجھوتا	معاہدہ
گرہ	جیب	مراسم	تعلقات
نوبت آئی	بات پہنچی	مثل	مانند
پردہ ہی نہیں	راز ہی نہیں	عزیزوں	پیاروں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 50

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
گھبراتے کیوں ہو	پریشان کیوں ہوتے	دھاڑس ہوئی	حوصلہ ملا
تلوہ اڑا لیے	بغیر محنت کے فائدہ اٹھانا	بلا ٹلی	معاملہ رفع دفع ہوا
لیس ہونا	بھرپور ہونا	پٹ پٹا کر	مار کھانے کے بعد
بڑے کائیاں ہو	مراد بہت تیز ہو	پچھواڑے	پچھلی جانب سے
باہم گفتگو	آپس کی بات چیت	موکھے	بڑے سوراخ
موکھا	بڑے روشن دان	کارروائی	معاملہ
حواس غائب	ہوش اڑ گئے	کسور	قصور
اسرار	راز، بھید	اجی	ارے

صفحہ نمبر 51

کدورت	نفرت	کھاسی	خاصی
نہ ٹلوں گا	پیچھے نہ ہٹوں گا	رقم	رقم ہے
مرمت	خوب پٹائی کی	گرو	سردار
اتفاق سے	قدرتی طور پر	ساجھے کو مستعد	حصہ لینے کے تیار
ایسٹھ	دغا، فریب، بددیانتی		
ازخرس موئے بس است	ریچھ سے بال ملنا بھی مناسب ہے یعنی کنجوس شخص سے تھوڑا ملنا بھی کافی ہے		

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

الغرض داروغہ نے حلوائی کو راضی کر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رقم اُڑائی ہی لی، پھر وہ تو شیرِ مادر ہے۔ (صفحہ 44)

سبق کا عنوان: داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں

مصنف کا نام: رتن ناتھ سرشار

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

یہ سبق رتن ناتھ سرشار کے ناول ''فسانہء آزاد'' سے ماخوز ہے۔ یوں تو رتن ناتھ سرشار نے کئی ناول لکھے لیکن جو شہرت ''فسانہ آزاد'' کے حصے میں آئی، دوسرے اس سے محروم رہے۔ اگرچہ اس ناول کا پلاٹ ڈھیلا ڈھالا ہے لیکن یہ ناول لکھنو کی زوال پزیر معاشرت کی سچی تصویر ہے۔ جس میں اس کی تہذیبی، سیاسی اور اخلاقی ٹوٹ پھوٹ کا مشاہدہ بہ خوبی کیا جا سکتا ہے۔ اس ناول کے کردار لکھنو کی ڈوبتی ہوئی تہذیب کے نمائندہ کردار ہیں۔ زیر بحث سبق میں ''داروغہ'' اور ''خوجی'' کے کرداروں سے معاشرے میں پائی جانے والی اخلاقی گراوٹ کا اندازہ بہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

زیر بحث اقتباس میں ناول نگار داروغہ جی اور حلوائی کے درمیان ہونے والے اتفاق کو واضح کر رہے ہیں۔ داروغہ جو نواب صاحب کے خاص ملازم تھا اور ان کے تمام حساب کتاب کا خیال رکھتا تھا۔ لیکن بنیادی طور پر وہ ایک بے ایمان شخص تھا۔ وہ نواب صاحب کے پیسوں اور حساب کتاب میں بے ایمانی کیا کرتا ہے۔ اس بار بھی جب حلوائی اپنے پیسے لینے آیا تو داروغہ نے اس کے ساتھ مل کر پیسوں میں ہیر پھیر کی۔ اصل میں تو حلوائی کے صرف اڑتیس روپے بنتے تھے لیکن دونوں نے مل کر اس رقم کو ایک سو باون بنا دیا۔ جس میں سے ایک سو روپے حلوائی کو ملے اور باون روپے داروغہ نے خود رکھے۔ یہ بے ایمانی کوئی پہلی دفعہ نہیں ہو رہی تھی۔ حرام خوذ ملازم ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ سب لکھنو کی اس ڈوبتی ہوئی تہذیب کا حصہ تھا۔ جہاں رئیس نواب اپنی اپنی عیش و عشرت میں مگن تھے۔ انھیں کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ ان کے ملازم ان کی دولت کس طرح اُڑا رہے تھے۔ گویا دونوں ہاتھوں سے دولت لٹائی جا رہی تھی۔ ایک طرف عیش و عشرت تھی تو دوسری طرف ملازموں کی ہیر پھیر۔

اس واقعے میں بھی نواب کو کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اپنے حال میں مست تھا۔ اسے کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ اس کا داروغہ دوسروں کے ساتھ مل کر کس طرح اس کی دولت پانی کی طرح بہا رہا تھا۔ یہ سب کچھ لکھنو کے زوال معاشرے کی وہ سچی تصویریں ہیں جو ہمیں اس ناول میں نظر آتی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ وہ اسباب ہیں جنھوں نے ایسے معاشرے کو، جہاں دولت کی ریل پیل عام تھی، برباد کر کے رکھ دیا۔

مشق

۱۔ **بزاز، داروغہ اور میں خوجی کے درمیان ہونے والے معاملے کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔**

جواب: داروغہ اور بزاز کمرے میں بیٹھے حساب کتاب میں سے ہیر پھیر کر رہے تھے کہ خوجی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے خوجی کو ٹالنا چاہا لیکن وہ وہاں سے ہلنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ آخرِ کار بزاز نے انھیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ داروغہ نے میاں خوجی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بزاز نے جی بھر کے انھیں پیٹا۔ جب خادموں نے نواب صاحب کو اطلاع دی تو بزاز پہلے ہی پہنچ گیا اور میاں خوجی کی شکایت کرنے لگا کہ وہ حساب کتاب میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ داروغہ نے بھی میاں خوجی کی شکایت کی کہ انھوں نے فلاں فلاں چیز توڑ دی ہے۔ میاں خوجی نے اپنی عزت رکھنے کے لیے کہا کہ کسی نے ہاتھ نہیں اُٹھایا، بس تو تکار ہوئی تھی۔ وہ نواب صاحب کے پاس ہی بیٹھے رہے جبکہ داروغہ اور بزاز دونوں واپس کمرے میں جا کر ہیر پھیر کرنے لگے۔

۲۔ **داروغہ اور حلوائی میں کیا معاملہ طے پایا؟**

جواب: داروغہ نے جب حلوائی سے حساب کتاب پوچھا تو اس نے اندازے سے ایک سو بیالیس روپے بتائے۔ داروغہ نے اس کے حساب سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ بس ایک سو بیالیس کو ایک سو باون کر دو۔ اور ایک سو تم لے لو اور باون وہ خود رکھ لیں گے۔ جبکہ حقیقت

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

تھی کہ کل ملا کر چالیس روپے کی مٹھائی بھی نہیں آئی تھی۔

۳۔ اس اقتباس کی روشنی میں داروغہ کے کردار پر ایک پیراگراف لکھیے۔

جواب: رتن ناتھ سرشار کا یہ ناول ڈوبتی ہوئی لکھنوی تہذیب کا نمائندہ ناول ہے۔ اس ناول میں اس زوال پذیر تہذیب کا قریباً ہر نمائندہ کردار نظر آتا ہے۔ داروغہ بھی اسی تہذیب کا ایک ایسا کردار ہے جو ڈوبتی کشتی میں دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کے چکر میں ہے۔ وہ نواب صاحب کا میر منشی ہے لیکن وہ ہر لین دین میں ''یاروں کا حصہ'' لینا نہیں بھولتا۔

۴۔ درج ذیل محاورات اور ضرب الامثال کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہو جائے۔

الفاظ و محاورات	جملے
پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں	سرکاری ملازمت میں اس کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔
ہوائیاں اڑنا	پولیس کو دیکھ کر اس کی ہوائیاں اڑنے لگیں۔
مینڈھے لڑانا	وہ فارغ بیٹھے مینڈھے لڑاتے رہتے ہیں۔
اندھیر نگری چوپٹ راج	لاقانونیت نے اس شہر میں اندھیر نگری اور چوپٹ راج بنا رکھا ہے۔
وارے نیارے ہونا	انعام نکلنے سے اس کے وارے نیارے ہو گئے۔

۵۔ اس عبارت کی روشنی میں بتائیے کہ اُس وقت لکھنو کے نوابوں کے کیا رنگ ڈھنگ تھے۔

جواب: لکھنو کی اس زوال پذیر تہذیب کے سب سے اہم کردار رئیس، اُمرا اور نواب تھے جو عیش و عشرت کی اندھی لذت میں ہر چیز بھولے ہوئے تھے۔ لکھنو معاشی لحاظ سے بہت خوش حال تھا۔ آمدنی بے حساب تھی اور کام کاج نام کو نہیں تھا۔ اس لیے دن رات عیش و عشرت، بٹیر لڑانا، رقص و سرور کی محفلیں اور شعر و شاعری۔ بس یہی کار رنگ ڈھنگ تھے اور کسی کو یہ فکر نہیں تھی کہ ان کی دولت ان کے ملازم کس طرح دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے تھے۔

۶۔ کسی پیشے یا طبقے کے لوگ تبادلہ خیال کے لیے الفاظ کو وضعی کی بجائے کچھ اور مخصوص معانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو سلینگ کہا جاتا ہے جیسے سیاسی وفاداری بدلنے والے شخص کو ''لوٹا'' کہنا۔

آپ ایسے ہی کوئی سے پانچ سلینگ تلاش کر کے نئے معانی کی وضاحت کے ساتھ لکھیں۔ نیز درج ذیل سلینگ الفاظ کے معنی لکھیں۔

اَڑی ڈالنا	رکاوٹ ڈالنا	اُگرائی	پیسے وصول کرنا	باقیات	باقی بچا ہوا
بچہ پارٹی	چھوٹے بچوں کا گروہ	بڑی مچھلی	طاقت ور آدمی	فلائینگ کوچ	تیز رفتار سواری

۷۔ آپ کو اس ناول کا کونسا کردار اچھا لگا اور کیوں؟

جواب: کسی کردار کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ حالات و واقعات کو اپنے کردار سے بہ خوبی نمایاں کرتا چلا جاتا ہے۔ اس ناول کے ڈوبتے ہوئے لکھنوی تہذیب کا نمائندہ کردار ہے۔ اگر چہ وہ ایک مزاحیہ کردار ہے لیکن وہ اپنے ہر عمل سے ناول کو کہانی اور پلاٹ کو دلچسپ بناتا رہتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

۸۔ اس ناول پر زبان و بیان کے حوالے سے تبصرہ کریں۔

جواب: یہ ناول لکھنوی تہذیب کا نمائندہ ناول ہے۔اس میں رتن ناتھ سرشار نے خاکروب سے لے کر نواب تک، کنجڑوں سے لے کر بیگمات تک، ہر طبقے کی زبان استعمال کی ہے۔اور لطف یہ ہے کہ ہر طبقے اور پیشے کے مطابق بول چال کا خیال رکھا ہے۔اس کی سب سے نمایاں خوبی بیگماتی زبان ہے جو سرشار نے بچپن میں اپنے ہمسائے میں رہنے والی مسلم خواتین سے سیکھی تھی۔اس کے علاوہ یہ اس دور کی عوامی زبان کا شاہ کار ہے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: اُردو ناول کے ارتقا اور فروغ میں سرشار کا کیا کردار ہے؟

جواب: اُردو ناول کے ارتقا اور فروغ میں سرشار کا کردار بڑا اہم ہے۔اُن کی تخلیقات سے بہت سے نامی گرامی مصنفین اور مصلحین ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ان کے ناول میں ہر قسم کے واقعات موجود ہیں۔ان کا انداز اتنا پختہ تھا کہ خیالی واقعات بھی حقیقت لگتے تھے۔

سوال 2: رتن ناتھ سرشار کا ناول کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟

جواب: ان کا نظریہ یہ تھا کہ ناول صرف لطف اٹھانے یا وقت گزاری کا ذریعہ ہے۔اسی لیے ان کے ناولوں میں مقصدیت اور اصلاح کا پہلو نظر نہیں آتا۔وہ سیر سپاٹے، ہنسی مذاق اور عجیب و غریب واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والا ان سے لطف اُٹھا سکے۔

سوال 3: رتن ناتھ سرشار کے ناول ''فسانہ آزاد'' پر روشنی ڈالیں۔

جواب: فسانہ آزاد فنی لحاظ سے ناول سے قریب قریب ہے۔اگرچہ اس کا پلاٹ ڈھیلا ڈھالا ہے لیکن واقعات دلچسپ ہیں۔اس میں لکھنؤ کی معاشرت کو ہلکے پھلکے طنز و مزاح کے ذریعے سامنے لایا گیا ہے۔لکھنؤ کے نوابوں کی شاہ خرچیوں اور مالی معاملات میں غفلت کی کھری تصویریں دکھائی گئی ہیں۔دراصل یہ ناول لکھنؤ کی تہذیبی زوال کی کہانی ہے۔

سوال 4: نواب کے کردار پر تبصرہ کریں۔

جواب: اس سبق اور ناول ''فسانہ آزاد'' میں لکھنؤ کے نوابوں کے کردار دراصل اس مٹتی ہوئی تہذیب کے نمائندہ ہیں۔لکھنؤ میں معاشی خوش حالی تھی لیکن دوسری طرف عیش عشرت کی زندگی گزارنا، شعر و شاعری، بٹیر لڑانا، بے مقصد مصروفیات میں غرق رہنا بہت عام تھا۔اس سبق میں نواب صاحب کا کردار بھی اسی قسم کا ہے جو اپنے مالی معاملات سے بے پروا اور عیش و عشرت کی طرف متوجہ ہیں۔

سوال 5: آپ کے خیال میں داروغہ کا کردار کیسا ہے؟

جواب: اس سارے قصے میں داروغہ کا کردار دراصل اس ملازمت پیشہ طبقے کا نمائندہ ہے جو دونوں ہاتھوں سے نوابوں کی دولت لوٹنے میں مصروف ہے جو حد درجے بے ایمان اور غافل ہے۔اگر غور کیا جائے تو دراصل یہ کردار اس معاشرے کے معاشرتی اور اخلاقی زوال کی علامت ہے۔

سوال: خوجی کا کردار کیسا ہے؟

جواب: میاں خوجی ایک مزاحیہ کردار ہے جو ذہین اور موقع شناس ہے۔جو بات بات پر قرولی بھونکنے یعنی چھری مارنے کی دھمکی دیتا ہے۔ہمیشہ مار کھاتا ہے لیکن نواب کے داروغہ پر نظر رکھتا ہے اور اس کی لوٹ مار میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔دراصل یہی کردار لکھنؤ کے بانکوں کا نمائندہ کردار ہے اور یہی سارے قصے کو دلچسپ بنائے رکھتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ رتن ناتھ سرشار کس سن میں پیدا ہوئے:

(ا) ۱۸۴۵ء (ب) ۱۸۴۶ء ✓ (ج) ۱۸۴۷ء (د) ۱۸۴۸ء

2۔ رتن ناتھ سرشار کس سن میں وفات پائی:

(ا) ۱۸۹۲ء (ب) ۱۸۹۳ء (ج) ۱۸۹۴ء (د) ۱۸۹۵ء ✓

3۔ رتن ناتھ سرشار پیدا ہوئے:

(ا) دلی (ب) لکھنؤ ✓ (ج) فیض آباد (د) الہ آباد

4۔ رتن ناتھ سرشار کس رسالے کے ایڈیٹر رہے:

(ا) ہمایوں (ب) تہذیب الاخلاق (ج) دبدبہ آصفی ✓ (د) محاسن الاخلاق

5۔ کس چیز کے ارتقا اور فروغ میں رتن ناتھ سرشار کا کردار بڑا اہم ہے:

(ا) ناول ✓ (ب) افسانہ (ج) داستان (د) ڈرامہ

6۔ رتن ناتھ سرشار کا ابتدائی ناول کس اخبار میں شائع ہوتا رہا:

(ا) اخبار دلی (ب) اخبار اودھ ✓ (ج) اخبار لکھنؤ (د) اخبار الہ آباد

7۔ رتن ناتھ سرشار کے نظریے کے مطابق ناول کس چیز کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے:

(ا) دولت (ب) بڑے مقاصد (ج) حظ ✓ (د) تحریک

8۔ سبق ''داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں'' کے مصنف کا نام ہے:

(ا) آغا حشر کاشمیری (ب) رتن ناتھ سرشار ✓ (ج) خواجہ معین الدین (د) خدیجہ مستور

9۔ سبق ''داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں'' کس کتاب سے ماخوذ ہے:

(ا) تنقیدی زاویے (ب) آنگن (ج) فسانۂ آزاد ✓ (د) فسانۂ عجائب

10۔ حلوائی کی مٹھائی پر نواب صاحب کا اعتراض تھا:

(ا) خراب تھی ✓ (ب) گلی سڑی (ج) باسی (د) پھیکی تھی

11۔ حلوائی نے مٹھائی کا کل میزان کتنا بتایا:

(ا) ایک سو بیالیس روپے دس آنے ✓ (ب) ایک سو باون روپے دس آنے

(ج) ایک سو بیس روپے دس آنے (د) ایک سو باسٹھ روپے دس آنے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

12۔ داروغہ جی نے حلوائی سے رقم وصول کی:
(ا) بیالیس سے زیادہ (ب) باون سے زیادہ ✓ (ج) باسٹھ سے زیادہ (د) بہتر سے زیادہ

13۔ مٹھائی کی اصل رقم کتنی تھی:
(ا) پینتیس روپے (ب) اڑتیس روپے ✓ (ج) اڑتالیس روپے (د) باون روپے

14۔ داروغہ جی سے میاں خوجی نے مٹھائی کی کتنی رقم اینٹھی:
(ا) دس روپے (ب) پندرہ روپے ✓ (ج) بیس روپے (د) پچیس روپے

15۔ داروغہ جی نے بزاز سے کتنی رقم وصول کی:
(ا) دوسوستاون روپے (ب) دوسوستائیس روپے ✓ (ج) دوسوپینتیس روپے (د) دوسو پینتالیس روپے

16۔ خوجی نے بزاز کی لوٹ سے کتنا حصہ پایا:
(ا) تیس روپے (ب) چالیس روپے ✓ (ج) پچاس روپے (د) ساٹھ روپے

17۔ لپاڈگی سے مراد ہے:
(ا) تُوتُو مَیں مَیں (ب) نفرت کا اظہار (ج) غصے کا اظہار کرنا (د) ہاتھا پائی ✓

18۔ پانچوں گھی میں سر کڑاہی میں کا مطلب ہے:
(ا) ہر طرح سے مزے میں ہونا ✓ (ب) تکلیف میں
(ج) گھی میں لتھڑے ہونا (د) مشکل ہونا

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

آنگن

خدیجہ مستور

(۱۲ر دسمبر ۱۹۲۷ء - ۱۸۹۸ء)

مصنف کا تعارف:

خدیجہ مستور بریلی (انڈیا کا ایک شہر) کے ایک پٹھان گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ اُن کی والدہ انور جہان خود ایک اچھی شاعرہ اور مضمون نویس تھیں۔ اس طرح دونوں بہنوں خدیجہ مستور اور حاجرہ مسرور کو علمی و ادبی ماحول ملا۔ خدیجہ کی ابتدائی زندگی سخت مشکلات میں گزری۔ اُنہوں نے ادبی زندگی کی ابتداء ۱۹۳۶ء میں افسانہ نگاری سے کی، لیکن ان کی اصل شہرت آدم جی انعام یافتہ ناول ''آنگن'' کی وجہ سے ہے۔ اس ناول میں اُنہوں نے سماجی حقیقت (معاشرے کی حقیقتوں کو بیان کرنا) نگاری سے کام لیتے ہوئے ایک پورے عہد کی آویزش (ملا جلا کر) اور کشمکش (لڑائی جھگڑا، کھینچا تانی) کو بڑی کامیابی اور خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے پس منظر میں بے شمار ناول اور افسانے لکھے جا چکے ہیں، لیکن آنگن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ایک متوسط (درمیانہ طبقہ) مسلمان خاندان کی سماجی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ناول کا کینوس (موضوعات کا دائرہ) اور پلاٹ (واقعات کا مجموعہ جس میں ایک کہانی ہو) بہت مختصر ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ناول اُس عہد کی سماجی اور معاشی ناہمواری کی ایک مکمل اور سچی تصویر پیش کرتا ہے یہ ایک عام گھرانے کی کہانی ہے۔ جو سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کی گئی ہے۔ خدیجہ نے اپنی کہانیوں میں زیادہ تر عورتوں کے مسائل کو پیش کیا ہے۔ اُنہوں نے اس نظام کے خلاف آواز اُٹھائی ہے۔ جو عورتوں کو ایک خاص جبر کے تحت رکھتا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر بہت سادہ اور دلکش ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSE(FAHMAD)

سبق کا تعارف:

یہ سبق خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' سے ماخوذ ہے۔ یہ ناول ایک کرداری ناول ہے جو اس کے مرکزی کردار عالیہ کے گرد گھومتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے کہانی پڑھنے والے تک پہنچتی ہے۔ اس ناول کا پلاٹ تحریک پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک کے زمانے پر محیط ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے اس دور کے تمام تر سیاسی معرکوں کو ایک چھوٹے سے آنگن میں چلنے پھرنے والوں کرداروں کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔ زیرِ نظر سبق میں اس ناول کے تمام مرکزی کرداروں اور ان کے رجحانات کا بہ خوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 54

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سر اٹھایا	ہوش آیا	بے کار	فضول
بہار جا چکی تھی	بہار کا موسم بیت گیا تھا	سپرد کر دے	حوالے کر دیے
چھڑکنا	ترکاؤ کرنا		

صفحہ نمبر 55

سناٹا چھا جاتا	ویرانی چھا جاتی	تجسس	بے قراری
بجھی بجھی رہنا	اداس رہنا، پریشان رہنا	آمادہ ہونا	تیار ہونا
اودھم ڈھاتی	شور مچاتی	بی ٹی	Basic Teaching Course
اٹھلا کر	چہک کر	مسلسل	لگاتار
اوڑھوں گی	پہنوں گی	چیخے جا رہی تھی	بولے جا رہی تھی
چنٹ کھل جائے گی	چنی ہوئی تہہ کھل جائے گی		

صفحہ نمبر 56

خراٹے	نیند میں منہ سے نکلنے والی آواز	بے نیاز	بے پرواہ
چونک پڑی	اُٹھ بیٹھی	کوفت	تکلیف

صفحہ نمبر 57

علامت	شرمندگی	ممنونیت	احسان مندی
بے زاری سے	اکتاہٹ کے انداز میں	بے ہنگم	بری طرح سے
ٹھاٹ	مزے	مبہم سی	غیر واضح
ٹھنڈی آہ بھری	کلیجے سے سانس لیا		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 58

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بھدر بھدر کرتی	منہ ہی منہ میں بولتی	کڑھا کرتی	
گھور کر دیکھا	غور سے دیکھا	کواڑوں کی اوڑھ سے	دروازوں کے پیچھے سے
ماما ئیں	خادمائیں، ملازمیں		

صفحہ نمبر 59

ٹہلنے لگی	ادھر اُدھر پھرنے لگی	دادطلب	شاباش مانگتی
سوانگ رچانا			

INDUCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

ادھر چھمی تھی کہ اپنے نصیب کی بازی لگنے سے بے خبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا اٹھلا کر پوچھتی۔ (صفحہ 55)

سبق کا عنوان: آنگن

مصنفہ کا نام: خدیجہ مستور

تشریح

یہ سبق خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" سے ماخوذ ہے۔ یہ ناول ایک کرداری ناول ہے جو اس کے مرکزی کردار عالیہ کے گرد گھومتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے کہانی پڑھنے والے تک پہنچتی ہے۔ اس ناول کا پلاٹ تحریک پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک کے زمانے پر محیط ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے اس دور کے تمام تر سیاسی معرکوں کو ایک چھوٹے سے آنگن میں چلنے پھرنے والوں کرداروں کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔ زیر نظر سبق میں اس ناول کے تمام مرکزی کرداروں اور ان کے رجحانات کا بہ خوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

زیر بحث اقتباس میں مصنفہ ناول کے ایک اہم کردار چھمی کا ذکر کر رہی ہیں۔ چھمی کے والد نے اس کی ماں کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لی تھی اور اسے بڑے چچا کے گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ وہ کبھی پلٹ کر بھی اس کی خبر لینے نہیں آیا تھا۔ بس ہر مہینے ایک واجبی سا خرچہ اس کے نام بھیج دیتا تھا۔ ایسے میں بڑی چچی یہ اپنی ذمہ داری سمجھتی تھیں کہ جتنی جلدی ہو سکے چھمی کی شادی کر دی جائے۔ اس لیے گھر میں اس کا جہیز تیار ہو رہا تھا۔ مگر چھمی ان تمام معاملات سے بے خبر تھی۔ وہ ایک زندہ دل لڑکی تھی۔ وہ سارا دن گھر میں اودھم مچاتی رہتی۔ اس کی نوک جھونک ہر ایک سے چلتی رہتی۔ اور پھر جمیل بھائی کی طرح وہ بھی مسلم لیگ کی حامی تھی اور پاکستان بنتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن دوسری طرف بڑے چچا کٹر کانگریسی تھے۔ اس لیے چھمی جب بھی انھیں دیکھتی تو اس کی مسلم لیگی رگ پھڑکنے لگتی۔ اسے رہ رہ کر پاکستان کا خیال ستانے لگتا۔ اس خیال کے پیش نظر وہ

انگریزوں کو وہ برا بھلا کہتی کہ عالیہ کی ماں پریشان ہو جاتی۔ پھر وہ جب سب کو چڑا چڑا کر تھک جاتی تو عالیہ کے پاس آ جاتی۔ جو اس کا جہیز تیار کرنے میں مصروف تھی۔ لیکن عالیہ کو اس بات کی کانوں کان خبر نہیں تھی کہ یہ سارا جہیز اس کا تیار ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگر اس کو یہ علم ہو جاتا تو ڈر تھا کہ گھر میں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔ اس لیے چھمی کو ان تمام باتوں سے لاعلم رکھا گیا تھا۔ لیکن وہ جب عالیہ کو کپڑے سیتے ہوئے دیکھتی تو ضرور پوچھتی کہ یہ کپڑے کس کے ہیں اور انھیں کون پہنے گا۔ الغرض اس اقتباس سے ہمیں چھمی کے کردار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اقتباس 2:

اے بجیا! میں نے وہ شاندار جلوس تیار کرایا ہے کہ-------------------------------جلوس کے انتظار میں ٹہلنے لگی۔ (صفحہ 59)

سبق کا عنوان: آنگن

مصنفہ کا نام: خدیجہ مستور

تشریح

یہ سبق خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' سے ماخوذ ہے۔ یہ ناول ایک کرداری ناول ہے جو اس کے مرکزی کردار عالیہ کے گرد گھومتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے کہانی پڑھنے والے تک پہنچتی ہے۔ اس ناول کا پلاٹ تحریک پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک کے زمانے پر محیط ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے اس دور کے تمام سیاسی معرکوں کو ایک چھوٹے سے آنگن میں چلنے پھرنے والوں کرداروں کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔ زیر نظر سبق میں اس ناول کے تمام مرکزی کرداروں اور ان کے رجحانات کا بہ خوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

زیر بحث اقتباس میں مصنفہ چھمی کے ردعمل کو بیان کر رہی ہیں۔ ہوا یوں تھا کہ جب سب لوگ آنگن میں بیٹھے ہوئے تھے تو باہر گلی سے کانگرسی بچوں کا جلوس گزر رہا تھا۔ وہ سب بڑے بے ہنگم طریقے سے شور مچا رہے تھے۔ کانگرس، گاندھی اور متحدہ ہندوستان کے حق میں نعرے لگائے جا رہے تھے۔ بڑے چچا نے جب یہ سنا تو ان کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ لیکن چھمی یہ سب سن کر سخت غصے میں آ گئی۔ وہ تو باہر جا کر جلوس پر ڈھیلے مارنا چاہتی تھی لیکن جمیل بھیا نے اسے روک دیا۔ جمیل بھیا سے ڈر کر اس وقت تو اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ لیکن اس کے بعد وہ چپ کر کے باہر محلے میں نکل گئی۔ اور پھر جب وہ واپس آئی تو عالیہ کو اپنی کارگزاری بیان کرنے لگی۔ زیر نظر اقتباس میں وہ بتاتی ہے کہ اس نے مسلم لیگی بچوں کا ایک شاندار جلوس تیار کروایا ہے۔ اور اس کے خیال میں وہ جلوس ایسا شاندار ہوگا کہ سب دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ وہ بتاتی ہے کہ محلے کی دوسری عورتوں نے بھی اس کام میں حصہ لیا ہے۔ عذرا کی ماں نے جھنڈا تیار کیا ہے۔ طاہرہ کی ماں نے ایک بوتل مٹی کے تیل کی دی ہے۔ اور اس نے خود مشعلیں تیار کی ہیں۔ پھر اس نے محلے کے تمام لڑکوں کو جمع کیا اور انھیں سمجھایا کہ جب وہ ان کے گھر کے قریب سے گزریں تو زور زور سے مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں نعرے لگائیں۔ تا کہ اسے بڑے چچا کو جلانے اور بدلہ لینے کا موقع مل سکے۔ یہ سب کچھ بتانے کے بعد وہ ٹہلنے لگتی ہے اور جلوس کا انتظار کرتی ہے۔ الغرض اس اقتباس سے ہمیں چھمی کے کردار کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے جو ردعمل میں ہر حد سے گزرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD

مشق

۱۔ درج ذیل سوالوں کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

(الف) عالیہ کس کے جہیز کے کپڑے سی رہی تھی؟

جواب: عالیہ چھمی کے جہیز کے کپڑے سی رہی تھی۔ لیکن اسے بتایا نہیں گیا تھا۔ اگر اسے خبر ہو جاتی تو وہ سارا گھر آسمان پر اُٹھا لیتی۔ بس اسی خوف سے اسے حقیقت سے بے خبر رکھا گیا تھا۔

(ب) بڑے چچا کو دیکھ کر چھمی کو کیا خیال ستانے لگتا؟

جواب: چونکہ بڑے چچا کانگریسی تھے اس لیے انھیں دیکھتے ہیں چھمی کو مسلم لیگ اور پاکستان کا خیال ستانے لگتا۔ یہ دراصل اس کا بڑے چچا کے خلاف ردِعمل تھا۔ یہ کانگریس مسلم لیگ اختلاف کی صورت میں دکھائی دیتا تھا۔

(ج) جمیل اور بڑے چچا میں اختلاف کی کیا وجہ تھی؟

جواب: جمیل اور بڑے چچا میں دراصل سیاسی اختلاف تھا۔ بڑے چچا کانگریس کے بڑے زبردست حامی اور ملک کی تقسیم کے خلاف تھے۔ جب کہ جمیل مسلم لیگ کا نہ صرف حامی تھا بلکہ اس کا ورکر بھی تھا۔ ان دونوں کے درمیان احترام کا تعلق تو تھا لیکن سیاسی اختلاف بڑی حد تک تلخی کی صورت ڈھل رہا تھا۔

(د) کانگرسی جلوس دیکھ کر چھمی نے کیا ردِعمل ظاہر کیا؟

جواب: جیسے ہی کانگرسی جلوس ان کے دروازے کی طرف بڑھتا آ رہا تھا چھمی کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ جیسے ہی بڑے چچا باہر نکلے، وہ بھی برقعہ پہن کر بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی اور کہنے لگی کہ اس جلوس پر ڈھیلے مارے گی۔

(ہ) کیا چھمی واقعی مسلم لیگی تھی؟

جواب: چھمی ایک دکھی لڑکی ہے۔ اس کے باپ اسے اپنے بھائی کے گھر چھوڑ گیا ہے۔ وہ اور جمیل بھیا دونوں مسلم لیگ کے حامی ہیں لیکن درحقیقت چھمی صرف بڑے چچا کو جلانے کے لیے مسلم لیگی ہونے کا ڈرامہ کرتی ہے۔

(و) بڑے چچا کو چبوترے پر لیٹے دیکھ کر عالیہ کے دل میں کیا خواہش پیدا ہوئی؟

جواب: جب بھی بڑے چچا اور جمیل بھیا ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے تھے تو تلخی بڑھ جاتی تھی۔ اس لیے کچھ دیر بعد جب عالیہ نے بڑے چچا کو باہر چبوترے پر سکون سے لیٹے دیکھا تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی باہر جا کر چبوترے پر بیٹھ جائے۔

۲۔ چھمی کے کردار پر چند سطریں لکھیں۔

جواب: چھمی کی ماں فوت ہو چکی تھی اور اس کا باپ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ جس کے بعد وہ بڑے چچا کے گھر میں رہتی تھی۔ وہ مسلم لیگ کی حامی ہے بلکہ نوجوان مسلم نسل کی نمائندہ ہے۔ اس کے کردار میں بے چینی اور اضطراب نمایاں ہے۔ اس لیے جلوس منظم کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

۳۔ درج ذیل الفاظ و محاورات کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کے معنی واضح ہو جائیں۔

الفاظ و محاورات	جملے
بے نقط سنانا	اماں جی نے دکان دار کو ایسی بے نقط سنائیں کہ وہ پریشان ہو گیا۔
تجسس	تجسس انسان میں فطری طور پر موجود ہے۔
کوفت ہونا	اس کی بے ربط گفتگو سن کر بڑی کوفت ہوتی ہے۔
بے ہنگم	بے ہنگم ٹریفک نے سڑکوں پر چلنا مشکل کر دیا ہے۔
مبہم	وہ ایسی مبہم گفتگو کرتا ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا۔
سوانگ رچانا	آج کل ہر لیڈر نے کوئی نہ کوئی سوانگ رچا رکھا ہے۔

۴۔ درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔

(الف) باپ بیٹے دونوں اپنے اپنے طنز کی آگ میں جل کر خود بخود بجھ گئے اور دونوں نے اس طرح منہ پھیر لیا جیسے ایک دوسرے کو بات کرنے کے لائق نہ سمجھ رہے ہوں۔

وضاحت: بڑے چچا کٹر قسم کے کانگرسی اور ملک کی تقسیم کے خلاف تھے جبکہ جمیل بھیا صرف مسلم لیگ کے حامی ہی نہیں تھے بلکہ ورکر بھی تھے۔ ملک میں اس وقت سیاسی تناؤ بڑھتا جا رہا تھا اور اس کا اثر گھر میں بھی نظر آ رہا تھا اس لیے جب جمیل بھیا نے اپنی نوکری کے چھوٹ جانے کا ذکر کیا تو بڑے چچا مسلم لیگ پر طنز کیے بغیر نہ رہے۔ جمیل بھیا نے بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور کانگرس پر وار کر دیا۔ اس لیے دونوں ایک دوسرے رخ پھیر کے بیٹھ گئے۔

(ب) پہلے آزادی تو مل جائے، پھر سب ہوتا رہے گا اور پھر یہ ہندوستانی لوگ پہلے حکومت کرنا بھی تو سیکھ لیں۔

وضاحت: اس ناول میں ایک ہی گھر میں مختلف سیاسی نظریات رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اور مصنفہ نے ان کے ذریعے ملک میں جاری سیاسی تناؤ نمایاں کیا ہے۔ بڑے چچا کانگرس جبکہ جمیل بھیا مسلم لیگ کے حامی تھے۔ جبکہ اماں بنیادی طور پر انگریزوں کی حامی تھیں، اس لیے انھوں نے کہا کہ پہلے آزادی مل جائے اور ہندوستانی حکومت کرنا سیکھ لیں۔ پھر یہ سب کچھ کر لیا جائے گا۔ گویا وہ آزادی کے حوالے سے زیادہ پُر اُمید نہیں تھیں۔

(ج) خوشیوں کا کوئی پیمانہ اُس وقت چھمی کی مسرت کو ناپ نہیں سکتا تھا۔

وضاحت: بڑے چچا کے گھر میں چھمی اور جمیل بھیا دونوں مسلم لیگ کے حامی تھے۔ اس لیے جب گھر کے باہر سے کانگرس کے حامی بچوں کا جلوس نکلا تو چھمی جل بھن کے رہ گئی اور پھر اس نے بعد میں مسلم لیگی بچوں کا جلوس بھی تیار کروا دیا۔ وہ جلوس جب گلی میں سے گزرا تو چھمی اتنی خوش تھی کہ اس کے مسرت کو کوئی پیمانہ ناپ نہیں سکتا تھا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

۵۔ ماحول اور حالات انسانی رویّوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے چھمی کے کردار پر بحث کریں۔

جواب: چھمی کے ماں کے مرنے کے بعد اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی تھی اور اسے بڑے چچا کے ہاں چھوڑ گیا تھا۔ اس لیے ہمیں چھمی کے کردار میں چھپی ہوئی تلخی کی لہر ہر جگہ نظر آتی ہے۔ وہ مسلم لیگ کی حامی ہے جو ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کی زبردست حامی ہے۔ یہی خواہش اسے ایک متحرک کردار بناتی ہے۔ مجموعی طور پر وہ ایک جان دار کردار ہے۔

۶۔ درج ذیل عبارت کی تلخیص کریں، جو اصل عبارت کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

موجودہ دور میں یوں تو ہزار ہا مسائل ایسے ہیں جن کا تسلی بخش اور کسی قدر کارآمد حل تلاش نہیں کیا جا سکا لیکن دو مسائل ایسے ہیں جو دنیا بھر کے سائنس دانوں کی توجہ کا خاص مرکز بنے ہوئے ہیں، پہلا مسئلہ، خلائی تحقیق اور دوسرے سیاروں تک پہنچنے کی کوشش ہے۔ انسان جاننا چاہتا ہے کہ ہماری اس زمین سے برے کون کون سی دنیائیں آباد یا غیر آباد ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو انسان زمین کو چھوڑ کر کس دنیا میں آسانی سے پناہ لے سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ قطعی داخلی نوعیت کا ہے، یعنی کرۂ ارض پر رہتے ہوئے ہم اپنے لیے کس قدر مزید آسانیاں بہم پہنچا سکتے ہیں۔ دنیا سے بھوک، جہالت، افلاس اور امراض کا خاتمہ کرنے کے لیے ابھی ہمیں کن کن مراحل سے گزرنا ہے اور وہ کون سے طریقے ہیں، جن کی مدد سے بنی نوع انسان خوشگوار، محفوظ اور آرام دہ زندگی گزار سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کرۂ ارض کا داخلی مسئلہ خارجی مسئلے کی نسبت کہیں زیادہ مشکل اور اہم ہے۔ چاند یا مشتری پر کوئی سٹیشن قائم کرنا آسان ہے لیکن دنیا سے افلاس، جہالت اور امراض کا خاتمہ کرنا سخت مشکل، دشوار اور پریشانی کا باعث ہے۔

جواب: عنوان: دنیا سے جہالت اور غربت کا خاتمہ

تلخیص: جدید دور میں دو مسائل سب سے زیادہ اہم ہیں۔ پہلا مسئلہ خلائی تحقیق اور دوسرے سیاروں تک پہنچنا ہے۔ جبکہ دوسرا مسئلہ اس زمین پر رہتے ہوئے بھوک، جہالت اور بیماریوں کو ختم کرنا ہے۔ حقیقت میں دوسرا مسئلے کو حل کرنا زیادہ اہم لیکن مشکل ترین ہے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: خدیجہ مستور کی اصل وجہ شہرت کیا ہے اور کیوں ہے؟

جواب: اگرچہ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ لیکن ان کی اصل وجہ شہرت ناول ''آنگن'' سے ہے۔ اس ناول میں انھوں نے قیام پاکستان سے پہلے پورے عہد کی کشمکش کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔

سوال 2: خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کو کیا امتیاز حاصل ہے؟

جواب: اس ناول کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ایک متوسط مسلمان خاندان کے ذریعے قیام پاکستان سے پہلے کی کشمکش کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے اس ناول کا پلاٹ اور کینوس بہت مختصر ہے لیکن یہ اس دور کی مکمل اور سچی تصویر ہے۔

سوال 3: خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' کس قسم کا ناول ہے۔

جواب: یہ ناول ایک کرداری ناول ہے۔ جس کا مرکزی کردار عالیہ ہے اور اسی مرکزی کردار کے ذریعے ساری کہانی قادری تک پہنچتی ہے۔ یہ ناول تحریک پاکستان سے لے کر قیام پاکستان تک پھیلا ہوا ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

سوال4: ناول ''آنگن'' کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

جواب: اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں اس دور کے تمام سیاسی معرکے اور کشمکش ایک چھوٹے سے آنگن کے متحرک کرداروں کے ذریعے پوری شدت سے دکھائے گئے ہیں۔ گویا اس ناول کو پڑھ کے ایک شخص اس دور میں موجود سیاسی تناؤ اور کشمکش کا بہ خوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

سوال5: عالیہ کے کردار کے بارے میں بتائیں؟

جواب: عالیہ اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ اسی کردار کے ذریعے پوری کہانی قاری تک پہنچتی ہے۔ وہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد اپنی ماں کے ساتھ بڑے چچا کے گھر آ جاتی ہے۔

سوال6: چھمی کے کردار کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: چھمی عالیہ کی چچا زاد بہن ہے۔ اس کی ماں مر چکی ہے اور اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی ہے اور چھمی کو اپنے بڑے بھائی ''بڑے چچا'' کے ہاں چھوڑ گیا ہے۔ وہ اس کے لیے خرچ تو بھیجتا ہے لیکن پلٹ کر خبر نہیں لیتا۔ وہ نظریاتی طور پر مسلم لیگی ہے اور اس دور کے مسلمان نوجوانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔

سوال7: چھمی کے دوپٹے میں کرن ٹانکتے ہوئے، عالیہ اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچ رہی تھی؟

جواب: وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ فیل ہو گئی تو کیا ہوگا۔ اگر پاس ہو گئی تو زیادہ سے زیادہ بی ٹی کر کے استانی بن جائے گی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کیا وہ بی ٹی کر سکے گی؟ کیا اماں اسے علی گڑھ جانے دیں گیں اور کیا ماموں اسے اتنے روپے بھجواتے رہیں گے؟

سوال8: عالیہ نے بڑے چچا کا پلنگ باہر چبوترے پر بھجوانے کا کیوں پوچھا؟

جواب: ایک تو بڑے چچا کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ دوسرا جب جمیل بھیا اور بڑے چچا ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے تھے تو اسے ڈر لگنے لگتا تھا کیوں کہ وہ دونوں مختلف اور کٹر نظریات کے حامل تھے۔ جمیل بھیا مسلم لیگی تھے تو بڑے چچا کانگرسی اور دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہتے تھے۔

سوال9: اماں نے یہ کیوں کہا کہ: ''پہلے آزادی تو مل جائے پھر سب ہوتا رہے گا اور پھر یہ ہندوستانی پہلے حکومت کرنا تو سیکھ لیں''؟

جواب: عالیہ کی اماں ذہنی طور پر انگریزوں کی حامی تھیں۔ اس لیے جب کانگرسی بچوں کا جلوس باہر سے گزرا اور بڑے چچا خوش ہو گئے تو انھوں نے یہ جملہ کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ اول تو ابھی آزادی نہیں ملی اور دوسرا یہ طنز بھی تھا کہ ہندوستانی لوگوں کو حکومت کرنا بھی نہیں آتی۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ خدیجہ مستور کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۲۶ء (ب) ۱۹۲۷ء ✓ (ج) ۱۹۲۸ء (د) ۱۹۲۹ء

2۔ خدیجہ مستور کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۹۸۰ء (ب) ۱۹۸۱ء (ج) ۱۹۸۲ء ✓ (د) ۱۹۸۳ء

INDICATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

3۔ خدیجہ مستور کہاں پیدا ہوئی:

(ا) لکھنؤ ✓ (ب) دلی (ج) لاہور (د) فیض آباد

4۔ خدیجہ مستور کی اصل وجہ شہرت ہے:

(ا) افسانہ (ب) ناول (ج) ناول ''آنگن'' ✓ (د) ڈرامہ

5۔ ناول ''آنگن'' میں کونسا دور دکھایا گیا ہے:

(ا) مغلیہ دور (ب) قیام پاکستان سے پہلے کا دور ✓

(ج) قیام پاکستان کے بعد کا دور (د) صدر ایوب کا دور

6۔ خدیجہ مستور نے اپنی کہانیوں میں زیادہ تر کن کے مسائل کو پیش کیا ہے:

(ا) غریبوں کے (ب) مزدوروں کے (ج) امیروں کے (د) عورتوں کے ✓

7۔ خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' ناول کی کون سی قسم ہے؟

(ا) معاشرتی ناول (ب) تاریخی ناول (ج) اصلاحی ناول (د) کرداری ناول ✓

8۔ ''آنگن'' کا مرکزی کردار ہے:

(ا) عالیہ ✓ (ب) جمیل بھیا (ج) بڑے چچا (د) چھمی

9۔ چھمی عالیہ کی کیا لگتی ہے:

(ا) خالہ زاد بہن (ب) چچازاد بہن ✓ (ج) دوست (د) ہمسائی

10۔ عالیہ کی اماں ذہنی طور پر کیسا کردار ہے:

(ا) مسلمانوں کی حامی (ب) مسلم لیگ کی حامی (ج) کانگرس کی حامی (د) انگریز نواز ✓

11۔ عالیہ کس کے جہیز کے کپڑے سی رہی تھی؟

(ا) چھمی کے ✓ (ب) اپنی دوست کے (ج) ہمسائی کے (د) اپنے

12۔ عالیہ مستقبل میں بی ٹی کر کے کیا بننا چاہتی تھی؟

(ا) ڈاکٹر (ب) نرس (ج) استانی ✓ (د) لیڈر

13۔ جب بڑے چچا اور جمیل بھیا ایک جگہ اکٹھے ہوتے تو عالیہ کو کیسا محسوس ہوتا؟

(ا) خوشی ہوتی (ب) ڈر لگتا ✓ (ج) شک ہوتا (د) بیزار ہو جاتی

14۔ مسلم لیگی بچوں کا جلوس کس نے تیار کروایا؟

(ا) عالیہ نے (ب) بڑے چچا نے (ج) چھمی نے ✓ (د) اماں نے

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

15۔ ''آنگن'' کون سی صنفِ ادب ہے:
(ا) ناول ✓ (ب) افسانہ (ج) ڈراما (د) داستان

16۔ سبق ''آنگن'' کس کی تحریر ہے:
(ا) ہاجرہ مسرور کی (ب) خدیجہ مستور کی ✓ (ج) پروین شاکر کی (د) بیگم اختر ریاض الدین

17۔ کس کی بات چیت بند تھی:
(ا) عالیہ اور بڑی چچی کی (ب) جمیل بھیا اور چھمی کی
(ج) جمیل بھیا اور بڑے چچا کی ✓ (د) جمیل بھیا اور عالیہ کی

18۔ بڑے چچا کس کے حامی تھے:
(ا) کانگریس کے ✓ (ب) مسلم لیگ کے (ج) انگریز سرکار کے (د) کسی کے نہیں

19۔ بڑے چچا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی:
(ا) مسلم لیگ کا ذکر سن کر (ب) چھمی کو دیکھ کر
(ج) (د) کانگریس کے جلوس کی آوازیں سن کر ✓

20۔ چھمی کس کی کٹر حامی تھی:
(ا) کانگریس کی (ب) مسلم لیگ کی ✓ (ج) انگریزوں کی (د) کسی کی نہیں

21۔ اماں کس کی حامی تھیں:
(ا) مسلم لیگ کی (ب) انگریز کی ✓ (ج) کانگریس کی (د) کسی کی نہیں

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

خوب صورت بلا

آغا حشر کاشمیری

(۱۸۷۹ء - ۱۹۳۵ء)

مصنف کا تعارف:

آغا حشر بنارس (انڈیا کا ایک شہر) میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک مشہور و معروف کشمیری خاندان کے چشم و چراغ (اولاد کے معنی میں) تھے۔ ابتدائی تعلیم حافظ عبدالصمد کے مدرسے میں ہوئی۔ مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد جے نارائن سکول میں داخل ہوئے، وہیں سے اُنھوں نے شاعری کا آغاز کیا۔ وہ بنیادی طور پر شاعر تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں احسن لکھنوی کے ایک ڈرامے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ڈرامہ نگاری کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا (سب کچھ) بنا لیا اور کم عمری ہی میں شہرت حاصل کر لی۔ سکول ہی کے زمانے میں اُنھوں نے "آفتابِ محبت" نامی ڈرامہ لکھا۔ ڈرامہ نگاری کے شوق میں بمبئی چلے گئے اور یوں تعلیمی سلسلہ ختم ہو گیا۔

اُن کا پہلا مقبول ڈرامہ "مریدِ شک" تھا۔ اُنھوں نے اردو ڈراموں میں ایک نئی جہت (سمت، انداز) پیدا کی اور سٹیج ڈراموں کو بازاری پن اور عامیانہ ماحول (گرا ہوا بازاری ماحول) سے نکال کر خالص ادبی صنف بنایا۔ آغا حشر کو زبان پر عبور حاصل تھا۔ وہ شاعرانہ تخیل (شاعر کا خیال) کو سیدھے سادے الفاظ اور عام بول چال میں بیان کرتے۔ آغا حشر کی بدیہہ گوئی (بلا تامل اور فوراً کہنے والا) بہت مشہور ہے۔ وہ اتنی جلدی اشعار کہتے تھے کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی۔ اُن کے ڈراموں کی کامیابی میں اُن کا شاعرانہ اسلوب (شاعری کا انداز) بھی کار فرما ہے۔ ان میں مکالمہ نگاری کی استعداد (صلاحیت) بہت تھی۔ اُن کے مکالموں میں مبالغے (کسی چیز کو بڑھا کر بیان کرنا) کا انداز ہے، لیکن ان کے اثر سے انکار ممکن نہیں۔

سبق کا تعارف:

یہ سبق آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے "خوب صورت بلا" سے لیا گیا ہے۔ ڈرامہ ایسی صنف ہے جس کو عمل کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اس ڈرامے میں مصنف نے نیکی اور بدی کی کشمکش دکھائی ہے۔ ان کا یہ ڈرامہ اپنے اندر ایک اخلاقی سبق سموئے ہوئے ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 63

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جلال	غصہ	باغی	بغاوت کرنے والا
مقدس	پاکیزہ	اطاعت	فرماں روائی
سرکش	منہ پر انکار کرنے وال		

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

صفحہ نمبر 64

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
خریدار	خریدنے والا	طالب گار	طلب رکھنے والا، چاہنے والا

صفحہ نمبر 65

عداوت	دشمنی	سپہر	آسمان
چمن	باغ	چاکر	نوکر
ہرا	آباد	مگس راں	مکھیاں اڑانے والا، پنکھا جھلنے والا
قیل وقال	بحث وتکرار	قلزم	گہرا سمندر
بادۂ گلگول	پھولوں سے بنی ہوئی شراب	بخت یاور	قسمت مددگار
دست بستہ	ہاتھ باندھے ہوئے	وقار	عزت، مرتبہ، مقام
عروج مانند	بلندی کی نشانی	خدام	خادم کی جمع
بلندنام	اونچے نام والا		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 66

بلائے ناگہانی	اچانک آنے والی مصیبت	عزّوجاہ	شان وشوکت

صفحہ نمبر 67

طینت	فطرت	پنجۂ فولاد	لوہے کا پنجہ
عصمت	عزت	بے زار	اکتایا ہوا ہے
دغا	دھوکا	خُمار	نشہ
اژدر	اژدہا، بڑا سانپ	تُرشی	تُرش پَن

صفحہ نمبر 68

منکر	انکاری	کوہ	پہاڑ
تبر	لکڑی کاٹنے والا آلہ	ہول	خطرے
چرخ	آسمان		

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

دنیا میں سچی اور سیدھی راہ فقط نیکی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں جان بھی دوں گا، تو نیکی کی راہ میں۔ (صفحہ 66)

سبق کا عنوان: خوب صورت بلا

مصنف کا نام: آغا حشر کاشمیری

تشریح

یہ سبق آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ''خوب صورت بلا'' سے لیا گیا ہے۔ ڈرامہ ایسی صنف ہے جس میں عمل کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اس ڈرامے میں مصنف نے نیکی اور بدی کی کشمکش دکھائی ہے۔ ان کا یہ ڈرامہ اپنے اندر ایک اخلاقی سبق سموئے ہوئے ہے۔

زیرِ بحث اقتباس دراصل اس ڈرامے کے مرکزی کردار توفیق کے مکالمے پر مشتمل ہے۔ اس ڈرامے کی کہانی یہ ہے کہ ملکہ شمسہ نے اپنے ہی بھائی برجیس کو، جو بادشاہ تھا، قتل کر کے خود سلطنت سنبھال لی ہے۔ پھر وہ اپنے بھتیجے شہزادہ سہیل کی جان کے درپے ہو جاتی تا کہ اپنے بھائی کا نام و نشان مٹایا جا سکے۔ لیکن توفیق جو مقتول بادشاہ برجیس کا وفادار ہے، اب اس کے بیٹے شہزادہ سہیل کی جان بچانا چاہتا ہے۔ لیکن توفیق آخر گرفتار ہو جاتا ہے اور اسے ملکہ شمسہ کے سامنے لایا جاتا ہے۔ جہاں ملکہ اسے اپنے دام میں لانے کے لیے کئی طرح کی کوششیں کرتی ہے۔ وہ اس سے شہزادہ سہیل کا پتا معلوم کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے جب توفیق کو ملکہ کے سامنے لایا جاتا ہے تو ملکہ اسے سیدھی راہ یعنی ملکہ کی مرضی پر آنے کا کہتی ہے۔ جس کے جواب میں توفیق کہتا ہے کہ دنیا میں سیدھی راہ صرف اور صرف نیکی کی ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے جو قبر سے نکل کر قیامت کے میدان سے ہوتی ہوئی، جنت میں جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور سیدھی راہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سب جہالت اور بدی کی راہیں ہیں جو انسان کو آخرِ کار جہنم میں لے جاتی ہیں۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ صرف نیکی کی راہ پر ہی چلے گا۔ کسی ظلم و جبر سے گھبرا کر اس راہ کو نہیں چھوڑے گا۔ اس سلسلے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرے گا۔ زمانہ چاہے جو کچھ مرضی کہے لیکن وہ اسے راستے پر چلے گا جو سیدھا اور صاف ہے۔ جس کی منزل آخر جنت ہے۔ وہ اس معاملے میں پیش آنے والی تکلیفوں کو کچھ نہیں سمجھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اسے اس نیکی کی راہ میں اپنی جان بھی قربان کرنی پڑی تو وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ الغرض توفیق کسی صورت ملکہ کی بات مان کر اسے شہزادے کا پتا بتانے کے لیے تیار نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ملکہ غلط ہے اور ظلم و ستم کی راہ پر چل رہی ہے۔ اس لیے وہ نیکی کی راہ پر چلنے کے لیے پرعزم ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS(YOUSEF AHMAD)

مشق

ا۔ ڈرامے کی تعریف کریں اور آغا حشر کاشمیری کے چند دیگر ڈراموں کے نام لکھیں۔

جواب: ڈرامہ یونانی زبان کے لفظ ''drao'' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ''عمل کر کے دکھانا'' ہے۔ اس میں کردار کہانی کو حرکات و سکنات اور مکالمے سے عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ آغا حشر کاشمیری کے دیگر ڈراموں کے نام یہ ہیں: خوابِ ہستی، رستم و سہراب، یہودی کی لڑکی، نیک پروین، صیدِ ہوس، اسیرِ ہوس اور پاک دامن ہیں۔

۲۔ بدی نے اپنی تعریف میں جو کچھ کہا، اسے اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

جواب: بدی کہتی ہے کہ وہ دنیا کی خوشی ہے۔ دنیا کی قسمت اس کے دائیں ہاتھ میں اور اس کی کنجی اس کے بائیں ہاتھ میں ہے۔ وہ سخاوت کا بادل ہے جو موتی برساتے ہیں اور دامن کو مالا مال کر دیتے ہیں۔

۳۔ شمسہ نے توفیق سے کیا مطالبہ کیا؟

جواب: شمسہ نے تخت پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا اور اب وہ اپنے بھتیجے سہیل کو راستے سے ہٹانا چاہتی تھی۔ دوسری طرف توفیق مقتول بادشاہ کا طرف دار اور اس کے بیٹے کو بچانا چاہتا ہے۔ چناں چہ شمسہ نے توفیق سے مطالبہ کیا کہ وہ سہیل کو اس کے حوالے کر دے۔

۴۔ مقفیٰ نثر کسے کہتے ہیں؟ اس سبق میں سے مقفیٰ نثر کی کم از کم پانچ مثالیں لکھیں۔

جواب: مقفیٰ نثر ایسی نثر کو کہتے ہیں جس میں قافیہ کا اہتمام کیا گیا ہو۔ اس ڈرامے میں مقفیٰ نثر کی مثالیں یہ ہیں:

(1) کس حال میں ہے؟ شیر لوہے کے جال میں ہے۔

(2) او نمک حرام، ہمارے سامنے یہ گستاخانہ کلام۔

(3) بس کر قیل و قال، اب دیکھ میرے عاشقوں کا حال۔

(4) دنیا عاشقوں کا بازار ہے۔ اس میں کوئی تیرا خریدار ہے۔

(5) تیرا ہر لفظ عداوت سے بھرا ہے۔ دنیا کا چمن بس میری ہی کوشش سے ہرا ہے۔

۵۔ توفیق نے عورت کی تعریف، کن جملوں میں کی ہے؟

جواب: توفیق شمسہ کی بات کے جواب میں کہتا ہے کہ عورت تو وہ ہے جو رحم، سچائی، وفا، پارسائی کا مجموعہ ہو۔ جو فرشتوں کی طرح نیک فطرت اور حوروں کی طرح با کردار ہو۔

۶۔ معانی تحریر کریں۔

سرکش ، عداوت ، قیل و قال ، چھتر ، پابہ زنجیر ، طینت ، اژدر ، جُنبش ، چرخ ، خلعت ، تبر

جواب: دیکھیے ”لغت“

۷۔ توفیق کے کردار کے بارے میں چند سطریں لکھیں۔

جواب: اس ڈرامے میں توفیق مقتول بادشاہ برجیس کا وفادار اور جاں نثار ہے۔ وہ جرأت مند اور بہادر ہے۔ اگر چہ ملکہ شمسہ اسے بہت ڈراتی دھمکاتی ہے لیکن وہ اپنے عزم سے پیچھے نہیں ہٹتا اور مقتول بادشاہ کے بیٹے سہیل کو کسی طرح اس ظالم ملکہ کے حوالے نہیں کرتا۔

۸۔ ”شیر لوہے کے جال میں ہے“ یہاں شیر بہادر آدمی کے لیے استعارہ ہے۔ استعارے کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔

جواب: دیکھیے (علم بیان)

۹۔ اپنے معاشرے اور ماحول کے حوالے سے قتلو کے کردار کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

جواب: قتلو شمسہ کا وفادار اور جلاد پیشہ آدمی ہے۔ وہ شمسہ کو خوش رکھنے کے لیے اس کا ہر صحیح غلط حکم بجا لاتا ہے۔ ہمارے ہاں حکمرانوں، جاگیرداروں، وڈیروں اور طاقت ور لوگوں کے پاس اس طرح کے اندھے پیروکاروں کی کمی نہیں ہے۔ جو اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ہر جائز ناجائز کام کر سکتے ہیں۔

MDCATBY FUTUREDOCTORS TOUSEEF AHMAD

۱۰۔ جب کسی جملے میں دو افعال اکٹھے استعمال ہوں، ان میں ہر دوسرا فعل امدادی فعل کہلاتا ہے۔ امدادی فعل کے استعمال سے جملہ مؤثر اور واضح ہو جاتا ہے۔ جیسے: آ جانا ، کھالیا ، دے دیا ، مار ڈالا، سو گیا وغیرہ۔ کوئی سے پانچ جملے لکھ کر ان میں امدادی فعل کی نشاندہی کریں۔

جملہ	امدادی فعل	مصدر
انڈیا نے کشمیر پر قبضہ جما رکھا ہے۔	رکھا	رکھنا
بچہ اچانک گر پڑا۔	پڑا	پڑنا
مسلمان دنیا کی سپر پاور بن سکتے ہیں۔	سکتے	سکنا
پولیس چوروں کا تعاقب کر رہی ہے۔	رہی	رہنا
میری کتاب واپس دے دو۔	دو	دینا

****

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: آغا حشر کاشمیری کی اردو ڈراموں کے لیے کیا خدمات ہیں۔

جواب: انھوں نے اردو ڈراموں میں ایک نیا انداز متعارف کروایا اور ڈراموں کو بازاری اور گرے ہوئے ماحول سے نکال کر ایک خالص ادبی معیار عطا کیا اور اسے ادبی صنف بنا دیا۔

سوال 2: آغا حشر کس لیے مشہور تھے؟

جواب: آغا حشر بہت جلدی شعر کہنے میں مشہور تھے۔ وہ اتنی جلدی شعر کہتے تھے کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ ان کا شاعرانہ انداز ڈراموں میں بھی نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کے ڈراموں کے مکالموں میں شاعرانہ انداز اور شاعری بہت زیادہ نظر آتی ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ آغا حشر کاشمیری کا سن پیدائش ہے:
(ا) ۱۹۷۹ء ✓ (ب) ۱۹۸۰ء (ج) ۱۹۸۱ء (د) ۱۹۸۲ء

2۔ آغا حشر کاشمیری کا سن وفات ہے:
(ا) ۱۹۳۳ء (ب) ۱۹۳۴ء (ج) ۱۹۳۵ء ✓ (د) ۱۹۳۶ء

3۔ آغا حشر کاشمیری کہاں پیدا ہوئے؟
(ا) کلکتہ (ب) ممبئی (ج) بنارس ✓ (د) دلی

4۔ آغا حشر کاشمیری نے کس کے ڈرامے سے متاثر ہو کر ڈرامہ نگاری شروع کی؟
(ا) احسن لکھنوی ✓ (ب) خواجہ معین الدین (ج) سید امتیاز علی تاج (د) مرزا ادیب

5۔ آغا حشر کاشمیری سکول کے زمانے میں کون سا ڈرامہ لکھا؟
(ا) مریدِ شک (ب) رستم وسہراب (ج) یہودی کی لڑکی (د) آفتاب محبت ✓

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

6۔ آغا حشر کاشمیری کا پہلا مقبول ڈرامہ تھا:
(ا) رستم وسہراب (ب) خوب صورت بلا (ج) مریدِ شک ✓ (د) نیک پروین

7۔ آغا حشر کاشمیری نے سٹیج ڈراموں کو بنا دیا:
(ا) خالص ادبی صنف ✓ (ب) بازاری (ج) عامیانہ (د) مزاحیہ

8۔ آغا حشر کاشمیری کی کیا چیز مشہور تھی:
(ا) مکالمے (ب) کردار نگاری (ج) نثر (د) بدیہہ گوئی ✓

9۔ ''خوب صورت بلا'' کون سی صنف ادب ہے؟
(ا) ناول (ب) ڈرامہ ✓ (ج) افسانہ (د) داستان

10۔ بدی اپنے لیے کس بات کو قابلِ فخر سمجھتی ہے:
(ا) طاقت (ب) بادشاہت (ج) جہاں کی خوشی ✓ (د) دولت

11۔ بدی کو دعویٰ ہے کہ میں ________:
(ا) دنیا کی قسمت سنوارتی ہوں ✓ (ب) لوگوں کو بیدار کرتی ہوں
(ج) خوش حالی لاتی ہوں (د) امن لاتی ہوں

12۔ بدی، نیکی کو کیا لالچ دیتی ہے:
(ا) امیر بنادوں گی (ب) مالا مال کردوں گی ✓ (ج) دولت بخشوں گی (د) احترام دوں گی

13۔ بدی کو نیکی سے شکوہ ہے کہ وہ:
(ا) اس کی طرف آنے والوں کو روکتی ہے ✓ (ب) اس کو تسلیم نہیں کرتی
(ج) اس کا نام بدنام کرتی ہے (د) مجھے طاقت تسلیم نہیں کرتی

14۔ نیکی کو بدی سے کیا شکوہ ہے:
(ا) بدی گم راہ ہے (ب) جھوٹی ہے
(ج) لوگوں کو جہنم کی طرف دھکیلتی ہے ✓ (د) ا، ب، ج

15۔ بدی کے مطابق دنیا کی مٹی گوندھی گئی ہے:
(ا) خودغرضی کے پانی سے (ب) لالچ کے پانی سے
(ج) برائی سے (د) خودغرضی اور لالچ کے پانی سے ✓

16۔ شمسہ نے کس کو اندر لانے کا کہا ہے:
(ا) قتلو کو (ب) طغرل بیگ کو (ج) توفیق کو ✓ (د) شہزادہ سہیل کو

17۔ توفیق کون ہے:
(ا) نیکی کا نمائندہ (ب) مقتول بادشاہ کا وفادار ✓ (ج) بدی کا نمائندہ (د) شمسہ کا دشمن

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

18۔ توفیق کے مطابق نیکی کیا ہے:

(ا) پاک نور (ب) شیطان کے مقابل ایک قوت (ج) خدا کا بنایا ہوا قلعہ (د) ا، ب، ج ✓

19۔ شمسہ توفیق کو کیا کہہ کر پکارتی ہے:

(ا) نامراد (ب) بدتمیز (ج) دشمن (د) ضدی ✓

20۔ توفیق کے مطابق روح کا چراغ کیا ہے:

(ا) ایمان ✓ (ب) کفر (ج) بدی (د) نیکی

21۔ توفیق نے ملکہ شمسہ کو کیسی عورت کہا ہے:

(ا) بری عورت (ب) ذلت کی پتلی ✓ (ج) جھوٹی (د) ظالم

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تعلیم بالغاں

خواجہ معین الدین

(۱۹۲۴ء - ۱۹۷۱ء)

Khawaja Moinuddin

مصنف کا تعارف:

خواجہ معین الدین حیدر آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حیدر آباد دکن میں حاصل کی۔ ۱۹۴۹ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے اور کراچی میں سکونت (رہائش) اختیار کی۔ سندھ یونیورسٹی سے ایم۔اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ اُنہوں نے انتہائی بے سروسامانی (غربت کے حالات) کی حالت میں بڑی مشقت کے بعد بچوں کے لیے ایک تعلیمی اِدارے کی بنیاد رکھی۔ سکول کے قیام کے لیے چندہ مہم میں اُنہوں نے ایک ڈراما "زوالِ حیدر آباد" سٹیج کیا اور اس کی ساری آمدنی سکول کے لیے وقف کر دی۔ یہیں سے خواجہ معین الدین اور اُردو ڈراما لازم و ملزوم ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اُردو ڈرامے اور تھیٹر میں ان کا نام بہت نمایاں ہے۔ ان کے ڈراموں میں سماجی طنز (معاشرتی برائیوں پر طنز کرنا)، تہذیبی روایات (کسی معاشرے کی روایات) اور تبدیل ہوتے اقدار (اچھے اور برے کے معیار) کی واضح جھلک موجود ہے۔

سبق کا تعارف:

یہ سبق ایک "یک بابی کھیل" ہے یعنی ایسا ڈرامہ جو ایک ہی منظر میں مکمل ہو جاتا ہے۔ خواجہ معین الدین کا یہ کھیل اپنے اندر بہت سے زاویے لیے ہوئے ہے۔ اگرچہ اس کا انداز طنز و مزاح کا ہے لیکن اس پیرائے میں خواجہ صاحب نے جتنے مسائل ایک ڈرامے میں گنوا دیے ہیں، وہ انھیں کا خاصہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ ڈرامہ پاکستان کے سماجی اور معاشرتی مسائل پر ایک گہرا طنز ہے۔

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 72

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
شکستہ	ٹوٹی پھوٹی	گرونچی	کھڑار کھنے کے لیے لکڑی کی بنی ہو جگہ
یقین محکم	پختہ یقین		

صفحہ نمبر 73

ازار بند	کمر باندھنے والا ناڑا	دام اقبالہ ہو	اس کا مرتبہ بلند رہے
دھندا بند کر	کام بند کر		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEF AHMAD)

صفحہ نمبر 74

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
خورد و کلاں	چھوٹے بڑے	نیک مطلوب	نیک چاہتے ہیں
درگاہِ خداوندی سے	اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے		

صفحہ نمبر 76

وِنگ	طرف، جانب	گرانٹ	تنخواہ
قمچی	شاخ، چھڑی	جگی کی جگہ کھائے جا رہا ہے	جھونپڑی کھائے جا رہا ہے

صفحہ نمبر 77

چونک کر	حیران ہو کر	جگی کھا رہا ہے	جھونپڑی کو منہ مار رہا ہے

صفحہ نمبر 78

ستیاناس	بیڑہ غرق کر دیا	گُندہ	موٹی لکڑی کا ٹکڑا

صفحہ نمبر 80   صفحہ نمبر 81

مضحکہ	جس پر لوگ ہنسیں	ناہنجار	نالائق

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1

(چڑانے کے انداز میں نقل کرتے ہوئے) اجی میں تو بانس بریلی کا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ٹکڑے تو تمھارے ہونے تھے کم بختو۔ (صفحہ 81)

سبق کا عنوان: تعلیم بالغاں

مصنف کا نام: خواجہ مُعین الدین

تشریح

یہ سبق ایک ''یک بابی کھیل'' ہے یعنی ایسا ڈرامہ جو ایک ہی منظر میں مکمل ہو جاتا ہے۔ خواجہ معین الدین کا یہ کھیل اپنے اندر بہت سے زاویے لیے ہوئے ہے۔ اگرچہ اس کا انداز طنز و مزاح کا ہے لیکن اس پیرائے میں خواجہ صاحب نے جتنے مسائل ایک ڈرامے میں گنوا دیے ہیں، وہ انھیں کا خاصہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ ڈرامہ پاکستان کے سماجی اور معاشرتی مسائل پر ایک گہرا طنز ہے۔

زیر بحث اقتباس میں مولوی صاحب قصاب کی بات کی جواب میں طنز کر رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مولوی صاحب جو اس تعلیم بالغاں مرکز کے اُستاد ہیں۔ وہ اپنے شاگرد قصاب کو ایک درخواست لکھوا رہے ہیں۔ جس میں مرکز کے برے حال کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں جو تین گھڑے، اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کے نام سے موجود تھے، اب ان کی حالت خراب ہے۔ مدرسے کے طالب علموں نے لڑ جھگڑ کر اتحاد والے

گھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ جس پر قصاب ان سے پوچھتا ہے کہ اتحاد کے ٹکڑے کس نے کیے؟ مولوی صاحب براہ راست قصاب پر الزام لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسی نے یہ کام دکھایا ہے۔ اور پھر طنزیہ انداز میں کراچی کے ایک علاقے گرو مندر کا نام لے پوچھتے ہیں کہ وہ وہاں کا تو نہیں رہنے والا۔ جس پر قصاب فخر سے بتاتا ہے کہ نہیں وہ تو بانس بریلی کا رہنے والا ہے جو انڈیا کا ایک علاقہ ہے۔

جس کے جواب میں مولوی صاحب طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ لوگ کھاتے پاکستان کا ہیں لیکن گاتے بانس بریلی کا ہیں۔ وہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہوئے پاکستان میں پائے جانے والے صوبائی تعصب کو موضوع بناتے ہیں کہ جسے دیکھو وہ اپنے پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان ہونے کا دعوی کر رہا ہے۔ کوئی پاکستانی ہونے کی بات نہیں کرتا۔ ہر کوئی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ طنز پاکستان میں پائے جانے والے نسلی اور صوبائی تفریق پر بڑا گہرا ہے۔ اور معاملہ بھی یہی ہے کہ پاکستان تو حاصل کیا گیا تھا، مسلم قومیت کے نام پر لیکن بعد میں یہاں صوبائیت پرستی کو ہوا دی جانے لگی۔ اور وہ پاکستانی قومیت کا خواب کہیں چکنا چور ہو گیا۔ اسی لیے خواجہ صاحب نے اس ڈرامے میں جو تین گھڑے رکھے ہیں ان پر قائداعظم کے قول اتحاد، تنظیم اور یقین محکم لکھا ہوا ہے اور وہ تمام گھڑے ٹوٹے پھوٹے ہیں۔ خاص طور پر اتحاد والا گھڑا تو بہت ہی برے حالوں میں ہے۔ جس کا ذکر اور اس کی تشریح بھی اس اقتباس میں آ گئی ہے۔ جس میں مولوی صاحب سمجھتے ہیں کہ اتحاد کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے ہم خود ہیں اور ہمیں اس کی مرمت کرنی پڑے گی۔

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے مختصر جوابات لکھیں۔

(الف) مولوی صاحب قرض کیوں واپس نہ کر سکے؟

جواب: مولوی صاحب کو اکثر تنخواہ ملنے میں دیر سویر ہو جاتی تھی، اس لیے وہ اپنے طالب علموں سے قرض لے لیتے تھے اور لوٹا بھی دیتے تھے۔ لیکن اب حکومت نے پچھلے چھ ماہ سے تنخواہ روک رکھی تھی، اس لیے وہ قرض واپس نہ کر سکے تھے۔

(ب) مولوی صاحب نے اتحاد کے ٹکڑے ہونے کی کیا وجوہات بتائیں؟

جواب: جب مولوی صاحب کا شاگرد قصاب بڑے فخر سے کہتا ہے کہ وہ بانس بریلی کا ہے تو مولوی صاحب غصے میں آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں سب لوگ کھاتے پاکستان کا ہیں لیکن گاتے بانس بریلی کا ہیں۔ ہر کوئی اپنے پنجابی، سندھی، پٹھان، بلوچی ہونے پر فخر کر رہا ہے اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے ہوئے ہے، اس لیے اتحاد کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

(ج) مدرسہ تعلیم بالغاں کہاں واقع تھا؟

جواب: مدرسہ تعلیم بالغاں کراچی کے علاقے میوہ شاہ لائن میں واقع بکرا پیڑھی میں واقع تھا۔

(د) اس اقتباس میں وزیروں پر کیا طنز کیا گیا ہے؟

جواب: یہ کہ وزیر تعلیم خود ان پڑھ ہوتے ہیں۔ بعض تو بالکل ہی انگوٹھا چھاپ ہوتے ہیں لیکن ووٹ کی "ؤ" سے وہ زیرِ تعلیم کی بجائے وزیر تعلیم بن جاتے ہیں۔

(ہ) مولوی صاحب کس محکمہ کے نام درخواست لکھوا رہے تھے؟

جواب: مولوی صاحب محکمہ تعلیم کے وزیر کے نام درخواست لکھوا رہے تھے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

۲۔ جملے بنائیں۔

الفاظ و محاورات	جملے
سر پر چڑھنا	وہ خواہ مخواہ سر پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔
رحم و کرم پر ہونا	وہ آج کل دوسروں کے رحم و کرم پر ہے۔
ستیاناس کرنا	تم نے تو سارے منصوبے کا ستیاناس کر دیا ہے۔
ازراہ مرحمت	آپ ازراہ مرحمت میرے مسئلے کو حل کر دیں۔
آسمان سر پر اُٹھانا	جب اس کی چوری پکڑی گئی تو اس نے آسمان سر پر اُٹھالیا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

۳۔ متن کی مطابق خالی جگہ پُر کریں۔

(ا) دیکھ.............. نے ہتھیار رکھ کر دیے ہیں تم بھی رکھ دو۔ (خلیفہ)

(ب) چپڑاسی.............. سے ماچس مانگتے ہیں۔ (افسر)

(ج) کوئی چھرا دکھا رہا ہے کوئی.............. دکھا رہا ہے۔ (قینچی)

(د) ہے ہے ہے۔ ارے! جملہ کاٹنے کو کہا تھا.............. کاٹ دیا۔ (ازاربند)

(ہ) مدرسے کو شاگردوں کا.............. ہو گیا ہے۔ (قرضہ)

۵۔ محاورے کی تعریف کریں اور کوئی سے پانچ محاورے لکھیں۔

جواب: محاورہ دو یا دو سے الفاظ کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جو مجازی معنی میں استعمال ہو۔ مثلاً:

دل پگھل جانا: رحم آ جانا۔

آسمان سر پر اُٹھانا: شور مچانا۔

دل ٹکڑے ٹکڑے ہونا: افسردہ ہونا یا مایوس ہونا۔

خون سفید ہو جانا: بے حس ہونا۔

ہوائی اڑانا: جھوٹی خبر پھیلا دینا۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: ایک ایکٹ کا کھیل کیا ہوتا ہے؟

جواب: ڈرامہ کی صنف یونان سے آئی ہے اور اس کی بہت سی اقسام ہیں۔ اس کی ایک قسم ''یک بابی ڈرامہ''، یعنی ایک ایکٹ کا کھیل ہے۔ عام طور پر ڈرامہ تین ایکٹ کا ہوتا ہے۔ ایک ایکٹ کا ہونے کی وجہ سے یہ ڈرامہ مختصر ہوتا ہے اور ایک ہی منظر میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اسے

ادبی ڈرامہ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ اسے کھیلنے سے زیادہ پڑھنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔

سوال: ڈرامے میں مولوی صاحب کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

جواب: اس ڈرامے میں مولوی صاحب کا کردار مرکزی کردار ہے۔ وہ تعلیم بالغاں مرکز کے اُستاد ہیں۔ اُن کے شاگردوں میں قصاب، حجام اور وکٹوریہ والا پٹھان شامل ہیں۔ مولوی صاحب کے کردار کے ذریعے مصنف نے بہت سے معاشرتی اور سیاسی مسائل کو طنز و مزاح کے پیرائے میں اُجاگر کیا ہے۔ وہ بلاتکلف سیاسی معاملات اور سماجی مسائل پر طنزیہ انداز میں وار کرتے ہیں اور انھیں ہمارے سامنے لاتے ہیں۔

سوال: مولوی صاحب درخواست کیوں لکھوا رہے ہیں؟

جواب: مولوی صاحب کو تنخواہ پچھلے چھ ماہ سے نہیں ملی اور وہ اپنے ہی شاگردوں سے اُدھار پکڑ کر گزارا کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ محکمہ تعلیم کے وزیر کے نام درخواست لکھ کر انھیں بتا رہے ہیں کہ وہ کچھ اس سلسلے میں کریں۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ خواجہ معین الدین کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۲۴ء ✓ (ب) ۱۹۲۵ء (ج) ۱۹۲۸ء (د) ۱۹۲۹ء

2۔ خواجہ معین الدین کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۹۷۰ء (ب) ۱۹۷۱ء ✓ (ج) ۱۹۷۲ء (د) ۱۹۷۳ء

3۔ خواجہ معین الدین کہاں پیدا ہوئے؟

(ا) کراچی (ب) حیدرآباد (سندھ) (ج) ممبئی (د) حیدرآباد (دکن) ✓

4۔ خواجہ معین الدین نے پاکستان آکر کہاں سکونت اختیار کی؟

(ا) کراچی ✓ (ب) لاہور (ج) حیدرآباد (سندھ) (د) فیصل آباد

5۔ خواجہ معین الدین نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد کون سا پیشہ اختیار کیا؟

(ا) ڈاکٹری (ب) درس و تدریس ✓ (ج) وکالت (د) سرکاری نوکری

6۔ خواجہ معین الدین نے سکول کے قیام کے لیے چندہ مہم کے دوران کون سا ڈرامہ سٹیج کیا؟

(ا) زوالِ حیدرآباد ✓ (ب) مرزا غالب بندر روڈ پر

(ج) تعلیم بالغاں (د) لال قلعے سے لالوکھیت تک

7۔ صنف کے لحاظ سے "تعلیمِ بالغاں" کیا ہے:

(ا) ڈراما ✓ (ب) افسانہ (ج) ناول (د) داستان

8۔ سبق "تعلیمِ بالغاں" کے مصنف کا نام ہے:

(ا) آغا حشر کاشمیری (ب) سید امتیاز علی تاج (ج) رتن ناتھ سرشار (د) خواجہ معین الدین ✓

9۔ ایک ایکٹ کا یہ کھیل ہے:

(ا) المیہ (ب) طنزیہ و مزاحیہ ✓ (ج) غیر دلچسپ (د) فل کامیڈی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

10۔ ڈرامے کے ابتدا میں استاد محبت علی کیا کرتے دکھائی دیتے ہیں:
(ا) سوتے ہوئے (ب) پڑھاتے ہوئے (ج) آزاد بند بنتے ہوئے ✓ (د) کام کرتے ہوئے

11۔ ڈرامے کا کردار شمشیر پیشے کے لحاظ سے ہے:
(ا) قصاب (ب) حجام ✓ (ج) وکٹوریہ والا (د) معلم

12۔ مولوی صاحب نے درخواست کس کے نام لکھوائی تھی:
(ا) ڈی سی (ب) اے سی (ج) محکمہ تعلیم ✓ (د) وزیر اعلیٰ

13۔ مولوی صاحب کا شاگرد چراغ شاہ کیا ہے:
(ا) حجام (ب) قصاب (ج) دکان دار (د) وکٹوریہ والا ✓

14۔ مولوی صاحب نے خان صاحب سے کتنے روپے ادھار لیے تھے:
(ا) بیس ✓ (ب) تیس (ج) چالیس (د) پچاس

15۔ معلّم تعلیمِ بالغاں کو کتنے مہینے سے تنخواہ نہیں ملی:
(ا) دو ماہ (ب) چار ماہ (ج) چھ ماہ ✓ (د) آٹھ ماہ

16۔ ڈرامے میں گرومندر کا ذکر ہے۔ یہ کیا ہے:
(ا) مندر (ب) کراچی کا ایک علاقہ ✓ (ج) رنگ کی جائے پیدائش (د) ایک پارک

17۔ دوسرے گھڑے پر تنظیم لکھا تھا مگر اس کا ________ غائب تھا:
(ا) پیندہ اور گلا ✓ (ب) گلا (ج) ڈھکن (د) سب کچھ

18۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کا مطلب ہے:
(ا) چھوٹی سی مسجد (ب) بڑی مسجد (ج) اتحاد نہ ہونا ✓ (د) اتحاد ہونا

19۔ حجام معلم کے سامنے کیا پی رہا تھا:
(ا) سگریٹ (ب) بیڑی ✓ (ج) حقہ (د) سگار

✪✪✪✪✪

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد وغیرہ

ابنِ انشا

(۱۹۲۷ء - ۱۹۷۸ء)

مصنف کا تعارف:

ابنِ انشا کا اصل نام شیر محمد خان تھا۔ وہ جالندھر میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور چلے آئے۔ ادبی زندگی کا آغاز بحیثیت شاعر کیا۔ بعد میں بطور مزاح نگار، افسانہ نویس، صحافی اور سفرنامہ نویس شہرت حاصل کی۔ مزاح کے میدان میں اُنھوں نے اپنی خداداد (قدرتی طور پر) صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور ہر طرح کے قاری سے داد وصول کی۔ ان کا اسلوبِ تحریر سادہ، رواں، دلکش اور شگفتہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں مزاح پیدا کرنا اُن کا خاصہ ہے۔ ہر موقع پر ہنسنے ہنسانے کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔ الفاظ کے صحیح انتخاب اور اُن کے درست استعمال پر اُنھیں قدرت حاصل ہے۔ چلتے ہو تو چین کو چلیے، دُنیا گول ہے، ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں، اور آوارہ گردی کی ڈائری میں ابنِ انشا ایک ایسے بنجارے کے روپ میں نظر آتے ہیں، جو گردوپیش پر بیگانہ روی (اجنبی بن کر) سے نظر ڈالتے ہیں، لیکن حقیقت میں اُن کی آنکھ اشیا کے باطن کو دیکھتی ہے اور قاری کو ماضی اور حال سے آشنا کرتی چلی جاتی ہے۔ وہ اپنے قاری کی دلچسپی کے لیے معلوماتی مواد اور تاریخی واقعات کو مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اُن کی تحریروں میں طنزِ لطیف پایا جاتا ہے، جس سے بات میں عمق (گہرائی) اور اثر آفرینی (اثر پیدا کرنا) پیدا ہوتی ہے۔ اُنھوں نے اپنی تحریروں میں بھولے بسرے اور متروک (جسے ترک کر دیا گیا ہو۔ چھوڑ دیا گیا) الفاظ کے استعمال سے منفرد دلکشی پیدا کی ہے۔

سبق کا تعارف:

یہ سبق ابن انشا کے سفرنامے "ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں" سے لیا گیا ہے۔ اس حصے میں وہ ایران کے تاریخی شہر شیراز کی سیر کا حال بیان کر رہے ہیں۔ وہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کے مزار پر گئے۔ اس کے علاوہ وہ مسجد وکیل، تخت جمشید اور نقشِ رستم دیکھنے بھی گئے۔ اس ساری سیاحت کا حال انھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری سیر سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی تاریخ اور اہمیت سے بھی واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 85

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
رشک	حسد	فضائل	خوبیاں
تعجب	حیرانی	نمونیہ	سردی لگنے سے بخار ہونا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
چرند، پرند	چرنے والے جانور اور اڑنے والے پرندے	ست الوجود	وجود کی طاقت
سویرے	صبح صادق	وصیت کردی	آخری نصیحت
لحاف	کمبل، رضائی	شیراز	ایران کا قدیم شہر
غنودگی	حالت نیند	گل وگلزار	پھول اور باغات
داتنیں کاٹنا	مسواک کی لکڑی کاٹنا	ٹورسٹ	سیاح
ٹھرٹھر کرتے	کپکپاتے ہوئے	علاقہ	واقفیت

صفحہ نمبر 86

سدھار لیے	چل پڑے	کاریڈور	صحن
ٹورسٹ بیورو	سیاحوں کا مرکز	خوش نویس	خطاط
میوزم	عجائب خانہ	آویزاں	لٹکی ہوئی
تختِ جمشید	بادشاہ جمشید کا تخت، مراد ایک	معاً	اچانک
مسافت	فاصلے	رواں	جاری
اصرار	ضد	ضبط	برداشت
دھرا ہے	رکھا ہے	طویل	لمبی
سُور	لطف	محافظ	گارڈ
دامن کشا	دامن کو گھیرے ہوئے، دامن کو کھینچنے والا		

صفحہ نمبر 87

زندہ است نام فرخ نوشیرواں	فرخ نوشیرواں کا نام زندہ ہے	داخلی رفاقت	باطنی دوستی
قافلہ دزداں	چوروں کا قافلہ پہاڑ کی	نواح	اردگرد کا علاقہ
غائبانہ آشنائی	ان دیکھی پہچان	غنچہ	ان کھلا پھول
قطعاً	بالکل نہ تھی	نوشگفتہ	جو نیا نیا کھلا ہو

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
گلِ صد برگ	سو پتیوں والا پھول	متاعِ عزیز	قیمتی سامان
نیک نفسی	نیک نامی	بھاگ کھلے	مقدر جاگے
رعایا دوستی	عوام دوستی	فقط	صرف
وکیل الرعایا	عوام کا وکیل	بر سرِ کوہے نشستہ بودند	چوٹی پر بیٹھا ہے

صفحہ نمبر 88

سالم	مکمل خالی	گفت گو	بات چیت
تومان	ایرانی کرنسی	کوس	تقریباً 300 گز کا فاصلہ
مبالغہ آمیز	جس میں کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہو	دارائے اعظم	سب سے بڑا دارا بادشاہ
مُصر	بضد	یُدھ	جنگ، آمنا سامنا
کے	کتنے		
انا الحق	مشہور تلمیح جو منصور کے ساتھ منسوب ہے		

صفحہ نمبر 89

پانی چوانے والا نہ تھا	پانی ڈالنے والا نہ تھا	اصطخر	قدیمی ایرانی شہر
چنداں افسوس	بالکل افسوس	مسطح	ہم وار
اے آمدنت باعثِ آبادی ما	آپ کا آنا میرے لیے خوشی کا باعث ہے	ٹھنٹھ	کٹا ہوا بازو، کٹا ہوا تنا
کوہِ رحمت	مشہور پہاڑ	نقاشی	ہاتھ سے کی گئی خوب صورت نقش نگاری
سیروسِ اعظم	قدیم بادشاہ ایران	جلال	رعب
بنا کردہ	تیار کردہ	پازرگاد	ایران کا قدیم شہر

صفحہ نمبر 90

جہاں پناہ	بادشاہ		
دوام	ہمیشگی	صد ستون	سو ستونوں والا
رفیع الشان	سب سے نمایاں شان والا	عفریت	طاقت ور دیو
		تلوار بھونکنے	تلوار چلانے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جانشین	قائم مقام	مرتسم ہے	نقش کیا ہوا
خدام	خدمت گار		
اپادانا	شہنشاہ خرخشاس ماؤل کا تیار کردہ محل جس کے 100 ستون تھے		

صفحہ نمبر 91

قیاسات	قیاس گوئی، اندازہ	برادر بجان برابر	جان کے برابر بھائی
ذکرلطیف	خوب صورت تذکرے	خانہ زاد	غلام
من در چہ خیالم وفلک در چہ خیالم	میں کس خیال میں ہوں اور آسمان کس خیال میں ہے		

صفحہ نمبر 92

ناک بھول چڑھا کر	ناراض ہو کر	استغاثہ کیا	مدد چاہی
حمال	قُلی، بوجھ اٹھانے والا	قربانت شوم	تیرے قربان جاؤں

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی طبعیت ایک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں چاہتے تھے کہ محافظ ہماری یہ کیفیت دیکھے۔(صفحہ 86)

سبق کا عنوان: شیراز اور کنارِ آبِ رکنا باد وغیرہ

مصنف کا نام: ابن انشا

تشریح

یہ سبق ابن انشا کے سفرنامے ''ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں'' سے لیا گیا ہے۔اس حصے میں وہ ایران کے تاریخی شہر شیراز کی سیر کا حال بیان کررہے ہیں۔وہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کے مزار پر گئے۔اس کے علاوہ وہ مسجد وکیل، تخت جمشید اور نقش رستم دیکھنے بھی گئے۔اس ساری سیاحت کا حال انھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری سیر سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی تاریخ اور اہمیت سے بھی واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔

ابن انشا جب شیراز گئے تو ائیر پورٹ پر ان کے ساتھ کئی مغربی مسافر بھی تھے۔وہ سب تخت جمشید دیکھنے کے لیے چلے گئے لیکن ابن انشا کا دل حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کے مزار پر حاضری دینے کے لیے بے قرار تھا۔وہ پہلے حافظ کے مزار پر گئے۔وہاں ان پر کوئی خاص کیفیت طاری نہ ہوئی۔لیکن جب وہ اس کے بعد شیخ سعدی کے مزار پر پہنچے تو اندر داخل ہوتے ہی دل ایک سرور انگیز کیفیت سے آشنا ہوا۔انھیں یوں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

محسوس ہوتا تھا کہ جیسے مزار کا ذرہ ذرہ ان کے دامن کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ دراصل انسان کا دل اس کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز ہے۔ اور مصنف کے دل میں شیخ سعدی سے عقیدت اور محبت کا پودا بچپن ہی سے لگا تھا۔ جب سے انھوں شیخ سعدی کی کتاب ''گلستانِ سعدی'' کے درس کا آغاز کیا تھا۔ عقیدت سے شروع ہونے والی یہ داستاں آگے چل کر رفاقت میں بدل گئی۔ اور انھیں شیخ سعدی سے ایک خاص قسم کا تعلق پیدا ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ وہ جب شیخ کے مزار پر گئے تو ان کی کیفیت بڑی عجیب تھی۔ مزار کا حال بیان کرتے ہوئے، وہ لکھتے ہیں کہ مزار بڑا سادہ تھا۔ ایک کاریڈور تھا جس کے آخر میں ایک مختصر سا گنبد تھا۔ جس کے چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ بہت سی عورتیں وہاں آ جا رہی تھیں۔ وہاں منتیں بھی مانگی جا رہی تھیں۔ شیخ کے کسی عقیدت مند نے خوش خط انداز میں لکھی ہوئی ''گلستان سعدی'' کی ایک حکایت اور ''بوستانِ سعدی'' کی ایک نظم دیوار پر آویزاں کر دی تھی۔ عورتوں کے جانے کے بعد وہ آگے بڑھے اور فاتحہ پڑھنے لگے۔ لیکن انھیں خود اندازہ نہیں ہوا کہ کیا ہوا اور وہ یک بہ یک رونے لگے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہنے لگا۔ وہ اسے جتنا ضبط کرنے کی کوشش کرتا، وہ اور زور سے بہنے لگتا۔ اس دوران فاتحہ بہت لمبی ہو چکی تھی اور انھیں یہ ڈر تھا کہ کہیں محافظ ان کی یہ کیفیت نہ دیکھ لے۔ یہ دراصل وہی محبت اور عقیدت تھی جو انھیں شیخ کے ساتھ بچپن سے تھی۔ آج اپنے محبوب کے مزار پر حاضر ہونے کا موقع ملا تو وہ ضبط نہ کر سکے۔

اقتباس 2:

دارا سے بھی ہماری ملاقات پرانی ہے۔------------------------------کوئی زیادہ دور تھوڑی تھا۔ (صفحہ 89)

سبق کا عنوان: شیراز اور کنارِ آبِ رکنا باد وغیرہ

مصنف کا نام: ابن انشا

تشریح

یہ سبق ابن انشا کے سفرنامے ''ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں'' سے لیا گیا ہے۔ اس حصے میں وہ ایران کے تاریخی شہر شیراز کی سیر کا حال بیان کر رہے ہیں۔ وہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کے مزار پر گئے۔ اس کے علاوہ وہ مسجد وکیل، تخت جمشید اور نقشِ رستم دیکھنے بھی گئے۔ اس ساری سیاحت کا حال انھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری سیر سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی تاریخ اور اہمیت سے بھی واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔

مصنف قریباً ساڑھے بارہ بجے دارا اعظم کے شہر غذار پہنچے۔ جہاں حد نظر محلوں اور میناروں کے کھنڈرات موجود تھے۔ جو اپنی زبانِ حال کہ رہے تھے کہ اس دنیا میں ہر شے کو فنا ہے سوائے رب کی ذات کے۔ وہی محل جو کبھی بادشاہوں کی شان و شوکت اور عظمت کی دلیل تھے، آج بے آبرو پڑے تھے۔ بقول شاعر:

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

مصنف ایرانی بادشاہ دارا سوم کا ذکر کرتے ہیں۔ جو فارس کی پہلی عظیم سلطنت کا آخری حکمران تھا۔ یہ سلطنت دارا اول یا سائرس اعظم نے قائم کی تھی۔ اور اسے سکندر اعظم نے دارا سوم کو شکست دے کر ختم کر دیا تھا۔ یہ عظیم ایرانی سلطنت قریباً اسی لاکھ مربع کلومیٹر تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کا دارالحکومت تخت جمشید تھا۔

MDCAT BY (FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD))

مصنف بتاتے ہیں کہ دارا سے ان کی واقفیت بھی بچپن سے تھی۔ انھوں نے اس کے بارے میں اپنی ابتدائی جماعتوں میں پڑھا تھا۔ اور انھیں سکندرِ اعظم کے ہاتھوں دارا کی شکست اور تباہی کا حال پڑھ کر بالکل بھی افسوس نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ سکندر مسلمان ہے اور دارا کافر۔ یہ ان کی سادگی کا اظہار ہے۔ وہ اپنی اس سادگی کو مزید بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سکندر کے علاوہ وہ بھی جتنے ناموں میں ف، ق، غ، ظ وغیرہ آتے ہیں، وہ انھیں مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں ان کے نزدیک قومیں صرف دو ہی تھیں۔ ایک مسلمان اور دوسری ہندو۔ اس لیے ان کی معلومات کا دائرہ صرف تک محدود رہتا تھا۔ وہ اپنی بچپن کی ایک خواہش کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھیں افسوس ہوتا تھا کہ سکندرِ اعظم دریائے بیاس کے مغربی کنارے ہی سے کیوں لوٹ گیا کیونکہ ان کا گاؤں دریائے بیاس کے مشرقی کنارے پر تھا۔ ان کے خیال میں اگر سکندر ان کے گاؤں سے گزرتا تو یہ ان کی خوش نصیبی ہوتی۔

مشق

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

ا۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے مختصر جوابات لکھیں۔

(الف) مصنف سحر خیزی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

جواب: مصنف ان لوگوں پر رشک کرتا ہے جو صبح سویرے اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ اس کے خیال میں چرند پرند کا جاگنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن انسانوں کا اتنی صبح سویرے جاگنا اسے کبھی سمجھ نہیں آیا۔ اس کے خیال میں جو مزا اس وقت لحاف کے اندر غنودگی میں ہے، وہ کسی چیز میں نہیں ہے۔

(ب) حافظ کے مزار پر ان کے دیوان کا نسخہ کیوں رکھا جاتا تھا؟

جواب: حافظ شیرازی کے مزار پر ان کا دیوان فال نکالنے کے لیے رکھا گیا ہے۔ لوگ اپنی قسمت کا حال جاننے کے لیے اس دیوان کھولتے ہیں اور شعر پڑھ کر اس سے شگون لیتے ہیں۔

(ج) شیخ سعدی کے مزار پر مصنف کی کیا کیفیت ہوئی؟

جواب: جب مصنف شیخ سعدی کے مزار پر پہنچا اور اس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو اس پر رقت سی طاری ہوگئی اور وہ بے اختیار رونے لگا۔ وہ جتنا اسے ضبط کرنے کی کوشش کرتا، یہ سیلاب اتنا ہی زور سے باہر نکلتا۔ اسے اپنے بچپن میں شیخ سعدی کی کتاب گلستان سعدی کا درس یاد آ گیا جب اس نے اسے پڑھا تھا۔ اس نے ہمیشہ شیخ سعدی کو اپنا رفیق اور دوست پایا تھا۔

(د) ڈرائیور منصور کی انگریزی کے بارے میں مصنف نے کیا مثال پیش کی؟

جواب: ڈرائیور منصور کو دعویٰ تو یہی تھا کہ وہ بہت انگریزی جانتا ہے لیکن درحقیقت اسے انگریزی کا صرف ایک لفظ آتا تھا اور وہ تھا Yes۔ اس لیے مصنف نے کہا کہ اس کا دعویٰ تو اپنے ہم نام منصور حلاج کے دعوے سے بھی زیادہ مبالغہ آمیز اور حقیقت کے خلاف تھا جس نے ''انا الحق'' یعنی ''میں خدا ہوں'' کا نعرہ لگایا تھا۔

(ہ) دارا اور سکندر کون تھے؟

جواب: دارا ایران کا عظیم فاتح تھا۔ دارا اول کے بعد دارا اس کے خاندان کے بادشاہوں کا لقب بھی رہا۔ اس نے عظیم ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی جو بلوچستان سے لے کر مصر اور عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ سبق میں دارا سوم کا ذکر کیا گیا ہے جو سکندر کے ہاتھوں شکست کھا گیا تھا۔ سکندر یونانی شہزادہ تھا۔ اس کا باپ مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد جب سکندر نے تخت سنبھالا تو سب سے پہلے

یونانی ریاستوں کو متحد کیا اور پھر عرب، ایشیا اور ہندوستان تک فتوحات کیں۔

(و) **ڈرائیور منصور اور مصنف کے درمیان کرائے کا کیا معاملہ پیش آیا؟**

جواب: مصنف اور ڈرائیور کے درمیان تختِ جمشید تک جانے کے 12 اور واپسی کے 10 تومان طے ہوئے تھے۔ یعنی کل 22 تومان۔ مصنف نے دل میں سوچا کہ تین چار تومان تخت جمشید سے نقش رستم تک اور واپس شہر سے ایئر پورٹ تک دو تین تومان ہوں گے۔ اس طرح نے اسے 30 تومان دینے کا سوچا لیکن ڈرائیور 35 تومان پر اڑ گیا اور پھر لے کر بھی چھوڑے۔

۲۔ درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔

(ا) **نہ زبان سے علاقہ نہ ادب و تہذیب سے نسبت، ایک کیمرہ لٹکایا، میم کو ساتھ لیا، جہاں کی تعریف سنی اُدھر سدھارے۔**

وضاحت: ابنِ انشا امریکی سیاحوں کے مزاج اور رویے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انھیں زبان، ادب اور تہذیب سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ انھیں بس گھومنے پھرنے سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اس لیے جہاں کی تعریف سنتے ہیں، گلے میں کیمرہ لٹکاتے ہیں اور میم کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ گویا ان کی دلچسپی صرف سنی سنائی باتوں تک محدود ہوتی ہے۔

(ب) **ہم نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے، تو آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں تھا، جتنا ضبط کی کوشش کرتے تھے، سیلاب اور امڈتا تھا۔**

وضاحت: ابنِ انشا نے شیخ سعدی کے مزار پر پہنچ کر جب فاتحہ کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو بے اختیار رونے لگے۔ وہ اسے جتنا ضبط کرنے کی کوشش کرتے، اتنا ہی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب زیادہ ہو جاتا۔

(ج) **ان سے فریاد یا استغاثہ کیا کرتے؟ منصور ہم سے اچھی اور تیز فارسی بولتا تھا، ممکن ہے ہم مقدمہ جیت بھی جاتے، لیکن اصفہان کا جہاز ضرور چھوٹ جاتا۔**

جواب: جب مصنف ڈرائیور کے ساتھ واپس ایئر پورٹ پہنچے تو انھوں نے اپنے اندازے سے بڑا ہی مناسب کرایہ یعنی 30 تومان ادا کر دیا۔ لیکن ڈرائیور منصور 35 تومان پر اڑ گیا۔ جب تو تکار بڑھی تو اور بھی بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ مصنف چاہتے تو انھیں اصل معاملہ بتا کر انصاف کرا سکتے تھے لیکن انھیں یہ ڈر تھا کہ اس دوران اصفہان کا جہاز ضرور چھوٹ جائے گا۔

(د) **یہاں کے آثار کچھ تہران چلے گئے، کچھ اپنے آبا کی کتابوں کی طرح لندن اور پیرس میں۔**

جواب: جب مصنف تخت جمشید کے کھنڈرات دیکھنے گئے تو وہاں ایک چھوٹا سا میوزم بھی تھا۔ جس میں چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں۔ مصنف کے مطابق بڑی بڑی اور دیکھنے کے لائق چیزیں حکومت نے تہران بھجوا دی ہیں۔ اور کچھ برطانیہ اور فرانس پہنچ گئی ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے آبا کی کتابیں یورپ کی لائبریروں کی زینت ہیں۔ یہ آخری جملہ اقبال کے مصرعے کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔

(ہ) **اس نے دعویٰ کیا کہ مجھے تھوڑی انگریزی بھی آتی ہے۔ یہ دعویٰ، اس کے ہم نام منصور کے دعوے انا الحق سے بھی زیادہ مبالغہ آمیز تھا۔**

جواب: مصنف جب شیراز سے تختِ جمشید دیکھنے کے لیے گئے تو انھیں جو ٹیکسی ڈرائیور ملا، اس کا نام منصور تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی انگریزی بہت اچھی ہے۔ لیکن مصنف کے مطابق اس کا یہ دعویٰ بالکل اپنے ہم نام منصور حلاج کے دعویٰ کی طرح مبالغہ آمیز اور حقیقت کے خلاف تھا۔ جس نے ''انا الحق'' یعنی ''میں خدا ہوں'' کا نعرہ لگایا تھا۔

۳۔ **امدادی فعل کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔**

جواب: امدادی فعل ایک ایسا فعل ہے جو اصل فعل کے ساتھ مل کر اس کے معنی و مفہوم میں تغیر یا اضافہ کرتا ہے۔ امدادی فعل بھی اصل فعل کی طرح مصدر سے بنتا ہے۔ عام طور پر یہ اصل فعل کے بعد آتا ہے۔ مثلاً:

جملے	امدادی فعل	مصدر
بچہ اچانک گر پڑا۔	پڑا	پڑتا
وہ سکول جا چکا ہے۔	چکا	چکنا
میرا قلم واپس دے دو۔	دو	دینا
میں یہ کام کر سکتا ہوں۔	سکتا	سکنا
اگر مسلمان اکٹھے ہو جائیں۔	جائیں	جانا

۴۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اس طرح جملوں میں استعمال کریں کہ مفہوم واضح ہو جائے۔

الفاظ و محاورات	جملے
قدامت و عظمت	حرم میں داخل ہوتے ہی اس کی قدامت و عظمت کا احساس انسان کے دل کو گھیر لیتا ہے۔
غنودگی	وہ باتیں کرنے کے دوران مسلسل غنودگی میں رہا۔
دیوان خاص	لاہور قلعے کا دیوان خاص اب اجڑ چکا ہے۔
رفیع الشان	مغلوں کی بنائی ہوئیں رفیع الشان عمارتیں ان کے ذوق کی آئینہ دار ہیں۔
عفریت	آلودگی ایک عفریت کی طرح انسانی زندگی کے لیے خطرہ بن چکی ہے۔
خانہ زاد	عبداللہ قاضی کے گھر میں خانہ زاد ہے۔
بھلامانس	وہ بڑا بھلامانس آدمی ہے۔

۵۔ سفرنامے کی تعریف کریں اور اس کے فنی لوازمات لکھیں۔

جواب: دیکھیے (نثری اصناف)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: آپ ابنِ انشا کے اُسلوب کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

جواب: ابنِ انشا کا اصل میدان مزاح ہے۔ ان کا اُسلوب سادہ، رواں، دلکش اور شگفتہ ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں سے اس طرح مزاح پیدا کرتے ہیں کہ قاری داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر موقع پر ہنسنے ہنسانے کی گنجائش نکال لیتے ہیں۔ الفاظ کے صحیح انتخاب اور ان کے درست استعمال پر انھیں قدرت حاصل ہیں۔

سوال: ابنِ انشا اپنے سفرنامے میں کس رُوپ میں نظر آتے ہیں؟

جواب: ابنِ انشا نے کئی سفرنامے لکھے۔ چلتے ہو تو چین کو چلیے، دنیا گول ہے، ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں اور آوارہ گرد کی ڈائری میں وہ ایک ایسے بنجارے کے رُوپ میں نظر آتے ہیں جو اپنے اردگرد سرسری سی نظر ڈالتا ہوا چلا جاتا ہے لیکن دراصل اُن کی آنکھ چیزوں کے اندر اُتر کر دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور پڑھنے والے کو ماضی، حال اور مستقبل سے آشنا کرتی چلی جاتی ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSHOUSEEFAHMAD

سوال: **شیراز کے ہوائی اڈے پر اُتر کر مصنف کے کیا تاثرات تھے؟**

جواب: ایک تو شیراز کا ہوائی اڈہ مختصر سا تھا۔ دوسرا مصنف کے خیال میں شیراز کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس کی قدامت اور عظمت کا احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ تیسرا چونکہ وہ خزاں کے موسم میں آئے تھے اس لیے وہاں کوئی پھول پتے نہیں تھے جو شیراز کی وجہ شہرت ہیں۔

سوال: **امریکی سیاحوں کے بارے میں مصنف کی کیا رائے تھی؟**

جواب: مصنف کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ امریکی سیاحوں کو ایران آ کر کیا ملتا ہے کیونکہ انھیں یہاں کی زبان اور تہذیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس جہاں کی تعریف سنتے ہیں، کیمرہ لٹکا کر اور میم کو ساتھ لے کر چل پڑتے ہیں۔

سوال: **میکڈویل ایجنسی والوں نے مصنف کو کیا مشورہ دیا؟**

جواب: انھوں نے مصنف کو بتایا کہ انھیں شیراز میں ہوٹل کا کمرہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر وہ ابھی سے ٹیکسی لے کر نکل کھڑے ہوں تو تمام سیاحتی مراکز دیکھے جا سکتے ہیں۔ جس میں تختِ جمشید، مسجد وکیل، حافظ و سعدی کا مزار وغیرہ شامل ہیں۔

سوال: **سبق میں شیراز کے بتائے گئے سیاحتی مراکز کی کچھ تفصیل بتائیے۔**

جواب: اس میں ایک تو شیخ سعدی اور حافظ شیرازی کے مزارات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو دونوں فارسی کے عظیم شاعر تھے جبکہ شیخ سعدی کی حکایات بھی بہت مشہور ہیں۔ دوسرا تختِ جمشید کا ذکر ہے جہاں دارا کے محلات کے کھنڈرات ہیں۔ پھر مسجد وکیل ہے جو کریم خان کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ تیسرا وہ قدیمی دروازہ ہے جس پر برکت کے لیے قرآن رکھا رہتا تھا۔

سوال: **مسجد وکیل کس کی یادگار ہے؟**

جواب: ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے قتل کے بعد کریم خان زند حکمران بنا۔ جو بڑی نیک طبیعت اور رعایا کے ساتھ اچھے سلوک کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس نے بادشاہ کا لقب اختیار کرنے کی بجائے خود کو وکیل الرعایا کہا۔ اس نے شیراز کو ترقی دی۔ ایک مسجد بنوائی جو بے حد خوب صورت ہے اور اسی کو مسجد وکیل کہا جاتا ہے۔

سوال: **قرآن دروازہ کیا تھا؟**

جواب: کسی زمانے میں شیراز شہر کے گرد فصیل اور دروازے تھے۔ ان میں سے ایک دروازہ باقی ہے جسے قرآن دروازہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے اُوپر برکت کے لیے قرآن مجید رکھا رہتا تھا۔ اصفہان اور تختِ جمشید سے آنے والی سڑک اسی دروازے سے گزرتی ہے۔

سوال: **مصنف کو اسکندر اعظم کے ہاتھوں دارا کی شکست اور تباہی کا حال پڑھ کر افسوس کیوں نہ ہوا۔**

جواب: مصنف نے سکول کی ابتدائی جماعتوں میں اسکندر اعظم کے ہاتھوں دارا کی شکست اور تباہی کا حال پڑھا تھا۔ اسے یہ پڑھ کر بالکل بھی افسوس نہیں ہوا تھا کیوں کہ وہ اسکندر کو مسلمان اور دارا کو کافر سمجھتے تھے۔ بلکہ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ جتنے ناموں میں ف، ق، غ، ظ وغیرہ آتے تھے، انھیں بھی وہ مسلمان سمجھتے تھے۔

سوال: **مصنف نے تختِ جمشید کے کھنڈرات کا جو منظر بیان کیا ہے، اسے اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔**

جواب: کھنڈرات زمین سے تیس چالیس فٹ اونچے ہیں۔ وہاں تک جانے کے لیے چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ بہت سے محلوں کے میناروں کے کچھ حصے باقی ہیں۔ دیواریں البتہ کافی جگہوں پر قائم ہیں۔ ان پر شیروں کے مجسمے بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ حمام اور دیوانِ خاص بھی ہیں۔ کئی چھوٹے بڑے محلات ہیں اور بہت وسیع علاقے پر پھیلے ہیں۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ ابن انشا کا سن پیدائش ہے:
(ا) ۱۹۲۶ء (ب) ۱۹۲۷ء ✓ (ج) ۱۹۲۸ء (د) ۱۹۲۹ء

2۔ ابن انشا کا سن وفات ہے:
(ا) ۱۹۷۶ء (ب) ۱۹۷۷ء (ج) ۱۹۷۸ء ✓ (د) ۱۹۷۹ء

3۔ ابن انشا کہاں پیدا ہوئے؟
(ا) لاہور (ب) پشاور (ج) جالندھر ✓ (د) کراچی

4۔ ابن انشا کا اصل نام تھا:
(ا) وزیر خان (ب) عباس خان (ج) ارباز خان (د) شیر محمد خان ✓

5۔ ابن انشا نے ادبی زندگی کا آغاز کس حیثیت سے کیا:
(ا) نثر نگار (ب) مزاح نگار (ج) شاعر ✓ (د) ناول نگار

6۔ ابن انشا نے کس حیثیت سے شہرت حاصل کی:
(ا) مزاح نگار (ب) افسانہ نویس (ج) سفرنامہ نویس (د) ا، ب اور ج تینوں ✓

7۔ سبق ''شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد وغیرہ'' کون سی صنف ہے:
(ا) ناول (ب) افسانہ (ج) سفرنامہ ✓ (د) ڈرامہ

8۔ سبق ''شیراز اور کنارِ آبِ رکنا باد'' کے مصنف کا نام ہے:
(ا) جمیل الدین عالی (ب) مستنصر حسین تارڑ (ج) ابنِ انشا ✓ (د) بیگم اختر ریاض الدین

9۔ سبق ''شیراز اور کنارِ آبِ کنار باد'' کس کتاب سے لیا گیا ہے:
(ا) چلتے ہو تو چین کو چلیے (ب) آوارہ گرد کی ڈائری
(ج) دنیا گول ہے (د) ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں ✓

10۔ شیراز ملک ________ کا خوب صورت شہر ہے:
(ا) روس (ب) ایران ✓ (ج) ازبکستان (د) تاجکستان

11۔ جب ہم خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے ہیں تو سحر خیز کی مصروفیت کیا ہوتی ہے:
(ا) سیر کرنا (ب) ورزش کرنا (ج) دانتیں کاٹنا ✓ (د) مارے مارے پھرنا

12۔ مصنف نے سبق میں لاہور کے کس باغ کا ذکر کیا ہے:
(ا) لارنس باغ ✓ (ب) شالیمار باغ (ج) گلشن اقبال (د) ریس کورس کا

13۔ مصنف نے ہوٹل کے ملازمین سے کتنے بجے جگانے کا کہا:
(ا) چار بجے (ب) پانچ بجے ✓ (ج) چھ بجے (د) سات بجے

14۔ شیراز کا ہوائی اڈا ہے:
(ا) کشادہ (ب) تنگ (ج) ننھا منا ✓ (د) وسیع

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

15۔ شیراز کی دھرتی پر قدم رکھتے ہی اس کی ______ کا احساس ہوتا ہے:
(ا) عظمت (ب) خوبصورتی (ج) کشادگی (د) قدامت و عظمت ✓

16۔ مصنف نے شیراز کی سیر کس موسم میں کی:
(ا) گرما (ب) سرما (ج) بہار (د) خزاں ✓

17۔ امریکن ٹورسٹ کیمرے کے علاوہ ______ ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں:
(ا) پیسے (ب) میم ✓ (ج) رک سیک (د)

18۔ شیراز میں مصنف کا دل کہاں اٹکا ہوا تھا:
(ا) میوزیم میں (ب) حافظ و سعدی کے مزار میں ✓ (ج) تختِ جمشید میں (د) نقشِ رستم میں

19۔ فال نکالنے کے لیے دیوانِ حافظ کا نسخہ مزار حافظ پر ______:
(ا) رکھا ہوا تھا ✓ (ب) بندھا ہوا تھا (ج) نظر نہ آیا (د) جانے کہاں تھا

20۔ مزارِ شیخ سعدی کے پھاٹک پر درج ہے:
(ا) شیخ سعدی کا قول (ب) ایک شعر ✓ (ج) حکایت (د) نظم

21۔ مزارِ شیخ سعدی کی دیوار پہ آویزاں ہے:
(ا) گلستان کی ایک حکایت (ب) بوستان کی ایک نظم ✓ (ج) ا اور ب دونوں (د) ایک غزل

22۔ مزارِ شیخ سعدی پر مصنف پر کیا بیتی:
(ا) جی بھر آیا ✓ (ب) بیزار ہو گئے (ج) سو گئے (د) شاد ہو گئے

23۔ مزارِ سعدی پر مصنف کے جی بھر آنے کی وجہ تھی:
(ا) اداسی (ب) شاعری یاد آنا (ج) شیخ سے عقیدت ✓ (د) حکایتیں یاد آنا

24۔ مصنف یادگار کے لیے مزارِ سعدی سے کیا لائے:
(ا) ایک حکایت کا عکس (ب) گلاب کا پھول
(ج) گلِ صد برگ کا غنچہ ✓ (د) ایک پتھر

25۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد شیراز میں کس کی حکومت رہی:
(ا) دارا (ب) وکیل خان (ج) اردشیر (د) کریم خان ✓

26۔ کریم خان نے بادشاہ کی بجائے کیا لقب اختیار کیا:
(ا) وکیل (ب) وکیل الرعایا ✓ (ج) وکیل الزمان (د) نشہ وکیل

27۔ فصیلِ شیراز کی باقیات میں سے کیا باقی ہے:
(ا) چند حصے (ب) فصیل کے کچھ حصے
(ج) قرآن دروازہ ✓ (د) زمان دروازہ

28۔ قرآن دروازے پر رکھا ہوا قرآن مجید کا نسخہ اب کہاں رکھا ہے:
(ا) تہران کے عجائب گھر میں ✓ (ب) فصیل پر
(ج) اصفہان کے عجائب گھر میں (د) قرآن دروازے پر

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

29۔ تختِ جمشید کی طرف لے جانے والے ٹیکسی ڈرائیور کا نام تھا:

(ا) اکبر (ب) عبدالغفور (ج) منصور ✓ (د) شہریار

30۔ تیسرے دارا سے سکندر کا مقابلہ کب ہوا تھا:

(ا) اڈھائی ہزار سال پہلے ✓ (ب) تین ہزار سال پہلے

(ج) دو ہزار سال قبل مسیح (د) چار ہزار سال قبل مسیح

31۔ تختِ جمشید کے پس منظر میں نظر آنے والا سلسلہ کوہ کہلاتا ہے:

(ا) کوہِ ہندوکش (ب) کوہِ زحمت (ج) کوہِ رحمت ✓ (د) کوہ قاف

32۔ شہر پازدگاد کس نے بسایا تھا:

(ا) سکندر اعظم (ب) اردشہر نے (ج) سیروسِ اعظم ✓ (د) دارا سوم

33۔ سکندر اعظم سے مقابلہ کرتے جو دارا مارا گیا تھا وہ __________ دارا تھا:

(ا) پہلا (ب) دوسرا (ج) تیسرا ✓ (د) چوتھا

34۔ مصنف کو ٹیکسی ڈرائیور کو کتنے تومان دینا پڑے؟:

(ا) 15 (ب) 25 (ج) 30 (د) 35 ✓

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

روم: زندہ شہر اور مردہ شہر

جمیل الدین عالی
(۱۹۲۶ء - ۲۰۱۵ء)

مصنف کا تعارف:

ملی نغمہ "جیوے جیوے پاکستان" کے خالق جمیل الدین عالی دِلّی میں پیدا ہوئے۔ دلّی سے بی-اے کرنے کے بعد عملی زندگی کا آغاز وزارت تجارت میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے کیا۔ بعد میں مقابلے کا امتحان پاس کیا اور انکم ٹیکس افسر مقرر ہوئے۔ ایوانِ صدر میں بھی بطور افسر بکارِ خاص (کسی خاص کام کے لیے افسر) خدمات سرانجام دیں۔ وزارتِ تعلیم سے بھی منسلک رہے۔ کاپی رائٹ رجسٹرار اور نیشنل بک ٹرسٹ کے سیکرٹری بھی رہے۔ ۱۹۶۱ء میں یونیسکو (اقوام متحدہ کا ایک ادارہ) کی فیلو شپ ملنے کے بعد مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ پاکستانی مندوب کی حیثیت سے بھی کئی ممالک کے دورے کیے۔ رائٹرز گلڈ کے قیام کے بعد اس کے اعزازی مرکزی سیکرٹری اور سیکرٹری جنرل بھی رہے۔ انجمن ترقی اُردو (ایک انجمن جو اردو کی ترقی کے لیے قائم کی گئی) کے مرکزی رکن اور معتمد اعزازی رہ چکے ہیں۔ روزنامہ جنگ میں ان کا کالم باقاعدگی سے چھپتا رہا ہے۔

ان کے سفرناموں کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں: "جمیل الدین عالی نے تماشا میرے آگے اور "دنیا میرے آگے" میں سفر کے فوری تاثر کو اخباری کالم میں سمیٹ لیا۔ اُنھوں نے ادب کے کلاسیکی پس منظر کو زندگی کے موجودہ مناظر سے مربوط (ربط میں ہونا۔ ایک دوسرے سے منسلک ہونا) کیا۔ ان سفرناموں میں مصنف خودنگر و خداوندِ خودی بن کر ظاہر ہوتا اور مشرقی درویشی کا بھرم قائم رکھتا ہے۔"

سبق کا تعارف:

یہ سبق جمیل الدین عالی کے سفرنامے "دنیا میرے آگے" سے لیا گیا ہے۔ اس میں انھوں نے اٹلی کے مشہور شہر روم کی سیاحت کا حال بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اٹلی کے دوسرے معروف شہروں مثلاً وینس اور پومپی کے کھنڈرات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ان کی تحریر سادہ، رواں اور شگفتہ ہے۔ جس میں تاریخ کے جزیرے بھی ابھرتے اور ڈوبتے رہتے ہیں۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 95

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
غضب کا نکلا	کمال کا نکلا	کافور ہونا	ضائع ہونا
آن کی آن میں	ایک لمحے میں	تگڑی	صحت مند
کندن بنا دیں	سونے کی طرح سرخ	پتیسا	پیزا
آنچ	آگ کا آلاؤ	اسپا گیتی	سویاں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 96

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
لپ لپ کھاتے	تیزی سے کھاتے ہوئے	قیلولہ	دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرنا
کن انکھیوں سے	ترچھی آنکھوں سے	دقت	پریشانی
بے بسی	مجبوری		

صفحہ نمبر 97

بائیکوپ	سینما	زینے	سیڑھیاں
مقننہ	قانون ساز ادارہ	رومۃ الکبری	عظیم روم
مقید	قید ہے	زوال	برا وقت
مستشرقین	مغربی اہل علم	حصار	دائرے
دھونس جھاڑتے ہیں	رعب جماتے ہیں	ترتیب نو	نئی ترتیب
زیارت گاہ	زیارت کی جگہ	تزئین	سجاوٹ
وابستہ ہیں	جڑی ہیں		

صفحہ نمبر 98

اجڑ چکا ہے	ویران ہو چکا ہے	امرائے عظام	عظیم بادشاہ
قہر خداوندی	اللہ کا عذاب	مسکن	رہائش گاہ
جوق در جوق	گروہ در گروہ	پرمٹ	ٹھیکے
گرفت	پکڑ		

صفحہ نمبر 99

مبادا	ایسا نہ ہو کہ	عضوِ ضعیف	کمزور عضو پر

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

اطالوی لنچ کھانے کے بعد قیلولہ ضرور کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آدھ پون گھنٹے گپ اور آرام فرماتے ہیں۔ (صفحہ 96)

سبق کا عنوان: روم: زندہ شہر اور مردہ شہر

مصنف کا نام: جمیل الدین عالی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

یہ سبق جمیل الدین عالی کے سفرنامے "دنیا میرے آگے" سے لیا گیا ہے۔اس میں انھوں نے اٹلی کے مشہور شہر روم کی سیاحت کا حال بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ وہ اٹلی کے دوسرے معروف شہروں مثلاً وینس اور پومپی کے کھنڈرات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ان کی تحریر سادہ، رواں اور شگفتہ ہے۔جس میں تاریخ کے جزیرے بھی ابھرتے اور ڈوبتے رہتے ہیں۔

زیر بحث اقتباس میں وہ اطالویوں کی ایک عادت کا ذکر کر رہے ہیں کہ وہ کھانے کے بعد قیلولہ ضرور کرتے ہیں۔قیلولہ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر سونے کا نام ہے۔جو آدھ گھنٹے تک ہوسکتا ہے۔لیکن اطالوی دوپہر کے کھانے کے بعد ایک بجے سے لے کر چار بجے تک آرام کرتے ہیں۔گمان غالب ہے کہ ان کے ہاں یہ عادت سپین میں عربوں کے دور سے آئی ہوگی۔ہمارے ہاں اسلام میں تو قیلولہ سنت ہے۔اور جدید تحقیق بھی اس کو فائدہ مند کہتی ہے۔اس کے مطابق جو لوگ کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر قیلولہ کرتے ہیں، ان کے کام کرنے اور حافظہ کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

الغرض یہ عادت ان میں بہت پختہ ہے۔عالی جی ان کی اس عادت کا ذکر کرنے کے بعد اس کی کچھ وجوہات بھی بتاتے ہیں۔اول تو وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اٹلی یورپ کے انتہائی شمال میں ہے،اس لیے یہاں کا موسم انتہائی گرم ہے۔دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ وہ چونکہ دوپہر کو میدے سے بنی ہوئی روٹی یا پیزا کھاتے ہیں،اس لیے اس کا خمار بھی زیادہ ہوتا ہے۔چنانچہ ایک بجے سے لے کر چار بجے تک ہر قسم کا کاروبار بند رہتا ہے۔اور پھر چار بجے معمولاتِ زندگی دوبارہ شروع ہوجاتے ہیں۔چونکہ یہ رواج ساری قومی زندگی کا حصہ ہے۔اس لیے یہ صرف دفتروں ہی میں نہیں بلکہ کاروباری حضرات کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔لیکن عالی جی دفتروں میں کی جانے والی سستی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ان تین گھنٹوں کے قیلولے کے بعد بھی یار لوگ چائے کے وقفے کے نام پر آدھ گھنٹا گپ شپ لڑاتے رہتے ہیں۔یعنی چار بجے کے بعد بجنے والے دو گھنٹوں میں سے وہ صرف ایک یا ڈیڑھ گھنٹا کام کرتے ہیں۔

اقتباس 2:

یہ ایک عظیم اور خوش حال شہر تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن کھنڈروں میں دفن ہوگئے۔صف (صفحہ 98)

سبق کا عنوان: روم: زندہ شہر اور مردہ شہر

مصنف کا نام: جمیل الدین عالی

تشریح

یہ سبق جمیل الدین عالی کے سفرنامے "دنیا میرے آگے" سے لیا گیا ہے۔اس میں انھوں نے اٹلی کے مشہور شہر روم کی سیاحت کا حال بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ وہ اٹلی کے دوسرے معروف شہروں مثلاً وینس اور پومپی کے کھنڈرات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ان کی تحریر سادہ، رواں اور شگفتہ ہے۔جس میں تاریخ کے جزیرے بھی ابھرتے اور ڈوبتے رہتے ہیں۔

زیر بحث اقتباس میں مصنف اٹلی کے ایک قدیم شہر پومپی کا ذکر کر رہے ہیں۔وہ بتاتے ہیں کہ یہ ایک بہت عظیم اور خوش حال شہر تھا۔جس کے باسی اپنی دھن میں زندگی گزار رہے تھے۔لیکن پھر اچانک ان پر قدرت کی طرف سے ایک آفت ٹوٹ پڑی۔مصنف نے ایک زلزلے کا ذکر کیا ہے لیکن تاریخ میں زلزلے کے ساتھ ساتھ آتش فشاں کے پھٹنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔الغرض جب قہر خداوندی اس شہر پر ٹوٹا تو شہر اور اہلِ شہر

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اپنی عیش پرست زندگی میں مگن تھے، ناانصافی عام تھی۔ امیروں اور غریبوں میں انصاف کرتے ہوئے فرق کیا جاتا تھا۔ اس طرح کی بہت سی دوسری وجوہات تھیں جس کی وجہ سے قدرت کا نظام انصاف حرکت میں آیا اور اس شہر پر عذاب بن کر ٹوٹ پڑا۔ ایک طرف سے زلزلہ اور دوسری طرف سے آتش فشاں، پورا شہر کچھ ہی دیر میں کھنڈر بن گیا۔ اس کے رہنے والے اور وہاں آنے والے سب ان کھنڈروں میں دفن ہو گئے۔ اور اس طرح تاریخ کا ایک اور شہر اپنے انجام کو پہنچا۔ آج بھی اس کے کھنڈرات جو نیپلز کے ساتھ ہی واقع ہیں، دیدہ عبرت نگاہ ہیں۔ لوگ وہاں جاتے ہیں اور اس برباد شدہ شہر کو دیکھتے ہیں۔ لیکن انور مسعود نے اپنے ایک قطعے میں پنجاب کے قدیم شہر "ہڑپہ" کے کھنڈرات کا ذکر کرتے ہوئے، افسوس کا اظہار کیا تھا کہ لوگ وہاں سے کلچر تو برآمد کرتے ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے۔ یہی کچھ معاملہ پومپئی کے ساتھ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتے ہیں کہ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ تم سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تاکہ تم عبرت حاصل کر سکو۔ تو تاریخ کا مطالعہ اور مشاہدہ اسی نیت سے ہونا چاہیے کہ ہم اس سے عبرت حاصل کر سکیں ورنہ تو یہ سب کچھ صرف ایک تماشا ہے جو ابھی جاری ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTOR(TOUSEEFAHMAD)

مشق

ا۔ سوالات کے جوابات لکھیں۔

(الف) مصنف نے کن کن اطالوی کھانوں کا ذکر کیا ہے؟

جواب: مصنف نے اطالوی پراٹھا یعنی پیزا اور اسپاگٹی یعنی سویوں جیسی تھیں، کا ذکر کیا ہے۔

(ب) پیزا کیسے تیار کیا جاتا ہے؟

جواب: پہلے میدہ گوندھ کر ایک چوڑی نان بنائی جاتی ہے۔ پھر اس پر انڈا، ٹماٹر لیپ دیتے ہیں۔ پھر اس پر پیاز، کالی مرچ، نمک اور پسا ہوا گوشت چھڑک کر اسے تنور یعنی اوون میں رکھ دیا جاتا ہے۔ کچھ ہی دیر میں پیزا تیار ہو جاتا ہے۔ جسے ٹھنڈا ہونے پر بعد میں گرم کر کے بھی کھایا جا سکتا ہے۔

(ج) اطالوی، کھانے کے بعد قیلولہ کیوں کرتے ہیں؟

جواب: ایک تو یہ ملک یورپ کے انتہائی شمال میں واقع ہونے کی وجہ سے انتہائی گرم ہے۔ دوسرا میدے سے بنی ہوئی روٹی کھانے سے غنودگی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے وہاں کے لوگ دوپہر ایک بجے سے چار بجے تک آرام کرتے ہیں۔

(د) مائیکل انجلو کون تھا؟

جواب: مائیکل انجلو اٹلی کا رہنے والا ایک عظیم مصور تھا۔ وہ مجسمہ ساز، معمار، انجینئر اور شاعر بھی تھا۔ اس نے بہت سے شہ کار مجسمے بنائے جو آج بھی دنیا میں اس کے نام کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

(ہ) اس سفرنامے میں جن اطالوی شہروں کا ذکر ہے اُن کے نام لکھیں۔

جواب: روم کے علاوہ اس سبق میں اٹلی کے درجِ ذیل شہروں کا ذکر کیا گیا ہے: وینس، نیپلز، سسلی، میلان اور پومپئی۔

(و) پومپئی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: پومپئی اٹلی کا ایک قدیم شہر تھا۔ یہ ایک ہنستا بولتا اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ صدیوں پہلے یہاں موجود آتش فشاں پھٹا جس سے زلزلہ آیا۔ اس زلزلے اور آتش فشانی لاوے سے یہ پورا کا پورا شہر کھنڈر بن گیا اور اس کے رہنے والے اس میں دفن ہو گئے۔

۲۔ متن کی مدد سے خالہ جگہیں پُر کریں۔

(الف) اطالوی پراٹھے کا نام .... ہے۔ (پتیسا یا پیزا)

(ب) رومن پارلیمنٹ کو انگریزی میں .... کہتے ہیں۔ (کیپٹول)

(ج) سامنے وے رے ہے جو ماضی کا .... دکھاتی ہے۔ (بائسکوپ)

(د) زبان یارِ من .... (ترکی)

(ہ) میلان ایک .... شہر ہے۔ (صنعتی)

(و) سسلی کا نام .... ہے۔ (صیقلہ)

(ز) .... پانی پر بنا ہوا ایک قدیم شہر ہے۔ (وینس)

(ح) نزلہ ہمیشہ .... پر گرتا ہے۔ (عضوضعیف)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: جمیل الدین عالی کے سفرناموں کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید نے کیا لکھا ہے۔

جواب: ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ انھوں نے سفر میں پیش آنے والے فوری تاثرات کو اخباری کالم کا رنگ دے دیا ہے۔ انھوں نے ادب کے کلاسیکی رنگ کو جدید زندگی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ وہ اپنے سفرناموں میں اپنی تلاش میں پھرنے والے درویش کی صورت نظر آتے ہیں۔

سوال 2: مصنف نے کسے اٹلی کی سب سے سستی اور تگڑی غذا کہا ہے۔

جواب: مصنف کے مطابق پیزا اٹلی کی سب سے سستی اور تگڑی غذا ہے ایک پراٹھے کی شکل کھایا جاتا ہے۔ اسے کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور قیمت بھی ہر ٹکڑے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی چاہے تو پورا پیزا لینے کی بجائے ایک یا دو ٹکڑے خرید کر لے جا سکتا ہے۔

سوال 3: مصنف نے روم میں اپنا پڑاؤ کہاں ڈال لیا؟

جواب: مصنف بتاتے ہیں کہ جب روم میں ہر جگہ دیکھ چکے تو آخر انھوں نے اپنا پڑاؤ ایک پل پر لگا لیا۔ جس کا نام سینٹ اینجلو کے نام پر رکھا گیا تھا۔ وہ پل بھی ان کی طرح اکیلا تھا اس لیے انھیں وہاں وقت گزارنا اچھا لگتا تھا۔

سوال 4: مصنف کو پومپئی شہر کے کھنڈرات اور بابل کے کھنڈرات میں کیا فرق محسوس ہوا؟

جواب: مصنف نے جب پومپئی شہر کے کھنڈرات دیکھے جو زمین کے نیچے دفن ہو چکے تھے تو انھوں نے اس کا موازنہ بابل کے کھنڈرات سے کیا۔ انھوں نے بتایا کہ بابل کے کھنڈرات وقت کے ہاتھوں اجڑ گئے لیکن پومپئی کو زمین نے نگل لیا اور وہ زمین میں دفن ہو گیا۔

سوال 5: مصنف نے سبق کے آخر میں پڑھنے والوں کو کیا مشورہ دیا ہے؟

جواب: مصنف پومپئی کے کھنڈرات کا ذکر کرنے کے بعد پڑھنے والوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ ان کھنڈرات سے عبرت حاصل کریں ورنہ جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا تو ان کا نام بھی باقی نہیں رہے گا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ جمیل الدین عالی کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۲۶ء ✓ (ب) ۱۹۲۷ء (ج) ۱۹۲۸ء (د) ۱۹۲۹ء

2۔ جمیل الدین عالی کا سن وفات ہے:

(ا) ۲۰۱۲ء (ب) ۲۰۱۳ء (ج) ۲۰۱۴ء (د) ۲۰۱۵ء ✓

3۔ جمیل الدین عالی کہاں پیدا ہوئے؟

(ا) لاہور (ب) کراچی (ج) دلی ✓ (د) لکھنؤ

4۔ جمیل الدین عالی نے کس ادارے کی فیلوشپ ملنے کے بعد مختلف ممالک کی سیاحت کی؟

(ا) سلامتی کونسل (ب) آئی ایم ایف (ج) یونیسکو ✓ (د) ڈبلیو ایچ او

5۔ جمیل الدین عالی کس ادارے کے اعزازی مرکزی سیکرٹری اور سیکرٹری جنرل رہے؟

(ا) انجمن ترقی اُردو (ب) حلقہ ارباب ذوق (ج) ترقی پسند تحریک (د) رائٹرز گلڈ ✓

6۔ جمیل الدین عالی کا کالم کس اخبار میں باقاعدگی سے چھپتا رہا؟

(ا) نوائے وقت (ب) جنگ ✓ (ج) مشرق (د) امروز

7۔ سبق ''روم: زندہ شہر اور مردہ شہر'' صنفِ ادب کے حوالے سے کیا ہے:

(ا) افسانہ (ب) سفرنامہ ✓ (ج) ڈراما (د) داستان

8۔ رومی پراٹھا انگریزی میں جانا جاتا ہے:

(ا) دیسی پراٹھا (ب) پتیسا (ج) پی زا ✓ (د) ایسپا گیتی

9۔ اٹلی کی سب سے سستی اور تگڑی غذا ہے:

(ا) نان (ب) پی زا ✓ (ج) شوارما (د) ایسپا گیتی

10۔ ایسپا گیتی ہماری ________ سے ملتی جلتی غذا ہے:

(ا) سویاں ✓ (ب) پھینیوں (ج) شوارمے (د) نوڈلز

11۔ اطالوی دوپہر کے کھانے کے بعد ________ کرتے ہیں:

(ا) کام (ب) بات چیت (ج) آرام (د) قیلولہ ✓

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

12۔ کیپٹیول دراصل ________ زبان کا بگڑا ہوا روپ ہے:

(ا) اُردو (ب) اطالوی ✓ (ج) فرانسیسی (د) جرمن

13۔ روم پہاڑوں پر بنا ہوا ہے:

(ا) سات ✓ (ب) چھے (ج) پانچ (د) چار

14۔ مائیکل اینجلو کون تھا:

(ا) ادیب اور شاعر (ب) شاعر اور مصور (ج) مصور اور معمار (د) شاعر اور ڈرامہ نگار

15۔ ________ پانی پر بنا ہوا شہر ہے:

(ا) روم (ب) نیپلز (ج) وینس ✓ (د) میلان

16۔ ________ اٹلی کا تجارتی اور صنعتی شہر ہے:

(ا) نیپلز (ب) وینس (ج) روم (د) میلان ✓

17۔ زلزلے نے اٹلی کے شہر کو کھنڈر بنا دیا:

(ا) میلان (ب) وینس (ج) پومپی آئی ✓ (د) روم

18۔ سبق "روم: زندہ شہر اور مردہ شہر" کس کتاب سے لیا گیا ہے:

(ا) دنیا مرے آگے ✓ (ب) دنیا گول ہے (ج) تماشا مرے آگے (د) دھنک پر قدم

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لالچی وزیر

بشیر احمد بلوچ

سبق کا تعارف:

یہ سبق ایک لوک کہانی ہے۔لوک کہانیاں تحریری شکل میں نہیں ہوتیں بلکہ سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل چلتی ہیں۔یہ کسی علاقے کی تہذیبی اور ثقافتی حالات کی مظہر ہوتی ہیں۔عموماً ان کہانیوں میں ایک اخلاقی سبق موجود ہوتا ہے۔نصاب میں شامل کہانی بشیر احمد بلوچ کی مرتب کردہ کتاب ''بلوچی لوک کہانیاں'' سے لی گئی ہے۔جس میں لالچ کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس کا اسلوب سادہ اور آسان ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لغت و توضیحات

تعارف (صفحہ نمبر 101)

الفاظ	معانی
خوش اعتقادی	ایسا عقیدہ جو روایات پر مبنی ہو۔
ضعیف اعتقادی	ایسا عقیدہ جو کمزور اور سنی سنائی باتوں پر مبنی ہو۔
ڈھنگ	انداز
ثقافتی اقدار	کسی قوم کی تہذیب اور رہن سہن کے معیارات
اسلوب	تحریر لکھنے کا انداز

صفحہ نمبر 101

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
خراب	خستہ حال	ضعیف الاعتقاد	کمزور عقیدہ رکھنے والا
غم	پریشانی	گڈریا	بھیڑ بکریاں چرانے والا
ریوڑ	بھیڑ بکریوں کا گلہ	اسلوب	لکھنے کا انداز
ہولیا	ساتھ ہو کر روانہ ہوا	لوک	مقامی، روایتی
گھٹنے طے کرنا	گھٹنے سمیٹ کر، تہہ کر کے بیٹھنے	خوار	ذلیل
دوزانو بیٹھنا	گھٹنوں کے بل بیٹھنا		

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

گڈریے نے کہا: میں اپنی بکریوں کا دودھ ــــــــــــــــــــــــ تو وہ خوش ہو جائے گا۔ (صفحہ 102)

سبق کا عنوان: لالچی وزیر

مصنف کا نام: بشیر احمد بلوچ

تشریح

یہ سبق ایک لوک کہانی ہے۔ لوک کہانیاں تحریری شکل میں نہیں ہوتیں بلکہ سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل چلتی ہیں۔ یہ کسی علاقے کی تہذیبی اور ثقافتی حالات کی مظہر ہوتی ہیں۔ عموماً لوک کہانیوں میں ایک اخلاقی سبق موجود ہوتا ہے۔ نصاب میں شامل کہانی بشیر احمد بلوچ کی مرتب کردہ کتاب، بلوچی لوک کہانیاں، سے لی گئی ہے۔ جس میں لالچ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کا اسلوب سادہ اور آسان ہے۔

زیر نظر اقتباس میں مصنف وزیر اور گڈریے کے درمیان ہونے والے مکالمے کو بیان کر رہا ہے۔ کہانی یہ ہے کہ ایک دن بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ وہ اسے سب سے زیادہ خراب چیز لا کر دے۔ وزیر اس پریشانی میں گھر سے بھاگ نکلتا ہے۔ وہاں اس نے ایک بکریوں کا ریوڑ دیکھا جس کے ساتھ ایک گڈریا بھی تھا۔ وزیر نے دیکھا کہ بکریوں کے گلے میں سونے کی گھنٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ وزیر کے پوچھنے پر گڈریے نے بتایا کہ وہ یہ پتھر ایک پہاڑ سے لایا ہے۔ وہ وزیر سے وعدہ کر لیتا ہے کہ وہ اسے پہاڑ ضرور دکھائے گا۔

گڈریا اسے ٹالتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وزیر اسے کہتا ہے کہ وہ بکریوں کے گلے میں پڑے پتھر اُتار کر اسے دے دے اور مزید جا کر وہاں سے خود لے آئے۔ جب وزیر زیادہ اصرار کرتا ہے تو گڈریا شرط رکھتا ہے کہ وہ اپنی بکریوں کا دودھ جس برتن میں کتے کو پلاتا ہے، وزیر بھی اس برتن میں دودھ میں، کتے کے انداز میں دودھ پیے۔ پھر وہ اپنے بکریوں کے گلے میں پڑے ہوئے سونے کے پتھر اُتار کر اسے دے دے گا۔ یہ کہ کر گڈریے نے کتے والے گندے برتن میں دودھ لیا اور وزیر کی طرف بڑھایا۔ اسی دوران اس نے وزیر سے پوچھا کہ وہ ہے کون۔ وزیر نے اسے ساری کہانی سنائی اور بتایا کہ وہ اس طرح بادشاہ کے کہنے پر سب سے خراب چیز ڈھونڈنے نکلا ہے۔ وہ مزید بتاتا ہے کہ اسے خبر نہیں کہ سب سے خراب چیز کون سی ہے۔ لیکن اب اس نے فیصلہ کیا ہے کہ ان سونے کے پتھروں کو بادشاہ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ اس طرح وہ خوش ہو جائے گا۔

گویا وزیر لالچ میں آ کر گھٹیا ترین کام کرنے پر بھی تیار ہو گیا تھا۔ اور وہ کتے کی طرح دودھ پینے پر تیار ہو گیا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ خراب چیز کون سی ہے۔ وہ سونے کے پتھر یا لالچ؟ آگے چل کر پھر گڈریا اسے واضح کرتا ہے کہ لالچ ہی اصل میں خراب چیز ہے۔

مشق

ا۔ مختصر جواب لکھیں۔

(الف) لوک کہانی کی تعریف کریں۔

جواب: لوک کہانی ایک ایسی کہانی کو کہتے ہیں جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ چلتی آ رہی ہو۔ یہ عوامی جذبات اور خیالات کا عکس ہوتی ہے۔ ایسی کہانی کی ابتدا اور مصنف کا علم نہیں ہوتا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

(ب) **لوک کہانی پر کون سے عناصر اور عوامل اثر انداز ہوتے ہیں؟**

جواب: چونکہ لوک کہانی صدیوں سینہ بہ سینہ چلتی رہتی ہے اس لیے ہر دور کے سماجی، اخلاقی اور معاشی حالات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ ایک ہی کہانی تھوڑی تھوڑی تبدیلیوں کے ساتھ مختلف علاقوں میں رائج ہو۔

(ج) **بادشاہ نے وزیر سے کیا فرمائش کی؟**

جواب: بادشاہ نے وزیر سے یہ فرمائش کی کہ وہ ملک میں سب سے خراب چیز اسے لا کر دے۔

(د) **وزیر نے ویرانے میں کیا دیکھا؟**

جواب: وزیر جب بادشاہ کی فرمائش سے گھبرا کر بھاگ نکلا تو ایک ویرانے میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے ایک بکریوں کا ریوڑ دیکھا جس کے ساتھ صرف ایک گڈریا تھا۔ اس ریوڑ میں ہر بکری کے گلے میں سونے کی گھنٹی تھی۔

(ہ) **سونے کا پہاڑ دکھانے کے لیے گڈریے نے کیا شرط پیش کی؟**

جواب: سونے کا پہاڑ دکھانے کے لیے گڈریے نہ یہ شرط رکھی کہ وزیر اس برتن میں دودھ پیے جس میں وہ اپنے کتے کو دودھ پلاتا ہے۔

(و) **گڈریے کے مطابق لالچ انسان کو کس حد تک گرا دیتی ہے؟**

جواب: گڈریے کے مطابق لالچ انسان کو پست ترین درجے تک گرا دیتی ہے اور اسے جانور بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔

۲۔ **گڈریے اور وزیر کے درمیان ہونے والی گفتگو اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔**

جواب: جب وزیر نے ویرانے میں بکریوں کا ریوڑ دیکھا تو اس کے ساتھ صرف ایک گڈریا تھا۔ وہاں بکریوں کے گلے میں سونے کی گھنٹیاں تھیں۔ وزیر نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہیں۔ گڈریے نے اسے بتایا کہ یہ پتھر ہیں۔ وزیر نے اس مقام کا پوچھا جہاں سے اسے یہ پتھر ملے تھے۔ گڈریے نے ایک پہاڑ کا بتایا اور کہا کہ وہ اسے صبح لے جائے گا۔ اگلے دن وزیر نے چلنے کے لیے کہا لیکن گڈریے نے ٹالنا چاہا۔ جس پر وزیر نے کہا کہ وہ اسے یہ پتھر دے دے اور خود بعد میں جا کر نئے پتھر لے آئے۔ گڈریے نے اس بات پر شرط رکھی کہ وہ اپنے کتے کو جس برتن میں دودھ پلاتا ہے، وزیر بھی اس میں دودھ پیے۔ وزیر اس پر راضی ہو گیا۔ اور جب وہ دودھ پینے لگا تو گڈریے نے اسے دھکا دیا اور کہا کہ اسے ابھی تک پتا نہیں چلا کہ لالچ سب سے خراب چیز ہے۔

۳۔ **قواعد کے مطابق جملے درست کریں۔**

(الف) وزیر تیار ہو گیا، کُتے کی طرح دودھ پینے کے لیے۔

(ب) دُنیا کی سب سے بُری چیز ہے لالچ۔

(ج) وزیر کی جب آنکھ کھلی آدھی رات کو۔

(د) گڈریے نے دودھ لیا، کُتے والے گندے برتن میں۔

(ہ) وہ دوزانو ہو کر اپنے گھٹنے تہہ کر کے بیٹھ گیا۔

۴۔ **درج ذیل اقتباس کا خلاصہ لکھیں۔ جو اصل عبارت کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔**

آخر میں نے بھی بے حیائی کا جامہ پہن لیا۔ پٹنا قسمت میں لکھا ہے تو یوں ہی سہی۔ یوں بھی پٹنا دوں بھی پٹنا۔ پھر کام کر کے اپنے آپ کو مفت میں کیوں تھکائیں۔ نکمے کا خطاب ملنا ہے، تو ملنے دو۔ برا بھلا کہتے ہیں تو کہنے دو۔ اس کان سنو اس کان اُڑا دو۔ آپ ہی بک بک کر تھک

MDCATBYFUTUREDOCTORSHOUSE.FAHIMAD

جائیں گے۔ یہ چال بھی گھورنے کی طرح کامیاب ہوئی۔ سب چیختے پھرتے مگر میں ٹس سے مس نہ ہوتا۔ جہاں کسی نے ذرا ہاتھ لگایا اور میں نے اس زور سے چیخ ماری گویا کسی نے گلا گھونٹ دیا ہے۔ کبھی کسی نے میری اس ترکیب کو دیکھ لیا تو راز کھل گیا، نہیں تو مارنے والا خود گھبرا گیا۔ دوسروں نے غل مچایا، کہ اے ہے! لونڈے کو مار ڈالا۔ کبھی تو مارنے والے صاحب مجھ سے زیادہ پٹ گئے اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ ہوگئی۔ مگر ہم کام سے بچ گئے۔ مگر بابا "ہر فرعونے راموسیٰ" چھوٹی صاحب زادی صاحبہ کچھ مجھ سے زیادہ تیز تھیں۔ خود ہی مجھے مارتیں اور خود ہی رونے بیٹھ جاتیں۔ بھلا ان کے مقابلے میں مجھ بچارے کی کیا ہستی تھی۔ الٹی مجھ پر ہی لے دے ہوتی، غرض اس لڑکی کے ہاتھوں ناک میں دم آ گیا۔ مگر میں بھی بدلہ لیے بغیر تھوڑا ہی مانتا تھا۔ مارنے کی تو ہمت نہ ہوتی تھی ہاں کبھی بیگم صاحبہ ان پر خفا ہوتیں، تو میں بھی الٹی سیدھی بہت کچھ لگاتا۔ مہینہ مہینہ بھر پہلے کی باتیں یاد دلاتا۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو کام بن گیا اور صاحبزادی صاحبہ کی خوب کندی ہوگئی۔ نہیں تو لتراپے کا الزام لگا۔ بیگم صاحبہ نے بیٹی کا غصہ مجھ غریب پر اُتار لیا۔

عبارت کا خلاصہ (تلخیص)

آخر میں نے بھی شرم اُتار کر ایک طرف رکھ دی۔ جب ہر طرح سے بدنام ہی ہونا ہے تو اپنے آپ کو کام کر کے کیوں تھکائیں۔ اب اگر کوئی ہاتھ بھی لگاتا تو میں وہ رونا دھونا مچاتا کہ لوگ اسی کو برا بھلا کہتے اور میں کام سے بچ جاتا۔ لیکن چھوٹی صاحب زادی مجھ سے بھی زیادہ تیز تھی۔ خود ہی مارتی اور خود ہی روتی بھی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بیگم صاحبہ بھی اپنا غصہ مجھ پر نکالتیں۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ "لالچی وزیر" صنفِ ادب کے لحاظ سے ہے:

(ا) داستان (ب) افسانہ (ج) لوک کہانی ✓ (د) ناول

2۔ لوک کہانی عوام کے ــــــــ کی ترجمان ہوتی ہیں:

(ا) خیالات (ب) جذبات (ج) اندیشوں (د) ا اور ب دونوں ✓

3۔ لوک کہانیاں شروع میں کس شکل میں نہیں ہوتیں؟

(ا) زبانی (ب) تحریری ✓ (ج) کتابی (د) اصلی

4۔ لوک کہانیوں میں مذہبی اور دینی عقائد کی بجائے کن چیزوں کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔

(ا) خیالی (ب) خوش اعتقادی (ج) ضعیف اعتقادی (د) ب اور ج دونوں ✓

5۔ نصاب میں شامل لوک کہانی کس کتاب سے لی گئی ہے؟

(ا) پنجابی لوک کہانیاں (ب) سندھی لوک کہانیاں

(ج) بلوچی لوک کہانیاں ✓ (د) پشتو لوک کہانیاں

6۔ بکریوں کے گلے میں گھنٹیاں کس دھات کی تھیں:

(ا) سونا ✓ (ب) چاندی (ج) تانبا (د) پیتل

7۔ گڈریا صبح سویرے کیا پڑھ رہا تھا:

(ا) رسالہ (ب) قرآن (ج) وظیفہ ✓ (د) اخبار

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

8۔ گڈریے نے وزیر کو سونا دکھانے کی کیا شرط رکھی:

(ل) انعام دے　　(ب) چلہ کشی کرے

(ج) کتے کے دودھ پینے والے برتن میں دودھ پیے ✓　　(د) ورزش کرے

9۔ لوک کہانی کے مطابق سب سے بُری چیز ہے:

(ل) غربت　　(ب) ملازمت　　(ج) لالچ ✓　　(د) ناجائز کمائی

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

خطوطِ غالب

مرزا اسد اللہ خان غالب
(۱۷۹۷ء - ۱۸۶۹ء)

سبق کا تعارف:

یہ سبق غالب کے دو خطوط پر مشتمل ہے۔ جو غلام رسول مہر کی مرتَب کردہ ''مکاتیب غالب'' سے لیے گئے ہیں۔ پہلا خط مرزا خاتم علی بیگ مہر کے نام ہے جو غالب کے دوست تھے۔ جب کہ دوسرا خط میر مہدی مجروح کے نام ہے جو غالب کے دوست بھی تھے اور چہیتے شاگرد بھی۔ پہلے خط میں غالب نے کتابوں کی تیاری کا زکر کیا ہے جبکہ دوسرے خط میں دلی کے ہنگاموں کا زکر ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

لغت و توضیحات

تعارف (صفحہ نمبر 104)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پُرتکلف	جس میں بہت زیادہ تکلف ہو	القابات	کسی کو مخاطب کرنے کا انداز
بناوٹی	جس میں بناوٹ ہو	ثقیل الفاظ	مشکل الفاظ
مزین	سجا ہوا	فرسودہ	پرانے
گریز کیا	چھوڑ دیا	وضع	انداز
شگفتہ	خوب صورت کھلا ہوا	ہمہ جہت	بہت ساری خوبیاں رکھنے والا

صفحہ نمبر 105

اندازِ تحریر	لکھنے کا طریقہ	لوح	تختی
مراسلہ	ارسال کی گئی چیز	مطبع	طباعت خانہ، اشاعت خانہ
مکالمہ	دو افراد کے درمیان گفتگو	منہائی	کم کرنا، گھٹانا
بیورا	اطلاع، خبر	عنایتی	مہربانی سے
ہزار کوس	دو ہزار میل	درنگ	دیر، تاخیر

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بہ زبانِ قلم	قلم کی زبانی	مہتمم	انتظام چلانے والا
ہجر	جدائی	جا بجا	مختلف جگہوں پر
وصال	ملاقات	زمزمہ پرداز	گیت گانے والا
طلائی لوح	سنہری تختی	صلہ	بدلہ
خبر	اطلاع		
ہاترس	ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کا ایک ضلع		

صفحہ نمبر 106

قلمروِ ہند	ہندوستان کی حکومت	محروم	کسی چیز سے رہ جانے والا
مہاجن	سود کا کاروبار کرنے والے ہندو	مجتہد العصر	زمانے کا بڑا عالم
سگِ دنیا	مرادِ دنیا کا کتا	حکیم الملک	ملک کا معروف حکیم
مردود	رد کیا گیا، نکالا گیا	قطب الملک	ملک کا نیک فرد
مطرود	دھتکارا ہوا	یوسفِ ہند	ہندوستان کا خوب صورت فرد
مغموم	غم زدہ		
موسوم بہ اسد	جس کا نام اسد یعنی مرزا اسد اللہ خان غالب		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔ (صفحہ 105)

سبق کا عنوان: خطوطِ غالب (مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام)

مصنف کا نام: مرزا غالب

تشریح

یہ سبق غالب کے دو خطوط پر مشتمل ہے۔ جو غلام رسول مہر کی مرتب کردہ، مکاتیبِ غالب، سے لیے گئے ہیں۔ پہلا خط مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام ہے جو غالب کے دوست تھے۔ جبکہ دوسرا خط میر مہدی مجروح کے نام۔ ہے جو غالب کے دوست بھی تھے اور چہیتے شاگرد بھی۔ پہلے

خط میں غالب نے کتابوں کی تیاری کا ذکر کیا ہے جب کہ دوسرے خط میں دلی کے ہنگاموں کا ذکر ہے۔

زیر بحث اقتباس غالب کے پہلے خط سے لیا گیا ہے۔ جو انھوں نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام لکھا تھا۔ خط کے آغاز میں غالب اپنی اس انفرادیت کا ذکر کر رہے ہیں جس نے اُردو نثر کو سادگی اور اُردو مراسلت کو مکالمے کی راہ پر ڈال دیا۔ غالب سے پہلے ہندوستان میں اُردو شاعری کا رواج تو تھا لیکن اُردو نثر ابھی اتنی عام نہیں تھی۔ اگر اُردو نثر میں کچھ لکھا بھی جاتا تھا تو وہ اتنا پر تکلف اور مشکل ہوتا تھا کہ اسے آج کے دور میں عام فہم کہنا بہت مشکل تھا۔ وہ خط جو اُردو میں لکھے جاتے تھے، اس میں بھی فارسی کی پیروی میں لمبے چوڑے القابات لکھنے اور فارسی زدہ زبان لکھنے کا رواج تھا۔

دوسری طرف 1857ء کے ہنگامے کے بعد اہلِ دلی پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ بہت سارے لوگ مارے گئے۔ جو بچ گئے، وہ دلی سے نکال دیے گئے۔ لوگوں کی جائدادیں اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ الغرض کہ دلی ایک بار پھر بلاؤں کی زد میں آ گئی۔ غالب جو دلی کی مجلسی زندگی کے عادی تھے، اکیلے رہ گئے۔ اپنی تنہائی کا غم غلط کرنے کے لیے انھوں نے خط نویسی کا سہارا لیا لیکن اس میں ایسا اندازِ تحریر ایجاد کیا کہ خط کو مکالمہ بنا دیا۔ وہ خط لکھتے ہوئے یہ تصور کرتے تھے کہ جس کے نام خط لکھا جا رہا ہے، وہ سامنے ہی بیٹھا ہے۔ گویا وہ اس سے بات چیت کر رہے ہیں۔ اسی لیے غالب خط کو نصف ملاقات کہتے ہیں۔ وہ اسے ہزاروں میل دور بیٹھ کر قلم کی زبان سے بات کرنا کہتے ہیں۔ گویا جدائی میں وصل کے مزے ہیں۔

پھر وہ مرزا حاتم علی بیگ مہر سے شکوہ کرتے ہیں کہ وہ انھیں خط نہیں لکھتے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے مرزا حاتم ان سے ناراض ہیں۔ وہ ان سے گلہ کرتے ہیں کہ انھوں نے کئی برسوں سے خط نہیں لکھا، نہ اپنی خیر و عافیت لکھی ہے اور نہ ہی کتابوں کی خبر دی ہے۔ یہ دراصل اسی تنہائی کا غم تھا جسے غلط کرنے کرنے کے لیے غالب نے خطوں کا سہارا لیا تھا۔ اس لیے کسی دوست کی طرف سے خط نہ آنے پر وہ اُداس ہو جایا کرتے تھے۔ اور ان سے شکوہ بھی کرتے تھے۔ پھر وہ انھیں منشی ہرگوپال تفتہ کے بارے میں بتاتے ہیں۔ جنھیں غالب پیار سے مرزا تفتہ کہتے تھے اور وہ غالب کے بچپن کے دوست تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے [illegible] سے یہ خبر دی ہے کہ وہ پانچ کتابوں کے پانچ پانچ ورق چھاپہ خانے والوں کو دے آئے ہیں۔ اور انھوں نے ابتدائی طور پر سیاہ قلم کی تختیوں کی تیاری شروع کر دی ہے۔

اقتباس 2:

بھائی! کیا پوچھتے ہو، کیا لکھوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سات جاگیر دار تھے کہ اُن کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ (صفحہ 106)

سبق کا عنوان: خطوطِ غالب (میر مہدی مجروح کے نام)

مصنف کا نام: مرزا غالب

تشریح

یہ سبق غالب کے دو خطوط پر مشتمل ہے۔ جو غلام رسول مہر کی مرتب کردہ مکاتیبِ غالب سے لیے گئے ہیں۔ پہلا خط مرزا خاتم علی بیگ مہر کے نام ہے جو غالب کے دوست تھے۔ جبکہ دوسرا خط میر مہدی مجروح کے نام ہے جو غالب کے دوست بھی تھے اور چہیتے شاگرد بھی۔ پہلے خط میں غالب نے کتابوں کی تیاری کا ذکر کیا ہے جبکہ دوسرے خط میں دلی کے ہنگاموں کا ذکر ہے۔

زیر بحث اقتباس میں غالب دلی کی بربادی کا ذکر کر رہے ہیں۔ 1857ء کے ہنگاموں میں دلی اُجڑ کے رہ گئی تھی۔ اس کی مجلسی زندگی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ وہی دلی جو ہر وقت میلوں ٹھیلوں اور محفلوں سے آباد رہتا تھا، اب ویران ہو چکا تھا۔ بہت سے لوگ خود دلی چھوڑ گئے تھے یا انھیں نکالا جا چکا تھا۔ اسی عالم میں غالب نے اپنی تنہائی کا علاج یہ نکالا کہ دلی چھوڑ جانے والے دوست احباب کو خط لکھنے شروع کیے۔ ان میں میر مہدی حسین مجروح انھیں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ وہ ان کے دوست اور چہیتے شاگرد تھے۔ اور دلی چھوڑ کے پانی پت چلے گئے تھے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

غالب انھیں دلی کے حالات کا ذکر کر رہے ہیں کہ یہی وہ شہر تھا کہ جس کی زندگی رات دن کے ہنگاموں سے بھرپور تھی۔ لال قلعہ، چاندنی چوک، جامع مسجد کے پاس لگنے والا بازار، ہر ہفتے دریائے جمنا کے پُل کی سیر، ہر سال پھولوں کا میلہ، الغرض وہ دلی ہنگاموں اور رنگوں سے عبارت تھی۔

لال قلعہ جو مغلوں کی عظمت کا گواہ تھا، آج ان کے زوال پر نوحہ کناں تھا۔ چاندنی چوک شہر کا مرکزی چوک تھا جہاں ہر وقت رونق رہتی تھی۔ جامع مسجد کے باہر ہر وقت بازار سجا رہتا تھا۔ دریائے جمنا کی سیر اور پھر پھولوں کا میلہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب یہ پانچوں باتیں آج کے دلی میں نہیں رہیں۔ اس لیے اب دلی کو دلی کہنا مناسب نہیں لگتا۔ ہاں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اس نام کا کوئی ایک شہر تھا جو ہندوستان میں آباد تھا اور وہ اب نہیں رہا۔ دلی کی ایسی ہی بربادی پر میر تقی میر نے بھی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب — رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے برباد کردیا — ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

پھر وہ انگریز گورنر جنرل لارڈ کیننگ کے آنے کی خبر دیتے ہیں کہ وہ پندرہ دسمبر کو دلی میں داخل ہوں گے۔ لیکن ابھی یہ خبر نہیں کہ وہ کہاں ٹھہریں گے اور کہاں دربار کریں گے۔ پہلے تو یہ حال تھا کہ سات جاگیردار تھے اور ان کے الگ الگ دربار ہوتے تھے لیکن اب دیکھیے کہ ان کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔ قصہ مختصر غالب کے یہ خطوط اس برباد شدہ دلی کے نوحے ہیں جو عالم میں ایک یادگار تھا۔

مشق

۱۔ غالبؔ نے مراسلہ کو مکالمہ کیسے بنایا؟ وضاحت کریں۔

جواب: غالب سے پہلے اُردو میں خط لکھنے کے لیے بہت ہی پُرتکلف اور رنگین اُسلوب اختیار کیا جاتا تھا۔ غالب نے ایک تو اسے سادہ انداز لکھنا شروع کیا۔ القاب کو بھی آسان بنایا۔ دوسری طرف وہ خط لکھنے والے کو اپنے سامنے تصور کرتے اور یوں خط لکھتے جیسے سامنے بیٹھے شخص سے گفت گو کرتے ہوں۔ یہ بالکل نیا انداز تھا۔ جسے غالب نے مکالمہ کہا ہے۔

۲۔ غالبؔ اپنے کلام کو کیوں ترستا ہے؟

غالب کا کلام ان کے عزیز ضیاالدین اور نواب حسین مرزا کے پاس جمع تھا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب لوٹ مار مچی تو ان کا کلام بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس لیے غالب دکھی تھے کہ ان کا کلام ضایع ہو گیا۔

۳۔ **غالبؔ کے خطوط میں اکثر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے پیدا شدہ صورتِ حال کا ذکر ملتا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا جانتے ہیں؟**

جواب: غالب جنگِ آزادی کے وقت دہلی میں تھے۔ اگرچہ وہ خود تو اس ہنگامے سے لاتعلق رہے لیکن انھوں نے اپنے خطوں میں دلی کے ہنگامے کا ذکر بہت زیادہ کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اس ہنگامے کے بعد بالکل اکیلے ہو گئے تھے۔ ان کے دوست احباب سب دلی چھوڑ کے چلے گئے تھے۔ اور وہ دل بہلانے کے لیے انھیں خط لکھا کرتے تھے۔ انھیں خطوں میں انھوں نے دلی کے حالات کا ذکر بھی کیا ہے۔ انگریز جب دلی میں داخل ہوئے، ایک تو انھوں نے قتلِ عام کیا اور دوسرے بہت سے لوگوں کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ پھر لوگوں سے جاگیریں اور عہدے چھین لیے گئے۔ بہت سے لوگوں کو دلی سے نکال دیا گیا۔ بہادر شاہ ظفر کو ملک بدر کر دیا گیا۔ الغرض ایک تباہی تھی جو دلی پر نازل ہوئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

۴۔ ان خطوط کی روشنی میں خطوطِ غالب کی خصوصیات لکھیں۔

جواب: غالب کے خطوط کا انداز سادہ اور رواں ہے۔ اس میں بے تکلفی اور مکالمے کا انداز نمایاں ہے۔

۵۔ ان خطوط میں مقفی جملے تلاش کر کے لکھیں۔

جواب: اگرچہ غالب نے نیا طرزِ تحریر متعارف کرایا، لیکن اس کے باوجود ان کے خطوط میں پرانا طرزِ تحریر جو مسجع و مقفی تھا، اس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں:

★ ایک فقیر کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے۔

★ بلی ماروں کے محلے میں ایک ننگِ دنیا موسوم بہ اسد۔۔۔۔۔۔تینوں مردود، مطرود، محروم و مغموم۔

★ کہاں اترے اور کہاں دربار کرتے ہیں۔

۶۔ دوسرے خط کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب: دلی کی رونق جن پانچ باتوں سے تھی اب وہ ختم ہو چکی ہیں۔ یعنی قلعہ، چاندنی چوک جامع مسجد کا بازار، ہر ہفتے جمنا کے پل کی سیر اور ہر سال پھول والا کا معاملہ۔ گورنر جنرل چھبیس نومبر کو دلی میں اتریں گے۔ ابھی یہ معلوم نہیں کہ کہاں ٹھہریں گے اور دربار کریں گے۔ پہلے سات جاگیرداروں کے الگ الگ دربار ہوتے تھے۔ لیکن اب چار ختم ہو چکے ہیں اور تین باقی نہیں۔ دربار والے دن اہل اسلام میں سے صرف تین لوگ موجود ہوں گے۔ نواب مصطفیٰ خان، مولوی صدر الدین اور غالب، اگر تم آئے گے تو اپنی آنکھوں سے دلی کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھو گے۔

۷۔ اپنے دوست کو اپنے علاقے کے حالات کے متعلق خط لکھیں۔

جواب: دیکھیے (خطوط نویسی)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: غالب نے خط نویسی میں کیا تبدیلیاں کیں۔

جواب: غالب سے پہلے اردو خطوط میں پر تکلف اور مشکل عبارت کا رواج تھا۔ مگر غالب نے آغاز ہی سے اپنے انداز کو بدل دیا اور اس کی جگہ سیدھی سادی زبان میں خط لکھنے شروع کیے اور خط کو مکالمہ بنا دیا۔

سوال 2: خطوط نویسی کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: خطوط نویسی کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی نجی خطوط ہیں جو ان لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں جنھیں ہم جانتے ہیں یا کوئی جن سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ دوسری قسم کاروباری خطوط ہیں جو کاروباری سلسلے میں لکھے جاتے ہیں اور تیسرے سرکاری یا دفتری خطوط ہیں جو دفتری ضروریات کے لیے لکھے جاتے ہیں۔

سوال 3: ''پھر کہو دلی کہاں؟'' غالب نے یہ جملہ کس کے نام اور کیوں لکھا؟

جواب: غالب نے یہ جملہ اپنے شاگرد میر مہدی مجروح کے نام لکھا۔ وہ پہلے دلی کی رونقوں کا ذکر کرتے ہوئے پانچ چیزوں کا ذکر کرتے ہیں: قلعہ، چاندنی چوک، مسجد جامع کا بازار، ہر ہفتے جمنا پل کی سیر اور ہر سال پھولوں کا میلہ۔ چوں کہ اب یہ پانچوں چیزیں نہیں ہیں اس لیے وہ لکھتے ہیں کہ اسے دلی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ اپنی گفتگو اور بات چیت کو لکھ کر بھیجنا کہلاتا ہے:

(ا) افسانہ نویسی (ب) ڈرامہ نگاری (ج) خطوط نویسی ✓ (د) ناول نگاری

2۔ خطوط نویسی کی کتنی اقسام ہیں؟

(ا) ایک (ب) دو (ج) تین ✓ (د) چار

3۔ نصابی کتاب میں شامل غالب کا پہلا خط کس کے نام ہے:

(ا) مہدی مجروح (ب) مرزا حاتم علی بیگ مہر ✓ (ج) غلام رسول مہر (د) اکبرالہ آبادی

4۔ نصابی کتاب میں شامل غالب کا دوسرا خط کس کے نام ہے:

(ا) مہدی مجروح ✓ (ب) مرزا حاتم علی بیگ مہر (ج) غلام رسول مہر (د) اکبرالہ آبادی

5۔ غالب کے اندازِ تحریر نے مراسلے کو ________ بنایا:

(ا) آسان (ب) مشکل (ج) مکالمہ ✓ (د) کہانی

6۔ مرزا تفتہ نے کہاں سے خبر دی تھی:

(ا) دلّی (ب) لکھنؤ (ج) کلکتہ (د) ہاترس ✓

7۔ مرزا غالب کا کلام کیسے گم ہوا:

(ا) ۱۸۵۷ء کا غدر کی نذر ہوا ✓ (ب) سیلاب میں بہ گیا

(ج) جل گیا (د) غائب ہو گیا

8۔ غالب کا کلام کون جمع کرتا تھا:

(ا) میر مہدی مجروح اور تفتہ (ب) نواب ضیاء الدین اور نواب حسین مرزا ✓

(ج) نواب مصطفیٰ خاں (د) میرن اور نصیرالدین

9۔ غالب نے میر مجروح کو اطلاع دی کہ گورنر جنرل آئیں گے:

(ا) ۱۵ نومبر کو (ب) ۱۵ دسمبر کو ✓ (ج) ۱۵ اکتوبر کو (د) ۱۵ جنوری کو

10۔ بلی ماروں سے اسلام کا نمائندہ کون تھا:

(ا) نواب مصطفیٰ خاں (ب) مولوی صدرالدین خان (ج) مرزا غالب ✓ (د) کوئی نہیں

11۔ نصابی کتاب میں دیے گئے غالب کے خطوط کس کتاب سے لیے گئے ہیں:

(ا) خطوط غالب (ب) مکاتیب عالیہ مرتبہ غلام رسول مہر ✓

(ج) غالب کے خطوط (د) مکتوباتِ غالب

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مکاتیبِ اقبال

علامہ محمد اقبال
(۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء)

سبق کا تعارف:

اقبال کا اصل حوالہ تو بطور شاعر ہے لیکن ان کی نثر خصوصاً ان کے خطوط بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط میں اس دور کے سیاسی اور ادبی ہنگاموں کا تذکرہ جا بہ جا موجود ہے۔ جن سے اس دور کے بارے میں ہمیں بہت زیادہ آگاہی ملتی ہے۔ اب تک اقبال کے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ خطوط شایع ہو چکے ہیں اور ابھی مزید بھی منظر عام پر آ رہے ہیں۔ شاملِ نصاب سبق میں اقبال کے دو خط شامل ہیں۔ ایک بابائے اردو مولوی عبدالحق کے نام ہے اور دوسرا اپنے والد شیخ نور محمد کے نام ہے۔

(تعارفی عبارت ہر اقتباس کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

لغت و توضیحات

صفحہ نمبر 108

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مخدوم	جس کی خدمت کی جائے	اختلاف	مخالف رائے
نوازش نامہ	عنایت نامہ	گنجائش نہیں	جگہ نہیں
مع تجویز	مشورے کے ساتھ	حوصلہ شکن	حوصلہ توڑنے والی
لائق	قابل	اُمرا	امیر لوگ
ان شاء اللہ	اگر اللہ نے چاہا	مقروض	قرض تلے دبے ہیں
کلیتاً	ہر طرح سے	مستقر	ٹھہراؤ، مرکز، رہنے کی جگہ
لسانی عصبیت	کسی زبان کے حوالے سے تعصب رکھنا	دقتیں	مشکلیں
دینی عصبیت	دین کی طرف داری	رزم گاہ	میدانِ جنگ
فنڈ	عوام کی طرف سے دی رقم جو مختلف تنظیمیں اکٹھا کرتی ہیں		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

صفحہ نمبر 109

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پبلشنگ ہاؤس	طباعتی ادارہ	لازمۂ حیات	زندگی کے لیے ضروری ہے
پبلشنگ سنٹر	طباعتی مرکز	مدت ہوئی	ایک عرصہ ہوا
مادہ	صلاحیت	صاحب عزم	ارادے والے
افکار و ترددات	فکر اور پریشانیاں		

صفحہ نمبر 110

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
والا نامہ	محبت نامہ	قدم بوسی	قدم چھونے
الحمدللہ	تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں	ڈھال رہا ہوں	لا رہا ہوں
قاطع حیات	زندگی کو ختم کرنے والا	بیشتر	زیادہ تر
بمنزلہ زہر	زہر کے مترادف	تہی دست	خالی ہاتھ ہے
طویل العمر	لمبی عمر	یک جہتی	اتحاد
ترش لسی	کھٹی لسی		

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اقتباسات کی تشریح

اقتباس 1:

مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے جو لڑائیاں آئندہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے۔ (صفحہ 108)

سبق کا عنوان: مکاتیبِ اقبال (بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے نام)

مصنف کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح

اقبال کا اصل حوالہ تو بطور شاعر ہے لیکن ان کی نثر خصوصاً ان کے خطوط بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط میں اس دور کے سیاسی اور ادبی ہنگاموں کا تذکرہ جا بہ جا موجود ہے۔ جن سے اس دور کے بارے میں ہمیں بہت زیادہ آگاہی ملتی ہے۔ اب تک اقبال کے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ خطوط شائع ہو چکے ہیں اور ابھی مزید بھی منظر عام پر آ رہے ہیں۔ شاملِ نصاب سبق میں اقبال کے دو خط شامل ہیں۔ ایک بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے نام ہے اور دوسرا اپنے والد شیخ نور محمد کے نام ہے۔

زیرِ بحث اقتباس مولوی عبدالحق کے نام خط سے لیا گیا ہے۔ جو انھوں نے مولوی عبدالحق کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا۔ مولوی عبدالحق اُردو زبان کی ترویج اور ترقی کے لیے شروع ہی سے کوشاں تھے۔ انھوں نے اقبال اور دوسرے کئی اکابرین کو خط لکھ کر ناگ پور کے ایک جلسے کے بارے میں بتایا۔ جو گاندھی کی صدارت میں ہوا تھا اور ان سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ تقسیم کے بعد سرکاری زبان ہندی ہوگی۔ مولوی صاحب جو اس وقت بھی انجمنِ ترقی اُردو کے سیکرٹری جنرل تھے، نے فیصلہ کیا کہ اب وہ پوری قوت کے ساتھ اُردو کے فروغ کے لیے کام کریں گے۔ انھوں نے اس سلسلے میں اپنے ایک دوست کو بتایا تھا کہ وہ ان حالات میں دلی چلے جائیں گے اور وہاں ایک اکابرین کی کانفرنس کرنے کی کوشش کریں گے۔ مولوی صاحب نے یہی تجویز اقبال اور دوسرے اکابرین کے نام خط میں پیش کی تھی۔

اقبال نے پہلے تو معذرت کی کہ وہ شاید اس کانفرنس میں اپنی علالت کی وجہ سے شامل نہ ہو سکیں۔ پھر انھوں نے اپنی تجاویز اور آرا کا اظہار اس خط میں کیا ہے۔ پہلے انھوں نے یہ تجویز دی کہ سب سے پہلے اس مسئلے پر غور کرنا چاہیے کہ فنڈز کہاں سے آئیں گے کیونکہ عام مسلمان اس قابل نہیں اور مسلمان اُمرا خود مقروض ہیں۔ دوسری تجویز جس کا ذکر اس اقتباس میں بھی موجود ہے۔ وہ یہ تھی کہ انجمن کا صدر دفتر لاہور میں ہونا چاہیے۔ اس تجویز کی تائید میں انھوں نے کئی دلائل دیے۔ اول ان کا کہنا تھا کہ آئندہ جو بھی لڑائیاں لڑی جائیں گیں، ان کا مرکز پنجاب ہوگا۔ ان کا اشارہ آزادی کی تحریک کی طرف تھا۔ اور یہ بات سچ بھی ہے کہ لاہور تحریک پاکستان میں بے حد اہمیت کا حامل بن گیا تھا۔ اس لیے اقبال کے بقول آئندہ جتنے معرکے لڑیں جائیں گے، ان کا مرکز یہ سرزمین ہوگی۔ اس لیے انجمن ترقی اُردو کا صدر دفتر بھی لاہور میں ہونا چاہیے۔ لیکن وہ ایک بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلم حکومتوں کے دور میں یہاں کے لوگوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی۔ اس لیے انھیں ان سیاسی معرکہ آرائیوں میں بڑی مشکل ہوگی۔ ان کا اشارہ غالباً اس طرف تھا کہ پنجابی مسلمانوں کا سیاسی شعور ابھی ناتربیت یافتہ ہے۔ لیکن وہ بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب کچھ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آنے والے معرکے اسی سرزمین پر لڑے جائیں گے۔

پھر وہ مزید اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لاہور نشر و اشاعت کا مرکز بھی ہے۔ اور یہاں زیادہ تر پبلشنگ کا کام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور دوسرا یہاں کے لوگوں میں بات قبول کرنے کا مادہ بھی زیادہ ہے۔ چھوٹے سے جلسے کے لیے بھی دس بیس ہزار مسلمانوں کا جمع ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں۔

اقتباس2:

روحانی کیفیات کا سب سے بڑا ممد و معاون یہی کھانے پینے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے۔ (صفحہ 111)

سبق کا عنوان: مکاتیبِ اقبال (والدِ گرامی شیخ نور محمد کے نام)

مصنف کا نام: علامہ محمد اقبال

تشریح

اقبال کا اصل حوالہ تو بطور شاعر ہے لیکن ان کی نثر خصوصاً ان کے خطوط بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط میں اس دور کے سیاسی اور ادبی ہنگاموں کا تذکرہ جابجا موجود ہے۔ جن سے اس دور کے بارے میں ہمیں بہت زیادہ آگاہی ملتی ہے۔ اب تک اقبال کے ڈیڑھ ہزار

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

سے زیادہ خطوط شایع ہو چکے ہیں اور ابھی مزید بھی منظر عام پر آ رہے ہیں۔ شاملِ نصاب سبق میں اقبال کے دو خط شامل ہیں۔ ایک بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے نام ہے اور دوسرا اپنے والد شیخ نور محمد کے نام ہے۔

زیر بحث اقتباس اقبال کے اپنے والد کے نام خط سے لیا گیا ہے جو سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ جب کہ اقبال خود لاہور میں وکالت کر رہے تھے۔ وہ ان کی بیماری کی وجہ سے پریشان تھے اور انھیں صحت کے حوالے سے مختلف تجاویز دے رہے ہیں۔ اقبال انھیں بتاتے ہیں کہ روحانی طور پر مضبوط ہونے کے لیے کھانے پینے میں احتیاط بہت ضروری ہے۔ وہ انھیں سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کھانے پینے میں بہت احتیاط کیا کرتے تھے۔ اور اپنی پسند کی چیزیں بھی پیٹ بھر کے نہیں کھاتے تھے۔ ورنہ تو کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندہ ہی کھانے کے لیے رہتے ہیں۔ اس لیے اقبال انھیں بتاتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر ڈھال رہے ہیں۔ ان کے نزدیک عام لوگ اس سلسلے میں جانوروں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف پیٹ بھر کے کھانا ہے۔ اسی لیے وہ سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں جو روحانیت میں آگے ہوں۔ بلکہ معاملہ تو یہ ہے کہ شہر میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو کوئی آدمی نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں وہ مولانا رومؒ کی مثال دیتے ہیں کہ وہ اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ میں چراغ لے کر شہر میں پھرا لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو انسان کہلانے کے لائق ہو۔ اور ان کے نزدیک آج کل کا دور تو ویسے ہی روحانیت سے خالی ہے۔

مشق

ا۔ اقبالؒ نے کھانے پینے کے معاملے میں حضور ﷺ کی کیا سنت بیان کی ہے؟

جواب: اقبال نے بتایا ہے کہ آپ ﷺ تمام عمر کم کھانے کی سنت برقرار رہی۔

۲۔ اقبالؒ انجمن کے مستقر کے لیے لاہور کے انتخاب پر کیوں زور دیتے ہیں؟

جواب: انھوں نے اس انتخاب کے لیے تین وجوہات بیان کی ہیں: ایک یہ کہ آنے والے دور میں مسلمانوں کو اپنی تمام لڑائیاں پنجاب میں لڑنی پڑی گیں۔ دوسرا یہ کہ لاہور پبلشنگ کا مرکز ہے اور یہاں زیادہ تر کام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ تیسرا یہ کہ پنجاب کے لوگ بہت سادہ دل ہیں۔ وہ بات سنتے بھی ہیں اور اثر بھی قبول کرتے ہیں۔

۳۔ روحانیت کی کمی سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: جس معاشرے میں روحانیت کی کمی واقع ہو جائے اس میں مادیت پرستی کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ جس سے بہ تدریج معاشرے میں دولت اور چیزوں کی محبت بڑھتی جاتی ہے اور انسانوں کے درمیان تعلق کمزور پڑتا جاتا ہے۔ اخلاقی صورتِ حال خراب ہوتی جاتی ہے۔ نفسانفسی اور خود غرضی بڑھ جاتی ہے۔

۴۔ ان جملوں کی وضاحت کریں۔

(الف) "عام مسلمانوں کی حالت اقتصادی اعتبار سے حوصلہ شکن ہے۔ اُمرا توجہ کریں تو کام بن سکتا ہے مگر افسوس کہ اکثر مسلمان اُمرا مقروض ہیں"۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS.TGUSEEFAHMAD

وضاحت: اقبال انجمن ترقی اُردو کے لیے فنڈ ز اکٹھے کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے حالات پہلے ہی بہت خراب ہیں اور دوسری طرف مسلمان اُمرا مقروض ہیں۔ گویا حالات زیادہ اچھے نہیں ہیں۔

(ب) ''یہ دور انتہائی تاریکی کا ہے۔ لیکن تاریکی کا انجام سفید ہے، کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔''

وضاحت: اس جملے میں اپنے دور کا انتشار اور تاریکی کا ذکر کرنے کے بعد اُمید کا اظہار کرتے ہیں کہ جس طرح ہر رات کا انجام صبح ہوتی ہے، ہر تاریکی سفیدی میں ڈھل جاتی ہے۔ اس لیے کوئی بعید نہیں کہ اللہ ان حالات کو بدل کر اچھے دنوں میں بدل دے اور اپنا فضل کر دے۔

(ج) ''میری لسانی عصبیت، دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔''

وضاحت: مولوی عبدالحق نے اقبال کو انجمن ترقی اُردو کی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن اقبال اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مولوی صاحب کو یقین دلایا کہ اگرچہ وہ اس میں شامل نہیں ہو سکتے لیکن جس طرح وہ دین کے لیے جذبات رکھتے ہیں اسی طرح اردو زبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتے ہیں۔

(د) ''وہ کہتا ہے کہ انسان کے جسم میں ایسے جراثیم ہیں جو قاطع حیات ہیں اور دہی کی لسی ان جراثیم کے لیے بمنزلہ زہر کے ہے۔''

وضاحت: اقبال اپنے والد کے نام خط میں ایک دانش ور کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کے اندر ایسے جراثیم ہیں جو انسانی زندگی کو ختم کر سکتے ہیں لیکن دہی کی لسی ان جراثیم ہی کو مٹا دیتی ہے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: اقبال کے خطوط کیوں اہم ہیں؟

جواب: اقبال کے خطوط ان کی شاعری کی طرح بہت اہم ہیں۔ ان کی شاعری میں اس دور کے سیاسی اور سماجی حالات کی بڑی اہم تفصیل ملتی ہے جو آج اس دور کو سمجھنے کے لیے بڑی مددگار ہیں۔

سوال 2: مولوی عبدالحق کے نام خط میں اقبال اردو کانفرنس میں شرکت نہ کرنے کی کیا وجہ بتاتے ہیں؟

جواب: سب سے پہلے تو اقبال نے اپنی بیماری کا ذکر کیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ وہ سفر کے لائق نہیں ہیں خصوصاً اگر سفر بارہ گھنٹے سے زیادہ ہو تو ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ آنے کے لیے معذرت کرتے ہیں لیکن یہ یقین ضرور دلاتے ہیں کہ وہ مکمل طور پر ان کے ساتھ ہیں۔

سوال 3: اقبال نے فنڈ کے لیے کیا مسئلہ بیان کیا ہے؟

جواب: اقبال کے خیال میں اردو کانفرنس میں سب سے پہلے فنڈ اکٹھا کرنے کا مسئلہ زیر بحث آئے گا۔ لیکن ان کے خیال میں تمام مسلمانوں کی معاشی حالت اچھی نہیں ہے اور امیر لوگ مقروض بہت ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

سوال 4: اقبال نے یورپ کے مشہور حکیم کی کتاب میں کیا پڑھا؟

جواب: انھوں نے یورپ کے مشہور حکیم کی کتاب میں یہ پڑھا کہ جو شخص روزانہ لسی پیتا ہے وہ لمبی عمر پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیہاتی لمبی عمر پاتے ہیں۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ نصابی کتاب میں علامہ اقبال کا پہلا خط کس شخصیت کے نام ہے:

(ا) شیخ نور محمد (ب) مولوی عبدالحق ✓ (ج) مولانا شبلی نعمانی (د) مولانا اکبر الہ آبادی

2۔ نصابی کتاب میں علامہ اقبال کا دوسرا خط کس شخصیت کے نام ہے:

(ا) شیخ نور محمد ✓ (ب) شیخ اکبر (ج) مولوی عبدالحق (د) خان نیاز الدین

3۔ اُردو کانفرنس کے بارے میں اقبال نے کس عصبیت کا اقرار کیا ہے:

(ا) نسلی عصبیت (ب) رنگ کی عصبیت (ج) لسانی عصبیت ✓ (د) وطنی عصبیت

4۔ صدر انجمن ترقی اُردو کے مستقر کے لیے اقبال نے کون سے شہر کی تجویز دی:

(ا) لاہور ✓ (ب) دہلی (ج) ممبئی (د) لکھنؤ

5۔ اقبال نے صدر انجمن کے لاہور میں ہونے کے لیے کتنی وجوہ بیان کیں:

(ا) دو (ب) چار (ج) تین ✓ (د) پانچ

6۔ اقبال نے خط میں مستقبل میں مسلمانوں کے تحفظ کی رزم گاہ کسے قرار دیا ہے:

(ا) بلوچستان (ب) سندھ (ج) پنجاب ✓ (د) بمبئی

7۔ علامہ نے پنجاب کے مسلمانوں کی تربیت کے بارے میں لکھا ہے:

(ا) تربیت یافتہ ہیں (ب) نیم تربیت یافتہ

(ج) مناسب تربیت نہیں کی گئی ✓ (د) بالکل غیر تربیت یافتہ

8۔ لسی قاطع حیات جراثیموں کے لیے ________ کا درجہ رکھتی ہے:

(ا) تریاق (ب) زہر ✓ (ج) مٹھاس (د) نسل افزا

9۔ علی بخش نے چچی کی طویل عمری کی وجہ بتائی:

(ا) ورزش (ب) چائے سے پرہیز (ج) لسی کا استعمال ✓ (د) علاج

MDCATBY(FUTUREDOCTORS)(TOUSEEFAHMAD)

10۔ اقبال نے والد صاحب کے لیے ترش دہی کی لسی سے منع کیا، کیوں کہ یہ:

(ا) گردوں کے لیے غیر مفید تھی (ب) گلے کی خرابی کی وجہ سے غیر مفید تھی ✓

(ج) مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی تھی (د) دل کو نقصان کرتی ہے

11۔ علامہ اقبال کے والد کے ڈینٹسٹ ڈاکٹر کا نام تھا:

(ا) محمد علی (ب) عبدالرحمن (ج) عبدالحسیب (د) عبداللطیف ✓

12۔ اقبال نے حضور کی کس سنت کو روحانی کیفیات کے لیے مفید کہا:

(ا) تہجد کی ادائیگی (ب) کم کھانا ✓ (ج) فاقے کرنا (د) خوش رہنا

13۔ انسانوں کا کم کم ہونے کے لیے اقبال نے کس صوفی بزرگ کا قول لکھا ہے:

(ا) داتا گنج بخشؒ (ب) ابن العربیؒ (ج) مولانا رومیؒ ✓ (د) وارث شاہ

14۔ اقبال نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے کس کو قرار دیا ہے:

(ا) کسی بڑی شخصیت (ب) کسی بڑے سیاسی رہنما ✓ (ج) بڑے شاعر (د) بڑے سائنسدان

15۔ اقبال نے خط میں غلام رسول کو کس سلسلے میں تار دیا:

(ا) واپس آنے کیلئے (ب) چھٹی بڑھانے کی منظوری (ج) دوائی لانے کیلئے (د) مزاج پرسی کیلئے ✓

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

NMDCAT BY FUTURE DOCTORS

Motto : " WE ARE THE SAVIOUR OF NATION"

WE PROVIDES NOTES:

- FSC NOTES
- NMDCAT NOTES
- MATRIC NOTES
- PAST PAERS
- HINTS AND TRICKS
- STEP , STAR , STEP LECTURES
- FEDERAL BOARD BOOKS
- ALL TEXTBOOKS FROM ALL PROVINCES

FBGROUP: https://www.facebook.com/groups/mdcatbyfuturedoctors/?ref=share

LIKE & SHARE
03499815886
MDCAT BY FUTURE DOCTORS

MDCAT BY FUTURE DOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

حصۂ نظم

- شاعر کا تعارف
- نظم کا تعارف
- اشعار کی تشریح
- مشق
- اضافی سوالات کے مختصر جوابات
- کثیر الانتخابی سوالات

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

NMDCAT BY FUTURE DOCTORS

Motto : " WE ARE THE SAVIOUR OF NATION"

WE PROVIDED NOTES:

- FSC NOTES
- NMDCAT NOTES
- MATRIC NOTES
- PAST PAERS
- HINTS AND TRICKS
- STEP . STAR . STEP LECTURES
- FEDERAL BOARD BOOKS
- ALL TEXTBOOKS FROM ALL PROVINCES

FBGROUP:

https://www.facebook.com/groups/mdcatbyfuturedoctors/?ref=share

LIKE & SHARE

MDCAT BY FUTURE DOCTORS

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

حمد

ماہرؔ القادری

(۳۰/جولائی ۱۹۰۶ء - ۱۲/مئی ۱۹۷۸ء)

شاعر کا تعارف:

منظور حسین نام اور ماہرؔ تخلص تھا لیکن ماہر القادری کے نام سے شہرت پائی۔ اُتر پردیش کے ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علی گڑھ سے حاصل کی۔ حیدر آباد دکن میں ان کی ادبی شہرت بامِ عروج (انتہا پر) پر تھی۔ پاکستان بننے پر کراچی آ گئے۔ ہندوستان میں کچھ عرصہ روزنامہ ''مدینہ'' سے وابستہ رہے۔ ۱۹۴۹ء میں رسالہ ''فاران'' نکالا۔ جدہ میں ایک مشاعرے میں حرکتِ قلب (دل کی حرکت) بند ہونے کے باعث انتقال کر گئے اور وصیت کے مطابق مکہ معظمہ میں دفن کیے گئے۔

ماہر القادری نے تمام اصنافِ سخن (ادب کی مختلف اقسام) میں طبع آزمائی (فن کے جوہر دکھانا) کی لیکن اُن کی اصل شہرت نعت گوئی کی وجہ سے ہے۔ اُن کی شاعری کی نمایاں خصوصیت سادگی (تحریر میں سادہ انداز اختیار کرنا) اور بے تکلفی (تحریر میں بے تکلف انداز میں لکھنا) ہے۔ چونکہ اُن کی شاعری کا محور (مرکز) حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے، اس لیے موضوع کی مناسبت (نسبت سے) سے اُن کی زبان پاکیزہ اور شستہ (پاکیزہ، صاف ستھرا) ہے۔ اُن کا دل عشقِ رسول ﷺ سے معمور (بھرا ہوا) تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی اصلِ ایمان ہے اور یہی عشق اُن کی نعتوں کا خونِ مرکز ہے۔ اسی جذبے سے سرشار ہو کر جب آپ نعت لکھتے ہیں تو سماں بندھ جاتا (منظر آنکھوں کے سامنے آ جانا) ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے یہی والہانہ محبت آپ کا سرمایۂ حیات (زندگی کا حاصل) ہے۔ آپ کا انتقال بھی مکہ مکرمہ میں ہوا اور وہاں کے مشہور قبرستان میں آسودۂ خاک (قبر میں دفن ہونا) ہیں۔

نظم کا تعارف:

حمد ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ سبحان و تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ اس میں اللہ کی ذات و صفات کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت، پاکیزگی اور بزرگی کا ذکر ہو۔ زیرِ نظر نظم بھی انھیں خوبیوں سے مزین اور ماہر القادری کے جذبہ عشق کا اظہار ہے۔

(یہ تعارفی عبارت ہر جز و کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

فکر و دانش کی ہے معراج خدا کا اقرار
یہی وجدان کی آواز ہے، فطرت کی پکار

لغت: فکر و دانش: عقل، حکمت، سمجھ۔ معراج: انتہا، بلندی۔ وجدان: کسی چیز کا شعور۔ فطرت: انسان کی شخصیت کا لازمی جز و جو اس کی تخلیق کا حصہ ہے۔

MDCATBY.FUTUREDOCTORS.TOUSEEFAHMAD

مفہوم: انسانی عقل کی انتہا یہ ہے کہ وہ خدا کا اقرار کرے کیونکہ یہی اس کی ذات اور فطرت کی پکار ہے۔

تشریح

حمد ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ سبحان وتعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ اس میں اللہ کی ذات وصفات کے بیان کے ساتھ اس کی عظمت، پاکیزگی اور بزرگی کا ذکر ہو۔ زیرِ نظر نظم بھی انھیں خوبیوں سے مزین اور ماہر القادری کے جذبہ عشق کا اظہار ہے۔ (یہ تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ انسانی عقل کی انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے بنانے والے کو پہچان لے اور اس کا اقرار کرے۔ یہی اقرار اس کے احساسات اور فطرت کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے فکر، دانش، سمجھ اور شعور عطا کیا ہے۔ انسان جیسے جیسے اس صلاحیت کا استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے عزت اور توقیر دیتا جاتا ہے۔ اسی فکر کی بدولت وہ علم کے زینے طے کرتا ہے اور بلند ترین مقام پر پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شاعر انسان کو اُس کا مقام و مرتبہ یوں سمجھاتا ہے، بقول اقبال:

جو پایہ علم سے پایا بشر نے
فرشتوں نے بھی وہ پایہ نہ پایا

(پایہ: مقام)

شاعر کے خیال میں جب انسانی فکر اور سوچ کو معراج ملتی ہے تو اُس کی زبان سے خدا کی وحدانیت کا اقرار ہوتا ہے۔ وہ پکار اٹھتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ وہ ہمارا خالق ہے۔ اُس نے ہمیں زندگی دی اور اسی نے ہمیں موت دینی ہے۔ وہی ہمارا نگران ہے گویا وہ ہر انداز میں اللہ کی کبریائی اور طاقت کا اقرار کرتا ہے۔ بقول مست توکلی:

اے خدا تو ہے واحد و یکتا
ہے یہ شاہی فقط تجھے زیبا

(یکتا: منفرد۔ شاہی: بادشاہت۔ زیبا: مناسب)

شاعر کہتے ہیں کہ میرا ضمیر اور میرا وجدان ہمیشہ فطرت کی پکار پر لبیک کہتا ہے۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا احساس رہتا ہے کہ اللہ موجود ہے۔ وہ ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ انسان جب ماں کے پیٹ میں خون کے لوتھڑے کی صورت میں ہوتا ہے، وہ اُس وقت بھی اس کی دھڑکنوں کا شمار رکھتا ہے اور جب وہ زمین کی گود میں جا لیٹے گا، تب بھی وہ اس کے حال سے واقف ہوگا۔ الغرض اس کے ہونے کا احساس ہماری فطرت کا حصہ ہے۔ گویا فطرت کی آواز بھی یہ ہے اور ہمیں اس آواز پر ہمیشہ کان دھرنے ہوں گے۔ فطرت کی پکار پر ہمارا لبیک کہنا اس بات کی شہادت ہوگی کہ ہمارا ایمان کامل ہے کہ خدا موجود ہے۔

(۲)

ذرے ذرے کی شہادت کہ خدا موجود ہے
پتے پتے کو ہے صانع کی صفت کا اقرار

لغت: شہادت: گواہی۔ صانع: کاری گر مراد خالق۔ صفت: خوبی، ہنر

مفہوم: کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کے ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ اور ہر پتا اس کی تخلیق کا اقرار کر رہا ہے۔

تشریح

زیرِ نظر شاعر میں کہتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے بنانے والے کی گواہی دے رہا ہے اور ہر پتہ اپنے خالق کی خوبی و ہنر کا اقرار

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کر رہا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائناتِ رنگ و بو کا خالق ہے۔ اللہ کی ذات ہر کہیں موجود ہے۔ وہ سورج کو چمک اور روشنی دینے والا ہے۔ وہ ہواؤں کو طاقت دینے والا ہے۔ وہ درختوں کو پھلوں سے لادنے والا ہے۔ اُسی کے حکم سے دِن طلوع ہوتا ہے۔ اُسی کے حکم سے رات طاری ہوتی ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ بقول میر تقی میرؔ:

دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میر　　پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری

اللہ تعالیٰ نے اُس زمین کو تخلیق فرمایا اور پھر درختوں کو اس زمین کا زیور قرار دیا۔ درختوں کو سبز پتوں اور ٹہنیوں سے بھر دیا۔ اس سے یہ زمین خوب صورت نظر آنے لگی۔ درخت کے پتے اس زمین کے باسیوں کے لیے ''آکسیجن'' پیدا کرتے ہیں جو زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس لیے درخت کا ایک ایک پتہ اپنے بنانے والے کی صفت بیان کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ قرآن مجید میں سورۃ رحمن میں انسانوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں:

''تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

اصل میں شاعر ہمیں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اس دنیا میں ذرہ ذرہ اللہ کی موجودگی کی شہادت دے رہا ہے۔ اور درخت کا پتا پتا اپنے خالق و مالک کی عظمت کے گن گا رہا ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں اپنے خالق کی عظمت کے ترانے گا رہی ہے۔ ہر اک زبان پر اُس کا تذکرہ ہے۔ عظیم صوفی شاعر میر دردؔ اس کا حقیقت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

ہر اک ذرہ فضا کا داستاں اُس کی سناتا ہے　　ہر اک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اُس کا

(۳)

اسی خلاق نے جوہر کو توانائی بخشی
پھول پتوں کو عطا جس نے کیے نقش و نگار

لغت: خلاق: تخلیق کرنے والا۔ جوہر: مراد ایٹم یعنی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ۔ نقش و نگار: رنگ اور صورت۔

مفہوم: اسی خالق نے ہر ذرے کے اندر توانائی کا خزانہ چھپایا ہے اور پھول پتوں کو خوب صورت نقش و نگار عطا کیے ہیں۔

تشریح

زیرِ نظر شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اللہ ہی وہ خالق ہے جس نے چھوٹے سے چھوٹے ذرے ایٹم میں توانائی کا لامحدود خزانہ چھپایا ہے اور وہی ہے جس نے پھول پتوں کو رنگ اور صورتیں عطا کیں۔

بلاشبہ اس وسیع و عریض کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی نے چاند، ستاروں اور کہکشاؤں کو تخلیق کیا۔ اور دوسری طرف اسی نے اس زمین کو انسان کے رہنے کے لیے سبزہ و گل عطا کیے۔ ایک انسان جب اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اس وسیع کائنات کو دیکھتا ہے تو وہ دنگ رہ جاتا ہے۔ اس کی عقل عاجز آ جاتی ہے۔ اس میں اربوں کہکشائیں اور ہر کہکشاں میں اربوں کھربوں ستارے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ایٹموں سے مل کر بنی ہیں۔ یعنی اس کائنات کا بنیادی عنصر ایٹم ہے۔ ایک وقت تھا کہ سائنس میں یہ تصور موجود تھا کہ ایٹم ناقابلِ تقسیم ہے۔ اسے مزید چھوٹے چھوٹے ذروں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جیسے جیسے انسانی علم ترقی کرتا گیا، اس کی عقل عاجز آتی چلی گئی۔ سب سے پہلے یہ تصور سامنے آیا کہ ایٹم قابلِ تقسیم ہے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس نے ایٹم کے مرکزے میں چھپی ہوئی لامحدود توانائی کے خزانے کو دریافت کر لیا۔ یہ توانائی کا ایک ایسا خزانہ ہے جسے میں سورج اور ستاروں کی طاقت پوشیدہ ہے۔ انسان جب اس طاقت کے کرشمے کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور وہ سوچنے پر مجبور

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ہو جاتا ہے جو شاعر کا مطمع نظر ہے کہ وہ بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس نے ایک چھوٹے سے ذرے، جو نظر بھی نہیں آتا، لیکن اس کے اندر اتنی زیادہ توانائی موجود ہے جو سورج اور ستاروں کو بھی روشن رکھتی ہے۔ اور اسی جوہری توانائی پر قابو پا کر آج انسان اپنی توانائی کی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ بے شک اللہ وہ صانع ہے جس کی یہ صنعت گری ہے لیکن ان سونشانیوں کے باوجود وہ بے نشان ہے۔ بہ قول بیدمؔ شاہ وارثی:

ذرے ذرے میں عیاں ہونے کے بعد آج تک راز حقیقت راز ہے

دوسری طرف شاعر حقیقت کے اس پہلو کو بیان کرنے کے بعد اللہ سبحان وتعالیٰ کی مصوری کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس زمین پر پھول پتوں کی صورت جو بھی رنگینی ہے وہ سب اللہ کی مصوری ہے۔ ہر پھول کی رنگینی اپنے مصور کا شاہکار ہے۔ ہر پھول میں بسنے والی خوشبو اپنے بنانے والے کا پتہ دیتی ہے۔ وہی اس چمن کا بنانے والا ہے۔ وہی اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہی اسے رنگینیاں عطا کرتا ہے۔ بقول امیرؔ مینائی:

رنگ تیرا چمن میں بو تیری خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

(۴)

اسی خالق ، اسی مالک کی ہے حمد و ثنا
آبشاروں کا ترنم ہو کہ گلبانگِ ہزار

لغت: حمد و ثنا: شکر ادا کرنا اور تعریف کرنا۔ ترنم: گیت، نغمہ۔ گلبانگ: نغمے، چہچہے

مفہوم: آبشاروں اور پرندوں کے گیتوں میں اسی خالق و مالک کی حمد و ثنا ہے۔

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ بھی ہے، اس کی زبان پر اپنے خالق اور مالک کا شکر اور تعریف ہے۔ خواہ وہ بہنے والے جھرنوں اور چشموں کے گیت ہو یا پرندوں کے چہچہے اور نغمے، ہر شے اپنے بنانے والے کا ذکر کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا واحد خالق ہے۔ اُس کے ساتھ تخلیق میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ اس لیے ہر کوئی اُس واحد رب کی ثنا میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں تمام مخلوق ہمہ وقت مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن مجید کی پہلی صورت ہی میں یہ الفاظ ہیں:

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"

کائنات کی تمام چیزیں اپنے اپنے انداز میں اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف رہتی ہیں۔ سورج چاند اور تارے بھی اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ پہاڑ اور درخت بھی خدائے رحمٰن کی ثنا کرتے ہیں۔ ندیوں میں چلتا ہوا پانی اور پہاڑوں پر جمے ہوئے برف کے تودے بھی اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اکبرؔ الٰہ آبادی اپنے مخصوص انداز میں کیا خوب فرما گئے ہیں:

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

(ہوائے شوق: محبت سے بے قرار ہو کر۔ تسبیح: اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا)

شاعر کہتے ہیں کہ آبشاروں سے گرتا ہوا پانی ایک خاص ترنم پیش کرتا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے وہ ایک خاص لحن میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کر رہا ہے۔ اُس پانی کے گرنے سے مخصوص آواز پیدا ہوتی ہے ایسا لگتا ہے جیسے بلبلیں مل کر اللہ کی حمد و ثنا کر رہی ہوں۔ اُن کی آواز میں ایک خاص ردھم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے آواز میں ایک خاص تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے شاعر کہتے ہیں کہ جب آبشاروں سے پانی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ایک مخصوص انداز سے گرتا ہے تو ایک اثر پذیر لے پیدا ہوتی ہے جو دلوں میں اتر جاتی ہے۔ اور زبان سے یہ آیت الٰہی جاری ہو جاتی ہے: ''فبای الاء ربکما''، اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

(۵)

یہ سب آیات الٰہی ہیں ، ذرا غور سے دیکھ
اس کی پھر حمد و بیاں کر ، اسی خالق کو پکار

لغت: آیاتِ الٰہی: اللہ کی نشانیاں۔

مفہوم: کائنات کی ہر شے اس اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تم اسی کی تعریف کرو اور اسی کو پکارو۔

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس میں موجود چیزیں اللہ کی نشانیاں ہیں۔ یہ سب اس کے ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ تو اگر غور سے دیکھے گا تو تجھے ہر شے میں اللہ ہی کا جلوہ اور کرشمہ دکھائی دے گا۔ اس لیے تو اسی کا شکر بجالا۔ اسی کی تعریف کر اور اسی کو مصیبت یا مشکل میں پکار۔

یہ کائنات ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ان گنت نشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ ہم جس طرف بھی نظر اٹھائیں ہیں اُس کی قدرت کی نشانیاں نظر آئیں گی۔ ہم آسمان کو دیکھتے ہیں تو وہ بغیر ستونوں کے کھڑا نظر آتا ہے۔ آسمان پر رات کے وقت ان گنت تارے جگمگا رہے ہوتے ہیں۔ دن کے وقت سورج کو گرہن لگنا بھی اُس کی قدرت کی علامت ہے۔ چاند کا ایک ماہ کے اندر مختلف شکلوں میں ڈھل جانا بھی اُس کی نشانی ہے۔ اس لیے شاعر ہمیں غور کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ جب ہم اللہ کی اِن نشانیوں پر غور کرتے ہیں تو رب پر ہمارا یقین اور کامل ہو جاتا ہے۔ بقول امیر مینائی:

نہیں ہے تیرے سوا یہاں کوئی میزباں تو ہے ، مہماں تو ہے

شاعر ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ جب تم اللہ کی نشانیوں کا جائزہ لے لو تو خدا کی کبریائی کا اعلان اپنی زبانوں سے کرو کیوں کہ کائنات میں ہر چیز اُس کی تخلیق کا مظہر ہے۔ اس لیے ہمیں ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے۔ اگر اللہ عطا کرے تو شکر کے انداز میں پکارو۔ اگر اللہ کی ذات آزمائش کی غرض سے کوئی امتحان لے رہی ہو تو ہمیں ہر حال میں اُس کی رضا پر راضی رہنے کا عمل اپنانا ہوگا۔ تبھی جا کر ہم اُس کے بندے ہونے کا فرض ادا کر سکیں گے۔ بقول حیدر علی آتش:

کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

اصل میں شاعر ہمیں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ہمیں زندگی میں ہر منظر کو نہایت دھیان سے دیکھنا ہوگا۔ ہر منظر کے اندر اللہ کی قدرت کی نشانیاں پنہاں ہیں، اس لیے ہمیں خوب غور کر کے دیکھنا ہوگا۔ جب ہم غور کریں گے تو ہمیں مقصدِ تخلیق نظر آئے گا۔ ہماری زبانوں پر فوراً اللہ کی کبریائی بھی جاری ہو جائے گی۔

(۶)

اس کی صنعت کے نمونے ہیں، وہ نکہت ہو کہ رنگ
اس کی قدرت کے کرشمے ہیں، خزاں ہو کہ بہار

لغت: صنعت: کاری گری، ہنر مندی۔ نکہت: خوشبو۔ کرشمے: اظہار، نشانی، علامت

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

مفہوم: پھولوں کی خوشبو اور رنگ اس کی کاری گری کے نمونے ہیں اور موسم اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

تشریح

زیرِ نظر شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ہر طرف اللہ کی نشانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ خواہ وہ پھولوں کے رنگ ہوں یا ان کی خوشبو ، ہر چیز اس کی کاری گری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اسی طرح خزاں ہو یا بہار، ہر موسم اس کی قدرت کی نشانی ہے۔

یہ کائنات ایک قدرت کے کارخانے کی مانند ہے۔ جس میں ہر طرف خالق کائنات کی نشانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کی اس کاری گری میں زمین آسماں، سورج، چاند اور پودے شامل ہیں۔ پودوں پر مختلف رنگوں کے پھول کھلتے ہیں۔ جو اپنی جدا جدا شناخت رکھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف خوشبوؤں سے مالا مال کیا۔ ہم آنکھیں بند کر کے خوشبو کی مدد سے اُن کی پہچان کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے ہر مخلوق کو جدا جدا انداز عطا کیا ہے۔ بقول الطاف حسین حالی:

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری ‏ ‏ ‏ گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

(آفاق: مراد دنیا۔ مہک: خوشبو۔ صبا: صبح کی ہوا)

شاعر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں مختلف موسموں کو پیدا فرمایا۔ خزاں کا اپنا انداز ہے۔ بہار کی اپنی خوب صورتی ہے۔ برسات کا اپنا رنگ ہے۔ گرمی کی اپنی افادیت ہے۔ سردی کی اپنی تعبیر ہے۔ اس لیے تمام موسموں کا خالق اللہ ہے۔ ہر موسم کا اپنا فائدہ ہے۔ اگر یہ موسموں کا تغیر نہ ہو تو زندگی کا مزہ خراب ہو جائے۔ اس لیے اللہ نے انسانی زندگی میں خوب صورتی کے پیشِ نظر موسموں کے اندر یہ خوبصورتی رکھی ہے۔

اصل میں شاعر یہ پیغام دے رہے ہیں کہ یہ کائنات خدائے رحمن کی وہ صفت ہے۔ جس میں ہر طرح کی مخلوق پائی جاتی ہے۔ اس کائنات میں ہر طرح کا رنگ اور موسم پایا جاتا ہے۔ اس میں پھولوں سے بھرپور بہار کا موسم بھی آتا ہے اور پتوں سے محروم خزاں کا زمانہ بھی آتا ہے۔ یہی اس کائنات کی خوب صورتی کا راز ہے۔

مشق

۱۔ آپ "یہ سب آیات الٰہی ہیں، ذرا غور سے دیکھ"۔ حمد کے اشعار کے پس منظر میں اس مصرعے کی وضاحت کریں۔

جواب: یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی لامحدود نشانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہم جس طرف بھی نظر اٹھاتے ہیں اُسی کی قدرت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ خواہ وہ بغیر ستونوں کے کھڑا آسمان ہو یا اس میں رات کے وقت چمکنے والے تارے ہوں۔ سورج چاند کی حرکت بھی اس کی نشانی ہے۔ اور شاعر ہمیں ان تمام چیزوں پر غور کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

۲۔ اس حمد میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے، اُنہیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب: اس نظم میں سب سے پہلے اللہ کی صفت "الخالق" کا ذکر کیا گیا ہے یعنی اس کائنات کو بنانے والا وہی ہے۔ پھر اس کے "صانع" ہونے کا ذکر کر کے اس کی کاری گری کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہی اس کائنات کو سجانے والا ہے اور یہ شہادت ہر ذرے اور پتے سے عیاں ہے۔ پھر اس کے "مصور" ہونے کا ذکر ہے جس نے ہر شے کے نقش و نگار بنائے۔

۳۔ حمد کی تعریف کریں۔ اس حمد کے علاوہ کوئی سے تین حمدیہ اشعار تحریر کریں۔

جواب: اصطلاح میں حمد ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ کی حمد و ثنا، بزرگی کا اقرار اور تسبیح کی گئی ہو۔

دوسرا کون ہے جہاں تو ہے — کون جانے تجھے کہاں تو ہے
لاکھ پردوں میں ہے تو بے پردہ — سو نشانوں میں ، بے نشاں تو ہے
رنگ تیرا چمن میں بو تیری — خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

۴۔ قواعد کے حوالے سے جملے درست کریں۔

غلط جملے	درست جملے
☆ یا کھانا کھاؤ یا چائے پیو۔	کھانا کھاؤ یا چائے پیو۔
☆ اے لوگوں! میری بات سنو۔	اے لوگو! میری بات سنو۔
☆ وہ ہنستا ہوا بولا۔	وہ ہنستے ہوئے بولا۔
☆ جب میں لاہور پہنچ جاؤں گا تو تمھیں خط لکھوں گا۔	جب میں لاہور پہنچوں گا تو تمھیں خط لکھوں گا۔
☆ میں نے در حقیقت میں اُسے تمام صورتِ حال بتادی۔	میں نے حقیقت میں اسے تمام صورتِ حال بتادی۔

۵۔ اس حمد کے قوافی لکھیں۔

حمد میں آنے والے قوافی یہ ہیں:- اقرار، پکار، نگار، ہزار، بہار

۶۔ حمد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

ہماری فکر اور دانش کی معراج یہ ہے کہ ہم خدا کا اقرار کریں۔ یہی ہمارے ضمیر اور فطرت کی پکار بھی ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی گواہی اور درختوں کا پتہ پتہ اُس کی کاری گری کا اقرار کرتا ہے۔ وہی اللہ اس کائنات کا خالق ہے جس نے پھول اور پتوں کو خوب صورتی عطا کی ہے۔ سب اس کائنات کے رب کی تعریف کرتے ہیں۔ آبشاروں سے گرتا پانی اُس کی ثنا کرتا ہے۔ کائنات میں نظر آنے والی ہر چیز اُس کی واضح نشانی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اُس کی تعریف کریں اور اُسی کو پکاریں۔ وہ اس دنیا کو بنانے والا ہے۔ وہ خوشبو اور رنگ کو پیدا کرنے والا ہے۔ اُس کی قدرت کے کرشمے ہر سو ہیں کہیں بہار ہے تو کہیں خزاں ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: ماہر القادری کی اصل وجہ شہرت کیا ہے؟ اور ان کے کلام کی خوبیاں کیا کیا ہیں؟

جواب: یوں تو ماہر القادری نے ہر طرح کی صنفِ سخن میں لکھا ہے لیکن ان کی اصل وجہ شہرت نعت گوئی ہے۔ ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیات میں سادگی اور بے تکلفی ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی زبان پاکیزہ اور شستہ ہے۔ اور عشقِ رسول اس کا بنیادی نقطہ ہے۔

سوال 2: فکر و دانش کی ہے معراج خدا کا اقرار، کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے فکر، دانش، سمجھ اور شعور عطا کیا ہے۔ اسی فکر کی بدولت وہ علم کے زینے طے کرتا ہے اور بلند ترین مقام پر جا پہنچتا ہے۔ اور جب انسانی فکر اور سوچ کو معراج ملتی ہے تو اُس کی زبان سے خدا کی وحدانیت کا اقرار ہوتا ہے۔ وہ پکار اٹھتا ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہی ہمارا خالق ہے۔

سوال3: ذرے ذرے کی شہادت کہ خدا ہے موجود، اس کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: جس طرح ہر چیز اپنے بنانے والے کا پتہ دیتی ہے۔اس کے ہونے کی گواہی دیتی ہے۔اسی طرح اللہ کی بنائی ہوئی کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے بنانے والے، اپنے مصور، اپنے ڈیزائنر، اپنے کاریگر کا پتہ دیتا ہے۔اور گواہی دیتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی معمولی خالق نہیں بلکہ خالقِ حقیقی ہے۔

سوال4: جوہر کو توانائی دی، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس میں اربوں کہکشائیں اور ہر کہکشاں میں اربوں کھربوں ستارے ہیں۔یہ تمام چیزیں ایٹموں سے مل کر بنی ہیں۔اور اس ایٹم کے مرکزے میں چھپی ہوئی لامحدود توانائی کا ایک خزانہ ہے۔جسے جوہری توانائی کہا جاتا ہے۔یہ توانائی کا ایک ایسا خزانہ ہے جس میں سورج اور ستاروں کی طاقت پوشیدہ ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ ماہر القادری کا سنِ پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۰۲ء (ب) ۱۹۰۶ء ✓ (ج) ۱۹۰۷ء (د) ۱۹۰۹ء

2۔ ماہر القادری کا سنِ وفات ہے:

(ا) ۱۹۷۵ء (ب) ۱۹۷۷ء (ج) ۱۹۷۸ء ✓ (د) ۱۹۸۰ء

3۔ ماہر القادری کا اصل نام کیا تھا:

(ا) منظور عمر (ب) منظور الٰہی (ج) منظور حسین ✓ (د) محمد منظور

4۔ ماہر القادری نے کراچی سے کون سا رسالہ جاری کیا:

(ا) ذوق (ب) فاران ✓ (ج) راوی (د) ریڈرز ڈائجسٹ

5۔ ماہر القادری کی وفات سعودی عرب کے کس شہر میں ہوئی:

(ا) جدہ ✓ (ب) ریاض (ج) مکہ (د) مدینہ

6۔ ماہر القادری سعودی عرب کے کس شہر میں دفن ہیں:

(ا) جدہ (ب) ریاض (ج) مکہ ✓ (د) مدینہ

7۔ ماہر القادری کی موت کی وجہ کون سی بیماری تھی:

(ا) ٹی۔بی (ب) حرکتِ قلب کا بند ہونا ✓ (ج) کینسر (د) سخت بخار

8۔ ماہر القادری کی اصل وجہِ شہرت کون سی صنفِ شاعری ہے:

(ا) نظم نگاری (ب) مثنوی (ج) نعت گوئی ✓ (د) مرثیہ خوانی

9۔ ماہرالقادری کے مطابق فکرودانش کی معراج کیا ہے:

(ا) سائنس (ب) ٹیکنالوجی (ج) علم وہنر (د) خدا کا اقرار ✓

10۔ ماہرالقادری کے مطابق پتے پتے کو کس کی صفت کا اقرار ہے:

(ا) انسان کی (ب) قدرت کی (ج) مخلوقات کی (د) اپنے صانع کی ✓

11۔ خلاق ازل نے جوہر کو کیا عطا کیا؟

(ا) روشنی (ب) توانائی ✓ (ج) رفتار (د) بجلی

12۔ آبشاروں کے ترنم اور قلب بلبل ہزار میں کس کی حمد وثنا ہے؟

(ا) دنیا کی (ب) [illegible]ے کی (ج) انسان کی (د) خالق حقیقی کی ✓

13۔ ماہرالقادری کن چیزوں کو غور سے دیکھنے کی تلقین کرتے ہیں؟

(ا) آیات الٰہی ✓ (ب) انسانی تخلیق (ج) ہوا کو (د) روشنی کو

14۔ یہ نظم ہیئت کے لحاظ سے کیا ہے؟

(ا) پابند نظم ✓ (ب) آزاد نظم (ج) معریٰ نظم (د) نثری نظم

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

نعت

محسن کاکوروی

(۱۸۲۶ء - ۱۹۰۵ء)

شاعر کا تعارف:

نام محمد محسن اور محسنؔ ہی ان کا تخلص تھا۔ لکھنؤ کے ایک قصبے کاکوری میں پیدا ہوئے۔ علومِ متداولہ (جو رائج ہو) کے حصول کے بعد انگریزی تعلیم حاصل کی اور عدالتی کاموں میں مشغول (مصروف) ہو گئے۔ بعد ازاں وکالت کا امتحان پاس کیا اور آگرے میں پریکٹس کرتے رہے۔

روایت ہے کہ محسن نو سال کے تھے کہ اُنہوں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، جس پر اظہارِ مسرت کے طور پر اُنہوں نے ایک فارسی نظم لکھی۔ محسن کاکوروی کا زیادہ تر کلام حمدیہ (جس میں اللہ تعریف کی گئی ہو) اور نعتیہ (آپ ﷺ کی تعریف کی گئی ہو) ہے۔ ان کی وجہ شہرت بھی ان کا نعتیہ کلام ہے۔ ان کا کلام "کلیاتِ نعتِ محسن" کے نام سے طبع ہو چکا (شائع ہو چکا ہے) ہے۔

محسن کی شاعری مجموعی طور پر زبان دانی (زبان میں مہارت) کا ایک عمدہ نمونہ (اچھی مثال) ہے جس میں عربی فارسی کے علاوہ ہندی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ اُن کی نعتوں میں صداقت (سچائی) اور خلوص موجود ہے۔ اُن کا اسلوب شگفتہ (آسان اور خوب صورت) اور رواں دواں (جس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو) ہے۔ دبستانِ لکھنؤ (لکھنؤ کے انداز میں) سے تعلق کی وجہ سے اُن کے ہاں شوکتِ الفاظ (الفاظ کی عظمت) پائی جاتی ہے۔ اُن کی زبان کوثر و تسنیم (صاف ستھری) میں ڈھلی ہوئی ہے۔ بندشیں چست (الفاظ کی مناسب ترتیب) اور نادر (منفرد) و حسین تشبیہات اور استعارات نے اُن کے کلام کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ان کے ہاں الفاظ کا چناؤ اور مضمون کی بلندی ہمیشہ ہم آہنگ (ترتیب) نظر آتی ہے اور یہ چیز ان کی قادر الکلامی کی دلیل ہے۔ نعتوں کے علاوہ ان کے مجموعہ کلیات میں صحابہ کرامؓ کے مناقب (تعریف) بھی موجود ہیں اور بعض دیگر اصناف پر بھی اشعار ملتے ہیں جن میں تاریخ گوئی بھی ملتی ہے۔

نظم کا تعارف:

نعت ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ یہ تعریف آپ ﷺ کی ذات و صفات، عظمتِ کردار، اخلاق، مسلسل جد و جہد، اعلیٰ اخلاقی خوبیوں اور سیرت کا احاطہ کرتی ہے۔ محسن کاکوری کی یہ نعت انھیں خوبیوں اور عشقِ رسول ﷺ کا اظہار ہے۔

(یہ تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے، سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

لغت: سرکار: بلند ہستی مراد نبی کریم ﷺ۔ **افضل:** فضیلت رکھنے والا۔ **ایمان مفصل:** مکمل ایمان مراد اسلام کا عقیدہ۔ **مجمل:** خلاصہ

مفہوم: اے نبی ﷺ آپ کا مقام اور مرتبہ سب سے بلند ہے اور میرے ایمان کا یہی خلاصہ ہے۔

تشریح

نعت ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ یہ تعریف آپ ﷺ کی ذات و صفات، عظمت کردار، اخلاق، مسلسل جدو جہد، اعلیٰ اخلاقی خوبیوں اور سیرت کا احاطہ کرتی ہے۔ محسن کاکوری کی یہ نعت انھیں خوبیوں اور عشقِ رسول ﷺ کا اظہار ہے۔

(یہ تعارفی عبارت کسی بھی جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اے نبی کریم ﷺ! آپ کائنات کی سب سے بزرگ ہستی ہیں اور میرے ایمان مفصل کا خلاصہ ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذات اس کائنات کی افضل ترین ذات ہے۔ آپ ﷺ کا مقام سب سے جدا اور منفرد ہے۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ آپ ﷺ کو کائنات میں سب پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ کو محبوب خدا کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا اخلاق سب سے معتبر ہے۔ آپ ﷺ کا انداز سب سے پیارا تھا۔ آپ ﷺ کو تمام مخلوق پر فضلیت حاصل ہے۔ نبی ﷺ کا مقام کیا ہے؟ یہ خدا جانتا ہے اور اللہ کی کبریائی کیا ہے اسے محمد ﷺ جانتے ہیں یہی وہ مقام ہے جسے ایک شاعر نے یوں محسوس کیا اور اوراق کی زینت کر دیا ہے۔

بقول شاعر:

سمجھا نہیں ہنوز ، میرا عشق بے ثبات وہ کائناتِ حسن ہیں یا حسنِ کائنات

(ہنوز: ابھی تک۔ عشق بے ثبات: فانی عشق)

ایک اور فارسی شاعر شیخ سعدی نے اس کو کچھ یوں بیان کیا ہے: "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔" یعنی قصہ مختصر یہ ہے کہ اللہ کے بعد نبی کریم ﷺ ہی بزرگ ترین ہستی ہیں۔

شاعر کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان بڑا مفصل ہے لیکن اگر اس کا خلاصہ یا اختصار پیش کیا جائے تو وہی نبی ﷺ کی محبت میں سمویا جا سکتا ہے۔ مختصر ایوں کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے ایمان کا بنیادی نقطہ نبی ﷺ کی ذات کے گرد گھومتا ہے۔ ہمارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ہم نبی کی ذات پر کامل ایمان نہیں لائے۔

اس شعر میں شاعر یہ پیغام دے رہے ہیں کہ آپ ﷺ کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ نے جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ ہمارا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک آپ ﷺ کا نام ہمارے ایمان کا جزو نہ بن جائے۔ ہماری نماز اُس وقت تک مکمل نہیں پائی جب تک آپ ﷺ کی ذات پر درود نہ پیش کر دیا جائے۔ غرض ہمارے ایمان کی تفصیل بھی آپ ﷺ ہیں اور ہمارے ایمان کا خلاصہ بھی آپ ﷺ کی ذات کے اندر موجود ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ آپ ﷺ کی رفعت اور شان کو یوں بیان کرتے ہیں:

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ سب سے بالا و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ

(۲)

گلِ خوش رنگ ، رسولِ مدنی و عربی
زیبِ دامانِ ابد ، طرہ ء دستارِ ازل

لغت: گلِ خوش رنگ: خوب صورت پھول۔ زیبِ دامانِ ابد: قیامت تک دنیا کی خوبصورتی۔ طرہ دستارِ ازل: ہمیشہ سے دنیا کی رونق

مفہوم: آپ ﷺ ایک خوب صورت پھول کی مانند ہیں۔ جو ابد کے دامن کی خوب صورتی اور ازل کی دستار کی عظمت ہے۔

MEDICATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس دنیا کے خوبصورت پھول کی مانند ہیں۔ آپ قیامت تک دنیا کی خوبصورتی اور ہمیشہ سے اس کی رونق ہیں۔ شاعر نے نبی اکرم ﷺ کو ایسے خوش رنگ پھول کا مانند قرار دیا ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔ جس کے ساتھ کوئی کانٹا نہ ہو۔ آپ ﷺ ایک ایسے خوش شکل پھول ہیں۔ جس کو دیکھ ہر کوئی عاشق ہو جائے۔ آپ ﷺ کے القابات میں مدنی اور عربی دونوں معروف ہیں۔ مدنی کا مطلب مدینہ میں رہنے والا ہے۔ اسی طرح عربی سے مراد عرب کا رہنے والا ہے۔ غرض آپ ﷺ کو پھول سے تشبیہ دیتے ہوئے نامور عاشقِ رسول اور علامہ اقبالؒ کے ہم عصر شاعر مولانا فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

(کمالِ حسنِ حضور: آپ کے حسن کا کمال۔ گمانِ نقص جہاں: دنیا کی کسی نقص کا خیال بھی۔ خار: کانٹا)

شاعر کہتے ہیں کہ ابد کے دامن میں جو خوب صورتی ہے۔ وہ آپ ﷺ کی وجہ سے ہے۔ یعنی قیامت کے روز آپ ﷺ سب کی نگاہوں کے مرکز ہوں گے۔ آپ ﷺ بولیں گے تو دنیا سنے گی۔ آپ ﷺ چلیں گے تو دنیا رک کر دیکھے گی۔ اس لیے شاعر نے یوم آخرت کے لیے رونق اور خوب صورتی آپ ﷺ کو قرار دیا۔ گویا آپ محشر میں دولہا کی مانند ہوں گے۔

پھر شاعر کہتے ہیں کہ روز ازل میں ہر ایک کے واسطے آپ ﷺ کی ذات طرۂ دستار کی مانند تھی۔ یعنی ہر ایک کی عزت اور توقیر آپ ﷺ کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تمام توقیریں اور عزتیں آپ ﷺ کے صدقے تقسیم فرمائی تھیں۔ جس کو عزت اور مقام سرفرازی اور ازل میں دیا گیا اُس کے پیچھے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔

اس شعر میں شاعر ہمیں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذات ایک خوش نما پھول کی مانند تھی۔ آپ ﷺ کو مدنی اور عربی القاب دیے گئے اور آپ ﷺ ازل اور ابد دونوں کی عزت اور سرفرازی ہیں۔ ابد کی ساری خوب صورتی اور روز زینت آپ ﷺ کے سبب سے تھی۔

(۳)

اَوجِ رِفعت کا قمر ، نخلِ دو عالم کا ثمر
بحرِ وحدت کا گُہر ، چشمۂ کثرت کا کنول

لغت: اوجِ رفعت: بلندی، عروج۔ نخلِ دو عالم: دونوں جہانوں کا درخت۔ ثمر: پھل۔ بحرِ وحدت کا گہر: توحید کے سمندر کا موتی۔ چشمہ کثرت کا کنول: دنیا کی رنگا رنگی کا پھول

مفہوم: آپ ﷺ ایک چمکنے والے چاند کی طرح ہیں۔ اور ایک ایسے درخت کی مانند ہیں جس کا پھل دونوں جہاں کے لیے ہے۔ آپ ﷺ توحید کے دریا کا موتی ہیں۔ اور کائنات کے چشمے میں آپ ﷺ کھلے ہوئے کنول کی طرح ہیں۔

تشریح

اس شعر میں شاعر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ وہ چاند ہیں جو بلندی پر چمکتا ہے اور دونوں جہانوں کے لیے نعمت ہے۔ آپ ﷺ توحید کے سمندر کا موتی ہیں اور دنیا کی جھیل میں کھلنے والا کنول ہیں۔ شاعر نبی اکرم ﷺ کی مدحت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ

کو وہ شان اور پہچان عطا کی ہے۔جس کے چرچے کائنات میں فرش یا عرش ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔آپ ﷺ کو شاعر نے رفعت و شان کا چاند قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کی رفعت کے تذکرے اس قدر بلند و بالا اور بام عروج پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات خود قرآن مجید میں یوں اعلان فرماتی ہے۔

"بے شک ہم نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔"

شاعر آپ ﷺ کو نخلِ دو عالم سے تشبیہ دے رہے ہیں یعنی آپ ﷺ دو جہانوں میں پائے جانے والے اُس شجر کی مانند ہیں۔جو نہایت ثمر بار ہے۔جس کا پھل ساری دنیا کھا رہی ہے اور کھاتی رہے گی۔جس کی شاخیں پھوٹ رہی ہیں اور پھوٹتی رہیں گی۔لوگ قیامت تک اس شجر سے ہر طرح سے فیض اٹھاتے رہیں گے۔

"ہم نے آپ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

شاعر نے آپ ﷺ کو بحرِ توحید سے نکلنے والا موتی قرار دیا ہے۔جس طرح دنیا کے سمندر سے نکلنے والا گوہر نہایت قیمتی اور نایاب ہوتا ہے۔اسی طرح بحرِ توحید سے نکلنے والا یہ موتی دنیا بھر میں سب سے یکتا اور منفرد و مثالی ہے۔نہ آپ جیسا کوئی آیا اور نہ آئے گا۔بقول حفیظ تائب:

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں　　　دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ

(جریدہ: رسالہ مراد دنیا)

شاعر نے آپ ﷺ کو چشمۂ کوثر پر تیرتے ہوئے کنول سے تشبیہ دی ہے۔اصل میں شاعر کا اشارہ قیامت کے دن نہرِ کوثر کی طرف ہے۔جہاں آپ ﷺ کھڑے ہوں گے اور اپنے پیاسے امتیوں کو سیراب کر رہے ہوں گے۔جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورۃ کوثر میں یوں یوں اشارہ فرمایا ہے:

"بے شک ہم نے آپ ﷺ کو خیر کثیر عطا فرمائی" (الکوثر۔1)

اس شعر میں شاعر ہمارے لیے ایک پیغام چھوڑ رہے ہیں کہ آپ ﷺ کا ذکر ہی اس کائنات کی زندگی ہے۔آپ ﷺ کو اس قدر شان اور رفعت عطا کی ہے کہ اس کا اوج معلوم کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔آپ ﷺ کی ذات دو عالم کے لیے ایک ایسے شجر کی مانند ہے جو ہر لحاظ سے انسانوں کے لیے فائدہ بخش ہے۔یہ درخت ہمیشہ ثمر سے بھرپور رہتا ہے۔توحیدِ الٰہی کے سمندر سے جو موتی بھی تلاش کیا جائے تو اُس کی زبان پر محمد عربی ﷺ کا ذکر پاؤ گے۔اسی طرح چشمہ آبِ کوثر پر کوئی امتی پیاسا نہ رہ پائے گا۔

(۴)

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیرے خالی
نہ مرا شعر ، نہ قطعہ ، نہ قصیدہ ، نہ غزل

لغت: تمنا: خواہش۔**شعر:** دو مصرعوں سے مل کر بنا ٹکڑا جس میں ایک خیال ہوتا ہے۔**قطعہ:** ایک ٹکڑا جو کم از کم چار مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔**قصیدہ:** شاعری کی ایک صنف جس میں کسی کی تعریف کی جاتی ہے۔**غزل:** صنفِ سخن جس کا ہر شعر الگ اکائی ہوتا ہے۔

مفہوم: میری یہ خواہش ہے کہ میری شاعری تیری نعت سے خالی نہ رہے۔

تشریح

شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ میری یہ خواہش ہے کہ میری نعت کا کوئی شعر، قطعہ، قصیدہ اور غزل، آپ ﷺ کے ذکر سے خالی نہ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ہو۔ شاعر ایک منفرد خواہش اور آرزو پیش کر رہے ہیں کہ میرے دل میں ایک تمنا پائی جاتی ہے۔ ایک آرزو انگڑائیاں لے رہی ہے۔ ایک خواہش پل رہی ہے کہ میں صنفِ شاعری میں کسی بھی صنف میں اظہار خیال کروں تو اُس میں آپ ﷺ کا تذکرہ جزوِ لازم بن جائے۔ میں جب بھی مشق سخن کروں آپ ﷺ کا نام میرے نوکِ قلم پر آجائے۔ اسی دعا کو اقبالؔ نے کچھ یوں مانگا تھا:

شعور نعت بھی ہو اور زباں بھی ہو ادیب　　وہ آدمی نہیں جو ان کا حق ادا نہ کرے

پھر شاعر بڑی خوبصورتی اور عقیدت سے اپنی تمنا کو پیش کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر میرے قلم سے تنہا شعر معرضِ مثال میں آئے۔ تو اس میں بھی میرے نبی ﷺ کا تذکرہ ہو اگر میں کوئی قطعہ تحریر کروں تو وہ مدحتِ رسول کے گرد طواف کر رہا ہو۔ اگر میں کوئی قصیدہ لکھوں تو وہ شاہوں کے شاہ امام الانبیا کی ثنا پر مبنی ہو۔ میرے قلم سے کوئی غزل نکلے تو وہ بھی پیارے نبی کے رُخ ورخسار کے تذکروں سے لبریز ہو۔ عصر حاضر کے نامور شاعر ناصرؔ بشیر ایسی ہی خواہش کا اظہار اپنی ایک نعت میں یوں کرتے ہیں:

غزل کو مالِ ہنر کی زکوٰۃ کہتا ہوں　　دراصل نعت ہی سرمایہ ہے مرا ناصرؔ

مندرجہ بالا تشریح طلب شعر میں شاعر نے روایت سے ہٹ کر خواہش کا اظہار کیا ہے۔ شاعر کی تمنا ہے کہ وہ جو کچھ بھی لکھے۔ وہ ذکر محبوب خدا سے خالی نہ ہو۔ اُس کا قلم جب بھی حرکت میں آئے تو ثنائے مصطفی کے علاوہ کچھ اور بیان نہ کرے۔ وہ میدان سخن کی کسی بھی صنف میں طبع آزمائی کرے۔ ہمیشہ بنیادی نقطہ ثنائے رسول ٹھہرے۔ وہ غزل لکھے یا پھر قصیدہ لکھے۔ ہمیشہ اُس کے قلم سے محبوب خدا کے اوصاف ہی قلم بند ہوں۔

(۵)

ہو مرا ریشۂ امید وہ نخلِ سر سبز
جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر اک پھول میں پھل

لغت: ریشہ امید: امید کا دھاگہ۔ نخل: درخت۔

مفہوم: میری یہ خواہش ہے کہ میری امید کی ڈوری آپ ﷺ سے بندھی رہے۔ اور اس کی ہر شاخ سر سبز ہو اور اس پر پھول کھلے رہیں۔

تشریح

شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ اللہ کرے کہ میری امید کا ہر دھاگہ وہ سر سبز درخت ہو، جس کی ہر شاخ پر پھل پھول لگیں۔ شاعر اس شعر میں اپنی تمنا اور آرزو پیش کر رہے ہیں۔ وہ استغاثیہ انداز میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! دعا کیجیے کہ میرے دل میں جو بھی امید پیدا ہو رہی ہے اس کے ایک ایک ریشہ ایسے درخت کی مانند ہو جائے، جو نہایت سر سبز اور شاداب ہو۔ وہ اس قدر گھنا اور پتوں سے بھر پور ہو کر اُس کے سائے میں بیٹھے ہوؤں کو راحت میسر ہو۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری　　زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

شاعر کہتے ہیں کہ میری امید جو شجر سر سبز کی مانند ایک تناور درخت کا روپ دھار چکی ہے۔ اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ میرے شجر امید کی ہر شاخ کو پھولوں سے بھر دے۔ ہر پھول کو پھل میں بدل دے اور یہ سب آپ ﷺ کی رحمت کے طفیل ہوگا ان کی نظر کرم کا فیض ہوگا۔ ان کی نظر رحمت سے ریگستان گلزاروں میں بدل جاتے ہیں۔ اسی لیے میری آرزو بھی یہی کہ ایک نظرِ کرم اِدھر بھی ہو جائے۔ بقول

دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے　　جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمھیں تو ہو

UPLOADED BY FUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

شاعر اس شعر کے ذریعے ہمیں ایک پیغام دے رہے ہیں کہ شاعر کے دل میں جو امید پیدا ہوئی ہے۔ وہ شجر سرسبز کی صورت میں ڈھل ہو چکی ہے۔ اس لیے اس درخت کا ہر پتہ نہایت شاداب ہے۔ یہ پھولوں سے بھرا ہوا ہے۔ پھول عن قریب پھلوں میں بدل جائیں گے۔ لیکن اس سب کے لیے شاعر اللہ سے دعا کر رہے ہیں۔ اور ایسا صرف اُس صورت میں ممکن ہے جب آپ ﷺ نظر کرم کریں گے۔ پھر یہ درخت ہمیشہ کے لیے سرسبز و شاداب اور آباد رہے گا۔ یہ سدابہار بن جائے گا۔ ہمیشہ پھلوں سے جھکا رہے گا۔ اپنے چاہنے والوں کو سایہ اور پھل دیتا رہے گا۔

شاعر کا مقصود بھی یہ ہے کہ جب تک نبی اکرم ﷺ کی نظرِ رحمت نہیں ہوتی۔ ہمیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس لیے وہ تمنا کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی نظرِ رحمت سے شجرِ امید کو سرسبز اور پھلوں سے بھرپور کر دے۔

(۶)

رخِ انور کا ترے دھیان رہے بعد فنا
میرے ہمراہ چلے راہِ عدم میں مشعل

لغت: رخِ انور: مراد نبی کریم ﷺ کا دھیان یا خیال۔ بعدِ فنا: مرنے کے بعد۔ راہِ عدم: مرنے کے بعد کی زندگی کا راستہ۔ مشعل: روشنی دینے والی چیز

مفہوم: میری یہ خواہش ہے کہ مرنے کے بعد بھی آپ ﷺ کا خیال رہے۔ اور عدم کے راستے پر آپ ﷺ کا خیال روشنی بن کر میری رہنمائی کرے۔

MDCATBY/FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ میری دعا ہے کہ مرنے کے بعد بھی میرے دھیان میں نبی کریم ﷺ کا خیال رہے جو میرے لیے عدم کے تاریک راستے میں روشنی بن جائے۔ زندگی کی انتہا کو موت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہر جاندار آخر کار موت کی وادی میں اتر جاتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ مجھے جب موت آئے۔ تو قبر میں پیارے نبی کا مسکراتا ہوا چہرہ میری نگاہوں کا مرکز ہو۔ ہمارے ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مرنے کے بعد پیارے نبی ہر مرنے والے کی قبر میں تشریف لاتے ہیں۔ قبر میں سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی شبیہ دکھا کر ہر مرنے والے سے سوال کیا جاتا ہے۔

"اے انسان! دنیا میں رہتے ہوئے اس انسان (حضرت محمدؐ) کے بارے میں تیری رائے کیا تھی"۔

پھر شاعر کہتے ہیں کہ آخرت کے سفر میں آپ ﷺ کا ساتھ میرے لیے مشعل کی مانند ہوگا۔ یعنی مجھے قبر کے اندھیرے میں روشنی میسر آ جائے گی۔ مجھے سہارا مل جائے گا۔ آپ ﷺ کا رُخِ انور میرے دھیان میں رہے گا۔ اور میں اُس روشن چہرے کی رفاقت میں اپنا سفر جاری رکھ پاؤں گا۔ اس لیے مجھے قبر میں کسی قسم کا خوف اور ڈر نہیں ہوگا۔ بقول شاعر:

دل محزوں میں یادِ مصطفیٰ ہے — اندھیرے میں چراغ اک جل رہا ہے

(محزوں: غم زدہ)

شاعر اس شعر میں تمام مسلمانوں کا مشترکہ عقیدہ بیان کر رہے ہیں کہ اس دنیا میں زندگی گزارنے کے بعد کوئی انسان موت کی وادی میں جا سوتا ہے تو قبر میں نبی ﷺ اپنے چہرہ انور کے ساتھ تشریف لاتے ہیں قبر میں دو فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ انسان کو اٹھایا جاتا ہے۔ اُس سے سوالات

پوچھے جاتے ہیں۔ جن میں ایک سوال پیارے نبی کی شناخت کے بارے میں ہوتا ہے۔ مختلف روایات کے مطابق وہاں ہر امتی کو نبی ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کروائی جاتی ہے اور سوال کیا جاتا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اس ہستی کے بارے میں تو کس قسم کے خیال رکھتا تھا۔ الغرض شاعر یہ دعا کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد تاریک راستے پر نبی کریم ﷺ کا تصور اور چہرہ ایک ایسی مشعل کی مانند ہو جو ہر سمت اجالا کر دے۔

(۷)

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

لغت: صف محشر: قیامت کے دن میدانِ حساب میں۔ **مداح:** تعریف کرنے والا۔ **مستانہ قصیدہ:** وہ قصیدہ جس میں سرمستی اور محبت کا بیان ہو۔

مفہوم: میری یہ خواہش ہے کہ قیامت کے دن میرے ہاتھ میں یہی نعت ہو اور آپ ﷺ کے سامنے پڑھوں۔

تشریح

شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ میری دعا ہے کہ قیامت کے دن میدانِ حساب میں میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوں اور یہی نعت میرے ہاتھ میں ہو۔ شاعر دراصل ایک خاص تمنا پیش کر رہے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! محشر کے میدان میں جب افراتفری کا عالم ہوگا۔ باپ بیٹے کو پہچاننے سے انکاری ہوگا۔ ماں بیٹی کے بارے میں انکاری ہوگی۔ بھائی بہن کو پہچاننے سے مکر جائے گا۔ غلام آقا سے ناآشنائی ظاہر کرے گا۔ ایسے عالم میں آپ ﷺ کی تعریف کرنے والا محسن کاکوروی آپ ﷺ کے ساتھ ہو۔ آپ ﷺ کے لوائے رحمت لے محشر کی سختیوں سے بچ رہا ہو۔

بقول ادیب رائے پوری:

کبھی خدا نے شفاعت کی بات محشر میں
میرا حبیب کرے، کوئی دوسرا نہ کرے

شاعر کہتے ہیں کہ میدان محشر میں جب آپ کا ساتھ نصیب ہو تو میرے ہاتھ میں عشق و محبت سے لکھا ہوا قصیدہ تھاما ہوا ہو۔ میری کوئی نعتیہ غزل میرے ہاتھ میں ہو۔ جو اس بات کا ثبوت ہو کہ میں نے زندگی بھر جو لکھا ہے تو مدحتِ مصطفی کے لیے لکھا ہے۔ میرے قلم کو جب بھی حرکت نصیب ہوئی، اُس نے صرف نام احمد لکھا ہے۔ میں سخن وری کے میدان میں غیر معروف تھا لیکن جب بھی میرا کوئی کلام سامنے آیا۔ اُس میں پیارے نبی کا تذکرہ ضرور تھا۔ بقول ادیب رائے پوری:

خدا کا ذکر کرے، ذکرِ مصطفی نہ کرے
ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

شاعر اس شعر میں ہمیں ایک مثالی پیغام دے رہے ہیں کہ شاعر نے ساری عمر مدحت مصطفی میں گزار دی۔ زبان پر ہمیشہ درودوں کے نغمے جاری رہے۔ قلم ہمیشہ صفات مصطفی کے موتی نچھاور کرتا رہا۔ شاعر نے تمام عمر خود بھی صفات احمد بیان کیں اور لوگوں کو انہی کے ذکر پر ابھارا۔ کیوں جو آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ خدا اُن کا ذکر کرتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ زندگی میں نبی ﷺ کا تذکرہ جتنا بھی ہو سکے کریں۔ سانس جب تک سلامت رہے ہمیں آپ ﷺ کے ذکر سے اُن سانسوں کو ہمیشہ معطر رکھنا ہوگا یہی معطر سانسیں قبر میں ہمارے لیے نور بن کر ظاہر ہوں گی۔ نبی اکرم ﷺ کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ گویا آپ ﷺ کا ذکر زندگی کے لیے جز ولازم ہے۔

MDCATBY(FUTUREDOCTORS)(TOUSEEFAHMAD)

مشق

۱۔ **حمد، نعت اور منقبت میں فرق واضح کریں۔**

جواب: یہ تینوں شعری اصطلاحات ہیں جن کا بنیادی موضوع تعریف کرنا ہے۔ لیکن حمد ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، حمد وثنا، عظمت کا بیان اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ جبکہ نعت ایسی صنف ہے جس میں ہم نبی کریم ﷺ کی صفات، تعریف و توصیف، ان کی سیرت کا تذکرہ اور اخلاق حمیدہ بیان کرتے ہیں۔ جب کہ منقبت ایسے اشعار کو کہا جاتا ہے جن میں اہلِ بیت، اولیا اللہ، بزرگانِ دین کی تعریف کی جاتی ہے۔

۲۔ **شاعر نے رسول کریم ﷺ کے کیا کیا اوصاف بیان کیے ہیں؟ ان کی وضاحت کریں۔**

جواب: شاعر نے آپ ﷺ کے درج ذیل اوصاف بیان کیے ہیں: آپ ﷺ سب سے افضل ہیں۔ آپ ﷺ دونوں جہان کے لیے رحمت ہیں۔ آپ ﷺ توحید کے سمندر کے موتی ہیں اور دنیا کے باغ کی خوبصورتی ہیں۔

۳۔ **آخری تین اشعار میں کیا دعا کی گئی ہے؟**

جواب: اول شاعر یہ دعا کرتا ہے کہ اس کا امید کا شجر پھل دار ہو، دوم مرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ چہرہ انور سامنے ہو۔ سوم قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں آپ ﷺ کی نعت ہو اور اسے ان کی صحبت میسر ہو۔

۴۔ **اس نعت میں کون کون سی تشبیہات استعمال ہوئی ہیں؟**

جواب: اس نعت میں درجِ ذیل تشبیہات استعمال ہوئی ہیں:۔ گلِ خوش رنگ، زیبِ دامانِ ابد، طرہ دستارِ ازل، نخل دو عالم کا ثمر، بحر وحدت کا گہر، چشمہ کثرت کا کنول، نخلِ سرسبز۔

۵۔ **اس نعت میں جن اصنافِ سخن کا ذکر ہوا ہے، ان کی تعریف کریں۔**

جواب: اس نظم میں تین اصناف کا ذکر ہوا ہے۔

قطعہ: قطعہ کے لفظی یا لغوی معنی "ٹکڑا" یا "حصہ" کے ہیں۔ یہ نظم میں موضوع کے اعتبار سے کوئی الگ صنفِ سخن نہیں البتہ ہیئت کے اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہے۔ یہ دو یا دو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہوتا ہے اور غزل کی طرح اس میں بھی ردیف قافیے کی پابندی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ گویا یہ غزل اور قصیدے سے مشابہ ہے۔

قصیدہ: کسی زندہ شخص کی مدح کی جائے یا اوصاف بیان کیے جائیں تو یہ قصیدہ ہوگا۔ یہ ایک طویل نظم ہوتی ہے۔ اس میں فصاحت و بلاغت اور شکوہِ الفاظ ضروری ہوتا ہے۔

غزل: ہیئت کے لحاظ سے وہ منظور کلام جس میں مطلع کے دونوں مصرع اور دیگر اشعار کا دوسرا مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں اور غزل کا ہر شعر الگ اکائی ہوتا ہے۔ یہ اردو شاعری کی مقبول ترین صنف ہے۔

۶۔ **کلام میں ایک چیز کی مناسبت سے مختلف چیزوں کا ذکر کرنا جن میں کوئی تضاد نہ ہو مراعاۃ النظیر کہلاتا ہے۔ مثلاً؎**

ہو میرا ریشۂ اُمید وہ نخلِ سر سبز — جس کی ہر شاخ میں ہو پھول، ہر اک پھول میں پھل

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اس شعر کے پہلے مصرعے میں نخل سر سبز کی مناسبت سے شاخ، پھول اور پھل کا ذکر کیا گیا ہے۔ کم سے کم تین اشعار لکھیں جن میں صنعتِ مراعاۃ النظیر پائی جائے۔

پتا پتا ، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے — جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے
بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہوکر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہوکر
موسمِ ابر ہو ، سبو بھی ہو — گل ہو ، گلشن ہو ، اور تو بھی ہو

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: محسن کاکوروی کے اندازِ بیان پر روشنی ڈالیں۔

جواب: محسن کاکوروی کا اندازِ بیان زباں دانی کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان کی شاعری میں عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کا خوب صورت تال میل نظر آتا ہے۔ ان کا اُسلوب بڑا ہی شگفتہ اور رواں دواں ہے۔ دبستانِ لکھنؤ سے تعلق ہونے کی وجہ سے ان کے ہاں شوکتِ الفاظ پائی جاتی ہے۔

سوال: محسن کاکوروی کا اُسلوب کیسا ہے؟

جواب: ان کے کلام میں نادر اور خوب صورت تشبیہات اور استعارات کا استعمال نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں خیال اور زبان ہمیشہ یک جان نظر آتے ہیں۔ یہی چیز ان کے قادر الکلام شاعر اور اُستاد ہونے کی دلیل ہے۔

سوال: سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے، سب سے افضل، اس مصرع میں شاعر نے ہمارے کس عقیدے کا ذکر کیا ہے؟

جواب: بہ طور مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات کے بعد اس کائنات میں سب سے اعلیٰ اور برتر ہستی نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ وہ خیر البشر ہیں۔ وہ نبیوں کے سردار ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات ہی سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ بقول شیخ سعدی: بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر۔

سوال: شاعر کے نزدیک اس کے ایمانِ مفصل کا مجمل کیا ہے؟

جواب: شاعر کہتا ہے کہ یوں تو ایمانِ مفصل بیان کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس کا خلاصہ بیان کیا جائے تو یہی ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات کے بعد سب سے اعلیٰ اور برتر ہستی نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ وہ خیر البشر اور خیر الانبیا ہیں۔ بقول شیخ سعدی: بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر۔

سوال: شاعر نے آپ ﷺ کے رخِ انور کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے؟

جواب: شاعر نے آپ ﷺ کے رخِ انور کو مشعل سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ مرنے کے بعد آپ ﷺ کے رخِ انور کا دھیان اس کے ساتھ رہے اور یوں فنا کے راستوں پر ایک مشعل اس کے ساتھ ساتھ رہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ محسن کاکوروی کا سنِ پیدائش ہے:
(ا) ۱۸۲۵ء (ب) ۱۸۲۶ء ✓ (ج) ۱۸۲۷ء (د) ۱۸۲۸ء

2۔ محسن کاکوروی کا سنِ وفات ہے:
(ا) ۱۹۰۵ء ✓ (ب) ۱۹۰۶ء (ج) ۱۹۰۷ء (د) ۱۹۰۸ء

3۔ محسن کاکوروی کا اصل نام ہے:
(ا) محمد محسن ✓ (ب) محسن احسان (ج) محسن حسن (د) محسن خان

4۔ محسن کاکوروی کا کلام کس نام سے شائع ہو چکا ہے؟
(ا) دیوانِ محسن (ب) کلیاتِ محسن (ج) نعتِ محسن (د) کلیاتِ نعتِ محسن ✓

5۔ محسن کاکوروی کا سرمایۂ افتخار گیا ہے:
(ا) غزل گوئی (ب) حمد گوئی (ج) نعت گوئی ✓ (د) نظم گوئی

6۔ کاکوری کس شہر کے نواح میں واقع ہے:
(ا) دہلی (ب) لکھنؤ ✓ (ج) ممبئی (د) الہ آباد

7۔ ایمانِ مفصل کا ایمانِ مجمل شاعر کے نزدیک کیا ہے:
(ا) حضور کا اعلیٰ ہونا (ب) افضل ہونا
(ج) حضورؐ کی نبوت (د) حضورؐ کا اعلیٰ و افضل ہونا ✓

8۔ شاعر نے حضور کو بحرِ وحدت کا ________ کہا ہے:
(ا) کنول (ب) گہر ✓ (ج) موتی (د) پھول

9۔ موت کے بعد شاعر اپنا دھیان کس طرف رکھنا چاہتا ہے:
(ا) آخرت کے سفر پر (ب) رُخِ انور رسولؐ ✓ (ج) توبہ پر (د) حشر پر

10۔ شاعر میدانِ حشر میں کیا چیز ہاتھ میں ہونے کا خواہش مند ہے:
(ا) نامۂ اعمال (ب) نعتیہ قصیدہ وغزل ✓ (ج) قصیدہ (د) غزل

11۔ یہ نظم ہیئت کے لحاظ سے کیا ہے؟
(ا) پابند نظم ✓ (ب) آزاد نظم (ج) معرّا نظم (د) نثری نظم

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

شہرِ آشوب

نظیر اکبر آبادی

(۱۷۴۰ء - ۱۸۳۰ء)

شاعر کا تعارف:

سیّد ولی محمد نظیر اکبر آبادی آگرے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سیّد محمد فاروق تھا۔ آگرے کے ایک مکتب میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ نظیر نے بڑے پُر آشوب (انتشار والا دور) زمانے میں ہوش سنبھالا۔ آگرے کے بُرے حالات نے اُنہیں ہجرت پر مجبور کیا اور وہ اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ دِلّی منتقل ہو گئے۔ دِلّی میں نظیر کا لڑکپن اور جوانی بڑی ہنسی خوشی اور رنگ رلیوں میں گزری۔ اُنہوں نے ہر قسم کی تقریبات اور تفریحات میں حصہ لیا۔ طبیعت موزوں (مناسب) تھی، اس لیے شاعری شروع کی۔

نظیر قناعت پسند (مطمئن رہنے والا)، صوفی منش (صوفیانہ یا درویشانہ طبیعت) اور بے پروا طبیعت کے مالک تھے۔ ساری عمر معلمی (تعلیم دینا) کا پیشہ اختیار کیے رکھا۔ کسی نواب یا بادشاہ کے دربار سے وابستہ نہ ہوئے۔ اودھ (لکھنؤ) اور بھرت پور (انڈیا کا ایک شہر) کے حکمرانوں نے دعوت نامے بھیجے مگر نظیر نے قبول نہ کیے۔ اُن کی شاعری محض تخیل کی شاعری نہیں بلکہ اُنہوں نے جو کچھ دیکھا وہی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اُنہوں نے ایک طرف اپنی شاعری میں دِلّی کے میلوں ٹھیلوں، تفریحات، کھیل تماشوں اور مذہبی تقاریب کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تو دوسری طرف اخلاقی مضامین اور تصوف پر بھی قلم اُٹھایا۔

اُن کی شاعری میں عوامی مسائل اور عوامی خیالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ ایسی نظموں میں فکر آٹے دال کا، روپے کا فلاسفی، روٹی نامہ، آدمی نامہ اور مفلسی وغیرہ شامل ہیں۔

نظیر اکبر آبادی نظم میں ایک نئے طرز اور نئے انداز کے مؤجد تھے۔ وہ پُرگو شاعر تھے۔ اُن کی نظموں میں موسیقیت، روانی، جزیات نگاری اور منظر نگاری عروج پر ہے۔ مشکل اور ادق قافیے باندھنے میں اُنہیں کمال حاصل تھا۔ اُن کے کلام میں مذہبی رنگ موجود ہے۔ انبیائے کرام اور بزرگانِ دینؒ سے عقیدت اُن کی شاعری میں موجود ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے طویل عمر پائی۔ آخری عمر میں وہ فالج میں مبتلا ہو گئے اور اسی مرض میں وفات پائی۔

نظم کا تعارف:

یہ نظم "مخمس" کی ہیئت میں ہے یعنی ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے یہ ایک شہر آشوب ہے۔ یعنی ایسی نظم جس میں کسی شہر کی تباہی، معاشی بدحالی، انتشار، عوام کی بربادی اور بدامنی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس نظم میں نظیر اکبر آبادی اپنے دور کے آگرے کی بدحالی کا ذکر کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ دور افراتفری اور بدامنی کا تھا، اس لیے آئے روز حملے، قتل و غارت گری، بغاوتیں اور یورشیں عام تھیں۔ ایسے میں نظیر اس کی بربادی کا نقشہ اپنے الفاظ میں کھینچ رہے ہیں۔ کچھ ایسی ہی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے کلیم عثمانی نے کہا تھا:

خشک پتوں کی طرح لوگ اُڑے جاتے ہیں
شہر بھی اب تو نظر آتا ہے جنگل کی طرح

(تعارفی عبارت جو ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

رہتی ہے طبعِ سوچ میں لیل و نہار بند ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند
ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

لغت: سخن: بات مراد شاعری۔ طبعِ سوچ: مراد تصورات، خیالات۔ لیل و نہار: رات دن۔ دریائے سخن: مراد شعر و شاعری۔ موجدار: موج رکھنے والا۔ خلق: لوگ، عوام

مفہوم: میری طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل نہیں اور یہ کیوں نہ ہو کہ جب آگرے کے لوگوں کا روزگار ختم ہو چکا ہے۔

تشریح

یہ نظم ''مخمس'' کی ہیئت میں ہے یعنی ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے یہ ایک شہرِ آشوب ہے۔ یعنی ایسی نظم جس میں کسی شہر کی تباہی، معاشی بدحالی، انتشار، عوام کی بربادی اور بدامنی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس نظم میں نظیرا کبرآبادی اپنے دور کے آگرے کی بدحالی کا ذکر کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ دور افراتفری اور بدامنی کا تھا، اس لیے آئے روز حملے، قتل و غارت گری، بغاوتیں اور یورشیں عام تھیں۔ ایسے میں نظیر اس کی بربادی کا نقشہ اپنے الفاظ میں کھینچ رہے ہیں۔ کچھ ایسی ہی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے کلیمؔ عثمانی نے کہا تھا:

خشک پتوں کی طرح لوگ اُڑے جاتے ہیں شہر بھی اب تو نظر آتا ہے جنگل کی طرح

(تعارفی عبارت جو ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں نظیر اس بات پر دکھ کا اظہار کر رہے ہیں کہ آج کل ان کی طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل نہیں۔ انھیں یوں لگتا ہے کہ شاعری کا دریا کہیں سوکھ چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آگرہ لٹ چکا ہے، برباد ہو چکا ہے۔ وہاں کے لوگ بدحال ہو چکے ہیں۔ ان کے معاش اور کاروبار ختم ہو چکے ہیں۔ ایسی افراتفری ہے کہ ہر چیز بکھرتی جا رہی ہے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ ایسے حالات میں ان کی طبیعت شہر کے لوگوں کی بدحالی دیکھ دیکھ کر شعر کہنے کی طرف مائل نہیں۔ ایک سحر ہے جو ان پر طاری ہے۔ ایسے ہی کسی تباہ حال شہر کو دیکھ کر منیرؔ نیازی نے کہا تھا:

منیرؔ اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

قصہ مختصر اس بند میں شاعر آگرے کے حالات کا تذکرہ بڑے کرب کے ساتھ کر رہا ہے۔ اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اب اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس بدحالی میں، وہ شعر کہہ سکے۔

(۲)

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی کوٹھے کی چھت نہیں ہے، یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

لغت: روزگار: روزی کمانے کا ذریعہ۔ در: دروازہ

مفہوم: بے روزگاری نے ہر گھر میں مفلسی کو اس طرح داخل کر دیا ہے کہ جیسے بند ٹوٹنے کے بعد ہر گھر میں پانی داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

نظیر آگرے کی بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پورے آگرے میں بے روزگاری عام ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بے روزگاری کی وبا پھیل جاتی ہے تو پھر مفلسی گھروں میں ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ انسان اپنی بنیادی ضروریات کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ یہ محتاجی انسان کو مایوسی اور کفر تک لے جاتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے محتاجی سے پناہ مانگی ہے۔ یہ محتاجی ہی ہے جو انسان کو ذلت اور پستی میں گرا دیتی ہے۔ اور اسے اس کام پر بھی مجبور کر دیتی ہے جو عام حالات میں وہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ نظیر نے اپنی ایک اور نظم مفلسی میں اسی کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام رات بٹھاتی ہے مفلسی
بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ در و دیوار میں مفلسی سما جاتی ہے۔ یہی مفلسی لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کرتی ہے اور لوگوں کے قول و عمل کا حصہ بن جاتی ہے۔ جب لوگوں کی سوچ پست ہو جاتی ہے تو کردار میں بلندی کا تقاضا عبث ہوتا ہے۔ پھر قومی کردار بھی تباہی کے دہانے پر آن کھڑا ہوتا ہے۔ قومیں غلامی اور پستی کی عادی ہو جاتی ہیں۔ جس کے گہرے اثرات آنے والی نسلوں پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس مفلسی کا پھیلنا بالکل ایسا ہوتا ہے جیسے پانی کا بند ٹوٹ جاتا ہے اور پانی شہر، گاؤں یا قریے پر یلغار کر دیتا ہے۔ پھر اسے روکنا ممکن نہیں رہتا۔ پھر وہ سیلاب تباہی اور بربادی کا پیام بن جاتا ہے۔ اور اپنے پیچھے لٹے پھٹے گھر اور تباہ حال لوگ چھوڑ جاتا ہے۔ نظیر بھی مفلسی کے سیلاب کو پانی کے سیلاب سے تشبیہ دیتے ہوئے اسے بربادی کا پیام کہتے ہیں۔ الغرض اس بند میں نظیر آگرے کے لوگوں کی بے روزگاری کا تذکرہ کرتے ہوئے، اس کی معاشی بدحالی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔

(۳)

صراف بنیے، جوہری اور سیٹھ ساہوکار
دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار
بیٹھے ہیں یوں دکانوں میں اپنے دکان دار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

لغت: صراف: سونے کا کام کرنے والے۔ جوہری: موتیوں کا کاروبار کرنے والے۔ سیٹھ: بڑے دکاندار۔ ساہوکار: سود پر روپیہ پیسہ ادھار دینے والے۔ خاک اڑانا: تباہ و برباد ہونا۔

مفہوم: ہر طرح کے کاروباری لوگ جو پہلے خوش حال تھے، اب غریب ہو چکے ہیں اور ادھار کھاتے ہیں۔ بازار میں سب دکان دار چور قیدیوں کی طرح بیٹھے رہتے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

اس بند میں وہ آگرے کی معاشی حالت کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہر طرف مفلسی چھائی ہوئی ہے۔ بازاروں میں خاک اُڑتی پھر رہی ہے۔ یعنی دکان دار تو موجود ہیں لیکن گاہک ندارد ہیں۔ ایسے میں وہ شہر کی گزری ہوئی خوش حالی کی تصویر بھی دکھاتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب شہر کے اچھے دن تھے تو کاروباری لوگ خوش حال تھے۔ وہ نقد پر مال لیا کرتے تھے۔ یعنی کاروباری حالات بہت اچھے تھے۔ لیکن آج کل یہ حالات ہیں کہ ادھار کھا کھا کے گزارا ہو رہا ہے۔ ہر خوش حال اب تنگدستی کی زندگی گزار رہا ہے۔ میر تقی میرؔ نے مغلوں کے زوال کے بعد دلی کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں کھینچا تھا:

دلی میں آج بھیک ملتی نہیں انھیں　　　تھا کل تلک دماغ جنھیں تخت و تاج کا

پھر وہ ایک تشبیہ کے ذریعے معاشی بدحالی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر آشوب دور میں دکان داریوں فارغ بیٹھے رہتے ہیں جیسے قیدی اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوں۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جیسے قیدی دن اور رات گن گن کے گزار رہے ہوں۔ گویا آج ان کی حالت کسی لٹے پھٹے مسافر جیسی ہے۔ جو اپنا سارا سامان گنوا چکا ہے۔

(۴)

محنت سے ہاتھ پاؤں کی کوڑی نہ ہاتھ آئے　　　بے کار کب تلک کوئی قرض اور اُدھار کھائے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے　　　آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خُدا نہ کرے کاروبار بند

لغت: کوڑی: ایک کم قیمت کا سکہ، جواب ناپید ہے، مراد ہے ذرہ بھر۔ ہاتھ آنا: ملنا، میسر آنا۔ بے کار: جس کو کوئی کام نہ ملے۔ تلک: تک۔

مفہوم: محنت کرنے والے کو کچھ نہیں ملتا۔ لوگ قرض لے لے کر گزارہ کرتے ہیں۔ ہر شخص پریشان حال ہے۔ خدا کسی کا کاروبار بند نہ کرے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر آگرے کی معاشی بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ حالات بد سے بدتر ہو چکے ہیں اس لیے لوگوں کو محنت کے عوض کوڑی بھی نہیں ملتی۔ یعنی لوگ تو محنت کرتے ہیں لیکن اس کے بدلے میں انھیں کچھ نہیں ملتا۔ مجبوراً لوگوں کو قرض لے لے کر کھانا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ آخر انسان کب تک قرض لے لے کر کھائے۔ آخر قرض خود انسان کا اعتبار خراب کر دیتا ہے بقول ولی محمد ولیؔ:

مفلسی سب بہار کھوتی ہے　　　مرد کا اعتبار کھوتی ہے

پھر شاعر مجموعی حالات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے کہ جسے دیکھو، وہ اپنا دکھ بیان کرتا ہے۔ ہر شخص مصیبت کا مارا ہے۔ ہر طرف بدحالی ہے اور کوئی بھی شخص اس آفت سے محفوظ نہیں۔ مفلسی نے یہ دن بھی دکھائے ہیں کہ ایسے حالات میں سوائے رونے کے کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن جب بھی کوئی شخص اپنا دکھ دوسروں کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ زیادہ زور و شور سے اپنے غم اور مصیبتیں کا بیان شروع کر دیتا ہے۔ بقول باقی صدیقی:

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے　　　لوگ اپنے دیے جلانے لگے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۵)

اس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ
جس گھر میں جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
بھوکے ہیں کچھ بجھائیو بابا خدا کی راہ
واں سے صدا یہ آتی ہے: "پھر مانگو" جب تو آہ
کرتے ہیں ہونٹ اپنے وہ ہو شرم سار بند

لغت: بھکاری: خدا کے نام پر گداگری کرنے والے۔ خواہ مخواہ: بے مطلب، ویسے ہی۔ بجھائیو: بھجوا دو، دے دو۔ واں: وہاں۔ ہونٹ بند کرنا: خاموش رہنا۔ صدا: خاموش۔

مفہوم: اس شہر کے بھکاری بھی تباہ ہو چکے ہیں۔ وہ جس گھر میں جاتے ہیں، وہاں سے انھیں پھر آنے کا کہہ دیا جاتا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر بدحالی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچ رہا ہے کہ شہر میں تباہی اور بربادی کا یہ عالم ہے کہ شہر کے یہ گداگروں اور بھکاریوں کو بھی بھیک نہیں ملتی۔ یوں تو ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ نے دے رکھا ہو، وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یوں اللہ کی راہ میں غریب لوگوں کا بھی بھلا ہوتا رہتا ہے۔ ان کے گھر کا چولہا بھی جلتا رہتا ہے۔ یہ ایک ایسا چکر ہے جس سے دولت امیروں کے ہاتھ سے نکل کر غریبوں کے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن بقول شاعر آگرے کی بربادی کا یہ حال ہے کہ اب فقیروں کو بھی بھیک نہیں ملتی۔ وہ جس گھر کے دروازے پر جاتے ہیں، وہاں سے انھیں خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا ہے۔ لوگ ان کی مدد کرنے کی بجائے، انھیں خالی ہاتھ واپس لوٹا دیتے ہیں۔ بقول شکیل بدایونی:

غم کی دنیا رہے آباد شکیل
مفلسی میں کوئی جاگیر تو ہے

الغرض شاعر کے خیال میں مفلسی کی انتہا ہے کہ شہر کے بھکاری بھی مجبور اور بے بس ہو چکے ہیں۔ اور لوگ انھیں خیرات نہ دے سکنے کی وجہ سے شرمندہ شرمندہ رہتے ہیں۔ وہ جب انھیں معاف کرنے کو کہتے ہیں تو شرم سے ان کے ہونٹ بند ہو جاتے ہیں۔

(۶)

کیا چھوٹے کام والے وکیا پیشہ ور نجیب
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب
اُٹھتے ہیں سب دُکان سے کہہ کر کہ یا نصیب
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

لغت: چھوٹے کام والے: منجی پیڑھی ٹھوکنے والے، چپس، ٹافیاں بیچنے والے، چھابڑی لگانے والے۔ نجیب: اشراف، خاندانی لوگ، اہلِ ثروت، کھاتے پیتے نیک نام لوگ۔ عاجز: بے بس۔ عنقریب: قریب ہونا، آ دھمکنا۔

مفہوم: ہر چھوٹا بڑا کاروباری آج کاروبار کے ہاتھوں عاجز اور تنگ ہے۔ سب دکان سے اپنی قسمت کا رونا روتے ہوئے اٹھتے ہیں۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں نظیر شہر کی بربادی کا نقشہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج حالات اتنے برے ہو چکے ہیں کہ معاشی بدحالی کے ہاتھوں

MEDCAT BY FUTUREDOCTORSOFTHOUSE (FAHMAD)

ہر طبقہ مجبور اور بے کس ہے۔ یہ بات عمومی طور پر درست ہے کہ جب کسی قوم پر معاشی انتشار آتا ہے تو اس کا شکار صرف چھوٹا طبقہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر طبقہ اس کی زد میں آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معیشت کا تعلق پورے معاشرے سے ہوتا ہے۔ پورا معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین، باہمی معاشی مفادات اور مجموعی معاشی تعلق کی لڑی میں پرویا ہوتا ہے۔ اس لیے جب یہ لڑی کہیں سے ٹوٹ جاتی ہے تو پھر دانے چھوٹے ہوں یا بڑے سبھی اس لڑی سے نکل کر منتشر ہو جاتے ہیں۔

یہی بات نظیر اپنے اس بند میں کہ رہے ہیں کہ ایک طرف چھوٹے کام والے ہیں اور دوسری طرف بڑے کاروباری لوگ ہیں لیکن سب ہی معاشی بدحالی کی زد میں ہیں۔ وہ سارا دن دکانوں پر فارغ بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی لین دین یا کاروبار ہوتا نہیں۔ پھر جب شام کا وقت آن پہنچتا ہے تو وہ اپنی دکانوں سے یہ کہتے ہوئے اُٹھتے ہیں کہ یہ تو نصیب کی بات ہے۔ گویا ان کی قسمت بھی کاروبار کی طرح بند ہو چکی ہے۔
بقول نظیر اکبر آبادی:

بے زری ، فاقہ کشی ، مفلسی ، بے سامانی   ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

(۷)

ہے کون سا وہ دِل جسے فرسودگی نہیں   وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں   اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آٹھ ایسے ہوئے رہ گزار بند

لغت: فرسودہ: گھسا پٹا، پرانا ہو جانا۔ نابودگی: عدم وجود، نہ ہونا، نہ ملنا۔ بہبودگی: بہتری۔ ہرگز: بالکل، قطعاً۔ آسودگی: خوش حالی۔
راہ گزار: راستے

مفہوم: ہر دل اور ہر گھر معاشی لحاظ سے بجھا بجھا سا ہے۔ آگرے میں ہر طرف تنگ دستی پھیل چکی ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی بدحالی کا دور ہے کہ ہر دل افسردہ ہو چکا ہے۔ ہر دل شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے۔ میر تقی میرؔ نے دلی کی تباہی پر ایک عام آدمی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا:

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے   دل ہے گویا چراغ مفلس کا

شاعر کہتے ہیں کہ ہر گھر اس انتشار سے متاثر ہو رہا ہے۔ کوئی گھر ایسا نہیں جس میں فراغت ہو۔ ہر ایک کے ہاں سے خوش حالی رخصت ہو چکی ہے۔ کسی کا حال بھی بہتر نہیں۔ مفلسی سیلاب کی مانند ہر گھر میں داخل ہو چکی ہے۔ اب شہر میں کسی کو بھی اس کے ہاتھوں سے محفوظ نہیں۔ روپے پیسے کی ایسی قلت ہو چکی ہے جیسے قحط کے زمانے میں اناج غائب ہو جاتا ہے۔ ہر شخص محتاج بنا پھرتا ہے۔ گویا شاعر ایک ایسے شہر کا نقشہ بیان کر رہا ہے جس میں سے فراغت اور خوش حالی رخصت ہو چکی ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

(۸)

ہے میری حق سے اب یہ دُعا شام اور سحر — ہو کر آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
سب کھاویں پیویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر — اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

لغت: خلق: مخلوق، لوگ، عوام۔ مہر: عنایت، کرم، مہربانی۔

مفہوم: میری یہ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آگرے کے لوگوں کے حال پر رحم کرے اور سب لوگ دوبارہ خوش حال ہو جائیں اور کاروبار چل پڑیں۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیر نظر بند میں شاعر آگرے کی بدحالی کا ذکر کرنے کے بعد دعا کر رہا ہے۔ وہ بڑی عاجزی سے دعا گو ہے کہ اللہ کرے کہ آگرے کے لوگوں کے اچھے دن پھر سے واپس آئیں۔ وہ خوش حالی کا زمانہ واپس لوٹ آئے۔ لوگوں کے کاروبار چل نکلیں۔ لوگ اپنے اپنے معاش میں خوشی خوشی مصروف ہوں۔ اپنے اپنے گھروں میں فراغت سے کھائیں اور پئیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اس بکھرے ہوئے شہر پر اپنی رحمت کی نظر کر۔ انھیں اپنی نظر کرم سے نواز۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دے اور کاروبارِ زندگی جو ایک دفعہ بند ہو چکا ہے پھر سے اپنی ڈگر پر رواں ہو۔

احمد ندیم قاسمی نے کچھ ایسی ہی دعا اس ارضِ پاک کے بارے میں مانگی تھی:

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پہ اُترے — وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے، وہ کھلا رہے برسوں — یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

الغرض شاعر اس بدحالی اور انتشار کے بعد بھی اس امید پر زندہ ہے کہ ایک روز اللہ کی رحمت سے یہ شہر ضرور دوبارہ سے اپنے پیروں پر کھڑا ہوگا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(HOUSE OF FAHMAD)

مشق

۱۔ اس نظم کا مرکزی خیال اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب: اس نظم میں شاعر نے آگرے کی معاشی بدحالی اور وہاں کے لوگوں کی مفلسی کا ذکر کیا ہے۔ ہر طبقے کے لوگ اس معاشی بدحالی سے متاثر ہو چکے ہیں اور اس حالت کو دیکھ کر شاعر کی تخلیقی قوت کا سرچشمہ بھی سوکھ چکا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے کہ اللہ آگرے کے لوگوں کو اس مصیبت سے نکالے۔

۲۔ اس نظم میں کن کن پیشوں کا ذکر کیا گیا ہے؟ ان کی وضاحت کریں۔

جواب: اس نظم میں صرافوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سونے کے کاروبار کرتے ہیں۔ جوہری زیورات بنانے کا کام کرتے ہیں۔ سیٹھ بڑے کاروباری کو کہتے ہیں جبکہ ساہوکار وہ ہے جو سود پر پیسہ دیتے ہیں۔ اور بھکاری بھیک مانگنے والے ہیں۔

۳۔ شہر آشوب کی تعریف کریں۔ کسی اور شاعر کے شہر آشوب کے چند اشعار لکھیں۔

جواب: شہر آشوب ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کسی شہر یا ملک کی اقتصادی یا سیاسی بے چینی کا ذکر ہو۔ یا اس کے اُجڑنے اور لوگوں کی بدحالی کا

ذکر کیا جائے۔

میر تقی میر نے دلی شہر کے اُجڑنے پر جو چند اشعار لکھے تھے، وہ شہر آشوب کہے جاسکتے ہیں:

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے برباد کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

۴۔ ''پھر ماگو'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: جب بھکاری کسی کے گھر کے دروازے پر جا کر مانگتا ہے تو گھر والے کہتے ہیں: پھر مانگو یعنی پھر کبھی آئے گا۔

۵۔ شاعر نے گھر کی مفلسی کا کیا نقشہ کھینچا ہے؟

جواب: نظیر کہتے ہیں کہ ایسی بے روزگاری اور مفلسی کے دن ہیں کہ گھر بار اُجڑ کے رہ گئے ہیں۔ دیواریں ہیں تو چھت نہیں ہے۔ اور ان ٹوٹی پھوٹی دیواروں کے بیچ بھی مفلسی چھا گئی۔ وہ تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مفلسی ہر گھر میں اس طرح داخل ہو گئی ہے کہ جس طرح سیلاب کی وجہ سے بند ٹوٹ جاتا ہے اور پانی ہر گھر میں داخل ہو جاتا ہے۔

۶۔ ''جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند'' اس مصرعے میں تشبیہ پائی جاتی ہے۔ تشبیہ کی تعریف کریں اور اشعار میں مثالیں دیں۔
دیکھیے (علمِ بیان)

۷۔ یہ نظم کس ہیئت میں ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: یہ نظم مخمس کی ہیئت میں ہے۔ مخمس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند پانچ مصروں پر مشتمل ہو۔ مخمس کے پہلے چار مصرعے ردیف قافیے میں پانچویں مصرعے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر پانچواں مصرعہ دہرایا جائے تو اسے مخمس ترجیع بند کہا جاتا ہے اور اگر یہ مصرع الگ ہے تو اسے مخمس ترکیب بند کہتے ہیں۔ یہ نظم بھی مخمس ترکیب بند ہے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: نظیر کی شاعری کی انفرادیت کیا ہے؟

جواب: اگر اس دور کی مناسبت سے دیکھا جائے تو نظیر کی شاعری اپنے ہم عصر شاعروں سے بالکل مختلف ہے۔ ان کی شاعری تخیلاتی اور فرضی عشق و محبت کے موضوعات پر مشتمل نہیں ہے۔ بلکہ انھوں نے جو کچھ دیکھا اسے اپنی شاعری میں بیان کر دیا۔ اسی لیے ان کی شاعری میں دلی کے میلوں ٹھیلوں، تفریحات، کھیل تماشوں اور مذہبی تقریبات کا بیان ہے۔

سوال: نظیر اکبر آبادی کی شاعری کے موضوعات کیا ہیں؟

جواب: ایک طرف تو ان کی شاعری میں دلی کے میلوں ٹھیلوں، تفریحات اور کھیل تماشوں کا ذکر ہے۔ دوسری طرف ان کے شاعری میں اخلاقی اور تصوف کے مضامین بھی شامل ہیں۔ پھر ان کی شاعری میں عوامی مسائل اور خیالات کا عکس بھی نظر آتا ہے جو انھیں اپنے دور کا ایک منفرد شاعر بناتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

سوال: نظیر اکبرآبادی کی شاعری کی خصوصیات بیان کریں؟

جواب: نظیر اپنے دور میں ایک بالکل نئے انداز کے موجد ہیں۔ ان کی نظموں میں موسیقیت، روانی، جزیات نگاری اور منظر نگاری کا رنگ نمایاں ہے۔ مشکل قافیے استعمال کرنے میں انھیں مہارت حاصل ہے۔

سوال: شاعر کا تخلیقی سوچ کا سرچشمہ کیوں سوکھ گیا ہے؟

جواب: یہ نظم ایک شہرِ آشوب ہے جس میں آگرے کی معاشی تباہی اور لوگوں کی بدحالی کا زکر کیا گیا ہے۔ یہ دور ہندوستان میں افراتفری اور سیاسی انتشار کا دور تھا۔ جس کا براہ راست اثر معاشی حالات پر پڑتا ہے۔ اس نظم میں شاعر آگے کی تباہی و بربادی کا زکر کرتے ہوئے یہی کہ رہا ہے کہ ان حالات میں کچھ لکھنے لکھانے کو بالکل دل نہیں کرتا ہے یوں لگتا ہے کہ جیسے تخلیقی سوچ کا سرچشمہ سوکھ چکا ہے۔

سوال: شاعر نے ہر گھر میں مفلسی کا منظر دکھانے کے لیے کیا تشبیہ استعمال کی ہے؟

جواب: شاعر کہتا ہے کہ بے روزگاری نے وہ حال کر دیا ہے کہ مفلسی ہر گھر کے در و دیوار میں سما گئی ہے۔ بدحالی کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی گھر کی چھت ٹوٹی ہوئی ہے تو اسے مرمت کروانے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ الغرض ہر گھر میں مفلسی اس طرح داخل ہو چکی ہے جس طرح پانی کا بند ٹوٹ جانے سے پانی ہر گھر میں داخل ہو جاتا ہے۔

سوال: شاعر نے دکان داروں کی حالت دکھانے کے لیے کیا تشبیہ دی ہے؟

جواب: شاعر کہتا ہے کہ وہ صراف، بنیے، جوہری، سیٹھ اور ساہوکار جو بڑے کاروباری لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جن کی خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ وہ دوسروں کو پیسے دیے کرتے تھے۔ اور آج یہ عالم ہے کہ وہ خود ادھار لینے پر مجبور ہیں۔ اور وہ اپنی دکانوں میں اس طرح بیٹھے ہیں جیسے چور قیدی قطاروں میں بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں۔

سوال: شاعر نے دشمن کے لیے کیا دعا کی ہے؟

جواب: شاعر آگرے کی بدحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ معاشی تنگ دستی کا یہ عالم ہے کہ محنت کرنے والوں کو کچھ معاوضہ نہیں ملتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کو قرض اور ادھار لینا پڑتا ہے۔ اور جسے دیکھو وہ رو رو کے اپنا حال بیان کرتا ہے۔ ان مشکل حالات کو دیکھتے ہوئے شاعر یہ دعا کرتا ہے کہ خدا کسی دشمن کا بھی کاروبار بند نہ کرے۔

سوال: آگرے میں بھکاری کس مصیبت اور پریشانی کا شکار ہیں؟

جواب: شاعر آگرے کی معاشی بدحالی کا زکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تنگ دستی کا یہ عالم ہے کہ فقیر بھی مصیبت کا شکار ہیں اور تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ وہ جس گھر میں بھی جا کر سوال کرتے ہیں، وہاں سے انھیں پھر دوبارہ آنے کا کہا جاتا ہے۔ گویا لوگ اب انھیں بھیک بھی نہیں دیتے ہیں۔

سوال: شاعر نے آگرے کے لیے کیا دعا کی ہے؟

جواب: شاعر آخری بند میں آگرے کے لیے دعا کرتا ہے کہ میری اب صبح و شام یہی دعا ہے کہ اللہ آگرے کے لوگوں پر مہربانی کی نظر کرے۔ لوگ دوبارہ سے خوش حال ہو جائیں۔ اس مصیبت زدہ اور منتشر شہر پر کرم کی نظر ہو اور پھر سے سب کے کاروبار چل پڑیں اور لوگوں کی معاشی تنگ دستی ختم ہو جائے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ نظیر اکبر آبادی کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۷۴۰ء ✓ (ب) ۱۷۴۱ء (ج) ۱۷۴۲ء (د) ۱۷۴۳ء

2۔ نظیر اکبر آبادی کا سنِ وفات ہے:

(ا) ۱۸۲۰ء (ب) ۱۸۲۵ء (ج) ۱۸۳۰ء ✓ (د) ۱۸۳۵ء

3۔ نظیر اکبر آبادی کا اصل نام تھا:

(ا) محمد نظیر (ب) شاہد احمد (ج) سید ولی محمد ✓ (د) علی احمد

4۔ نظم ''شہرِ آشوب'' ہیئت کے لحاظ سے ہے:

(ا) مربع (ب) مخمس ✓ (ج) مسدس (د) مثلث

5۔ نظم ''شہرِ آشوب'' کس شاعر کی تخلیق ہے:

(ا) نظیر اکبر آبادی ✓ (ب) اکبر الٰہ آبادی (ج) جوش ملیح آبادی (د) الطاف حسین حالی

6۔ نظیر اکبر آبادی کس مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے:

(ا) ٹائیفائیڈ (ب) ٹی بی (ج) دمہ (د) فالج ✓

7۔ نظم ''شہرِ آشوب'' کا موضوع ہے:

(ا) جرم (ب) مفلسی (ج) آخرت (د) بے روزگاری ✓

8۔ آگرے میں بے روزگاری کا نظیر اکبر آبادی پر کیا اثر پڑا:

(ا) غریب ہو گئے (ب) ہجرت پر مجبور ہو گئے ✓ (ج) شاعری چھوڑ دی (د) بیمار ہو گئے

9۔ بے چھت کے مکان میں رہنے کی مجبوری کس وجہ سے تھی:

(ا) بے روزگاری ✓ (ب) بار بار کے زلزلے (ج) سیلاب کی شدت (د) حکومت

10۔ بھکاریوں اور فقیروں کو گھروں سے کیا جواب ملتا ہے:

(ا) پھر آنا (ب) پھر مانگو ✓ (ج) اللہ بھلا کرے (د) بابا کچھ نہیں

11۔ نظیر اکبر آبادی نے آخری بند میں کیا دُعا دی ہے:

(ا) لوگ پر امن ہو جائیں (ب) بند کاروبار کھل جائیں ✓ (ج) غربت کا حل نکل آئے (د) لوگ خوش حال ہوں

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

شہزادے کا چھت پر سونا اور پری کے ہاتھوں اغوا ہونا

میر حسنؔ

(۱۷۲۷ء - ۱۷۸۶ء)

شاعر کا تعارف:

نام میر غلام حسن اور حسنؔ تخلص ہے۔ وہ نامور ہجوگو (برائی کرنے والا) میر ضاحکؔ کے بیٹے، میر خلیقؔ کے والد اور مشہور مرثیہ نگار (مرثیہ لکھنے والا) میر انیسؔ کے دادا تھے۔ دِلّی کے سیّد واڑا (دلی کا ایک علاقہ) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دِلّی کا شہر جو کئی بار اُجڑا، ان کے زمانے میں بھی ویران ہو گیا، تو وہ اپنے والد کے ساتھ فیض آباد چلے گئے جو اس زمانے میں اودھ کا دارالحکومت تھا۔ یہاں وہ نواب سالار جنگ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے اپنا دارالحکومت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا تو یہ بھی لکھنؤ آ گئے۔

شعر و شاعری کا ملکہ اُن کو ورثے میں ملا۔ صاحبِ دیوان (جس کا دیوان شائع ہو چکا ہو) شاعر تھے۔ اُن کی شہرت غزلیات یا قصائد سے نہیں، بلکہ صرف مثنوی (نظم کی ایک صنف) "سحر البیان" کی وجہ سے ہے۔ ایک روایتی داستان جو دراصل شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدرِ منیر کا افسانۂ عشق (عشق کی کہانی) ہے لیکن میر حسنؔ نے اپنے اندازِ بیان سے اسے واقعیت (واقعات بیان کرنا) اور حقیقت (جو سچ معلوم ہو) کا رنگ دیا۔ واقعہ نگاری (واقعہ بیان کرنا)، کردار نگاری (کردار تخلیق کرنا) اور منظر کشی (منظر بیان کرنا) کے ساتھ اُنھوں نے اپنے زمانے کے رسم و رواج اور تمدن (رہن سہن) کی تصویر کشی بھی کی ہے۔

میر حسنؔ کے کلام میں اِن کی یادگار غزلیات و قصائد کا ایک دیوان، مثنویات کا ایک مجموعہ اور شاعروں کا ایک تذکرہ شامل ہے۔

نظم کا تعارف:

زیرِ بحث نظم میر حسن کی "مثنوی سحر البیان" سے لی گئی ہے۔ مثنوی اصطلاح میں ایسی طویل نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر میں قافیہ بدل جاتا ہے۔ اس میں کوئی طویل قصہ یا کہانی بیان کی جاتی ہے۔ گویا جو کام نثر میں ناول سے لیا جاتا ہے، وہی کام شاعری میں مثنوی سے لیا جاتا ہے۔ ہم اسے منظوم قصہ کہہ سکتے ہیں۔ "مثنوی سحر البیان" کو اُردو کی سب سے بہترین مثنوی ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ مثنوی کی کہانی یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے ہاں بہت منتوں مرادوں کے بعد بیٹا پیدا ہوتا ہے جس کا نام بے نظیر رکھا جاتا ہے۔ شاہی نجومی اس کی زندگی میں چند خطرات کی نشاندہی کرتے ہوئے، اسے بارہ سال تک محل میں رکھنے کی تجویز دیتے ہیں۔ بارویں سال کی آخری رات بادشاہ سے حساب کتاب میں غلطی ہو جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ شہزادہ بے نظیر پورے بارہ سال کا ہو چکا ہے لیکن حقیقت میں بارہ سال مکمل ہونے میں ابھی ایک رات باقی ہوتی ہے۔ الغرض چاند کی چودیں رات میں شہزادہ بے نظیر ضد کر کے چھت پر سو جاتا ہے۔ آدھی رات کو وہاں سے پری ماہ رخ کا گزر ہوتا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ پرستان لے جاتی ہے اور وہاں اسے قید کر لیتی ہے۔ اس طرح یہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔ نصاب میں دیے گئے ٹکڑے میں شہزادہ بے نظیر کے چھت پر سونے اور اس کے اغوا ہونے کا ذکر موجود ہے۔

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

۱-۳

قضا را وہ شب تھی شبِ چار دَہ — پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ
نظارے سے تھا اُس کے دل کو سُرور — عجب عالمِ نور کا تھا ظہور
عجب لُطف تھا سیرِ مہتاب کا — کہے تو کہ دریا تھا مہتاب کا

لغت: قضارا: بدقسمتی سے۔ جلوہ لینا: سج دھج دکھانا، اپنا آپ ظاہر کرنا۔ چاردہ: چودھویں رات۔ مہ: چاند۔ سرور: لطف، مزہ۔ عجب: نرالا، عجیب وغریب۔ عالمِ نور: چاندنی مراد ہے۔ ظہور: ظاہر ہونا۔ مہتاب: چاند مراد شہزادہ

تشریح

زیرِ بحث نظم میرحسن کی "مثنوی سحرالبیان" سے لی گئی ہے۔ مثنوی اصطلاح میں ایسی طویل نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر میں قافیہ بدل جاتا ہے۔ اس میں کوئی طویل قصہ یا کہانی بیان کی جاتی ہے۔ گویا جو کام نثر میں ناول سے لیا جاتا ہے، وہی کام شاعری میں مثنوی سے لیا جاتا ہے۔ ہم اسے منظوم قصہ کہہ سکتے ہیں۔ "مثنوی سحرالبیان" کو اُردو کی سب سے بہترین مثنوی ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ مثنوی کی کہانی یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے ہاں بہت منتوں مرادوں کے بعد بیٹا پیدا ہوتا ہے جس کا نام بے نظیر رکھا جاتا ہے۔ شاہی نجومی اس کی زندگی میں چند خطرات کی نشاندہی کرتے ہوئے، اسے بارہ سال تک محل میں رکھنے کی تجویز دیتے ہیں۔ بارویں سال کی آخری رات بادشاہ سے حساب کتاب میں غلطی ہوجاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ شہزادہ بے نظیر پورے بارہ سال کا ہو چکا ہے لیکن حقیقت میں بارہ سال مکمل ہونے میں ابھی ایک رات باقی ہوتی ہے۔ الغرض چاند کی چودیں رات میں شہزادہ بے نظیر ضد کر کے چھت پر سوجاتا ہے۔ آدھی رات کو وہاں سے پری ماہ رخ کا گزر ہوتا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر اس پر عاشق ہوجاتی ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ پرستان لے جاتی ہے اور وہاں اسے قید کر لیتی ہے۔ اس طرح یہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔ نصاب میں دیے گئے ٹکڑے میں شہزادہ بے نظیر کے چھت پر سونے اور اس کے اغوا ہونے کا ذکر موجود ہے۔

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

ان اشعار میں مثنوی کی کہانی اس موڑ پر پہنچ چکی ہے کہ جب شہزادہ بے نظیر کو بارہ سال کا ہونا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ بارویں سال کی آخری رات چاندنی رات تھی۔ بادشاہ یہ سوچ کر مطمئن ہو چکا تھا کہ شہزادہ بے نظیر پورے بارہ سال کا ہو چکا ہے۔ اس لیے جب چودیں رات کے نظارے نے شہزادے کے دل میں ہلچل مچائی تو اسے صرف اتنا کہا گیا کہ وہ چودیں رات میں نکلنے سے گریز کرے۔ لیکن چاندنی رات کا نظارہ اس قدر دلفریب تھا کہ شہزادہ اپنے آپ کو روک نہ سکے۔ باہر ہر طرف چاندنی کا نور بچھا ہوا تھا جو شہزادے کے دل پر سحر طاری کر رہا تھا۔ آسمان پر چاند کا سفر بھی لطف دینے والا تھا جس سے چھن چھن کر آنے والے چاندنی دریا کی طرف موج زن تھی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

۴-۶

ہُوا شاہ زادے کا دِل بے قرار — یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار
کچھ آئی جو اُس مہ کے جی میں ترنگ — کہا: آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ
کہا شہ نے اب تو گئے دِن نکل — اگر یوں ہے مرضی، تو کیا ہے خلل

لغت: ترنگ: خواہش، اُمنگ۔ شہ: بادشاہ۔ خلل: رکاوٹ۔ وہم: خام خیال۔ قدیم: گئے دنوں کا، پرانا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر اشعار میں بتایا گیا ہے کہ ہر طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے نور کی بارش ہو رہی ہو۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا کہ جس سے متاثر ہونا فطری تھا۔ اس لیے شہزادہ بے نظیر جو بارہ سالوں تک محل کے اندر رہا تھا، اس نظارے سے کچھ زیادہ ہی بے قرار تھا۔ اس کے دل میں کچھ ایسی موج اُٹھی کہ اس نے فرمایش کی کہ آج اس کا پلنگ کوٹھے پر بچھا دیا جائے۔ بادشاہ نے دل میں سوچا کہ جب بارہ سال پورے ہو ہی چکے ہیں تو اس فرمایش کو پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے اس نے اس کی بات کو ٹالا نہیں اور اسے اپنی مرضی کرنے دی۔

۷-۹

غلط وہم ماضی میں تھا حال کا — قضا راہ وہ دِن تھا اُسی سال کا
سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم — کہ آگے قضا کے، ہو احمق حکیم
وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ — کہ سیمیں تنوں کو ہو جس پر اُمنگ

لغت: سخن: بات۔ احمق: بے وقوف۔ جڑاؤ پلنگ: پلنگ جس پر موتی وغیرہ ٹانکے گئے تھے۔ سیمیں تن: چاندی جیسے بدن والے مراد حسین لوگ۔ امنگ: ترنگ، خواہش۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

اس حصے میں شاعر بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ نجومیوں کے مشورے پر بادشاہ اور شہزادہ بارہ سال تک احتیاط برتتے رہے اور خصوصاً چاندنی رات میں وہ بہت زیادہ محتاط رہتے تھے۔ لیکن کہتے ہیں کہ جو نصیب میں لکھا ہو وہ ہو کے رہتا ہے۔ نصیب کے لکھے کے آگے عقل مند بھی عاجز ہے۔ انسان جتنا مرضی سمجھ دار اور حکیم ہو لیکن جب قضا آتی ہے تو عقل ماری جاتی ہے۔ یہی کچھ بادشاہ اور شہزادے کے ساتھ ہوا۔ انھوں نے جو حساب لگایا وہ غلط تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ بارہ سال پورے ہو چکے ہیں لیکن ابھی ایک دن باقی تھا۔ اور پھر وہی جو نصیب میں لکھا تھا۔ شہزادہ چاندنی رات دیکھ کر بے خود ہو گیا۔ اور اس نے اپنا پلنگ چھت پر بچھانے کا حکم دے دیا۔ وہ پلنگ بھی سونے سے بنا ہوا تھا۔ اور اتنا خوبصورت تھا کہ ہر خوبصورت اور حسین اس پر سونا چاہتا تھا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

۱۰-۱۲

کھنچی چادر ایک اس پہ شبنم کی صاف	کہ ہو چاندنی ، جس صفا کی غلاف
دھرے اُس پہ تکیے کئی نرم نرم	کہ مخمل کو ہو جس کے دیکھے سے شرم
کبھی نیند میں جب کہ ہوتا تھا وہ	تو رخسار رکھ اُس پہ سوتا تھا وہ

لغت: مخمل: ایک قیمتی نرم کپڑا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

الغرض شہزادے کی فرمائش پر سونے سے بنا ہوا جڑاؤ پلنگ چھت پر بچھا دیا گیا۔ وہ پلنگ بے حد خوبصورت تھا۔ ہر حسین اس پر سونے کی خواہش رکھتا تھا۔ پھر اس پلنگ پر ایک نرم اور ریشمی چادر کو بچھایا دیا گیا۔ وہ چادر بھی اتنی خوبصورت تھی کہ یوں لگتا تھا کہ اس پر شبنم گری ہو۔ اور چاندنی کا غلاف ہے۔ اس پلنگ پر جو تکیے رکھے گئے تھے وہ اتنے نرم اور گداز تھے کہ یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی نرم ریشمی مخمل ہو بلکہ شاعر کے الفاظ میں مخمل بھی اس پر رشک کرتا تھا۔ الغرض شہزادے نے اپنا رخسار اس تکیے پر رکھا اور نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

۱۳-۱۵

چھپائے سے ہوتا نہ ، حُسن اُس کا ماند	دیے تکنے لگا اُس کے مکھڑے کو چاند
وہ سویا جو اِس آن سے بے نظیر	رہا پاسباں اُس کا بدرِ منیر
ہُوا اُس کے سونے پہ عاشق جو ماہ	لگا دی اُدھر اُس نے اپنی نگاہ

لغت: ماند: کمزور پڑ جانا۔ مکھڑا: چہرہ۔ آن: گھڑی۔ پاسباں: دیکھ بھال کرنے والا۔ بدرِ منیر: چودھویں کا چاند۔ ماہ: چاند

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شہزادہ کا پلنگ جب چھت پر بچھا دیا گیا اور شہزادے تکیے پر رخسار رکھے نیند کی وادی میں اُتر گیا تو اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے۔ وہ اس طرح سوتے ہوئے اتنا حسین لگ رہا تھا کہ چاند بھی اس کے حسن سے شرما رہا تھا۔ اس انداز اور دل ربائی سے شہزادہ بے نظیر چھت پر سو رہا تھا اور آسمان پر چودیں کا چاند اس کے حسن پر پہرہ دے رہا تھا بلکہ وہ اس پر عاشق ہو چکا تھا اور مسلسل اسے تکے جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے چاند اس کے حسن پر فریفتہ ہو چکا ہے اور اس سے اپنی نگاہیں ہٹانے میں مشکل محسوس کر رہا ہے۔

۱۸-۱۶

وہ مہ اُس کے کوٹھے کا ہالہ ہوا
غرض واں کا عالم دوبالا ہُوا
وہ پھولوں کی خوشبو، وہ ستھرا پلنگ
جوانی کی نیند اور وہ سونے کا ڈھنگ
جہاں تک کہ چوکی کے تھے باری دار
ہَوا جو چلی، سو گئے ایک بار

لغت: ہالہ: دائرہ، گھیرا۔ عالم: حالت۔ دوبالا: دگنی خوب صورت۔ باری دار: پہرہ دینے والے

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

الغرض جب شہزادہ بے نظیر ضد کر کے چھت پر جا سویا تو چانداس کے حسن کا عاشق ہوگیا اور اس نے اس حسین چہرے کے گرد ایک ہالہ سا بنا دیا۔ گویا وہ اس چہرے کی ملکیت کی حد بندی کر رہا تھا۔ غرض شہزادہ بے نظیر کے حسن بے مثال اور چاند کے فریفتہ ہونے نے سارے ماحول کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا۔ ہر طرف پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اور شہزادہ بے نظیر اپنے خوابوں میں اس خوبصورت پلنگ پر سویا ہوا تھا۔ اس کے سونے کا انداز بھی دل رُبا تھا۔ ایسے خوبصورت ماحول میں ٹھنڈی ہوا کے زیرِ اثر پہرہ دینے والے بھی سب سو چکے تھے۔

۲۱-۱۹

غرض سب کو واں عالمِ خواب تھا
فقط جاگتا ایک مہتاب تھا
قضا را ہُوا اک پری کا گزر
پڑی شاہ زادے پہ اُس کی نظر
ہوئی حُسن پر اُس کے جی سے نثار
وہ تخت اپنا لائی ہَوا سے اُتار

لغت: فقط: صرف۔ جی سے نثار ہونا: دل وجان سے قربان ہونا، عاشق ہو جانا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

الغرض شہزادہ بے نظیر جو چھت پر سو رہا تھا۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے خوابناک ماحول میں سوائے چاند کے سب سو چکے تھے۔ وہ بھی شہزادے کے حسین چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں ایک پری کا گزر وہاں سے ہوا۔ جس کا نام ماہ رخ تھا۔ اس کی نظر جو شہزادہ بے نظیر پر پڑی تو وہ اس کے خوابیدہ حسن پر نثار ہوگئی۔ اور اس نے اپنا تخت محل کی چھت پر اُتار لیا۔

۲۴-۲۲

جو دیکھا، تو عالم عجب ہے یہاں
مُنور ہے سارا زمیں آسماں
ہوئی دونوں کے حُسن کی ایک جوت
کہ جیسے ہو دو چشموں کی ایک سوت
مے عشق میں پھر یہ سُوجھی ترنگ
کہ لے چلیے اس کا امانت پلنگ

لغت: منور: روشن روشن۔ جوت: چمک دمک، روشنی۔ سوت: زمین سے چشمہ ابلنے کی جگہ۔ مے عشق: عشق کی شراب مراد پیار اور عشق میں۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

الغرض جب شہزادہ بے نظیر چھت پر سورہا تھا تو یہ چاند کی چودیں رات تھی۔ پری ماہ رخ کا گزر وہاں سے ہوا اور اس نے شہزادہ بے نظیر کو دیکھا تو اس کے حسن سے متاثر ہو کر اپنا تخت اس کے محل کی چھت پر اُتار لیا۔ وہاں چھت پر اس نے جو عالم دیکھا وہ سحر طاری کر دینے والا تھا۔ زمین اور آسمان کی ہر شے روشن تھی۔ ہر طرف چاندنی کا نور پھیلا ہوا تھا۔ پری تو حسین تھی ہی، یہاں تو شہزادہ بھی اپنے حسن میں بے مثال تھا۔ جب دونوں طرف حسن ہی حسن تھا تو آسمان اور زمین کا روشن ہونا لازمی امر تھا۔ یوں لگتا تھا کہ دونوں کے حسن کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ اب پری ماہ رخ کے سر پر عشق کا جنون سوار ہوا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ شہزادے بے نظیر کو پلنگ سمیت اسی طرح پرستان لے جایا جائے۔

۲۵-۲۷

محبت کی آئی جو دل میں ہوا ۔ وہاں سے اُسے لے اُڑی دِل رُبا
غرض لے گئی آن کی آن میں ۔ اُڑا کر وہ اُس کو پرستان میں
کبھی دِل رہے خوش کبھی درد مند ۔ زمانے کی جب سے ہے پست و بلند

لغت: دل رُبا: محبوبہ، خوب صورت اور خوش شکل۔ آن کی آن میں: فوراً۔ پرستان: پریوں کے دیس میں۔ پست و بلند: اونچ نیچ۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

الغرض شہزادہ بے نظیر جو چھت پر سورہا تھا تو پری ماہ رخ کا گزر وہاں سے ہوا تو وہ اس کے حسن سے بے حد متاثر ہوئی۔ اس کے دل میں عشق کے جنون نے یہ فیصلہ دیا کہ شہزادے کو پلنگ سمیت پرستان لے جایا جائے۔ یوں وہ پری شہزادے کو پلنگ سمیت وہاں سے لے اُڑی۔ اور چند ہی لمحوں میں وہ اسے لے کر پرستان میں پہنچ گئی۔ شہزادہ بے خبر تھا کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہو چکا تھا۔ یوں پری ماہ رخ شہزادے کو پرستان لے گئی۔ اب زندگی دھوپ چھاؤں کی طرح گزرنے لگی۔ شہزادہ خوش ہوتا تو پری بھی خوش ہوتی، شہزادہ گھر والوں کی یاد میں اُداس ہوتا تو پری بھی اُداس ہوجاتی۔

مشق

۱۔ چاندنی رات کا منظر اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب: شاعر کہتا ہے کہ اتفاق سے یہ رات چاند کی چودیں رات تھی۔ سارا آسمان چاندنی سے نہایا ہوا تھا۔ ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا تھا گویا ہر طرف چاندنی کا دریا بہ رہا ہو۔ یہ ایک ایسا منظر تھا کہ جو دل کو بے قرار کر دیتا تھا۔

۲۔ مصرعے کی وضاحت کریں۔ "کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم"

جواب: اس مصرع کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر کے آگے بڑے بڑے عقل مند بھی بے بس ہوتے ہیں۔ جب انسان کی لکھی ہو تو اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ یعنی تقدیر کا لکھا اٹل ہوتا ہے۔

MDCAT BY (FUTUREDOCTORS)(YOUSEF AHMAD)

۳۔ مثنوی کی تعریف کریں۔
جواب: دیکھیے (شعری اصناف)
۴۔ درج ذیل الفاظ ومحاورات کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ ومحاورات	جملے
شب چاردہ	شہزادہ شب چاردہ کو چھت پر جا سویا۔
دن نکل گئے	خوش ہو جاؤ کہ مصیبت کے دن نکل گئے ہیں۔
خلل	دوسروں کے آرام میں خلل نہ ڈالو۔
دوبالا	نکاح کے دن اُس کا حسن دوبالا ہو گیا۔
پست وبلند	زندگی کے پست وبلند سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

۵۔ اس نظم سے وہ اشعار لکھیں جن میں تشبیہ استعمال ہوئی ہو۔
جواب: کھنچی چادر ایک اس پہ شبنم کی صاف — کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف
دھرے اس پہ تکیے کئی نرم نرم — کہ مخمل کو ہو جس کے دیکھے سے شرم
ہوئی دونوں کے حُسن کی ایک جوت — کہ جیسے ہو دو چشموں کی ایک سوت

۶۔ کبھی دل رہے خوش کبھی درد مند — زمانے کی ہے جیسے پست و بلند
اس شعر میں خوش، دردمند اور پست وبلند متضاد الفاظ ہیں، اس طرح کے متضاد الفاظ سے کلام میں اثر اور معنی آفرینی پیدا ہوتی ہے۔اسے صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔آپ ایسے تین اشعار لکھیں جن میں صنعتِ تضاد پائی جاتی ہو۔
جواب: خندہ اہلِ جہاں کی مجھے پروا کیا تھی — تم بھی ہنستے ہو، مرے حال پہ رونا ہے یہی
ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے — اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو
محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا — اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: میر حسن کی وجہ شہرت کیا ہے؟
جواب: اگرچہ میر حسن صاحب دیوان شاعر ہیں لیکن ان کی وجہ شہرت غزلوں اور قصائد کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف مثنوی ''سحر البیان'' کی وجہ سے ہے۔ یہ ایک روایتی داستان ہے جس میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر مرکزی کردار ہیں۔ میر حسن نے اسے اپنے انداز بیان سے چار چاند لگا دیے۔ واقعاتی انداز میں بیان کیے گئے اس قصے میں میر حسن نے اپنے دور کے رسم ورواج اور رہن سہن کو بھی نمایاں کیا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

سوال: شہزادہ بے نظیر نے چھت پر سونے کی خواہش کا اظہار کیوں کیا۔

جواب: اول تو شہزادہ بے نظیر پچھلے بارہ سالوں سے محل کے اندر کڑی نگرانی میں زندگی گزار رہا تھا جس وجہ سے اس کے اندر باہر جانے کی خواہش کا ہونا قدرتی تھا۔ دوسرا وہ رات چودویں رات تھی۔ ہر طرف چاندنی کا نور ہی نور پھیلا ہوا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر شہزادے کا دل بے قرار ہو گیا اور اس نے چھت پر سونے کی خواہش کا اظہار کیا۔

سوال: بادشاہ سے حساب کتاب میں کیا غلطی ہوئی؟

جواب: بادشاہ کے ہاں بڑی منتوں مرادوں کے بعد بیٹا پیدا ہوا تھا لیکن شاہی نجومیوں نے اس کی زندگی میں چند خطرات کی نشان دہی کرتے ہوئے بارہ سال تک محتاط رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ بارویں سال کی آخری رات جو کہ چاند کی چودیں رات تھی، بادشاہ یہی سمجھا کہ بارہ سال پورے ہو چکے ہیں جبکہ وہ بارہ سالوں کی آخری رات تھی۔ اس لیے جب شہزادے نے چھت پر سونے کی خواہش کا اظہار کیا تو بادشاہ کو اس میں کوئی مسئلہ نظر نہیں آیا۔

سوال: اس چودیں رات میں شہزادے کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا؟

جواب: جب بارویں سال کی آخری رات حساب کتاب کی غلطی کی وجہ سے شہزادے کو چھت پر سونے کی اجازت مل گئی تو اس چاندنی رات میں وہ چھت پر سوتا ہوا بے حد حسین لگ رہا تھا۔ ایسے میں ایک پری ماہ رخ کا وہاں سے گزر ہوا اور وہ شہزادے کو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گئی۔ وہ اپنا تخت چھت پر اُتار لائی اور شہزادے کو پلنگ سمیت اپنے ساتھ پرستان لے گئی۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ میر حسن کی ادبی دنیا میں شہرت کی وجہ ہے:

(ا) مثنوی سحر البیان ✓ (ب) مرثیہ گوئی (ج) غزل گوئی (د) قصیدہ گوئی

2۔ میر حسن کا سنِ پیدائش ہے:

(ا) ۱۷۲۴ء (ب) ۱۷۲۵ء (ج) ۱۷۲۶ء (د) ۱۷۲۷ء ✓

3۔ میر حسن کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۷۶۶ء (ب) ۱۷۷۶ء (ج) ۱۷۸۶ء ✓ (د) ۱۷۹۶ء

4۔ میر انیس سے میر حسن کا کیا رشتہ تھا:

(ا) باپ بیٹا (ب) پوتا دادا ✓ (ج) نواسا نانا (د) چچا بھتیجا

5۔ میر حسن فیض آباد میں کس کے دربار سے وابستہ ہوئے:

(ا) نواب بہادر یار جنگ (ب) نواب سالار جنگ ✓ (ج) نواب آصف الدولہ (د) کسی سے بھی نہیں

6۔ نواب آصف الدولہ فیض آباد سے کہاں منتقل ہوئے:

(ا) دلی (ب) فیض آباد (ج) امرتسر (د) لکھنو ✓

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

7۔ روایتی داستان سحر البیان میں شہزادے کا نام ہے:
(ا) بدر منیر (ب) بے نظیر ✓ (ج) ماہ رخ (د) شہریار

8۔ چاندنی رات میں شہزادے کے دل میں کیا ترنگ آئی:
(ا) کوٹھے پہ سونے کی ✓ (ب) گھر سے باہر نکلنے کی (ج) کہیں دور جانے کی (د) دعوت کرنے کی

9۔ قضا یعنی تقدیر کے آگے احمق ہو جاتا ہے:
(ا) عقل مند (ب) حکیم ✓ (ج) دانا (د) بادشاہ

10۔ پری شہزادے کے ساتھ اور کیا لے گئی:
(ا) جوتے (ب) مسہری (ج) پلنگ ✓ (د) شبنم کی چادر

11۔ جب سبھی سو رہے تھے تو کون جاگ رہا تھا:
(ا) مہتاب ✓ (ب) آفتاب (ج) چوکیدار (د) نگران

12۔ پری شہزادے کو کہاں لے گئی:
(ا) کوہ قاف میں (ب) گاؤں میں (ج) پرستان میں ✓ (د) دوسرے شہر

13۔ ''شہزادے کا چھت پر سونا اور پری کے ہاتھوں اغوا ہونا''، نظم کی کون سی قسم ہے؟
(ا) قصیدہ (ب) نعت (ج) مثنوی ✓ (د) مرثیہ

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

دُرِ مراد

میر ببر علی انیسؔ

(۱۸۰۰ء - ۱۸۷۴ء)

شاعر کا تعارف:

میر ببر علی انیس میر خلیقؔ کے فرزند اور میر حسنؔ کے پوتے تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق انہیں گھر پر ہی تعلیم دی جاتی رہی۔ گھر کے باہر اُن کے پہلے استاد میر نجف علی فیض آبادی تھے۔ زمانہ طالب علمی میں انیس کو معقولات (حکمت اور فلسفے کا علم) اور لسانی مسائل (زبان کے مسائل) سے بڑی دلچسپی تھی۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں لگ بھگ دو ہزار کے قریب نسخے تھے۔ زمانے کے رواج کے مطابق اُنہوں نے شہسواری (گھڑسواری) اور شمشیر زنی (تلوار چلانا) بھی سیکھی۔ بعد میں فوجی تربیت بھی حاصل کی۔ ہمیشہ چاق و چوبند (تیز، چست) رہا کرتے تھے۔ طبعاً (مزاج کے لحاظ سے) خوش مزاج اور حاضر جواب تھے۔

انیس نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا لیکن ان کی شہرت کا مدار مرثیہ نگاری (مرثیہ لکھنا) پر ہے۔ ان کے زمانے میں مرثیہ خوانی کے لیے تحت اللفظ (مرثیہ یا اشعار اس طرح پڑھنا کہ شعر کا ہر لفظ الگ الگ سمجھ آجائے۔) اور سوز کا انداز (غم بیان کرنے کے انداز میں) اپنایا جاتا تھا۔ انیس نے دونوں طرح پر پڑھنے کے لیے مرثیے لکھے اور کامیاب رہے۔ ان کا اسلوب (شاعری کا انداز) سادہ، رواں اور آسان ہے۔ انسانی جذبات کا بیان اُنہوں نے جس طرح کیا ہے، شاید ہی کوئی کر سکے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کے مرثیوں کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔

میر انیس کے مرثیے پانچ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُنہوں نے مرثیوں کے علاوہ سلام (ایک قسم کا مرثیہ جو غزل کی شکل میں ہوتا ہے) اور رباعیات بھی کہی ہیں۔ ان رباعیات (رباعی کی جمع) میں بھی ان کا رنگ صوفیانہ ہے۔ مگر اُن کا کمال مرثیے کے فن میں زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے۔

نظم کا تعارف:

یہ نظم میر انیس کے طویل مرثیے کا حصہ ہے۔ مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کا دکھ بیان کیا گیا ہو۔ لیکن لکھنؤ میں مرثیہ واقعاتِ کربلا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم بیان کرنے کے لیے مخصوص ہو گیا۔ نظم کے اس حصے میں انھوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے میدانِ کربلا میں تشریف لانے اور وہاں کی خوشگوار کیفیات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس حصے میں میر انیس کی مرثیہ نگاری کی تمام خوبیاں بدرجہ کمال موجود ہیں۔ یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ہے یعنی ایسی نظم جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں۔

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اشعار کی تشریح

(۱)

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہُوا
دشتِ بلا نمونۂ خُلدِ بریں ہُوا
سر جھک گیا فلک کا، یہ اَوجِ زمیں ہُوا
خورشید محوِ حُسنِ حسینؓ حسیں ہُوا
پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

لغت: شاہِ دیں: دین کا بادشاہ، حضرت امام حسینؓ۔ دشتِ بلا: مصیبت و آفت والا صحرا۔ خلدِ بریں: جنت۔ اَوج: بلندی، اونچائی۔ محوِ حُسنِ حُسینؓ حسیں: خوبصورت حُسینؓ کے حسن کو دیکھنے میں مصروف۔ فروغ: روشنی، اجالا۔ نیرِ دیں: دین کا سورج مراد حضرت امام حسینؓ۔

مفہوم: جب حضرت امام حسینؓ کربلا کے میدان میں داخل ہوئے تو وہ بنجر زمین جنت کا نمونہ بن گئی۔ سورج بھی آپ کے دیدار میں مصروف ہو گیا اور جنگل آپ کی آمد سے بارونق ہو گیا۔

تشریح

یہ نظم میر انیس کے طویل مرثیے کا حصہ ہے۔ مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کا دکھ بیان کیا گیا ہو۔ لیکن لکھنؤ میں مرثیہ واقعاتِ کربلا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم بیان کرنے کے لیے مخصوص ہو گیا۔ نظم کے اس حصے میں انھوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے میدانِ کربلا میں تشریف لانے اور وہاں کی خوشگوار کیفیات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس حصے میں میر انیس کی مرثیہ نگاری کی تمام خوبیاں بدرجہ کمال موجود ہیں۔ یہ نظم مسدس کی ہئیت میں ہے یعنی ایسی نظم جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں۔

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

نظم کے اس حصے میں شاعر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین اپنے قافلے کو لے کر کربلا کے میدان میں پہنچے تو وہی میدان جو بے آباد اور بنجر تھا۔ آپ کے قافلے کی وجہ سے گل و گلزار ہو گیا۔ وہی میدان جہاں دور دور تک خاک اڑتی پھرتی تھی، آپ جیسی بزرگ ہستیوں کی آمد سے جنت کا ٹکڑا بن گیا۔ صحرا بھی اس پر ناز کرنے لگا کہ کیسے کیسے عظیم لوگ اس میں ٹھہرے ہیں۔ شاعر مزید کہتا ہے کہ ایسے بابرکت لوگوں کا دیدار کرنے کے لیے آسمان سے سورج بھی ذرا جھک گیا تھا۔ چونکہ یہ کوئی عام لوگ نہیں تھے بلکہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشے امام حسین شامل تھے اور ان کی اولاد تھی۔ اس لیے سورج امامِ حسین کے دیدار میں محو ہو گیا تھا۔ شاعر اس منظر کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے کہ یہی نہیں بلکہ اس سردار کی آمد سے، اس دین کے سورج کے دیدار سے، آسمان کا سورج بھی نور لے رہا تھا۔ اور یوں لگتا تھا کہ اس چہرہ پُرنور کی آمد سے اس ویرانے کو چار چاند لگ گئے تھے۔ وہ روشن اور پرنور ہو گیا تھا۔ الغرض اس میدان کا ذرہ ذرہ حضرت امام حسین کے دیدار میں مصروف ہو گیا تھا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTUDSEEFAHMAD)

(۲)

خوشبو سے اُن گلوں کی ہُوا دشت باغ باغ
غنچے کھِلے، ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذروں نے خاک کے

لغت: دشت: صحرا۔ سرِ فلک: آسمان کی بلندی۔ حبابوں: بلبلوں۔ طبقے: زمین کے ٹکڑے۔ ارضِ پاک: پاک، مقدس زمین۔

مفہوم: وہ صحرا آپ کے آنے سے باغ بن گیا اور ہر طرف پھول کھل اٹھے۔ پہاڑ، دریا اور سورج فخر کرنے لگے اور ستارے اس کی خاک کے آگے ماند پڑ گئے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

نظم کے اس بند میں شاعر حضرت امام حسین کی میدانِ کربلا میں آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جیسے ہی ان بزرگ اور پاک باز پھولوں نے اس میدان میں قدم رکھا تو وہی میدان جو ویرانہ تھا، ان کی خوشبو سے کھل اُٹھا۔ یہ وہی میدان تھا جو ویران اور چٹیل تھا۔ شدید گرمی اور تپش کے باعث کوئی اس طرف کا رخ نہیں کرتا تھا۔ لیکن خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد سے وہ باغ و بہار ہو گیا۔ اس میں پھول کھل اُٹھے اور بلبل کا دل بھی بے قرار ہو گیا۔ اور وہ بہار کی آمد کی خوشی میں گیت گانے لگا۔ گویا اس باغِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پھولوں کی آمد نے اس ویرانے کو گل و گلزار بنا دیا تھا۔ اور ہر پھول اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ یہی نہیں بلکہ ہر پہاڑ بھی اپنی خوش قسمتی دیکھ کر اتنا بلند ہو گیا کہ اس کا سر آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا۔ دریا میں بننے والے بلبلے بھی اپنی قسمت پر ناز کر رہے تھے اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے دریا میں بہت سے چراغ روشن ہیں۔ زمین کا ہر ٹکڑا بھی سورج کی طرح روشن ہو چکا تھا اور صحرا کے ذرے ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ الغرض ہر ذرہ اپنی قسمت پر نازاں تھا اور امام عالی مقام کی آمد نے اسے روشن کر دیا تھا۔

(۳)

بولے فَرَس کو روک کے شاہِ فلک وقار
منزل پہ ہم پہنچ گئے، احسانِ کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار
یہ وہ زمیں تھی، جس کے لیے دل تھا بے قرار
قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے

لغت: فرس: گھوڑا۔ شاہِ فلک وقار: آسمان جیسی شان والا مراد حضرت امام حسینؓ۔ کردگار: اللہ تعالیٰ۔ راہوار: سواری، گھوڑا۔ سعادت نشاں:

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

خوش قسمتی کی علامت۔ دُرِ مراد: جس قیمتی موتی کی تلاش تھی۔

مفہوم: حضرت امام حسینؓ نے اپنا گھوڑا روکا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ آخر منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ انھوں نے وہیں پر رکھنے اور قیام کرنے کا حکم دیا اور اس سرزمین کو دُرِ مراد یعنی مراد کا موتی قرار دیا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

نظم کے اس بند میں شاعر حضرت امام حسین کی میدانِ کربلا میں آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب یہ پاک لوگوں کا قافلہ اس میدان میں پہنچا تو حضرت امام حسین نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسی میدان میں پڑاؤ کرنے کی ٹھان لی۔ اگرچہ صحرا کا ویرانہ اور اس کی ہلاکت سامنے تھی لیکن صبر و رضا کے اس پیکر نے اپنے ساتھیوں کا دل بڑھانے کے لیے کہا کہ وہ منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ بلکہ اس ویرانے کو ایسا منزل قرار دیا جس کے لیے دل بے قرار تھا۔ یہ اتنی عظمت اور شان و شوکت والی زمین ہے جس پر قربان ہونے کی دل چاہتا ہے۔ اور بڑی مشکل سے وہ موتی ہاتھ آیا ہے جس کی اصل تلاش تھی۔ الغرض امام عالی مقام کی نظر میں یہی وہ مراد کا موتی تھا جس جس کی تلاش میں یہ قافلہ چلا تھا اور یہ خوش قسمتی کا پیغام تھا۔

(۴)

اُترو مسافرو! کہ سفر ہو چکا تمام
کُوچ اب نہ ہو گا حشر تلک، ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے، یہی مشہدِ امام
اُونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے، اس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

لغت: مقتل: قتل ہونے کی جگہ۔ مشہدِ امام: امام (حضرت حسینؓ) کی شہادت کی جگہ۔ بار: بوجھ، وزن، سامان۔ خیام: خیمے۔ آبِ بقا: ایسا پانی جسے پی کر موت نہیں آتی۔

مفہوم: انھوں نے مسافروں کو اُترنے کا حکم دیا اور کہا کہ اب وہ یہیں پر قیام کریں گے۔ یہی اب ان کا مقتل بنے گا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

نظم کے اس بند میں شاعر حضرت امام حسین کی میدانِ کربلا میں آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب یہ پاک لوگوں کا قافلہ اس میدان میں پہنچا تو حضرت امام حسین نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسی میدان میں پڑاؤ کرنے کی ٹھان لی۔ انھوں نے اپنے قافلے والوں کو حکم دیا کہ وہ یہیں پر پڑاؤ کریں گے کیونکہ ان کا سفر مکمل ہو چکا ہے۔ ان کے الفاظ میں اب قیامت تک یہ قافلہ یہاں سے کوچ نہیں کرے گا۔ یوں لگتا ہے کہ امام عالی مقام اللہ کے اذن سے آنے والے غم ناک واقعات کو اپنے تصور کی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے

MDCAT BY (FUTUREDOCTORS)(TOUSEEF AHMAD)

کہ وہ اپنے قافلے کو خطاب کرتے ہوئے پڑاؤ کا حکم اس انداز میں دے رہے ہیں کہ جیسے وہ سب اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ چکے ہیں۔ وہ مزید اس منزل کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ یہی زمین ہمارا مقتل بنے گی۔ یہیں حق کی سربلندی کے لیے ہم اپنی جانیں قربان کریں گے۔ یہیں دشمن حق کو مٹانے کے لیے ہر حد سے گزرے گا لیکن حق کا پرچم اور زیادہ بلند ہوگا۔ اس لیے وہ یہی اترنے اور خیمے لگانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور وہاں رکنے اور ٹھہرنے کو ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ بقول ان کے اس پاک زمین میں بقا کے پانی کا چھڑکاؤ ہو چکا ہے۔ الغرض امام حسین اپنے خاندان کے لوگوں اور ساتھیوں کو اس ویرانے میں ٹھہرنے کا حکم دیتے ہیں جو ان کی قتل گاہ بننے والا ہے۔

(۵)

توشہ مسافروں کا یہی ، اور یہی ہے زاد
یہ خاک آبِ خضر سے رتبے میں ہے زیاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مردِ خوش نہاد
لے آئے گی ہوائے موافق دُرِ مُراد
دیکھے گا یاس میں کرمِ کارساز کو
تھامے گا دستِ موج سے دریا جہاز کو

لغت: توشہ: مسافروں کا کھانا۔ زاد: راستے کی جمع پونجی، خرچ۔ زیاد: زیادہ، بڑھ کر۔ خوش نہاد: خوش اخلاق۔ ہوائے موافق: سازگار حالات۔ کرمِ کارساز: اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم۔ دستِ موج: پانی کی لہر کا ہاتھ۔

مفہوم: انھوں نے اس سرزمین کو اپنا سفر کا سامان قرار دیا اور اسے مایوسی میں ڈوبے ہوئے مسافر کے لیے خوش بختی قرار دیا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

نظم کے اس بند میں شاعر حضرت امام حسین کی میدانِ کربلا میں آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب یہ پاک لوگوں کا قافلہ اس میدان میں پہنچا تو حضرت امام حسین نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسی میدان میں پڑاؤ کرنے کی ٹھان لی۔ انھوں نے اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اب ہمارا جینا مرنا یہیں ہوگا۔ اس میدان کی مٹی ہمارے لیے خضرؑ کے آبِ بقا سے بڑھ کر ہوگی۔ اس مٹی میں جو آسودہ ہوگا وہ بقا پائے گا۔ اس مصیبت اور طوفان میں جو مردِ مجاہد دشمن کا مقابلہ کرے گا تو ہمیشہ کی زندگی کی خوش خبری پائے گا۔ جس نے خود کو آج اس مصیبت میں ڈالا تو اس کا مددگار خدائے واحد ہوگا۔ جو آج اس طوفان میں اُترے گا وہ اپنے رب کے فضل وکرم کا حق دار ہوگا۔ اگرچہ دریا کی طوفانی لہریں ڈبو دیا کرتی ہیں لیکن آج یہی لہریں طوفان میں اُترنے والوں کو ساحل پر لے جائیں گیں اور وہ سب اپنے رب کے فضل وکرم سے اس کا اجر پائیں گے۔ الغرض حضرت امام حسین اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں کو آنے والی مصیبت سے نبرد آزما ہونے کے لیے حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔

(۶)

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ اُمت کا ناخدا
جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرتؓ نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا:
دیکھو تو! کیا ترائی ہے، کیا نہر، کیا فضا
اکبرؓ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؓ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

لغت: ناخدا: ملاح، کشتی بان۔ پیادہ پا: پیدل۔ ترائی: چھڑکاؤ۔ شگفتہ: خوش

مفہوم: یہ کہ کر حضرت امام حسینؓ اپنے گھوڑے سے اتر آئے۔ ان کو دیکھ کر سب سوار بھی اپنے گھوڑوں سے اتر گئے اکبر اور عباس خوشی سے جھومنے لگے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے۔)

نظم کے اس بند میں شاعر جناب عالی مقام کی میدانِ کربلا میں آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت امام حسین نے آنے والے خونی واقعات کے باوجود اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں کو اس میدان میں اُترنے کا حکم دیا اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ یہ کہ کر وہ جنت کا سردار سب سے پہلے خود گھوڑے سے اُتر آیا۔ ان کے بعد وہ سارا قافلہ اپنی اپنی سواریوں سے اُتر گیا۔ پھر حضرت اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اس جگہ کا نظارہ کیسا دل کش ہے۔ کیس پُرفضا جگہ ہے۔ یہاں کی زمین میں نمی، قریب ہی نہر اور ٹھنڈی ٹھنڈی فضا ہے۔ گویا یوں لگ رہا ہے کہ جیسے کسی نے ہمارے اہتمام کے لیے یہ سب انتظام کر رکھا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر حضرت علی اکبر بھی خوش ہو گئے اور حضرت عباس دریا کو دیکھ کر جھومنے لگے۔ الغرض شاعر کے بیان میں وہ مجاہدوں کا قافلہ آنے والے خونی واقعات کو جاننے کے باوجود اللہ کی رضا میں راضی اور خوش تھا۔ وہ سب تسلیم ور ضا کے پیکر تھے۔

(۷)

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سر بلند
کیوں، یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند؟
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند!
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیراب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضورا! ترائی غضب کی ہے

لغت: شہنشاہِ سر بلند: عظمت والا بادشاہ۔ شاہِ ارجمند: قدر و قیمت والا بادشاہ۔ عنایت: لطف و کرم، مہربانی۔

مفہوم: حضرت امام حسین نے ان سے پوچھا کہ کیا تمھیں یہ مقام بہت پسند آیا ہے۔ تو انھوں نے بھی تائید کی اور کہا کہ اب اللہ کی عنایت سے

MDCATBY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

وہ سب یہیں رہیں گے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

نظم کے اس بند میں شاعر جناب عالی مقام کی میدانِ کربلا میں آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت امام حسین نے آنے والے خونی واقعات کے باوجود اپنے اہل و عیال اور ساتھیوں کو اس میدان میں اُترنے کا حکم دیا اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ اور وہ سب اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ یہ دیکھ کر امام عالی مقام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر سوال کرنے لگے کہ تمھیں یہ مقام کیوں اتنا پسند آیا ہے حالاں کہ اس مقام پر ٹھہرنا تو دور کی بات کوئی گزرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ تو حضرت علی اکبر اور حضرت عباس مسکرا کر کہنے لگے کہ یہ تو ایسی خوبصورت اور آرام دہ جگہ ہے کہ ہماری آنکھیں خود بہ خود بند ہوئی جاتی ہیں۔ اور اتنی پر فضا جگہ چھوڑ کر جانے کو دل نہیں کرتا۔ اس لیے اب ہم نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ایسی غضب کی جگہ چھوڑ کر نہیں جائیں گے اور اب یہیں مستقل قیام کریں گے۔ الغرض شاعر کے بیان میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام عالی مقام کا قافلہ سب اللہ کی رضا میں راضی اور سر تسلیم خم کر چکا تھا۔

مشق

۱۔ مرثیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: دیکھیے (شعری اصناف)

۲۔ **شاہ دیں، کشتی امت کا ناخدا، شہنشاہِ سر بلنداں تمام تراکیب سے کون سے ہستی مراد ہے؟**

جواب: ان تمام تراکیب سے مراد جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہے۔

۳۔ **"پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے" اس مصرعے کی وضاحت کریں۔**

جواب: جس طرح انسان کو بڑی خاک چھاننے کے بعد قیمتی اور نایاب موتی ہاتھ آتا ہے۔ اسی طرح بقول شاعر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی جب کربلا کے میدان میں پہنچتے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ آخر کار ہمیں وہ جگہ مل ہی گئی جس کی ہمیں تلاش تھی۔

۴۔ **اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ مفہوم واضح ہو جائے۔**

الفاظ و محاورات	جملے
خُلدِ بریں	قافلہ حسین کے لیے کربلا کی زمین خُلدِ بریں کی مانند تھی۔
سعادت نشان	سعادت نشان اولاد ہمیشہ اپنے ماں باپ کے لیے فخر کا باعث ہوتی ہے۔
آبِ بقا	شہید کی موت آبِ بقا کی طرح ہے۔
ناخدا	آخر کار ناخدانِ کشتی کنارے لگا دی۔
عنایت	ہم سب اللہ کی عنایت کے طلب گار ہیں۔
پیادہ پا	آپ کو یہ سفر پیادہ پا ہی کرنا پڑے گا۔

MDCATEXPERT(FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD))

۵۔ دوسرا مصرع بیان کریں۔

(الف) پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے — جنگل کو چار چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

(ب) بستر لگاؤ شوق سے اس ارض پاک پر — چھڑکا ہوا ہے آبِ بقایاں کی خاک میں

(ج) اکبر شگفتہ ہوگئے صحرا کو دیکھ کر — عباس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

۶۔ کلام میں کسی بات کی کوئی ایسی وجہ بیان کرنا جو درحقیقت اس کی وجہ نہ ہو، لیکن کلام میں خوبصورتی پیدا کرتی ہو۔ ''حسن تعلیل'' کہلاتی ہے۔ مثلاً ''دُرِ مراد'' کے پہلے بند میں فلک کے سر جھکانے کی وجہ شاہ دیں کے کربلا میں داخل ہونے کو قرار دیا گیا ہے جو فلک کے جھکنے کی اصل وجہ نہیں ہے۔ آپ حسن تعلیل کی دو مثالیں پیش کریں۔

جواب: عروجِ نشۂ نشوونما سے ڈالیاں جھومیں — ترانہ گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہوکر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمہ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہوکر

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: میر انیس کی وجہ شہرت کیا ہے؟

جواب: اگرچہ میر انیس نے آغاز غزل سے کیا لیکن ان کی اصل وجہ شہرت مرثیہ نگاری کی وجہ سے ہے۔ ان کے زمانے میں مرثیہ نگاری کا رواج عام تھا۔ انھوں نے بھی مرثیے لکھے اور اپنے دور کے سب سے بہترین مرثیہ نگار ٹھہرے۔ اُن کا اُسلوب سادہ، رواں اور آسان ہے۔ انسانی جذبات کو جس طرح میر انیس نے بیان کیا ہے، وہ انھیں کا کمال ہے۔

سوال: جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں داخل ہوئے تو شاعر کے مطابق وہاں کے منظر کیسا ہوگیا؟

جواب: شاعر کے مطابق جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں داخل ہوئے تو کربلا کا میدان جنت کا ٹکڑا بن گیا۔ آسمان جھک کر زمین سے گلے ملا۔ سورج ان کے حسن کی تاب نہ لا سکا اور اس میں کھو گیا۔ ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا اور جنگل میدان روشن ہوگئے۔

سوال: حضرت امام حسین نے اپنا گھوڑا روک کر اپنے ساتھیوں سے جو کہا، اسے مختصراً بیان کریں۔

جواب: انھوں نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اپنی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ یہی وہ زمین ہے جس کے لیے دل بے قرار تھا۔ اب یہاں سے آگے کوئی نہ جائے۔ یہی ہماری شہادت گاہ ہے۔ اب یہاں خیمے لگالو۔ جو یہاں مرے گا وہ مراد کا موتی پالے گا۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ میر انیس کا سن پیدائش کیا ہے:

(ا) ۱۸۰۰ء ✓ (ب) ۱۸۰۱ء (ج) ۱۸۰۲ء (د) ۱۸۰۳ء

2۔ میر انیس کا سن وفات کیا ہے:

(ا) ۱۸۷۱ء (ب) ۱۸۷۲ء (ج) ۱۸۷۳ء (د) ۱۸۷۴ء ✓

3۔ میر انیس کے ذاتی کتب خانے میں لگ بھگ کتنے نسخے تھے:

(ا) چار ہزار (ب) تین ہزار (ج) دو ہزار ✓ (د) ایک ہزار

4۔ رواج کے مطابق میر انیس نے کون سے فن سیکھے:

(ا) شاعری (ب) شہ سواری اور شمشیر زنی ✓ (ج) مرثیہ گوئی (د) تیراکی

MDCATBYFUTUREDOCTORSTUTHOUSEFAHIMADI

5۔ میر انیس نے شاعری کا آغاز کس صنف سے کیا:
(ا) مثنوی (ب) مرثیہ (ج) قصیدہ (د) غزل ✓

6۔ میر انیس کی شہرت کا مدار کس صنفِ شاعری پر ہے:
(ا) غزل (ب) مرثیہ ✓ (ج) قصیدہ (د) مثنوی

7۔ میر انیس کے مرثیوں کی تعداد اندازاً کتنی ہے:
(ا) چار ہزار (ب) تین ہزار (ج) دو ہزار ✓ (د) ایک ہزار

8۔ میر انیس کے تمام مرثیے کتنی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں:
(ا) دو (ب) تین (ج) چار (د) پانچ ✓

9۔ نظم ''دُرِ مراد'' صنفِ سخن کے لحاظ سے کون سی صنف ہے:
(ا) غزل (ب) مرثیہ ✓ (ج) قصیدہ (د) مثنوی

10۔ نظم ''دُرِ مراد'' ہیئت کے اعتبار سے کون سی نظم ہے:
(ا) مثلث (ب) مربع (ج) مخمس (د) مسدس ✓

11۔ شاہِ دین سے مراد کون سی شخصیت ہیں:
(ا) حضرت امام حسنؓ (ب) حضرت امام حسینؓ ✓ (ج) حضرت عباسؓ (د) حضرت علی اکبرؓ

12۔ دریا نے کس کے چراغ روشن کیے:
(ا) حبابوں ✓ (ب) موجوں (ج) لہروں (د) سیلابوں

13۔ خاک کے ذرّوں نے کس کو گرد کر دیا:
(ا) پھولوں کو (ب) تاروں کو ✓ (ج) چاند کو (د) سورج کو

14۔ مقتل یہی زمیں ہے، یہی مشہدِ ________ ، مصرع مکمل کریں:
(ا) قافلہ (ب) سالار (ج) امامؓ ✓ (د) عباس

15۔ کربلا کی خاک پر کیا چھڑکا ہوا تھا:
(ا) عطر (ب) خون (ج) پانی (د) آبِ بقا ✓

16۔ کربلا کی خاک رتبے میں کس سے زیادہ ہے:
(ا) آبِ خضرؑ ✓ (ب) آبِ حیات سے (ج) سبزہ زار (د) باغ و بہار

17۔ ہوائے موافق کیا لے آئے گی:
(ا) دُرِ نایاب (ب) دُرِ مراد ✓ (ج) دُرِ کم یاب (د) دُرِ پایاب

18۔ حضرت علی اکبرؓ کسے دیکھ کر شگفتہ ہو گئے:
(ا) میدان (ب) پہاڑ (ج) صحرا ✓ (د) دریا

19۔ حضرت عباسؓ کسے دیکھ کر جھومنے لگے تھے:
(ا) میدان (ب) پہاڑ (ج) صحرا (د) دریا ✓

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSE(FAHMAD)

تختِ فَرَس پر علی اکبر کا خطاب

مرزا اسلامت علی دبیرؔ

(۱۸۰۳ء - ۹/مارچ ۱۸۷۵ء)

شاعر کا تعارف:

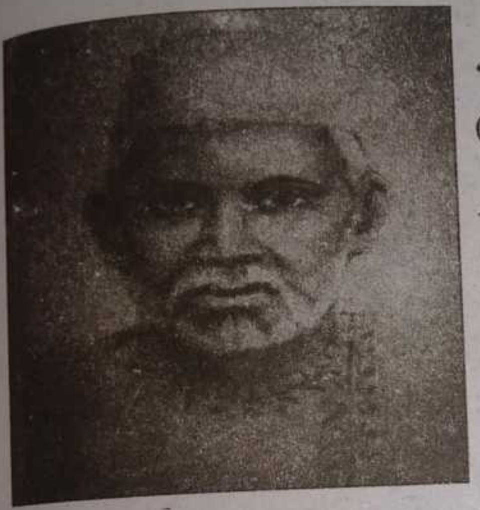

مرزا اسلامت علی دبیرؔ دلّی میں پیدا ہوئے۔ جب ان کے والدین دہلی سے لکھنؤ چلے آئے اور یہاں مستقل سکونت (رہائش) اختیار کی۔ مرزا دبیرؔ نے مروجہ علوم (جو علوم رائج تھے) کی تحصیل (حاصل کرنے کا) کا سلسلہ یہاں سے شروع کیا۔ عربی اور فارسی یہاں کے جید علماء (ماہر اور تجربہ کار علما) سے پڑھی۔

فنِ شاعری میں مرزا دبیرؔ، میر ضمیرؔ کے شاگرد ہوئے۔ مرزا دبیرؔ نہایت سلیم الطبع (نیک فطرت) اور عالی ظرف انسان (بڑے ظرف کا مالک) تھے۔ اپنے ہم عصر مرثیہ گو انیس سے شاعرانہ چشمک (شاعرانہ لڑائی) کے باوجود کبھی نازیبا جملہ (بری بات) منہ سے نہیں نکالا۔

مرزا دبیرؔ کے مرثیے اپنی گھن گرج (بارعب الفاظ)، آب و تاب (چمک دمک، شان و شوکت) اور زبان و بیان کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہیں۔ اندازِ بیان کا رعب و دبدبہ، لکھنوی اثرات، منظر نگاری، لفظی صنعت گری (لفظوں کی صنعتیں استعمال کرنا)، واقعہ نگاری، بے ساختہ پن (وہ بات جو بغیر دیر کیے کہی جائے)، حسنِ تشبیہ (خوب صورت تشبیہات) اور سراپا نگاری (کسی کردار کا ظاہری حلیہ بیان کرنا) وغیرہ اُن کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

مرزا دبیرؔ میر انیسؔ کے ہمعصر (ایک ہی زمانے سے ہونا) تھے۔ مگر یہ بات مسلّمہ ہے کہ مرزا دبیرؔ مرثیہ گوئی کے میدان میں انیس سے پہلے داخل ہوئے۔ میر انیسؔ کے کلام کا شہرہ ہو جانے کے باوجود ان کے کمالات کا ہمیشہ اعتراف کیا جاتا رہا۔

نظم کا تعارف:

یہ نظم مرزا اسلامت علی دبیر کے مرثیے کا ٹکڑا ہے۔ مرثیہ ایک ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کسی مرنے والے کا غم بیان کیا جائے لیکن لکھنؤ میں مرثیہ صرف واقعاتِ کربلا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم بیان کرنے کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اس حوالے سے میر انیس اور مرزا دبیر دو بڑے شاعر مانے جاتے ہیں۔ نظم کے اس ٹکڑے میں مرزا دبیر کے روایتی انداز کی گھن گرج موجود ہے۔ وہی آب و تاب، شوکتِ الفاظ اور صنعت گری جو ان کے کلام کا خاصہ ہے۔ نظم کے اس حصے میں جناب علی اکبرؓ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، کا دشمن سے خطاب دکھایا گیا ہے۔ یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ہے جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں۔

(یہ تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جائے گی)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

اشعار کی تشریح

(۱)

شہزادے نے جلوہ جو کیا دامنِ زیں پر
پھر زین نے آوازہ کسا مہرِ مبیں پر
مرکب نے قدم فرش سے رکھا نہ زمیں پر
سرعت سے کہا فرش بچھا عرشِ بریں پر
پلکوں سے لیا پنجے میں شہبازِ قضا کو
بغلوں کے شکنجے میں کیا قید ہوا کو

لغت: **جلوہ:** ایک خاص طرز سے خود کو پیش کرنا۔ **آوازہ کسا:** آواز دی۔ **مہر:** سورج۔ **مبین:** روشن۔ **مرکب:** سواری۔ **سرعت:** تیزی۔ **لاہوت:** عالم ذاتِ الٰہی۔

مفہوم: شہزادہ علی اکبر جب گھوڑے پر سوار ہوئے تو زین کا دامن فخر سے بلند ہو گیا اور گھوڑا ہوا میں اڑنے لگا۔

تشریح

یہ نظم مرزا سلامت علی دبیر کے مرثیے کا ٹکڑا ہے۔ مرثیہ ایک ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کسی مرنے والے کا غم بیان کیا جائے لیکن لکھنؤ میں مرثیہ صرف واقعاتِ کربلا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم بیان کرنے کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اس حوالے سے میر انیس اور مرزا دبیر دو بڑے شاعر مانے جاتے ہیں۔ نظم کے اس ٹکڑے میں مرزا دبیر کے روایتی انداز کی گھن گرج موجود ہے۔ وہی آب و تاب، شوکتِ الفاظ اور صنعت گری جو ان کے کلام کا خاصہ ہے۔ نظم کے اس حصے میں جناب علی اکبرؓ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، کا دشمن سے خطاب دکھایا گیا ہے۔ یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ہے جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں۔

(یہ تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

مرزا دبیر کو منظر کشی میں کمال حاصل ہے۔ انھوںؒ نے حضرت امام عالی مقام کے بیٹے حضرت علی اکبرؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن فوج سے خطاب کو موضوع بنایا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب علی اکبرؓ گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس کی زین کا رتبہ بھی بلند ہو گیا۔ اور اس نے فخر کرتے ہوئے سورج کو مخاطب کیا کہ اے سورج! میری شان اور مقام تجھ سے بلند ہے کیونکہ مجھ پر ایک ایسی ہستی تشریف فرما ہے جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اور اس گھوڑے کے غرور کا یہ عالم تھا کہ گویا اس کے پاؤں ہی زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ وہ یوں چلتا تھا کہ جیسے زمین سے لے کر آسمان تک کوئی قالین بچھا ہوا ہے۔ پھر شاعر مبالغے سے کام لیتے ہوئے اس گھوڑے کے فخر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگرچہ ہر جاندار تقدیر کے تابع ہے لیکن اس گھوڑے پر جو عالی مقام سوار ہیں، اس وجہ سے اس نے تقدیر کے شہباز کو بھی اپنے پلکوں میں دبوچ لیا ہے گویا تقدیر بھی اس کا سامنا نہیں کر پا رہی۔ اور اسی طرح اس نے اپنے بغلوں کے شکنجے میں ہوا کو قید کر لیا ہے گویا اس کی رفتار اتنی تیز ہے کہ وہ ہوا سے باتیں کر رہا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS/TOUSEEFAHMAD1

(۲)

اِک عالمِ حیرت تھا ، چہ لاہوت ، چہ ناسوت
سب جرم سے تائب تھے چہ ہاروت ، چہ ماروت
سب خوف سے تھے زرد چہ خورشید ، چہ یاقوت
سکتہ تھا سلاطین کو، نے تخت ، نہ تابوت
بے خود جو کیا رُوئے درخشاں کی چمک نے
بالائے زمیں ٹیک دیے ہاتھ فلک نے

لغت: **ناسوت:** دنیا۔ **تائب:** توبہ کرنے والے۔ **ہاروت و ماروت:** دو فرشتے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور بتاتے بھی تھے کہ یہ غلط کام ہے اس میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ اس دور کی بات ہے جب بنی اسرائیل بابل میں غلام تھے۔ یہ لوگوں کی آزمائش کے لیے رب کی طرف سے آئے تھے۔ **خورشید:** سورج۔ **سکتہ:** حیرت میں ڈوبے۔ **نے:** نہیں۔ **روئے درخشاں:** چمکتے دمکتے چہرے۔ **فلک:** آسمان۔

مفہوم: حضرت علی اکبر کو گھوڑے پر سوار دیکھ کر سارا عالم حیرت میں ڈوب گیا تھا اور ہر چیز پر سکتہ طاری تھا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

اس بند میں شاعر حضرت علی اکبرؓ کے میدان میں اُترنے کی کیفیت کو مبالغے سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جناب علی اکبرؓ اس شان سے میدان جنگ میں اُترے کہ سارا عالم حیرت میں ڈوب گیا۔ کیا زمین پر رہنے والے، کیا آسمان پر رہنے والے، سبھی اس شان اور عظمت کے آگے حیران تھے۔ یہ ایک شاندار منظر تھا کہ ہر مخلوق اپنے گناہوں سے تائب ہو چکی تھی۔ سب اپنے گناہوں پر شرمندہ تھے۔ شاعر اس کیفیت کو مبالغہ آمیز انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس فہرست میں ہاروت اور ماروت جیسے فرشتے بھی شامل تھے۔ جو اللہ کے حکم سے بابل کے لوگوں کے لیے آزمائش بن کر اُترتے تھے اور انھیں جادو سکھاتے تھے۔ لیکن ایک غلط روایت کی وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ اللہ نے انھیں اس گناہ کی سزا میں بابل کے کنویں میں الٹا لٹکا دیا۔ اسی لیے شاعر نے گناہ گاروں کی فہرست میں ہاروت اور ماروت کو بھی شامل کیا ہے۔ پھر شاعر بیان کرتا ہے کہ اس شیر جوان کی آمد سے نہ صرف دشمن کی فوج خوف سے زرد ہو چکی تھی بلکہ سورج اور یاقوت جیسے پتھر بھی زرد ہو گئے تھے۔ اس خوف کی کیفیت کو مزید واضح کرنے کے لیے وہ کہتا ہے کہ اس خوف کے بادشاہ بھی اسیر تھے۔ اور وہ اپنے تاج و تخت تک بھول بیٹھے تھے۔ پھر شاعر جناب علی اکبرؓ کے پُرنور چہرے کا نقشہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس روشن چہرے کی چمک دمک کے آگے آسمان اور اس پر چمکتے سورج نے بھی گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ اور وہ زمین کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے۔

(۳)

رہوار کے کاووں سے زمیں چرخ میں آئی
پر عرق عرق ہو گیا وہ حق کا فدائی
چہرے پہ عجب آب پسینے نے دکھائی
اِن قطروں سے نیساں پہ گھٹا شرم کی چھائی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

یہ قدر عرق کی نہ کسی رو سے بڑھی تھی
شبنم کبھی خورشید کے منہ پر نہ پڑی تھی

لغت: رہوار: گھوڑے کا چلنا۔ کاووں: گھوڑے کو چکر میں چلانا کہ سموں سے دائرے مکمل ہوں۔ عرق عرق ہونا: پسینے چھوٹنا۔ آب: چمک۔ نیساں: بارش۔

مفہوم: گھوڑا جب حرکت میں آیا تو زمین بھی چکر میں آگئی اور حضرت علی اکبر کے ماتھے پر پسینہ سورج کی مانند چمکنے لگا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

اس بند میں شاعر جناب علی اکبرؓ کے گھوڑے پر سوار ہونے کے منظر کو مبالغہ آمیز انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب اس عالی مقام گھڑسوار نے میدان کے چکر کاٹنے شروع کیے تو اس کے چکروں کے ساتھ ساتھ زمین بھی گردش کرنے لگی۔ ایک طرف وہ روشن چہرہ تھا اور دوسری جانب گرمی کی شدت سے اس عالی وقار چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ یہ پسینے کے قطرے اس پُرنور چہرے پر موتیوں کی مانند دکھائی دیتے تھے۔ اور اس منظر کے آگے بارش کے قطرے بھی شرمندہ ہیں۔ مزید شاعر ان پسینے کے قطروں کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ جس چہرے پر تھے، اس نے ان کے مقام کو بڑھا دیا تھا۔ پھر شاعر جناب علی اکبرؓ کے چہرے کو سورج قرار دیتے ہوئے حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ کبھی کسی نے سورج کے چہرے پر بھی شبنم کے قطرے دیکھے تھے لیکن آج یہ منظر سب کے سامنے تھا۔ الغرض اس جناب عالی مقام کی وجہ سے ہر شے کے مقام اور عزت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

(۴)

ماتھے کا عرق پاک کیا انگلی سے بارے
سورج سے کیے دُور مہِ نو نے ستارے
حیدرؓ کے لب و لہجے میں لشکر کو پکارے
ہاں غافلو! آگاہ ہو رُتبے سے ہمارے
اللہ کے بندے ہیں پہ اللہ نہیں ہیں
بندے مگر اس طرح کے واللہ نہیں ہیں

لغت: بارے: الغرض، آخرکار۔ مہِ نو: نیا چاند۔ واللہ: خدا کی قسم۔

مفہوم: انھوں نے اپنے پسینے کو صاف کیا اور دشمن فوج سے مخاطب ہوئے کہ وہ ان کے رتبے سے آگاہ نہیں ہیں۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ بحث بند میں شاعر بیان کرتا ہے کہ جب جناب علی اکبرؓ اس شدید گرمی میں گھوڑے پر سوار میدان میں اُترے تو ان کا چہرہ پسینے تر بہ تر تھا۔ انھوں نے اپنی انگلی سے اپنے چہرے پر آنے والے پسینے کو صاف کیا۔ لیکن اس بات میں فصاحت و بلاغت پیدا کرنے کے لیے انھوں نے

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHIMAD

استعاروں سے بھی کام لیا ہے۔ انھوں نے جناب علی اکبرؓ کے چہرے "سورج"، ان کی انگلی کو "مہ نو" مراد پہلی کا چاند اور پسینے کے قطروں کو ستارے قرار دیا ہے۔ گویا پہلی کے چاند نے سورج کے چہرے پر چھائے ہوئے ستاروں کو ہٹایا ہے۔ پھر شاعر ان کے خطاب کو موضوع بناتے ہوئے کہتا ہے کہ جب جناب علی اکبرؓ نے حضرت علی رض اللہ عنہ کے لہجے میں دشمن کو پکارا تو دشمن خوف زدہ ہو گیا۔ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ کے بارعب لہجے میں دشمن کو اپنے حسب نسب سے آگاہ کیا۔ انھیں تنبیہ کی کہ وہ ان کے مقام اور رتبے سے آگاہ رہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ کے نواسے کے بیٹے، شیر خدا علی رضی اللہ عنہ کے پوتے، فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر اور جناب عالی مقام کے بیٹے ہیں۔ پھر انھوں نے باوقار انداز میں ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ نہیں بلکہ اللہ کے بندے ہیں لیکن وہ کوئی عام بندے نہیں ہیں بلکہ آلِ بیت میں سے ہیں۔ الغرض شاعر نے اس بند میں جناب علی اکبرؓ کے خطاب کو موضوع بناتے ہوئے ان کی شان اور مقام بیان کیا ہے۔

(۵)

تن پر رہِ معبود میں ہم سر نہیں رکھتے
ہم سر کے کٹانے میں ہمسر نہیں رکھتے
جز دستِ گدا اور کہیں زر نہیں رکھتے
تکیہ کرمِ حق پہ ہے، بستر نہیں رکھتے

یہ اُن پہ کھلا ہے کہ جو خاصانِ خدا ہیں
ہر بندے کے ہم بند کشا عقد کشا ہیں

لغت: تن: بدن۔ ہمسر: ثانی، برابر کا۔ جز: سوائے۔ دستِ گدا: مانگنے والے کا ہاتھ، گدا کرنے والے فقیر کا ہاتھ۔ زر: دولت، رقم۔ تکیہ کرمِ حق: اللہ تعالیٰ کی نوازش کی امید رکھنا۔ خاصانِ خدا: اللہ کے منظورِ نظر۔ عقد کشا: مشکل آسان کرنے والے۔

مفہوم: انھوں نے کہا کہ وہ اللہ کی راہ میں جان لٹانے میں دیر نہیں کرتے وہ دولت سنبھالتے نہیں ہیں اور وہ کوئی عام بندے نہیں ہیں۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں جناب علی اکبرؓ کا دشمن سے خطاب جاری ہے۔ اس بند سے پہلے وہ واضح کر چکے ہیں کہ وہ سب اللہ کے بندے ہیں اور اب بندگی کے آداب بیان کرتے ہوئے کہتے کہ وہ اپنے مالک کی رضا کے لیے سر کٹانے سے نہیں ڈرتے بلکہ اس راہ جان لٹانے میں کوئی ان کی برابری نہیں کرسکتا۔ ہم راہِ حق میں جان کی بازی اس شان سے لگاتے ہیں کہ دشمن بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ ہم اس بندگی میں ہر حد سے گزر جانے والے ہیں۔ پھر وہ مزید بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہو، ہم اللہ کی راہ میں خیرات کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔ ہم نبی ﷺ کے گھرانے سے ہیں اس لیے ہم صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم اپنے پاس مال و زر اکٹھا نہیں کرتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ اپنے پاس ہو، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ ہم صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور اس کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ اور ہماری خوبی یہ ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کے کام بنانے والے اور مشکل میں ان کے کام آنے والے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۶)

احکام یزید اور ہیں اور اپنے امور اور
باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے اور آتشِ طُور اور
زنبور کا غُل اور ہے الحانِ زبُور اور
سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا، ہیں مَلَک کیا
بُت کیا ہے ، خدا کیا ہے ، زمیں کیا ہے، فلک کیا

لغت: امور: کام۔ نمود: دکھلاوا۔ بشر: انسان۔ ملک: فرشتے۔

مفہوم: یزید کے احکامات اور ان کی سوچ میں وہی فرق ہے جو حق اور باطل میں فرق ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں جناب علی اکبرؓ کا خطاب جاری ہے۔ وہ آلِ بیت کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں۔ وہ اپنا موازنہ یزید سے کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ہمارا اور یزید کا کوئی موازنہ نہیں۔ اسے اپنی بادشاہت عزیز ہے۔ وہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہے جب کہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی رضا کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے ہوئے ہیں۔ ہم حق کا بول بالا کرنے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں۔ اس لیے یزید اور ہمارا کوئی موازنہ نہیں۔ یزید غلط راستے پر قائم رہنا چاہتا ہے جبکہ ہم حق کی خاطر سر کٹاتے ہیں۔

پھر شاعر باطل اور حق کے درمیان فرق واضح کرنے کے لیے چند تلمیحات لے کر آتا ہے۔ وہ ایک طرف آتشِ نمرود کا ذکر کرتا ہے جو نمرود بادشاہ نے جلائی تھی۔ اور جس میں حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لیے پھینکا گیا تھا گویا وہ آگ حق کو مٹانے کے لیے تھی۔ پھر وہ آتشِ طور کا ذکر کرتا ہے۔ جو دراصل اللہ کی تجلی تھی اور طور پہاڑ پر حضرت موسیٰؑ کی فرمائش کے جواب میں دکھائی گئی تھی۔ گویا یہ آگ یا تجلی حق کے اظہار کے لیے تھی اور اس کا بول بالا کرنے کے لیے تھی۔ پھر شاعر زنبور یعنی شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ اور لحنِ داؤدی یعنی حضرت داؤدؑ کے سریلی آواز میں فرق بیان کرتا ہے کہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ محض ایک آواز ہے لیکن حضرت داؤدؑ کی آواز میں حق کا اظہار تھی۔ ان تلمیحات سے جناب علی اکبرؓ یزید اور اپنے درمیان فرق واضح کرتے ہیں۔

پھر وہ دشمن فوج سے مخاطب ہو کر انھیں سوچنے کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر وہ مختلف تضاد دکھا کر انھیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ جس طرح انسانوں اور فرشتوں میں فرق ہے، جس طرح بت اور خدا میں فرق ہے، جس طرح زمین اور آسمان میں فرق ہے، اسی طرح یزید اور ہماری فوج میں بھی فرق ہے۔ الغرض جناب علی اکبرؓ کے خطاب سے شاعر حق اور باطل کا فرق واضح کر رہا ہے۔

UPLOADED BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

(۷)

سامان سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوتا
ہر اہلِ عصا موسیٰ ؑ عمراں نہیں ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیماںؑ نہیں ہوتا
آئینہ گر اسکندرِ دوران نہیں ہوتا
لاکھ اَوج ہو پشّے کا ، ہُما ہو نہیں جاتا
بُت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہیں جاتا

لغت: عصا: لاٹھی۔ عمران: حضرت موسیٰؑ کے والد۔ آئینہ گر: شیشہ بنانے والا، آئینہ ساز۔ سکندرِ دوراں: مراد سکندر اعظم جس نے آئینہ ایجاد کیا۔ اوج: بلندی۔ پشے: بچھو، چھوٹا سا کیڑا۔ ہما: ایک پرندہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کسی کے سر پر سے گزر جائے تو وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔

مفہوم: صرف سامان اور طاقت رکھنے سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوتا کیونکہ یہ صرف اللہ کا دین ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیر نظر بند میں جناب علی اکبرؑ کا خطاب جاری ہے۔ وہ دشمن فوج سے مخاطب ہو کر انہیں یہ باور کروا رہے ہیں کہ جس طرح باطل اور حق میں فرق ہے، اسی طرح یزیدی لشکر اور ہمارے لشکر میں بھی فرق ہے۔ ایک طرف باطل کے طرف دار ہیں اور دوسری طرف حق کے بندے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ یاد رکھو کہ بادشاہت یا دنیاوی اقتدار سے کوئی صاحب ایمان نہیں بن جاتا۔ پھر شاعر اس فرق کو واضح کرنے کے لیے چند تلمیحات لے کر آتا ہے۔ پہلی تلمیح حضرت موسیٰؑ اور ان کے عصا کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہر عصا رکھنے والا حضرت موسیٰؑ کی طرح عالی مقام نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح ہر انگھوٹی پہننے والا حضرت سلیمانؑ کی طرح عظیم بادشاہ نہیں بن جاتا اور نہ ہی جنات اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ یہ سراسر اللہ کی رحمت ہے جو دنیاوی دولت اور سامان رکھنے سے نہیں مل جاتی۔ اسی طرح سکندر کی طرح آئینہ بنوا لینے سے کوئی اپنے زمانے کا فاتح نہیں بن جاتا۔ جس کے بارے میں معروف تھا کہ وہ اپنے ہر مسئلے کا حل دیکھ لیا کرتا تھا۔

ان تلمیحات کے بعد وہ مزید مثالوں سے اپنا مدعا بیان کرتا ہے کہ جس طرح کسی مچھر کو جتنا مرضی عروج مل جائے تو وہ ہُما پرندہ نہیں بن جاتا جسے بادشاہوں کا پرندہ کہا جاتا ہے اور جس کے بارے میں معروف ہے کہ وہ جس کے سر پر بیٹھ جائے اسے بادشاہت مل جاتی ہے۔ اسی طرح ایک بت کسی کافر کے سجدے کی وجہ سے خدا نہیں بن جاتا۔ الغرض شاعر جناب علی اکبرؑ کی زبانی یزیدی لشکر اور حسینی لشکر کا فرق واضح کر رہا ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

مشق

۱۔ **حضرت علی اکبرؓ نے اپنے خطاب میں کیا ارشاد فرمایا؟**

جواب: حضرت علی اکبرؓ نے دشمن فوج سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہمارے مقام اور مرتبے سے واقف نہیں ہیں۔ ہم تو اللہ کے بندے ہیں۔ ہم سجدہ

۲۔ **اس نظم میں جن تاریخی شخصیات کا ذِکر ہوا ہے، ان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟**

جواب: اس نظم میں درجِ ذیل شخصیات کا ذکر ہوا ہے:

حضرت علی اکبرؓ	حضرت امام حسینؓ کے لختِ جگر تھے اور کربلا میں شہید ہو گئے۔
یزید	حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا جس نے اپنی خلافت کے تسلیم کرانے کے لیے حضرت امام حسینؓ سے معرکہ آرائی کی پھر میدانِ کربلا میں انھیں اور ان کے کنبے کو شہید کر دیا گیا۔
نمرود	اپنے دور کا جابر بادشاہ، خدائی کا دعوے دار۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دینے کے لیے آگ کا الاؤ روشن کیا، مگر آگ گلزار بن گئی۔
حضرت موسیٰؑ	اللہ کے پیغمبر۔۔۔ فرعون سے معرکہ آرائی ہوئی۔۔۔ فرعون ڈوب کر غرقِ آب ہو گیا۔
حضرت سلیمانؑ	اللہ کے نبی اور بادشاہِ وقت۔ اللہ نے بہت سارے اختیار دیے۔ جن اور ہوا اُن کے تابع تھی۔
حضرت داؤدؑ	اللہ کے پیارے نبی، زبور اُن پر نازل ہوئی۔ وہ جب زبور پڑھتے تھے تو ہر چیز جھومنے لگ جاتی تھی۔
سکندرِ اعظم	یونان کا حکمران جس نے دنیا فتح کی اور دارا سوم کو شکست دی۔

۳۔ **نظم سے ایسے مصرعے تلاش کر کے لکھیں جن میں صنعتِ تضاد کا استعمال ہو۔**

جواب:
ع سرعت سے کہا فرش بچھا عرشِ بریں پر
ع سکتہ تھا سلاطین کو، نے تخت، نہ تابوت
ع باطل کی نمود اور ہے حق کا ظہور اور
ع بت کیا ہے، خدا کیا ہے، زمیں کیا ہے، فلک کیا
ع بالائے زمیں ٹیک دیے ہاتھ فلک نے

۴۔ **مرثیہ کی تعریف کریں اور مرثیے کے ارکان کی وضاحت کریں۔**

جواب: دیکھیے (شعری اصناف)

۵۔ **کسی اور مرثیے کے تین اشعار لکھیں، جن کا موضوع واقعاتِ کربلا ہو۔**

جواب:
کانٹوں میں ایک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول — خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب و زینت کا شانہ بتول — وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسول
ماہِ عزا کے عشرہ اول میں کٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں کٹ گیا

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEFAHMAD

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: مرزا دبیر کے مرثیہ نگاری کی نمایاں خوبیاں بیان کریں۔

جواب: مرزا دبیر میر انیس کے ہم عصر تھے۔ ان کے مرثیوں میں ایک خاص قسم کی گھن گرج، آب و تاب اور زبان و بیان کا انداز موجود ہے۔ ان کے انداز بیان میں رعب و دبدبہ، لکھنوی مزاج کے اثرات، منظر نگاری، لفظوں کا خوبصورت استعمال، واقعہ نگاری کا کمال، حسن تشبیہ اور سراپا نگاری جیسی نمایاں خصوصیات موجود ہیں۔

سوال: شاعر نے جناب علی اکبر کے گھوڑے پر سوار ہونے کا کیسا منظر بیان کیا ہے؟

جواب: شاعر کہتا ہے کہ جب جناب علی اکبر گھوڑے پر سوار ہوئے تو گھوڑے کی زین کا رتبہ بھی بلند ہو گیا اور اس نے سورج پر اپنی برتری ظاہر کی۔ اور ان کا گھوڑا بھی فخر سے اتنا مغرور ہو گیا کہ اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے تھے۔ اور وہ تقدیر کو اپنے تابع کر کے ہوا میں اڑنے لگا۔

سوال: ایک عالمِ حیرت تھا، چہ لاہوت، چہ ناسوت۔۔۔۔ اس مصرع میں شاعر نے کون سی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔

جواب: اس مصرع میں شاعر نے صوفیانہ اصطلاحات لاہوت اور ناسوت کا استعمال کیا ہے۔ صوفیا کے ہاں اس مادی دنیا کو عالمِ ناسوت کہا جاتا ہے اور اس سے مراد کم تر مقام ہے۔ ان کے ہاں عالمِ ذاتِ الٰہی کو عالمِ لاہوت کہا جاتا ہے یعنی ایسا مقام جو اللہ سے قریب تر ہو اور جہاں پہنچ کر ایک صوفی خود کو اللہ کی ذات میں گم کر دیتا ہے اور سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

سوال: سب جرم سے تائب تھے چہ ہاروت، چہ ماروت۔۔۔۔۔۔ اس مصرع میں شاعر نے کون سی اصطلاح کا استعمال کیا ہے؟

جواب: اس مصرع میں شاعر نے علمِ بدیع کی اصطلاح تلمیح استعمال کی ہے جس میں کسی تاریخی واقعے یا شخصیت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس میں ہاروت اور ماروت کی تلمیح ہے۔ جنھیں اللہ نے بنی اسرائیل کی آزمائش کے لیے اُتارا تھا۔ جو انھیں پہلے بتاتے تھے کہ وہ اللہ کی طرف سے آزمائش بن کر آئے ہیں اور پھر بھی اگر کوئی کہتا تھا تو انھیں جادو سکھاتے تھے۔

سوال: سورج سے کیے دُور مہِ نو نے ستارے۔۔۔۔۔۔ اس مصرع میں کون سی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں؟

جواب: اس مصرع میں شاعر نے علمِ بیان کی اصطلاح استعارہ کا استعمال کیا ہے۔ جس میں کسی لفظ کو اس کو مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کے مجازی معنی اور حقیقی معنی میں تشبیہ کا تعلق موجود ہوتا ہے۔ اس مصرع میں لفظ "سورج" جناب علی اکبر کے چہرے کے لیے اور لفظ "ستارے" ان کے ماتھے پر آنے والے پسینے کے قطروں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

سوال: جناب علی اکبر نے دشمن کو للکار کر کیا کہا؟

جواب: انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کو للکارا اور کہا کہ کیا تم ہمارے مقام اور مرتبے سے واقف ہو۔ ہم اللہ کے پیارے بندے ہیں۔ ہم سر کٹانے میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ہمارے ہاں دولت صرف فقیروں کے ہاتھ پر رکھی جاتی ہے۔ اور ہر کوئی ہمارے مقام سے واقف نہیں ہو سکتا۔

سوال: جناب علی اکبر نے حق اور باطل کا موازنہ کرنے کے لیے کون کون سی تلمیحات استعمال کی ہیں؟

جواب: وہ فرماتے ہیں کہ یزید کے احکامات اور ہمارے عمل میں وہی فرق ہے جو نمرود کی آگ میں اور کوہِ طور پر چمکنے والی تجلی میں تھا۔ نمرود کی

MDCAT(BY)FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

آگ حق کو مٹانے کے لیے تھی جبکہ کوہِ طور پر ظاہر ہونے والی تجلی حق کے ثبات کے لیے تھی۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ وہی فرق ہے جو زنبور یعنی مکھیوں کے شور میں اور الحانِ زبور یعنی حضرت داؤد کی حمد و ثنا میں ہے۔

سوال: جناب علی اکبر نے سامان، طاقت اور اقتدار کو کم تر کیوں کہا ہے؟

جواب: وہ فرماتے ہیں کہ ہر سامان رکھنے والا اہلِ ایمان نہیں ہوتا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ جس طرح عصا رکھنے والا حضرت موسیٰ کے مقام کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یا ہر انگھوٹی پہننے والا حضرت سلیمان نہیں بن جاتا۔ یا ہر آئینہ رکھنے والا اسکندرِ اعظم نہیں بن جاتا۔ یا جس طرح مچھر ہما نہیں بن سکتا اور کافر جتنے مرضی سجدے کر لے، بت خدا نہیں بن سکتا۔

کثیر الانتخابی سوالات

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

1۔ مرزا سلامت علی دبیر کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۸۰۱ء (ب) ۱۸۰۲ء (ج) ۱۸۰۳ء ✓ (د) ۱۸۰۴ء

2۔ مرزا سلامت علی دبیر کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۸۷۵ء ✓ (ب) ۱۸۷۶ء (ج) ۱۸۷۷ء (د) ۱۸۷۸ء

3۔ مرزا سلامت علی دبیر کہاں پیدا ہوئے۔

(ا) لکھنؤ (ب) مدراس (ج) دہلی ✓ (د) فیض آباد

4۔ مرزا سلامت علی دبیر کتنے سال کے تھے جب ان کے والدین دلی سے لکھنؤ چلے آئے؟

(ا) پانچ (ب) چھ (ج) سات ✓ (د) آٹھ

5۔ مرزا سلامت علی دبیر شاعری میں کس کے شاگرد ہوئے؟

(ا) میر حسن (ب) میر ضمیر ✓ (ج) میر تقی میر (د) میر درد

6۔ مرزا سلامت علی دبیر کس بڑے مرثیہ گو شاعر کے ہم عصر تھے؟

(ا) میر حسن (ب) میر خلیق (ج) میر نجف علی (د) میر انیس ✓

7۔ نظم "تختِ فرس پہ علی اکبرؓ کا خطاب" کس شاعر کی تخلیق ہے:

(ا) مرزا دبیر ✓ (ب) میر انیس (ج) میر حسن (د) میر خلیق

8۔ زین نے کس پر آوازہ کسا:

(ا) آسمان ✓ (ب) ستارے (ج) سورج (د) چاند

9۔ گھوڑے نے پلکوں سے پنجے میں کیا لیا:

(ا) شہباز قضا کو ✓ (ب) ہوا کو (ج) سورج کو (د) چاند کو

10۔ رہوار کے ______ سے زمیں چرخ میں آئی:
(ا) حرکت (ب) کاووں سے ✓ (ج) سموں سے (د) بالوں سے

11۔ شہزادے علی اکبرؓ نے ماتھے سے پسینہ کیسے صاف کیا:
(ا) ہاتھ سے (ب) کپڑے سے (ج) انگلی سے ✓ (د) چھڑی سے

12۔ علی اکبرؓ نے کس کے لہجے میں دشمن کو للکارا:
(ا) حیدر کے ✓ (ب) حضرت امام حسینؓ کے (ج) علی اصغرؓ کے (د) حضرت عباسؓ کے

13۔ زنبور کے معنی ہیں:
(ا) مکھیاں (ب) چیونٹیاں (ج) شہد کی مکھیاں ✓ (د) پرندے

14۔ مَلک کے معنی ہیں:
(ا) سردار (ب) ملکیت (ج) فرشتہ ✓ (د) بادشاہ

15۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا چیز مشہور ہے:
(ا) اونٹنی (ب) عصا ✓ (ج) انگھوٹھی (د) خوش الحانی

16۔ نظم میں دو اُڑنے والے جانداروں کا تقابل کیا گیا ہے:
(ا) پشّے اور شہباز کا (ب) شہباز اور کرگس کا (ج) پشّے اور ہما کا ✓ (د) ہما اور شہباز کا

17۔ مرزا اسلامت علی دبیر کی وجہ شہرت ہے:
(ا) غزل (ب) نظم (ج) مرثیہ ✓ (د) قصیدہ

18۔ نظم ''تختِ فَرس پہ علی اکبرؓ کا خطاب''، کون سی صنف سخن ہے؟
(ا) غزل (ب) نظم (ج) مرثیہ ✓ (د) قصیدہ

19۔ نظم ''تختِ فَرس پہ علی اکبرؓ کا خطاب''، کس ہیئت میں ہے؟
(ا) مثلث (ب) مربع (ج) مخمس (د) مسدس ✓

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اُمید

الطاف حسین حالی

(۱۸۳۷ء - ۱۹۱۴ء)

شاعر کا تعارف:

الطاف حسین حالیؔ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے، تاہم ذاتی کوشش سے عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔ حصولِ تعلیم کے شوق میں دِلّی گئے، جہاں غالبؔ اور شیفتہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ چند سال شیفتہ کے مصاحب رہے۔ ۱۸۷۴ء میں لاہور میں ملازمت مل گئی اور انگریزی سے ترجمہ ہونے والی کتابوں پر نظرِ ثانی (دوبارہ نظر ڈالنا) کرتے رہے۔ یہاں جدید نظم کے چار مشاعروں میں شریک ہوئے۔ پھر اینگلو عریبک سکول (مغلوں کے زمانے کا ایک سکول جسے انگریزوں نے دوبارہ شروع کیا۔) دِلّی میں مدرس (استاد) ہو گئے۔ وہاں سرسیّد اور ان کی تحریک سے رابطہ ہوا۔ سرسیّد کے ایما پر مسدس "مدوجزرِ اسلام" (حالی کی مسدس کا نام)، لکھی۔ اس کے بعد بہت سی نظمیں لکھیں اور کئی جدید نظم نگار شعراء کو متاثر کیا۔ مولانا حالی اور آزاد دونوں کی مشترکہ کوششوں سے اُردو شاعری بہت حد تک تبدیل ہو گئی اور اس میں پہلی بار مشرقی خیالات کے ساتھ ساتھ مغربی خیالات بھی سامنے آئے۔ حالیؔ نے غزل کو بھی جدید رنگ میں ڈھالا اور روایت (جو چیز پہلے سے چلی آ رہی ہو) کی بے جا تقلید (غیر ضروری پیروی) کے بجائے تازگیٔ بیان پر توجہ دی۔ حالیؔ کی غزل میں میرؔ و غالبؔ کا سا تغزل (شاعری میں غزل کی روح کا ہونا) ملتا ہے جبکہ اُن کی نظمیں جذبہ حُب الوطنی اور اصلاحِ ملت (قوم کی اصلاح کرنا) کا ثبوت ہیں۔ اُردو شاعری میں پہلی مرتبہ حالیؔ نے قومی، سیاسی اور سماجی موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ حب الوطن، چپ کی داد، نشاطِ اُمید اور مناظرہ رحم و انصاف جیسی نظمیں اس کی درخشندہ مثالیں ہیں۔ حالیؔ نے پانی پت میں وفات پائی۔

نظم کا تعارف:

نظم "امید" الطاف حسین حالی کی مشہور نظم "مدوجزرِ اسلام" سے لی گئی ہے۔ اس کی ہیئت مسدس ہے یعنی اس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہیں۔ اس لیے یہ نظم "مسدسِ حالیؔ" کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ نظم الطاف حسین حالی نے سرسید کی تحریک پر لکھی تھی۔ جس میں انھوں نے مسلمانوں کے عروج و زوال کو موضوع بنایا تھا۔ زیرِ بحث نظم کا موضوع اُمید ہے جس کی مسلمانوں کو اس دور میں اشد ضرورت تھی تاکہ وہ زوال کی پستی سے نکل کر دوبارہ عروج حاصل کر سکیں۔ خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کو جو 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد بہت زیادہ مایوس ہو چکے تھے۔

(یہ تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

بس اے نااُمیدی نہ یوں دل بجھا تو
جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو
ذرا نااُمیدوں کی ڈھارس بندھا تو
فسردہ دلوں کے دل آکر بڑھا تو
ترے دم سے مُردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

لغت: دل بجھانا: مایوس ہونا۔ جھلک: روشنی، چمک، عکس، جلوہ۔ ڈھارس بندھانا: امید دلانا، حوصلہ دینا۔ فسردہ: اداس، پریشان۔

تشریح

نظم ''امید'' الطاف حسین حالی کی مشہور نظم ''مدوجزرِ اسلام'' سے لی گئی ہے۔ اس کی ہیئت مسدس ہے یعنی اس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہیں۔ اس لیے یہ نظم ''مسدسِ حالی'' کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ نظم الطاف حسین حالی نے سرسید کی تحریک پر لکھی تھی۔ جس میں انھوں نے مسلمانوں کے عروج وزوال کو موضوع بنایا تھا۔ زیرِ بحث نظم کا موضوع بھی اُمید ہے جس کی مسلمانوں کو اس دور میں اشد ضرورت تھی تاکہ وہ زوال کی پستی سے نکل کر دوبارہ عروج حاصل کرسکیں۔ خصوصاً ہندوستانی مسلمان تو 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد بہت زیادہ مایوس ہوچکے تھے۔

(یہ تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ بحث بند میں شاعر سب سے پہلے مایوسی سے مخاطب ہوتا ہے اور اس تاکید کرتا ہے کہ وہ یوں مسلمانوں کے دلوں کو نہ بجھائے کیونکہ جب دل بجھ جاتے ہیں تو انسان کی عمل کرنے کی قوت ختم ہوجاتی ہے۔ وہ ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر شاعر مایوسی کی ضد اُمید سے مخاطب ہوتا ہے کہ تو ہی اپنی جھلک دکھا تاکہ جو دل بجھ چکے ہیں، وہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ سکیں۔ ان کے بجھے ہوئے دلوں کے چراغ دوبارہ روشن ہوسکیں۔ کیونکہ جب انسان پراُمید ہوتا ہے تو گویا وہ زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اسی لیے شاعر اُمید سے مخاطب ہوکر اسے نااُمید دلوں کو زندگی کی طرف واپس لانے کی درخواست کرتا ہے۔ انھیں حوصلہ دینے اور آگے بڑھانے کی گزارش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ انسان کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مایوسی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے اور پھر وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ اس لیے شاعر اُمید سے مخاطب ہوکر مردہ دلوں اور جسموں کو زندگی کی لوٹانے کا کہتا ہے۔ پھر آخر میں شاعر اُمید کو یاد دلاتا ہے کہ تیرے ہی دم تو جلی ہوئی کھیتیاں بھی سرسبز ہوجاتی ہیں اس لیے تو ان مسلمانوں کی ویران کھیتی کو ہرا ابھرا کردے تاکہ یہ پھر سے قوتِ عمل کی طرف لوٹ سکیں اور وہی عروج حاصل کرسکیں جو ان کا مقدر ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۲)

سفینہ پئے نوحِ طوفاں میں تو تھی
سکوں بخشِ یعقوبؑ کنعاں میں تو تھی
زلیخا کی غمخوار ہجراں میں تو تھی
دل آرام یوسفؑ کی زنداں میں تو تھی

مصائب نے جب آن کر اُن کو گھیرا
سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا

لغت: سفینہ: بڑی کشتی۔ پئے: واسطے، لیے۔ یعقوبِ کنعاں: حضرت یعقوب علیہ السلام، جو کنعاں کے رہنے والے تھے۔ غمخوار: ہمدرد، دکھ درد کی شریک۔ ہجراں: جدائی۔ دل آرام: دل کو سکون دینے والی، معشوق۔ زنداں: قید خانہ۔ مصائب: مصیبت کی جمع۔ آن کر: آ کر۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر تلمیحات یعنی تاریخی حوالوں سے یہ بتاتا ہے کہ امید کتنی بڑی چیز ہے۔ وہ امید سے مخاطب ہو کر اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی تھی کہ جب حضرت نوحؑ اپنی قوم سے مایوس ہو چکے تھے اور اللہ سے شکایت کرتے تھے کہ ان کی قوم حق بات کو تسلیم نہیں کرتی اور حد سے باہر نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کشتی تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھ اہلِ ایمان نے کشتی میں بیٹھ کر نجات پائی تھی۔ پھر وہ حضرت یعقوبؑ کے صبر کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ یہ اُمید ہی تھی جس نے انھیں حوصلہ دیے رکھا اور آخرِ کار وہ اپنے پیارے بیٹے حضرت یوسفؑ سے مل پائے۔ پھر شاعر حضرت یوسفؑ کے قصے کی ایک اہم کردار زلیخا کا ذکر کرتا ہے۔ جس نے پہلے حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی پر الزام لگایا تھا اور انھیں قید ہوئی تھی۔ لیکن بعد میں زلیخا ان کی یاد میں صرف اُمید ہی کے سہارے زندہ رہی تھی۔ اسی طرح وہ حضرت یوسفؑ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب انھیں قید ہوگئی تو قید میں صرف اُمید ہی کا سہارا تھا جس کے سبب وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے اور آخرِ کار انھیں قید سے رہائی ملی اور وہ مصر کے حکمران بن گئے۔

الغرض شاعر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مصیبت میں، تکلیف میں، قید میں یہ صرف اُمید ہی کا سہارا تھا جو ان تمام لوگوں کو زندہ رکھتا تھا۔ اور انھیں یقین دلاتا تھا کہ آخر ایک دن یہ دن گزر جائیں گے اور اچھے دن بھی آئیں گے۔ جیسا کہ ناصرؔ نے کہا تھا:

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

(۳)

بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تو نے
بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تو نے
اُکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تو نے
اُجڑتے گھروں کو بسایا ہے تو نے

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHIMADY

بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہے
اندھیرے میں اکثر اُجالا کیا ہے

لغت: ترایا: تیرایا، بیڑا پار کیا۔ پستوں: مغلوبوں، دبے ہوئے، ادنیٰ۔ بالا: بلند، پست کا متضاد۔ قوی: طاقت والی۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر اُمید کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ وہ ہی ہے جس نے ڈوبتے ہوؤں کو تیرنے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے کوشش کی اور آخرِ کار وہ ساحل تک پہنچ گئے۔ تاریخ ایسے حوالوں سے بھری پڑی ہے کہ جب ڈوبتے ہوؤں نے اُمید کو تھام لیا تو وہ پار ہو گئے۔ ہارے ہوئے سپہ سالار اُمید کا دامن تھام کر اُٹھے اور بڑی بڑی سلطنتوں کو روند ڈالا۔ یہ اُمید ہی ہے جو بگڑوں کو راستہ دکھاتی ہے کہ وہ بھی اچھے لوگ بن سکتے ہیں۔ اس طرح وہ اچھا بننے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سوچیے کہ اگر اُمید نہ ہو تو لوگ اچھا بننے کی کوشش ترک کر دیں گے اور اس طرح ایک انسان جب برے راستے پر چل پڑے گا تو وہ کبھی واپس نہیں لوٹے گا۔

یہ اُمید ہی ہے جو مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چراغ بن جاتی ہے۔ ناکامیوں اور شکستوں سے ٹوٹے ہوئے اور اکھڑے ہوئے دل جم جاتے ہیں۔ وہ پھر سے محنت اور جدوجہد کا راستہ اپنا لیتے ہیں۔ اور یہی کوشش قوموں کو زوال اور ناکامیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر عروج اور کامیابیوں کی روشن صبح تک لے جاتی ہے۔ الغرض پست بالا ہو جاتے ہیں اور اندھیرے اُجالوں میں بدل جاتے ہیں۔ بقول شاعر:

رات جتنی کالی ہے صبح ہونے والی ہے

(۴)

قوی تجھ سے ہمت ہے پیر و جواں کی
بندھی تجھ سے ڈھارس ہے خُرد و کلاں کی
تجھی پر ہے بنیاد نظمِ جہاں کی
نہ ہو تو تو رونق نہ ہو اس دکاں کی
تگاپو ہے ہر مرحلے میں تجھی سے
روارو ہے ہر قافلے میں تجھی سے

لغت: پیر و جواں: بوڑھے اور جوان۔ ڈھارس: حوصلہ، امید۔ خرد و کلاں: چھوٹے اور بڑے۔ نظمِ جہاں: دنیا کا نظم و نسق، انتظام۔ تگاپو: دوڑ دھوپ، کوشش، جستجو۔ روارو: دوڑ دھوپ، بھاگ دوڑ۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر اُمید کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ یہ اُمید ہی ہے جس سے بوڑھوں اور جوانوں کی ہمت مضبوط رہتی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ہے۔ وہ یقین دلاتی ہے کہ انسان کمزور ہو یا طاقتور، بوڑھا ہو یا جوان، چھوٹا ہو یا بڑا، کامیابی کا راستہ اُمید کے سہارے ہی کٹ سکتا ہے۔ دنیا کی ہر ترقی کا سرا اُمید کی ڈور سے بندھا ہے۔ اس لیے شاعر یہ بات کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ دنیا کے انتظام کی بنیاد بھی اُمید ہی پر قائم ہے۔ اگر اُمید نہ ہو تو انسان کبھی اپنے حالات کو بدلنے کی نہ سوچے۔ کبھی دنیا میں بہتری لانے کی ترکیب نہ لڑائے۔ گویا اُمید ہی دنیا کی رونق ہے جو اس کارخانے میں ہنگامے بنائے رکھتی ہے۔ انسان حالات میں بہتری کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو انسان کی زندگی اور اس کی معاشرت کا دارومدار ہی اُمید پر ہے۔ ایک انسان خاندان کی بنیاد رکھتا ہے۔ اپنی نسل کی بقا کے لیے کوشش، ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بھاگ دوڑ، انھیں آرام دینے کے لیے معاشی جدوجہد اسی اُمید پر کرتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے۔ پھر وہ گاؤں، شہر، سلطنتیں بناتا ہے۔ وہ ویرانوں کو آبادی، جنگلوں کو شہروں میں بدلتا ہے، اسی اُمید پر کہ اس طرح وہ اپنی آنے والی نسلوں کو بہتر ماحول دے سکے گا۔ الغرض دنیا کی ہر کوشش اُمید کے دم سے ہے۔ یہ زندگی کا قافلہ اسی کے دم سے رواں دواں ہے۔

(۵)

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے
تونگر بنایا گداؤں کو تو نے
دیا دسترس نارساؤں کو تو نے
کیا بادشہ ناخداؤں کو تو نے

سکندر کو شانِ کئی تو نے بخشی
کلمبس کو دنیا نئی تو نے بخشی

لغت: بے نوا: بے سہارا، بے کس۔ تونگر: دولت مند۔ گدا: مانگنے والا، گدا کرنے والا۔ دسترس: پہنچ۔ نارسا: بے اثر، نامراد، نہ پہنچنے والا۔ ناخدا: خدا کو نہ ماننے والا، کافر۔ کلمبس: کولمبس جس نے امریکہ دریافت کیا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر اُمید کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے امید یہ تو ہی ہے جو بے سہارا اور بے بس لوگوں کو طاقت دیتی ہے۔ اور انھیں زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک غریب اور فقیر آدمی اُمید کا دامن تھام کر اپنا سفر شروع کرتا ہے اور آخرِ کار وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ امیر کبیر ٹھہرتا ہے۔ اُمید ہی زندگی کی رونق ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے طاقت ہے جو پہنچ نہیں رکھتے لیکن امید کے سہارے وہ کامیابیوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر تاریخ ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے اُمید کے سہارے محنت اور کوشش کی اور آخرِ کار وہ وقت کے بادشاہ بن گئے۔

مشقت کی ذلت جنھوں نے اُٹھائی جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی

پھر شاعر مختلف تلمیحات کے ذریعے امید کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ اُمید ہی تھی جس نے سکندر کو دنیا کا فاتح بنا دیا۔ وہ سکندر سے سکندرِ اعظم بن گیا۔ یہ اُمید ہی تھی جس نے کولمبس سے امریکہ دریافت کروایا۔ ورنہ تین مہینے تک وہ جن مشکل حالات سے دوچار رہا۔ اس کے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

بعد اس کا زندہ رہنا بھی مشکل تھا۔ لیکن وہ پر اُمید رہا اور آخرِ کار امریکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ الغرض انسان اگر امید کا دامن تھامے رہے تو پھر ایک نہ ایک دن، وہ کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

(٦)

وہ رہرو نہیں رکھتے جو کوئی ساماں
خور و زاد سے جن کا خالی ہے داماں
نہ ساتھی کوئی جس سے منزل ہو آساں
نہ محرم کوئی جو سنے دردِ پنہاں
ترے بل پہ خوش خوش ہیں اس طرح جاتے
کہ جا کر خزانے ہیں اب کوئی پاتے

لغت: رہرو: مسافر۔ خوروزاد: سامانِ زیست، کھانے پینے اور ضرورت کا دیگر سامان۔ داماں: دامن۔ محرم: جاننے والا۔ دردِ پنہاں: چھپا ہوا، پوشیدہ درد۔ بل: طاقت۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر اُمید کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اُمید ہی کمزوروں کو سہارا ہے اور تاریکیوں میں روشنی کا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے مسافر جو سفر کرتے ہوئے کوئی سامان نہیں رکھتے، ان کے پاس سفر کے لیے سامان نہیں ہوتا، کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ اللہ کی رحمت پر بھروسا کر کے، امید کے سہارے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور آخر کار اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ بلکہ بقول شاعر وہ لوگ اکیلے سفر شروع کرتے ہیں۔ کوئی ان کے ساتھ نہیں ہوتا لیکن اُمید کے سہارے کارواں بنتا چلا جاتا ہے۔ بقول مجروحؔ سلطان پوری:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

پھر شاعر ایک اور پہلو سے اُمید کی اہمیت پر زور دیتا ہے کہ بعض اوقات انسان اکیلا سفر شروع کرتا ہے۔ کوئی ایسا دوست، ہم درد ساتھ نہیں ہوتا جو تکلیف یا مصیبت میں دکھ درد بانٹ سکے۔ لیکن اگر انسان اُمید کی ڈگر پر چلتا رہا تو پھر یہ تنہایاں اور ویرانے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ خوشی خوشی اپنی ڈگر پر چلتا رہتا ہے اور آخرِ کار اپنی منزل کو پا لیتا ہے۔ جس خزانے کی تلاش میں نکلتا ہے، اسے حاصل کر لیتا ہے۔ الغرض اللہ کی رحمت سے پر اُمید رہنے والے کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

(٧)

زمیں جوتنے کو جب اُٹھتا ہے جوتا
سمیں کا گماں تک نہیں جب کہ ہوتا
شب و روز محنت میں ہے جان کھوتا
مہینوں نہیں پاؤں پھیلا کے سوتا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

اگر موجزن اُس کے دل میں نہ تو ہو
تو دنیا میں غُل بھوک کا چار سُو ہو

لغت: جوتا: کسان۔ گماں: شک، وہم۔ شب وروز: دن رات۔ جان کھوتا: سخت محنت اور کوشش کرنا۔
پاؤں پھیلا کے سونا: بے غم سو جانا۔ موجزن ہونا: اندر ہلچل مچانا۔ غُل: شور شرابہ۔ چار سُو: ہر طرف

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ بحث بند میں شاعر اُمید کے کرشمے بیان کرتے ہوئے ایک کسان کی مثال دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک کسان جب زمین میں بیج بوتا ہے تو اسے پھل ملنے کا کوئی گمان نہیں ہوتا۔ خاص طور پر وہ علاقے جہاں بارش کے پانی پر مکمل انحصار ہوتا ہے، وہاں تو صورتِ حال اور بھی غیر یقینی ہوتی ہے۔ لیکن وہ دن رات محنت کرتا ہے اور اللہ پر توکل رکھتا ہے۔ مہینوں گزر جاتے ہیں لیکن وہ آرام کی نیند نہیں سوتا۔ رات ہو یا دن، اس کا سارا دھیان اپنی کھیتی کی طرف ہوتا ہے۔ جسے حاصل کرنے کے لیے وہ سخت موسموں میں بھی ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، وقت بے وقت پانی لگاتا ہے یا بارش کا انتظار کرتا ہے، آدھی آدھی رات کو اُٹھ کر اس کا خیال رکھتا ہے۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے ایک اُمید کا دیا اس کے دل میں روشن رہتا ہے۔ اور آخرِ کار ایک دن اس کی محنت رنگ لاتی ہے اور کھیت فصلوں سے لہلہانے لگتے ہیں۔ غلہ اناج پیدا ہوتا ہے۔ شاعر اس سارے عمل کو بیان کرتے ہوئے، ایک بڑے ہی اہم نقطے کی طرف ہماری توجہ دلاتا ہے کہ اگر اس ساری مشقت کے دوران اُمید کسان کو حرکت نہ دے، اگر اُمید اسے راستہ نہ دکھائے، اُمید اسے محنت پر مجبور نہ کرے، اُمید اسے زندہ نہ رکھے تو ساری دنیا میں بھوک کا شور ہو کیونکہ جب غلہ ہی پیدا نہیں ہوگا تو لوگ کھائیں گے کہاں سے۔ الغرض شاعر اُمید کی اہمیت بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اسی کے دم سے زندگی کا نظم چل رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسانی زندگی بکھر کے رہ جائے۔

(۸)

بنے اس سے بھی گر سوا اپنے دم پر
بلاؤں کا ہو سامنا ہر قدم پر
پہاڑ اِک فزوں اور ہو کوہِ غم پر
گزرنی ہو جو کچھ گزر جائے ہم پر
نہیں فکر، تو دل بڑھاتی ہے جب تک
دماغوں میں بُو تیری آتی ہے جب تک

لغت: بلاؤں: مصیبتوں۔ سامنا: بالمقابل ہونا۔ فزوں: زیادہ ہونا۔ کوہِ غم: مصیبت کا پہاڑ، زیادہ تکالیف۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ بحث بند میں شاعر اُمید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ چاہے ہر قدم پر انسان کو مصیبتوں کا سامنا ہو، پریشانیاں پہاڑ بن

MDCATBYFUTUREDOCTORSKITOUSEEFAHIMAD

کر اس کے راستے میں آن کھڑی ہوں اور ایک پہاڑ کے بعد دوسرا پہاڑ بھی راستہ روک لے، لیکن اگر انسان اُمید کا ساتھ نہ چھوڑے، ان برے حالات میں بھی پُر یقین رہے، تو وہ کامیابی کی طرف قدم بہ قدم بڑھتا رہتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی منزل سے قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ اُمید ہی ہے جو انسان کا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے۔ اسے ہر طرح کے مشکل حالات میں آگے سے آگے بڑھنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ اسی لیے حالی کہتے ہیں کہ جب تک انسان اُمید کا دامن تھامے رکھتا ہے، اسے مشکل حالات یا تکلیفوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ الغرض یہ اُمید ہی ہے جو اسے ہر طرح کی مشکلات سے نکالتی ہے اور منزل تک پہنچاتی ہے۔

مشق

۱۔ جس نظم کے ہر بند میں چھے مصرعے ہوں اسے مسدس کہتے ہیں۔ آپ کی کتاب میں کون کون سی ایسی نظمیں شامل ہیں جو مسدس کی ہیت میں لکھی گئی ہیں؟

جواب: ہمارے نصاب میں تین نظمیں مسدس کی ہیت میں ہیں:

1۔ دُرِ مراد۔۔ میر انیس

2۔ تختِ فرس پر علی اکبر کا خطاب۔۔۔ مرزا دبیر 3۔ اُمید۔۔ الطاف حسین حالی

۲۔ دوسرے بند کی وضاحت تاریخی حقائق کی روشنی میں کریں۔

جواب: دیکھیے تشریحات

۳۔ نظم ''اُمید'' کا خلاصہ لکھیں۔

جواب: اے نا اُمیدی تو ہمارا دل نہ بجھا۔ اور اے اُمید تو لوگوں کی ہمت بندھا کیونکہ تیرے ہی دم سے زندگی کی رونقیں ہیں۔ تیری ہی بدولت حضرت نوح، حضرت یعقوب، زلیخا اور حضرت یوسف نے غم اور مصیبت کو شکست دی۔ تو ہی ڈوبتے ہوؤں کو پار لگاتی ہے اور گرے ہوؤں کو بلند کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت فقیر بادشاہ بن جاتے ہیں اور لوگ نئی نئی جگہیں تلاش کرتے ہیں۔ تو ہی خالی ہاتھ رکھنے والوں کے لیے روشنی کی کرن ہے۔ تو ہی غم کے ماروں کا سہارا ہے۔

۴۔ نظم میں جو الفاظ ایک دوسرے کے متضاد استعمال ہوئے ہیں، ان کی نشاندہی کریں۔

جواب: اس نظم میں درج ذیل متضاد الفاظ ہوئے ہیں:

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
امید	نا امیدی	بگڑنا	بنانا	پست	بالا
جلی کھیتیاں	سرسبز کھیتیاں	اکھڑنا	جمانا	پیر	جواں
ڈوبنا	تیرنا	اجڑنا	بسانا	تونگر	گدائی
دسترس	نارسائی	اندھیرا	اجالا	شب	روز

MDCATBYFUTUREDOCTORS(SOUSEEFATIMA)

۵۔ تلمیح کی تعریف کریں اور اس نظم سے تلمیحات چن کر ان کی وضاحت کریں۔
جواب: تلمیح کی تعریف کے لیے دیکھیے (علمِ بدیع)

تلمیحات	وضاحت
طوفانِ نوح	حضرت نوحؑ اللہ کے نبی تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کو اللہ کا پیغام دیا۔ جب قوم نے نافرمانی کی تو اللہ کی طرف سے ایک سیلاب عذاب کی صورت ان پر نازل ہوا۔ جس میں ساری قوم غرق ہوگئی۔
یعقوبِ کنعاں	حضرت یوسفؑ کے والد تھے۔ اور ان کی جدائی میں رو رو کر اپنی بینائی بھی کھو بیٹھے تھے۔
ہجرانِ زلیخا	زلیخا عزیزِ مصر کی بیوی تھی۔ حضرت یوسفؑ کے حسن پر مرمٹی۔ انھیں گناہ کی دعوت دی اور انکار پر قید میں ڈلوا دیا۔
زندانِ یوسف	حضرت یوسفؑ اللہ کے نبی تھے۔ زلیخا کی وجہ سے مصر میں قید ہوئے۔
سکندرِ اعظم	یونان کی ایک ریاست مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ جس نے بہت کم عمری میں بہت سا علاقہ فتح کرلیا۔
کولمبس	ایک ہسپانوی ملاح تھا۔ جس نے امریکہ دریافت کیا۔

۶۔ مجازِ مرسل کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔
جواب: دیکھیے (علمِ بیان)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: مولانا حالی کی ادبی خدمات کا مختصر ذکر کیجیے۔
جواب: مولانا حالی اور آزاد کی کوششوں سے اُردو شاعری کو نیا راستہ ملا۔ اس میں پہلی بار مغربی خیالات شامل ہوئے۔ وہ اُردو نظم کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے اُردو غزل کو بھی جدت عطا کی۔ انھوں نے تقلید کی بجائے نیا راستہ ایجاد کیا۔ ان کی غزل میں میرؔ اور غالبؔ سا تغزل اور ان کی نظم میں حب الوطنی اور ملت کی اصلاح کا رنگ نظر آتا ہے۔ انھوں نے پہلی مرتبہ قومی، سیاسی اور سماجی موضوعات پر لکھا۔

سوال: شاعر نے اُمید کی اہمیت واضح کرنے کے لیے دوسرے بند میں کون سی تلمیحات استعمال کی ہیں؟
جواب: دوسرے بند میں شاعر نے اُمید کی اہمیت واضح کرنے کے لیے جو تلمیحات استعمال کی ہیں، ان میں سب سے پہلے طوفانِ نوح کا ذکر ہے اور شاعر کے مطابق یہ اُمید ہی تھی جس نے حضرت نوح کا مشکل حالات میں ساتھ دیا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ اُمید ہی تھی جو حضرت یعقوب کو سکون دینے والی تھی، زلیخا کے ہجر میں اس کی غم خوار تھی اور حضرت یوسف کو قید خانے میں آرام دینے والی تھی۔

سوال: سکندر کو شاں کئی تو نے بخشی کولمبس کو دنیا نئی تو نے بخشی
اس شعر میں شاعر نے کون سی اصطلاح استعمال کی ہے، وضاحت کیجیے۔
جواب: اس شعر میں شاعر نے تلمیح کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ پہلے اس نے اسکندرِ اعظم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ اُمید ہی تھی جس نے اسکندر کو ایک بڑا فاتح بنا دیا۔ پھر اس نے کولمبس کی تلمیح استعمال کی ہے اور شاعر کے مطابق یہ اُمید ہی تھی جس کا دامن پکڑ کر کولمبس نے ایک نئی دنیا یعنی امریکہ دریافت کیا تھا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ مولانا الطاف حسین حالی کا سنِ پیدائش ہے:

(ا) ۱۸۲۷ء (ب) ۱۸۳۷ء ✓ (ج) ۱۸۴۷ء (د) ۱۸۵۷ء

2۔ مولانا الطاف حسین حالی کا سنِ وفات ہے:

(ا) ۱۹۱۳ء (ب) ۱۹۱۴ء ✓ (ج) ۱۹۱۵ء (د) ۱۹۱۶ء

3۔ مولانا حالی کہاں کے رہنے والے تھے:

(ا) پانی پت ✓ (ب) دلّی (ج) لکھنو (د) علی گڑھ

4۔ مولانا الطاف حسین حالی حصول تعلیم کے شوق میں کہاں گئے:

(ا) لاہور (ب) دلّی ✓ (ج) لکھنو (د) علی گڑھ

5۔ دلی میں مولانا الطاف حسین حالی کی ملاقات کن شاعروں سے ہوئی۔

(ا) غالب اور مومن (ب) غالب اور ذوق (ج) غالب اور شیفتہ ✓ (د) غالب اور داغ

6۔ مولانا الطاف حسین حالی نے لاہور میں جدید نظم کے کتنے مشاعروں میں شرکت کی؟

(ا) ایک (ب) دو (ج) تین (د) چار ✓

7۔ مولانا الطاف حسین حالی نے سرسید کی تحریک پر کون سی نظم لکھی؟

(ا) اُمید (ب) تاریخ اسلام (ج) مدوجزرِ اسلام ✓ (د) شاہنامۂ اسلام

8۔ مولانا الطاف حسین حالی اور کس دوسرے شاعر کی مشترکہ کوششوں سے اردو شاعری بدل گئی؟

(ا) مرزا غالب (ب) مولانا محمد حسین آزاد ✓ (ج) مومن خان مومن (د) داغ دہلوی

9۔ مولانا حالی نے لاہور میں ملازمت کب اختیار کی:

(ا) ۱۸۷۴ء ✓ (ب) ۱۸۷۵ء (ج) ۱۸۷۶ء (د) ۱۸۷۷ء

10۔ مولانا حالی کس ادارے میں معلم رہے:

(ا) علی گڑھ کالج (ب) مدرسہ اینگلو عربیک دہلی ✓ (ج) اسلامیہ کالج (د) گورنمنٹ کالج

11۔ اُمید افسردہ دلوں کو ______ ہے:

(ا) حوصلہ دیتی ✓ (ب) مایوس کرتی (ج) غم زدہ کرتی (د) افسردہ کرتی

12۔ "مدوجزرِ اسلام" ہیئت کے لحاظ سے کیا ہے:

(ا) مسدس ✓ (ب) مخمس (ج) مثلث (د) غزل

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORSKOUSEEFAHIMAD

نصیحتِ اخلاق

اکبر الٰہ آبادی

(۱۸۴۵ء - ۱۹۲۱ء)

شاعر کا تعارف:

اصل نام سیّد اکبر حسین اور اکبر ہی تخلص تھا۔ الٰہ آباد میں ولادت ہوئی۔ رسمی تعلیم بہت کم تھی۔ ذاتی کوشش سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۸۰ء میں ''جوڈیشنل سروس'' کے لیے منتخب ہوئے۔ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے عہدے تک پہنچے۔ اُن کا شمار اُردو کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ اُن کی شاعری امتیازی (منفرد) اور انفرادی (ایک شخص سے) خصوصیات کی حامل ہے اور ان کی مقبولیت کا دار و مدار ان کی طنزیہ اور ظریفانہ (مزاح کے انداز میں) شاعری پر ہے۔

اکبر نے اپنی شاعری کا آغاز سنجیدہ کلام سے کیا تھا لیکن جلد ہی اُنہوں نے ایک پیامی شاعر کا منصب (ایسا شاعر جو کوئی پیغام دینے والا ہو) اختیار کیا۔ انگریز جو تہذیب اپنے ساتھ لائے تھے، وہ اکبر کو سخت ناپسند تھی۔ چنانچہ قدیم تہذیب کی حمایت اور جدید تہذیب کی مخالفت ان کی زندگی کا نصب العین (مقصد) رہا۔ اکبر بہت بے خوف آدمی تھے۔ سرکاری ملازم ہونے کے باوجود انگریزی تہذیب و تمدن پر سخت تنقید کرتے رہے۔ اس سلسلے میں آنے والی مشکلات کا اندازہ لگاتے ہوئے اُنہوں نے طنز اور ظرافت (مزاح) کا انداز اختیار کیا۔ اُن کے انداز اور اسلوب نے ایسی عالمگیر شہرت حاصل کی کہ آج بھی لوگ اُنہیں ''لسان العصر (وقت یا زمانے کی آواز)'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے ۱۹۲۱ء میں الٰہ آباد میں وفات پائی۔

نظم کا تعارف:

اکبر الٰہ آبادی کی نظم ''نصیحتِ اخلاق'' بیٹے کے لیے ایک اخلاقی نصیحت ہے۔ اُنھوں نے اس نظم میں بیٹے کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد اسے چند نصیحتیں کی ہیں۔ جن پر عمل کر کے بیٹا اپنے ماں باپ کی آنکھ کا تارا بن سکتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

۱-۲

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں، آنکھوں کا نور ہے ۔۔۔ ہے زندگی کا لطف، تو دل کا سُرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی ۔۔۔ نازاں ہے اس پہ باپ، تو ماں کو

لغت: آنکھوں کا نور: آنکھوں کی روشنی۔ سُرور: خوشی، لطف۔ نازاں: مغرور، فخر کرتا ہے۔

تشریح

اکبر الہ آبادی کی نظم "نصیحتِ اخلاقی" بیٹے کے لیے ایک اخلاقی نصیحت ہے۔ انھوں نے اس نظم میں بیٹے کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد اسے چند نصیحتیں کی ہیں۔ جن پر عمل کر کے بیٹا اپنے ماں باپ کی آنکھ کا تارا بن سکتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر جز و کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

شاعر اولادِ نرینہ کی اہمیت بیان کر رہے ہیں کہ لوگ بیٹے کو آنکھوں کا نور کہتے ہیں اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ بیٹے باپ کے لیے آنکھوں کا نور ہوتے ہیں۔ لیکن اولاد کی نعمت چاہے وہ بیٹے کی صورت میں ہو یا بیٹی کی صورت میں، ایک نعمت ہی ہے۔

پھر شاعر کہتے ہیں بیٹے کی وجہ سے زندگی میں سرور آ جاتا ہے۔ بیٹے کی صورت میں باپ کو ایک سہارا نظر آتا ہے۔ مستقبل روشن نظر آتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دلی طور پر مسرور اور خوش نظر آتا ہے لیکن اولاد کا سکھ اور چین مقدر کی بات ہے۔ زمانے میں بیٹے والوں کو در در کی ٹھوکریں کھاتا بھی دیکھا گیا ہے اور لڑکیوں کے ماں باپ کو سکھ اور چین سے زندگی گزارنے بھی دیکھا گیا ہے۔ اس لیے یہ لازم نہیں ہے کہ بیٹے والے ہی زندگی میں خوش رہتے ہیں۔

لوگوں کا عام طور پر یہی خیال ہوتا ہے کہ بیٹے کی وجہ سے گھر میں ہر طرف خوشیاں اور روشنی ہوتی ہے۔ ماں باپ کے دل مسرور ہوتے ہیں۔ اچھا وقت نظروں کے سامنے آ جاتا ہے۔ لیکن یہ سو فی صد ٹھیک بات نہیں ہے۔ آرام اور سکون مقدر سے ملتا ہے۔ اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کی عطا پر ہمیشہ راضی رہنا چاہیے۔ اگر وہ نرینہ اولاد دیتا ہے تو اُس کا شکر ادا کریں اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے تو اُس کی رضا پر راضی ہو جاؤ۔ کیوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرماں ہے۔

"جس عورت کی پہلا اولاد بیٹی ہے وہ خوش قسمت عورت ہے"۔

شاعر کہتے ہیں کہ بیٹے کی پیدائش پر گھر میں خوشیاں راج کرتی نظر آتی ہیں۔ باپ اپنے نصیب پر نازاں ہو رہا ہوتا ہے۔ تو ماں کو اپنی قسمت پر رشک آ رہا ہوتا ہے۔ لیکن مقدر اور قسمت میں کیا لکھا ہوتا ہے۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ وہی بیٹا بڑا ہو کر فرماں بردار نکل آئے تو اللہ کا احسان ثابت ہوتا ہے لیکن وہی بیٹا بڑا ہو کر نافرمان نکل آئے۔ تو اُسی بیٹے کے لیے ماں اور باپ کی زبان پر بددعائیں بھی نکلتی دیکھی ہیں۔ اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ اولاد کی نعمت سے ضرور سرفراز فرما۔ لیکن ایسی اولاد عطا فرما۔ جس کی وجہ سے ہمیں امن اور چین کی زندگی نصیب ہو جائے۔ جو ہماری فرماں بردار بھی ہو۔ اور خدمت گزار بھی ہو۔ چاہیے وہ بیٹے کی صورت میں یا بیٹی کی صورت میں۔ نیک اولاد ہی والدین کے اطمینان اور راحت کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ نیک اولا کی طلب کرنی چاہیے۔

۳-۴

خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں — کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے

اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق — اس کا بھی ہے یہ قول، کہ ایسا ضرور ہے

لغت: ظہور: اظہار۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جز و کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ بیٹے کو ایک نعمت تصور کیا جاتا ہے۔ جب بیٹا پیدا ہوتا ہے تو عام طور پر اُسے خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ ہم بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس بیٹا پیدا ہوا ہے۔ حالاں کہ یہ بات قطعی طور پر درست نہیں ہے۔ بیٹے کی پیدائش ہمارے واسطے خوش بختی ہے یا ایک آزمائش ہے یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ مفہوم ہے:

"ہم اولاد، مال اور اقتدار کے ذریعے لوگوں کی آزمائش کرتے ہیں"

شاعر کہتے ہیں کہ بیٹے کی پیدائش پر لوگ یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ ہم پر اللہ کے کرم کا ظہور ہو گیا ہے۔ بیٹے کی پیدائش پر خوشی بنانا برا نہیں لیکن ہمیں ایسے موقع پر اللہ سے یہ دعا بھی ضرور کرنی چاہیے کہ اے اللہ! اسے فرماں بردار اور تابع فرماں بنانا، کیوں کہ بیٹے تابع فرماں ہوں گے تو زندگی جنت معلوم ہوگی ورنہ دہکتے انگاروں پر چلنے کے مترادف بھی ہوسکتی ہے۔

پھر اکبر خود سے مخاطب ہیں کہ میں بھی عام لوگوں کے اس خیال سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں کہ بیٹے کی ولادت خوش قسمتی کی علامت ہے اور یہ خدا کے کرم کے ظہور کی ایک صورت ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ تصور مقبولیت پاچکا ہے کہ بیٹے کی آمد پر لوگ خوشیاں مناتے ہیں۔ مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔ نیازیں دیتے ہیں۔

پھر شاعر اپنی طرف سے قول منسوب کرتے ہیں کہ میری رائے بھی عام لوگوں کی طرح ہے کہ بیٹا خدا کے کرم کی علامت ہے۔ اس کی پیدائش گھر میں خوش قسمتی کی علامت بن جاتی ہے۔ یہ رسم بڑی قدیم ہے۔ زمانہ ازل سے ہی بیٹے کی پیدائش کو باعثِ مسرت جانا گیا ہے۔

۵-۶

البتہ شرط یہ ہے، کہ بیٹا ہے ہونہار	مائل ہے نیکیوں پہ، برائی سے دُور ہے
سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو	وقتِ کلام اُس کے لب پہ جناب و حضور ہے

لغت: ہونہار: لائق۔ پند: نصیحت۔ وقتِ کلام: بات کے وقت۔ جناب و حضور: عزت اور احترام سے بات کرتا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جز و کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ بیٹا ایک نعمت ضرور ہے لیکن اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بیٹا سمجھ دار ہو۔ عقل مند ہو اور تابع فرماں ہو۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جو والدین کے لیے راحت کا باعث ہوتی ہیں۔ بیٹا ماں باپ کا خادم ہو تو جلد بوڑھے نہیں ہوتے، جواں رہتے ہیں۔ وہ اپنے بیٹوں کو چاہت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اُن کی درازی عمر کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اُن کے بہتر مستقبل کے لیے اللہ کے حضور ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

شاعر مزید کہتے ہیں اگر بیٹا نیک طبیعت کا حامل ہو۔ نیکی کے راستے پر چلتا ہو۔ دوسروں کو نیکی کے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتا ہو۔ خود برائی سے بچتا ہو اور دوسروں کو بچاتا ہو تو ایسے بیٹے کو دیکھ ماں باپ کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ وہ اُس کے لیے خدا کے حضور ہمیشہ دعا گو رہتے ہیں کہ اللہ اسے ہمیشہ یوں ہی راہِ راست پہ رکھنا۔ قرآنی فرماں کا مفہوم ہے۔

"نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو"۔

پھر شاعر ہونہار بیٹے کی ایک خوبی کا ذکر کر رہے ہیں کہ اگر بیٹا ماں باپ کا فرمان بردار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

نصیحت کو سننے والا اور عمل کرنے والا ہو۔ تو ایسے بیٹے کے لیے اہلِ علاقہ کے دل سے بھی دعائیں نکلتی ہیں۔ اس لیے شاعر کہہ رہے ہیں کہ بیٹا بزرگوں کا فرماں بردار ہوگا تو علاقہ بھر میں عزت اور توقیر کا حامل ہوگا۔

شاعر کہتے ہیں کہ اگر بیٹا گفت گو کے وقت ہمیشہ جی، جناب اور حضور کے کلمات بولے گا۔ تو سامنے والا سے ضرور عزت دے گا، کیوں دنیا کا دستور ہے۔ عزت دو اور عزت کراؤ یہی اصول ایسے بیٹے کو صاحب توقیر بنا دیتا ہے۔ ماں باپ کے لیے ایسا بیٹا تو قابلِ افتخار ہوتا ہے۔ دوست احباب کے لیے بھی ایسا وقت سرفخر سے بلند کروادیتا ہے۔ مشہور انگریزی ضرب المثل ہے:

"Do respect have respect"

یعنی عزت کرنے والا ہی عزت کرواتا ہے۔

اصل میں اِن اشعار کے اندر شاعر نے یہ پیغام دیا ہے کہ اگر بیٹا فرماں بردار، ہونہار اور نیک کام کرنے والا ہو۔ بڑائی سے بچنے والا ہو۔ بزرگوں کی باتوں کو دھیان سے سننے والا اور اُن باتوں کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے والا ہو۔ بات کرتے وقت ہمیشہ خوش گفتار ہو۔ تو ایسے بیٹے کے نصیب یہ سب داری ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو کہا ہے اور فرمان رسول اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔

''نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہے''

۷-۸

اس میں نہ ہے فریب نہ ہے مکر و زور ہے	برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا
ہمدرد ہے معین ہے اہلِ شعور ہے	افکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک

لغت: برتاؤ: رویہ۔ صدق: سچائی۔ فریب: دھوکا۔ مکر: دوسروں کو دھوکا دینا۔ معین: مدد کرنے والا۔ اہلِ شعور: سمجھ رکھنے والا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ اگر بیٹا ملن سار، محبت کرنے والا اور صدق و صفا کا علم بردار ہو تو ایسا بیٹا پورے معاشرے کے لیے نیک نامی کا باعث بن جاتا ہے اس لیے شاعر نے اس تمنا کا اظہار کیا ہے کہ اگر میرے بیٹے کے اندر بھی یہ تمام اوصاف ہوں تو میں اسے اللہ کا حقیقی فضل اور کرم جانوں گا۔ یہی وہ خصائص ہیں جو ہر والا کی تمنا ہوتی ہے کہ اُس کا بیٹا ملن سار ہو۔ محبت تقسیم کرنے والا ہو اور حق اور سچ کا علم بردار ہو۔

پھر شاعر کہتے ہیں کہ وہی بیٹا قابلِ افتخار ہوتا ہے۔ جس کے اندر نہ کسی کو دھوکا دینے کا احساس پایا جائے نہ ہی وہ مکر و فریب کا عادی ہو۔ وہ ہمیشہ لوگوں کی بھلائی چاہتا ہوں۔ بچھڑے ہوؤں کو ملانے والا ہو۔ ناراض افراد کی صلح کروانے والا ہو۔ تو ایسا بیٹا آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے۔ اُسے عزت اور توقیر ملنا فطری بات ہو جاتی ہے۔ وہ قوم کی نظر میں نہایت قابلِ تکریم ہو جاتا ہے کیوں کہ مکر و فریب کرنے والوں کو دین اسلام میں بھی ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ دھوکا دہی کرنے والا بھی ہمیشہ قابلِ نفرت قرار پایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

''دھوکا دہی کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے''

شاعر کہتے ہیں اگر بیٹا والدین کے افکار اور سوچ میں دل سے شریک ہو تو والدین کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ والدین کی رضا میں ہمیں ہمیشہ راضی رہنا چاہیے۔ ایسی اولاد ہی خوش نصیب ہوتی ہے۔ نبی اکرم نے اس سلسلے میں یوں ارشاد فرمایا۔

''باپ کی رضا میں خدا کی رضا ہے''

MDCAT BY FUTUREDOCTORS/TOUSEEFAHMAD

شاعر کہتے ہیں کہ اگر بیٹا دوسروں کا ہم درد ہے۔ دوسروں کی مدد کرنے والا ہے۔ وہ اچھائی اور برائی کے درمیان خوب فرق جاننے والا ہے۔ تو جان لو۔ ایسا بیٹا کسی بھی والد کے لیے نیک شگون ثابت ہوتا ہے۔ ہمدردی ہمیں انسانوں کے قریب لے جاتی ہے۔ لاچاروں کی مدد کرنے سے خدا راضی ہوتا ہے۔ شعور وہ قوت ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کو عطا کی ہے۔ شعور ہمیشہ علم کے ذریعے آتا ہے۔ اگر شعور عام ہر جائے تو معاشرہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ دردِ دل رکھنے والا ہی معاشرے میں کامیاب ہوتے ہیں اور مقبول ہوتے ہیں بقول میر درد:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

مندرجہ بالا اشعار میں شاعر اصل میں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ہمیں صدق و محبت کو عام کرنا ہے۔ ہمیں فریب، دھوکا دہی سے بچنا ہوگا۔ والدین کی رضا کو اپنے حق میں بہتر جاننا ہوگا۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہم دردی والا رویہ اپنانا ہوگا۔ شعور کو عام کرنا ہوگا۔ تاکہ معاشرے میں اچھائی اور برائی کے درمیان تمیز عام ہو سکے۔

۹-۱۰

راضی ہے اس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبت بد سے نفور ہے

لغت: **مصلحت:** مراد مرضی۔ **عقیل:** عقل مند۔ **غیور:** غیرت مند۔ **صحبت بد:** برے لوگوں کا ساتھ۔ **نفور:** نفرت کرنے والا، دور رہنے والا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر ایک باادب بیٹے کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا بیٹا ہمیشہ اپنے باپ کی مرضی میں راضی رہتا ہے۔ وہ ان کے سامنے چوں چراں نہیں کرتا۔ وہ ان کے آگے اُف نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ ان کی مرضی کو اپنی مرضی سمجھتا ہے۔ ایسا بیٹا دنیا کا خوش نصیب انسان ہے۔ خوش نصیب کیوں نہ ہو کہ آقا دو عالم کی زبان سے اُس کی خوش نصیبی کی سند مل چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"والد کی رضا میں باپ کی رضا ہے"

شاعر کہتے ہیں کہ اگر بیٹا صبر کرنے والا اور ادب کرنے والا ہو تو پھر بات سونے پہ سہاگا ثابت ہوتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ وہ عقل مند، فہیم اور سمجھ دار ہونے کے ساتھ غیرت مند بھی ہو۔ تو باپ کی آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے۔ ماں باپ تو ایسے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اُس کے دوست احباب، عزیز و اقارب کے لیے بھی وہ بڑی توقیر والا ہوتا ہے۔ یہ ادب، یہ احترام، یہ عقل اور یہ غیرت اُسے والدین سکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے حضرت اقبالؒ حضرت اسمٰعیل کی تابع فرمانی کو یوں قلم بند کرتے ہیں:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

شاعر کہتے ہیں اگر بیٹا ہر معاملہ میں اپنے خاندان کی عزت، آبرو اور اُن کا خیال رکھنے والا ہو۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے قبل یہ سوچنے والا ہو کہ ایسا کرنے سے خاندانی رسوائی ہوگی۔ یا کوئی بات کرتے وقت خیال کرے کہ ایسی بات کرنے سے اُس کے خاندان کی عزت پر حرف آئے گا۔ تو یقیناً ایسا سمجھ دار بیٹا اپنے والدین کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔ وہ زندگی کے تمام معاملات میں خاندانی عزت اور توقیر کو سرفہرست رکھتا ہو۔ تو ایسے بیٹے کے لیے دل سے دعاؤں کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔

MEDICALBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

پھر اگر بیٹے کے دوست احباب ایسے ہوں جو نیکی کو پسند کرتے ہوں اور نیکی پر ابھارنے والے ہوں۔ تو والدین پوری طرح سے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہمارا بیٹا راہِ راست پر رہے گا اور بھٹکے گا نہیں۔ کیوں کہ مشہور ضرب المثل ہے:

"A man is known by his company he keeps"

یعنی ایک انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔

شاعر مزید کہتے ہیں نیکی سے محبت کے ساتھ ساتھ اگر بیٹا برائی سے نفرت کرنے والا بھی ہو۔ تو والدین کے لیے یہ بات اطمینان کا باعث بن جاتی ہے کہ اُن کی تربیت کارگر ہو گئی ہے۔ کیوں کہ ہر والدین دلی طور پر یہ چاہتے ہوتے ہیں کہ اُن کی اولاد برائی سے نفرت کرنے والی ہو۔

۱۱-۱۲

کسبِ کمال کی ہے شب و روز اس کو دھن	علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
لیکن جو اِن صفات کا مطلق نہیں پتا	اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

لغت: **کسبِ کمال:** خوبیاں حاصل کرنا۔ **شب و روز:** دن رات۔ **علم و ہنر:** علم اور کسی فن میں کمال۔ **وفور:** بھرا ہونا۔ **صفات:** خوبیاں۔ **مطلق:** بالکل بھی۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ اگر بیٹا دِن رات مصروفِ عمل ہو۔ وہ مسلسل محنت کو اپنا شیوہ بنائے تا کہ زندگی میں علم اور ہنر حاصل کر سکے، بہترین خوبیاں حاصل کر سکے، اپنی قوم وملت کے لیے کارنامے سرانجام دے سکے۔ تو ایسے بیٹے پر باپ صدقے واری ہونے کو جاتا ہے۔ باپ کے دل سے اُس کی ترقی اور کامرانی کے لیے ڈھیروں دعائیں نکلتی ہیں۔ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے:

"باپ کے دل سے نکلی ہوئی دعا اللہ رد نہیں فرماتا"

ایسا بیٹا اپنی زندگی کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرتا بلکہ اپنے ہر لمحے کو علم و ہنر کے حصول میں خرچ کرتا ہے۔ وہ فضول مشاغل نہیں اپناتا۔ وہ بے مقصد زندگی نہیں گزارتا۔ اس کے سر پر صرف ایک ہی دھن سوار ہوتی ہے کہ وہ علم و ہنر میں کمال حاصل کرے اور اس کمال کو قوم وملت کے لیے کام میں لائے۔ ایسا ہونہار بیٹا اپنی زندگی کو بامقصد بناتا ہے۔ اپنی زندگی کے نصب العین کا تعین کر کے چلتا ہے۔ راستے میں جتنی بھی مشکلات آئیں، وہ رکتا نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔

شاعر کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا جتنی خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ خوبیاں بیٹے میں نہیں پائی جاتیں۔ یعنی وہ کاہل، سست اور نکما ہے۔ وہ حصولِ علم سے کتراتا ہے۔ وہ والدین کا نافرمان ہے۔ برائی اُس کی عادت ہے۔ نیکی اُسے کاٹتی ہے۔ وہ وقت کی پابندی کا عادی نہیں ہے۔ محنت اور جفاکشی کی بجائے کام چور ہے۔ تو ایسے بیٹے کو خوش قسمتی جاننا بجائے خود بے وقوف ہونے کا دلیل ہے۔

شاعر کے خیال میں اگر والدین اپنے بیٹے کو آوارہ گردی کرتے دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ تو اس خوشی کا انجام نہایت بھیانک ہوگا۔ برائی کی دلدل میں پھنسے بیٹے کو دیکھ کر ڈھیل دیتے ہیں۔ تو آخر کار پچھتانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ظالم لوگوں کا ہم نوا بنتے دیکھ کر فخر محسوس کرنا ایک دن والدین کو خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر دے گا۔ فضول خرچی کا عادی بیٹا آخر کار والدین کے لیے رسوائی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے شاعر کہتے ہیں ان حالات میں اگر والدین ایسے بیٹے کو خوش بختی کی علامت سمجھ رہے ہیں تو ایسے میں قصور خوشی کا ہے کہ ہم آنکھوں سے دیکھ کر ظلم کا ساتھ دے رہے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD

ہیں۔ برائی ہوتے دیکھ کر اُس کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اس لیے ہمیں نبی ﷺ کا فرمان یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ جس کا مفہوم ہے:

''ظالم کا ساتھ دینے والا بھی خود ظالم ہے''

اِن اشعار کے ذریعے شاعر ہمیں پیغام دے رہے ہیں۔ حصول علم کا شوق اور روزگار کی تلاش کی لگن عمدہ بات ہے۔ لیکن اگر بیٹا نہ ہی حصول علم کا متلاشی ہو اور نہ ہی کام کاج کرنا چاہتا ہو۔ تو ایسے بیٹے کو دیکھ کر خالی خوش ہونا، کوئی خوش ہونا نہیں ہے، بلکہ آخر کار ایسے بیٹے کی حرکات پر پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مشق

۱۔ **اس نظم میں اکبر الٰہ آبادی نے ہونہار بیٹے کی کیا خصوصیات بتائی ہیں؟**

جواب: شاعر نے ہونہار بیٹے کی درج ذیل خوبیاں بیان کی ہیں:

وہ ماں باپ کا اطاعت گزار ہو، بزرگوں کی نصیحت کو غور سے سننے والا ہو، برائی اور بروں کی صحبت سے دور رہنے والا ہو، ایمان دار، سچا، ہم درد، دوسروں کے کام آنے والا، نیک اور نیکی کرنے والوں سے ملنے والا، علم و ہنر کا تلاش کرنے والا، ہر دم اپنے ماں باپ، ملک اور قوم کی عزت ووقار میں اضافہ کرنے والا ہو۔

۲۔ **نظم ''نصیحتِ اخلاقی'' کا خلاصہ لکھیں۔**

جواب: لوگ بیٹے کو آنکھوں کا نور کہتے ہیں۔ اسے زندگی کا لطف اور رونق کہا جاتا ہے۔ ماں باپ اس پر ناز کرتے ہیں اور اسے خدا کی طرف سے خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ شاعر بھی اس خیال سے اتفاق کرتا ہے لیکن اس کے خیال میں یہ سب اس وقت ٹھیک ہے جب بیٹا لائق اور نیکیوں کی طرف مائل ہو۔ وہ بڑوں کی نصیحتوں کو سننے والا ہو۔ اس میں اخلاص ہو۔ وہ اپنے والدین کا ہمدرد ہو۔ وہ باپ کی فرماں بردار ہو۔ صابر اور عقل مند ہو۔ برے لوگوں سے دور رہنے والا اور خاندان کی عزت رکھنے والا ہو۔ علم و ہنر کا اسے شوق ہو۔ لیکن اگر یہ صفات اس میں موجود نہ ہو تو اس پر ناز کرنا بے فائدہ ہے۔

۳۔ **درج ذیل الفاظ ومحاورات کے معنی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔**

الفاظ ومحاورات	جملے
نازاں	وہ اپنے حسن پر بہت نازاں ہے۔
ظہور	اسلام کے ظہور سے انسانیت تہذیب کی روشنی سے آشنا ہوئی۔
مکروزور	ایک اچھا انسان مکروزور سے بچ کے رہتا ہے۔
کسب کمال	ہمیں کسب کمال کے لیے محنت کرنی چاہیے۔
اہل شعور	اہل شعور جذباتی باتوں سے متاثر نہیں ہوتے۔

۴۔ **اس نظم کا مرکزی خیال تحریر کریں۔**

جواب: شاعر کے خیال میں صرف وہی بیٹا آنکھوں کا نور اور ماں باپ کے دل کا سرور ہو سکتا ہے جو نیکی کی طرف مائل ہو، فرماں بردار ہو، بڑوں کی نصیحتوں کو سننے والا اور ان پر عمل کرنے والا ہو، اپنے ماں باپ کا ہمدرد اور اطاعت کرنے والا ہو اور علم و ہنر کا شوق رکھنے والا ہو۔ لیکن اگر یہ صفات نہ ہوں تو اس پر ناز کرنا بے فائدہ ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

۵۔ اس نظم کے قوافی لکھیں۔

جواب: اس نظم کے قوافی درج ذیل ہیں: نور، سرور، غرور، ظہور، ضرور، دور، حضور، مکروزور، شعور، غیور، نفور، وفور، قصور

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: اکبرالہ آبادی کی شاعری پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب: اکبرالہ آبادی انگریزی تہذیب کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ وہ اسے مسلمانوں کے زوال کا سبب جانتے تھے۔ چونکہ وہ سرکاری ملازم تھے اس لیے انھوں نے اپنی شاعری میں جدید تہذیب پر تنقید کرنے کے لیے طنز و مزاح کا انداز اختیار کیا۔ ان کے مزاحیہ انداز نے عالمگیر شہرت اختیار کر لی اور لوگ انھیں "لسان العصر" یعنی اپنے زمانے کی آواز کہنے لگے۔

سوال: کیا شاعر بھی بیٹے کو آنکھوں کا نور اور نعمت سمجھتا ہے؟

جواب: شاعر بھی بیٹے کو آنکھوں کا نور اور نعمت سمجھتا ہے لیکن اس شرط پر کہ وہ نیکی کی طرف مائل ہو، فرماں بردار ہو، بڑوں کی نصیحتوں کو سننے والا اور ان پر عمل کرنے والا ہو، اپنے ماں باپ کا ہمدرد اور اطاعت کرنے والا ہو اور علم و ہنر کا شوق رکھنے والا ہو۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ اکبرالہ آبادی کا سنِ پیدائش کیا ہے:

(ا) ۱۸۴۳ء (ب) ۱۸۴۴ء (ج) ۱۸۴۵ء ✓ (د) ۱۸۴۶ء

2۔ اکبرالہ آبادی کا سن وفات کیا ہے:

(ا) ۱۹۲۰ء (ب) ۱۹۲۱ء ✓ (ج) ۱۹۲۲ء (د) ۱۹۲۳ء

3۔ اکبرالہ آبادی کا اصل نام کیا تھا:

(ا) سیّد اکبر حسین ✓ (ب) اکبر علی (ج) محمد اکبر (د) سیّد اکبر خان

4۔ اکبرالہ آبادی کس سال جوڈیشنل سروس میں منتخب ہوئے:

(ا) ۱۸۷۷ء (ب) ۱۸۷۸ء (ج) ۱۸۷۹ء (د) ۱۸۸۰ء ✓

5۔ اکبرالہ آبادی نے شاعری کا آغاز کس قسم کی شاعری سے کیا:

(ا) سنجیدہ ✓ (ب) طنزیہ (ج) طنزیہ اور مزاحیہ (د) فلسفیانہ

6۔ اکبر نے بعد میں کون سا انداز اختیار کیا۔

(ا) سنجیدہ (ب) طنز و ظرافت کا ✓ (ج) عامیانہ (د) فلسفیانہ

7۔ کلام کی خصوصیات کی وجہ سے اکبرالہ آبادی کو اُردو شاعری میں کون سا لقب دیا گیا:

(ا) شاعرِ مشرق (ب) لسان العصر ✓ (ج) شاعرِ مغرب (د) شاعرِ عصر

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

8۔ اکبر الٰہ آبادی نے کس تہذیب پر تنقید کی:

(ا) عربی (ب) رومی (ج) انگریزی ✓ (د) یونانی

9۔ اکبر الٰہ آبادی کے مطابق ہم بیٹے کو کس کی نشانی سمجھتے ہیں:

(ا) آنکھوں کا نور ✓ (ب) آنکھوں کی ٹھنڈک (ج) دل کا سرُور (د) دل کی راحت

10۔ اکبر الٰہ آبادی کے مطابق ہم بیٹے کو کس کی نشانی سمجھتے ہیں:

(ا) عظمت کی (ب) محبت کی (ج) فخر کی (د) خوش قسمتی کی ✓

11۔ اکبر الٰہ آبادی کے خیال میں ہونہار بیٹا کس کی نصیحت کو غور سے سنتا ہے:

(ا) دوستوں کی (ب) بھائیوں کی (ج) بزرگوں کی ✓ (د) رشتہ داروں کی

12۔ ہونہار بیٹے کے لبوں پر کس وقت جناب وحضور ہوتا ہے:

(ا) وقتِ کلام ✓ (ب) پڑھتے وقت (ج) نماز کے وقت (د) کھانے کے وقت

13۔ ہونہار بیٹا کس کی مصلحت پر راضی ہوتا ہے:

(ا) باپ کی ✓ (ب) بزرگوں کی (ج) دنیا کی (د) خاندان کی

14۔ اکبر الٰہ آبادی کے خیال میں ہونہار بیٹا کس کی عزت کا ہر دم خیال رکھتا ہے:

(ا) ملک کی (ب) دوسروں (ج) خاندان ✓ (د) دوستوں کی

15۔ ہونہار بیٹے کے دل میں کس کے شوق کا وفور ہوتا ہے:

(ا) کھیل کود (ب) علم وہنر کا ✓ (ج) ترقی کا (د) نکمے پن کا

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

جلوۂ سحر

حفیظ جالندھری

(۱۹۰۰ء - ۱۹۸۲ء)

شاعر کا تعارف:

محمد حفیظ نام اور حفیظ ہی تخلص تھا۔ جالندھر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حافظ شمس الدین تھا۔ اُن کے اُستاد اُنہیں ابوالاثر حفیظ کہتے تھے اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم جالندھر ہی میں ہوئی۔ وہ خاندانی حالات اور خانگی (گھر کے حالات سے متعلق) ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ وہ بائیس سال کی عمر میں جالندھر سے لاہور آئے۔ یہاں کی ادبی فضا میں ان کے ادبی جوہر خوب کھلے اور جلد ہی اپنے دَور کے ممتاز شعرا میں شمار ہونے لگے۔

اُنہوں نے پاکستان کا قومی ترانہ اور اسلام کی منظوم تاریخ ''شاہنامۂ اسلام'' کے عنوان سے رقم کی۔ اِن دونوں تخلیقات نے اُنہیں زندۂ جاوید (ہمیشہ زندہ رہنے والا) بنا دیا۔

حفیظ بنیادی طور پر گیت نگار ہیں۔ اُن کے گیت جذبات اور لطافت سے بھرپور ہیں۔ وہ عام طور پر چھوٹی اور مترنم (جس میں ترنم ہو) بحریں استعمال کرتے ہیں۔ اُن کی شاعری کی خصوصیات غنائیت (نغمے کی خاصیت ہونا) اور شگفتگی ہے۔ اُن کی شاعری میں ہندی الفاظ کا بے تکلفانہ انداز، ان کے کلام میں مٹھاس پیدا کر دیتا ہے۔ اُنہوں نے نظموں میں فنّی تجربے بھی کیے۔ سادگی، دلکشی، موسیقیت، تغزل (جس میں غزل کی روح یا رنگ موجود ہو)، منظر کشی، ندرتِ تشبیہات (منفرد تشبیہات)، مقصدیت اور متنوع (طرح طرح کے) بحروں کا استعمال ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

نظم کا تعارف:

یہ نظم ایک گیت ہے۔ جس میں شاعر حفیظ جالندھری نے صبح کی آمد کا نقشہ بڑے ہی دل فریب انداز میں کھینچا ہے۔ اس گیت میں فطرت کی دل کشی اپنی پوری رعنائی کے ساتھ نظر آتی ہے۔ تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ چھوٹی بحر اور لفظوں کی تکرار نے موسیقیت پیدا کر دی ہے۔ الغرض صبح کا منظر جذبات اور احساسات کی فراوانی کے ساتھ بے حد دل کش ہو گیا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

چلا ستارۂ سَحر سنا کا صبح کی خبر
زمیں پہ نور چھا گیا فلک پہ رنگ آ گیا
تمام زادگانِ شب چمک چمک کے سو گئے

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHAD(D)

شرارِ آسمانِ شب — دمک دمک کے سو گئے
ستارے زرد ہو چکے — چراغ سرد ہو چکے
وہ ٹمٹما کے رہ گئے — یہ جھلملا کے رہ گئے
چلا ستارۂ سحر — سنا کے صبح کی خبر

لغت: ستارہ سحر: صبح کا ستارہ۔ فلک: آسمان۔ زادگانِ شب: رات کے بیٹے مراد ستارے۔ شرارِ آسمان شب: رات کے آسمان پر چمکنے والے۔ دمک دمک کے: چمک چمک کے۔ ٹمٹما کے رہ گئے: ہلکی ہلکی سی چمک۔ جھلملا کے رہ گئے: ذرا ذرا سا روشن ہونا۔

تشریح

یہ نظم ایک گیت ہے۔ جس میں شاعر حفیظ جالندھری نے صبح کی آمد کا نقشہ بڑے ہی دل فریب انداز میں کھینچا ہے۔ اس گیت میں فطرت کی دل کشی اپنی پوری رعنائی کے ساتھ نظر آتی ہے۔ تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ چھوٹی بحر اور لفظوں کی تکرار نے موسیقیت پیدا کر دی ہے۔ الغرض صبح کا منظر جذبات اور احساسات کی فراوانی کے ساتھ بے حد دل کش ہو گیا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

شاعر صبح کی آمد کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اُفق پر صبح کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ صبح کا ستارہ ماند پڑ چکا ہے۔ گویا وہ صرف صبح کی آمد کی خبر سنانے کے لیے آیا تھا۔ صبح کا ستارہ بہت روشن ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے صبح قریب آتی جاتی ہے اس کی چمک دمک ماند پڑتی جاتی ہے۔ اور اب وہ صبح کے آنے کی خبر سنا کر رخصت ہو رہا ہے۔ ہر طرف زمین اور آسمان پر نور ہی نور پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں شفق کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ تمام رات جاگنے والے ستارے اب سونے لگے ہیں۔ گویا وہ رات بھر کام کرنے کے بعد اب آرام کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ ستارے چنگاریوں کی طرح چمک رہے تھے لیکن اب ان کی دمک آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ دوسرے ستاروں کی روشنی کم ہوتی جا رہی ہے۔ وہ اب زرد دکھائی دینے لگے ہیں۔ زمین پر گھروں میں جلنے والے چراغ بھی بجھ چکے ہیں۔ گویا آسمان اور زمین پر ساری رات جلنے والے ستارے اب دم توڑ رہے ہیں۔ صبح کا ستارہ صبح کے آنے کی خبر دے کر رخصت ہو رہا ہے اور صبح طلوع ہو رہی ہے۔

(۲)

یکایک ایک نور کا — غبار شرق سے اُٹھا
وہ رفتہ رفتہ بڑھ چلا — اور آسماں پہ چھا گیا
حسینۂ نمود نے — نقاب اٹھا دیا
فسوں گرِ شہود نے — طلسمِ شب مٹا دیا
یکایک ایک تازگی — یکایک ایک روشنی
نگاہِ جاں میں آ گئی — حیات میں سما گئی
یکایک ایک نور کا — غبار شرق سے اُٹھا

لغت: یکایک: اچانک۔ شرق: مشرق۔ رفتہ رفتہ: آہستہ آہستہ۔ نمود: دکھلاوا، ظاہر ہونا۔ حسینۂ نمود: روشنی کا ظاہر ہونا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر صبح کی آمد کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اچانک مشرق سے ایک نور کا غبار بلند ہوا اور آہستہ آہستہ پورے آسمان پر چھا گیا۔ لگتا ہے کہ جیسے صبح کی حسینہ نے اپنے حسین چہرے سے نقاب اٹھا دیا ہے۔ یا کسی جادوگر نے جو رات کا جادو مٹا دیا ہے جو پہلے کائنات کی ہر شے پر چھایا ہوا تھا۔ اچانک مشرق و مغرب میں ایک تازگی سی چھا گئی ہے۔ ہر شے میں اس تازگی کا اظہار ہے۔ چرند پرند بیدار ہو چکے ہیں۔ پتے بوٹے لہلہا رہے ہیں۔ انسان آنکھ ملتے ہوئے بیدار ہو چکا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ساری کائنات زندگی کی تازگی سے لبریز ہو چکی ہے۔ یا یوں لگتا ہے کہ اچانک ایک روشنی ہر طرف پھیل گئی ہے۔ جو دل و جان کی رگ رگ میں سما گئی ہے۔ زندگی کی حرارت کی خوش خبری بن گئی ہے۔ یہ روشنی مشرق سے ظاہر ہوئی ہے اور اب ہر طرف پھیل چکی ہے۔ جس کی وجہ سے زندگی بیدار ہو چکی ہے۔

(۳)

عبادتوں کے در کھلے   سعادتوں کے در کھلے
درِ قبول وا ہوا ، دُعا کا وقت آ گیا
اذان کی صدا اُٹھی   جگا دیا نماز کو
چلی ہے اُٹھ کے بندگی   لیے ہوئے نیاز کو
صنم کدہ بھی کُھل گیا   اُٹھا ہے شور سنکھ کا
چلو نمازیو! چلو   اُٹھو پجاریو! اُٹھو
عبادتوں کے در کھلے   سعادتوں کے در کھلے

لغت: در: دروازے۔ سعادت: نیکی، نیک بختی۔ درِ قبول: قبولیت کا دروازہ۔ وا ہونا: کھلنا۔ صدا: آواز۔ نیاز: عاجزی۔ صنم کدہ: بت خانہ۔ سنکھ: نرسنگا، ناقوس، ایک قسم کا سینگ۔ پجاری: پوجا کرنے والا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ بحث نظم میں شاعر صبح کی آمد کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ہر طرف روشنی پھیل چکی ہے جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو بیدار کر دیا ہے۔ اللہ کی مخلوق رات کے آرام کو چھوڑ کر جاگ اُٹھی ہے۔ نیند کا جادو ختم ہو چکا ہے۔ لوگ اُٹھ کر عبادت خانوں کا رخ کر رہی ہے۔ ہر مخلوق اپنے اپنے انداز میں اللہ کی تسبیح اور عبادت میں مصروف ہے۔ نیکی کے در کھل چکے ہیں۔ ہر طرف برکتوں کا نزول ہے۔ قبولیت کا وقت آن پہنچا ہے۔ ہر طرف دعائیں مانگی جا رہی ہیں گویا صبح کا وقت دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے۔

اب مسجدوں سے اذان کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ جسے سن کر نمازی بیدار ہو رہے ہیں اور مسجدوں کا رخ کر رہے ہیں جہاں وہ عاجزی کے ساتھ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے۔ گویا بندگی کے در کھل چکے ہیں اور اللہ کے بندے بندگی کی نیاز لیے اس کے حضور حاضر ہو رہے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر صبح کی آمد کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اچانک مشرق سے ایک نور کا غبار بلند ہوا اور آہستہ آہستہ پورے آسمان پر چھا گیا۔ لگتا ہے کہ جیسے صبح کی حسینہ نے اپنے حسین چہرے سے نقاب اُٹھا دیا ہے۔ یا کسی جادوگر نے جو رات کا جادو مٹا دیا ہے جو پہلے کائنات کی ہر شے پر چھایا ہوا تھا۔ اچانک مشرق و مغرب میں ایک تازگی سی چھا گئی ہے۔ ہر شے میں اس تازگی کا اظہار ہے۔ چرند پرند بیدار ہو چکے ہیں۔ پتے بوٹے لہلہا رہے ہیں۔ انسان آنکھ ملتے ہوئے بیدار ہو چکا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ساری کائنات زندگی کی تازگی سے لبریز ہو چکی ہے۔ یا یوں لگتا ہے کہ اچانک ایک روشنی ہر طرف پھیل گئی ہے۔ جو دل و جان کی رگ رگ میں سما گئی ہے۔ زندگی کی حرارت کی خوش خبری بن گئی ہے۔ یہ روشنی مشرق سے ظاہر ہوئی ہے اور اب ہر طرف پھیل چکی ہے۔ جس کی وجہ سے زندگی بیدار ہو چکی ہے۔

(۳)

عبادتوں کے دَر کُھلے سعادتوں کے دَر کُھلے
درِ قبول وا ہوا ، دُعا کا وقت آ گیا
اذان کی صدا اُٹھی جگا دیا نماز کو
چلی ہے اُٹھ کے بندگی لیے ہوئے نیاز کو
صنم کدہ بھی کُھل گیا اُٹھا ہے شور سنکھ کا
چلو نمازیو! چلو اُٹھو پجاریو! اُٹھو
عبادتوں کے در کُھلے سعادتوں کے در کُھلے

لغت: در: دروازے۔ سعادت: نیکی، نیک بختی۔ درِ قبول: قبولیت کا دروازہ۔ وا ہونا: کھلنا۔ صدا: آواز۔ نیاز: عاجزی۔ صنم کدہ: بت خانہ۔ سنکھ: نرسنگا، ناقوس، ایک قسم کا سینگ۔ پجاری: پوجا کرنے والا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ بحث نظم میں شاعر صبح کی آمد کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ہر طرف روشنی پھیل چکی ہے جس نے کائنات کے ذرے ذرے کو بیدار کر دیا ہے۔ اللہ کی مخلوق رات کے آرام کو چھوڑ کر جاگ اُٹھی ہے۔ نیند کا جادو ختم ہو چکا ہے۔ لوگ اُٹھ کر عبادت خانوں کا رخ کر رہی ہے۔ ہر مخلوق اپنے اپنے انداز میں اللہ کی تسبیح اور عبادت میں مصروف ہے۔ نیکی کے در کھل چکے ہیں۔ ہر طرف برکتوں کا نزول ہے۔ قبولیت کا وقت آن پہنچا ہے۔ ہر طرف دعائیں مانگی جارہی ہیں گویا صبح کا وقت دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے۔

اب مسجدوں سے اذان کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ جسے سن کر نمازی بیدار ہو رہے ہیں اور مسجدوں کا رخ کر رہے ہیں جہاں وہ عاجزی کے ساتھ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں گے۔ گویا بندگی کے در کھل چکے ہیں اور اللہ کے بندے بندگی کی نیاز لیے اس کے حضور حاضر ہو رہے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

مندر میں بھی عبادت شروع ہو چکی ہے۔ وہ بھی سنکھ بجا رہے ہیں تاکہ لوگ مندر میں عبادت کے لیے آسکیں۔ گویا صبح کی آمد کے ساتھ ہی یہ پکار سنائی دیتی ہے کہ نمازیو اور پجاریو اُٹھو اور بندگی کا حق ادا کرنے کے لیے عبادت خانوں کی طرف چلو کیونکہ رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے اور جو چاہے ان میں سے اپنا حصہ وصول کر لے۔

(۴)

کسان اُٹھ کھڑے ہوئے — مویشیوں کو لے چلے
کہیں مزے میں آ گئے — تو کوئی تان اُڑا گئے
یہ سرد شبنمی ہوا — یہ صحت آفریں سماں
یہ فرش سبز گھاس کا — یہ دل فریب آسماں
بسے ہوئے پریت میں — ہیں محو ان کے گیت میں
کہاں ہیں شہر کے مکیں — وہ بے نصیب اُٹھے نہیں
کسان اُٹھ کھڑے ہوئے — مویشیوں کو لے چلے

لغت: مویشی: چوپائے، گائے بیل وغیرہ۔ تان اڑانا: مزے سے گانا۔ دل فریب: دلکش، دل کو بھانے والی۔
صحت آفریں: صحت بخش۔ پریت: محبت۔ محو: کھوئے ہوئے۔ مکیں: رہنے والے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ بحث نظم میں شاعر صبح کی آمد کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ صبح کی آمد کے ساتھ ہی روشنی ہر طرف پھیل چکی ہے اس لیے کسان بھی بیدار ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے اپنے مویشیوں کو ساتھ لے کر کھیتوں کی طرف رواں دواں ہیں۔ یہ بیدار ہونا اور اپنے کھیتوں کی طرف جانا ان کے لیے اتنا خوش گوار ہے کہ جب وہ خوشی سے جھومنے لگتے ہیں تو پھر خوشی کے گیت گاتے ہیں۔ ہر طرف گھاس کا فرش بچھا ہوا ہے جو مخمل کی طرح نرم ہے اور اس پر شبنم کے قطرے دل و دماغ کو تازگی بخش رہے ہیں۔ اور دوسری طرف آسمان بے حد خوبصورت نظر آتا ہے۔ کسان اس خوبصورت منظر کی محبت میں کھوئے ہوئے ہیں اور گیت گا رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف شاعر شہر کے رہنے والوں کی قسمت پر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ لوگ ابھی تک بیدار نہیں ہوئے ہیں۔ گویا ان کی قسمت ابھی تک سوئی ہوئی ہے کہ وہ اتنے دل کش منظر کو دیکھنے سے محروم ہو چکے ہیں۔ لیکن گاؤں دیہاتوں کے رہنے والے کسان اُٹھ چکے ہیں اور اپنے اپنے مویشیوں کے لے کر اپنے کھیتوں کی طرف رواں دواں ہیں۔

(۵)

اُٹھی حسینۂ سحر — پہن کے سر پہ تاجِ زر
لباسِ نور زیبِ بر — چڑھی فرازِ کوہ پر
وہ خندۂ نگاہ سے — پہاڑ طور بن گئے
وہ عکسِ جلوہ گاہ سے — سحاب نور بن گئے

MEDICALBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

نوائے جوئبار اُٹھی صدائے آبشار اُٹھی
ہواؤں کے رباب اُٹھے خوش آمدید کے لیے
اُٹھی حسینۂ سحر پہن کے سر پہ تاجِ زر

لغت: تاجِ زر: سونے کا تاج۔ زیب بر: زیب تن کرنا، پہننا۔ فراز: بلندی۔ کوہ: پہاڑ۔ فرازِ کوہ۔ پہاڑ کی چوٹی پر۔ سحاب: بادل۔ نوا: آواز۔ جوئبار: ندی۔ صدا: آواز۔ آبشار: بلندی سے گرنے والی پانی کی دھار۔ رباب: ایک ساز کا نام۔ خوش آمدید: استقبال۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیر بحث نظم میں شاعر صبح کی آمد کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے کہ اب سورج طلوع ہو چکا ہے اور ہر طرف اس کی روشنی پھیل چکی ہے گویا صبح کی حسینہ بیدار ہو چکی ہے جس نے اپنے سر پر سنہری تاج رکھا ہے اور نور کا لباس پہن رکھا ہے۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ چکی ہے۔ اس کی مسکراہٹ سے جو ہر پہاڑ کوہِ طور بن چکا ہے جس پر اللہ کی تجلی کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس کی روشنی کے جلووں سے بادل نور کے ہالے بن چکے ہیں۔ دریا اور آب شاروں کے بہنے سے ہر طرف موسیقی اور نغمے سنائی دیتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے ہواؤں نے رُباب یعنی موسیقی کے ساز تھام لیے ہیں جن سے دل رُبا سُر نکل رہے ہیں۔ ہر طرف نغمے اور گیت سنائی دیتے ہیں۔ الغرض صبح کی حسینہ اپنے سر پر سنہری تاج رکھے اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔

مشق

۱۔ **''جلوۂ سحر'' میں پیش کیا گیا صبح کا منظر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔**

جواب: ستارہ سحر صبح کے آنے کی خبر سنا کر چل دیا ہے۔ زمین نور سے اور آسمان رنگوں سے بھر گیا ہے۔ رات کے ستارے سو چکے ہیں۔ چراغ بجھا دیے گئے ہیں۔ مشرق کی سمت سے نور کا غبار اُٹھ رہا ہے جو آسمان پر چھا رہا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ صبح کی حسینہ نے اپنے چہرے سے رات کا نقاب اُٹھا دیا ہے۔

۲۔ **اس نظم میں صبح کا منظر بڑی خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ شام کے منظر کو اپنے الفاظ میں بیان کریں۔**

جواب: دن بھر سفر کرنے کے بعد سورج اپنی آرام گاہ تک پہنچ چکا ہے۔ مغرب کی سمت اس کی آمد کی خوشی میں شفق کے رنگ بکھر چکے ہیں۔ پرندے بھی اپنے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ دن بھر کے تھکے ہارے لوگ اپنے گھروں کی طرف رواں دواں ہیں۔ گھر والے بھی ان کے منتظر ہیں۔ بچے اپنے باپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ انھیں اُمید ہے کہ ان کا باپ ان کے لیے کچھ لے کر آئے گا۔ الغرض یہ سب دیکھ کر صبح کی حسینہ اپنا جلوہ دکھانے کے لیے بے تاب ہے۔

۳۔ **آخری بند میں شاعر نے صبح کو ''حسینۂ سحر'' کے ایک کردار کی صورت میں پیش کرتے ہوئے اس کے استقبال کو کن لفظوں میں بیان کیا ہے؟**

جواب: شاعر نے صبح کو حسینہ سحر کے کردار میں پیش کیا ہے جو سر پر سونے کا تاج رکھے اور نور کا لباس پہنے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھی ہوئی ہے۔ اس کی ایک مسکراہٹ سے پہاڑ طور بن چکے ہیں۔ اس کے جلوے سے بادل نور بن چکے ہیں۔ اسے ندیاں، آبشاریں اور ہوائیں خوش آمدید کہنے کے لیے بے تاب ہیں۔

MADE BY FUTUREDOCTORS.STOUSEEF AHMAD

۴۔ جملے بنائیں۔

الفاظ و محاورات	جملے
یکا یک	یکا یک سامنے کا منظر بدل گیا۔
سعادت	اللہ کے گھر حاضری بے حد سعادت کا باعث ہے۔
صحت آفرین	صبح کی سیر صحت آفرین ہے۔
جلوہ گاہ	پوری کائنات اللہ کی جلوہ گاہ ہے۔
جوئبار	پہاڑ کی چوٹی سے ایک جوئبار بہتی چلی آ رہی ہے۔
آبشار	سامنے آبشار کے گرنے کا منظر بے حد حسین ہے۔

۵۔ کنایہ کی تعریف کریں اور مثالوں کی مدد سے وضاحت کریں۔

جواب: دیکھیے (علمِ بیان)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: حفیظ جالندھری کی شاعری کی نمایاں خصوصیات تحریر کریں۔

جواب: حفیظ جالندھری بنیادی طور پر ایک گیت نگار ہیں۔ ان کے گیت عام طور پر جذبات اور لطافت سے لبریز ہوتے ہیں۔ وہ چھوٹی اور مترنم بحریں استعمال کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں روانی اور ترنم ہے۔ وہ ہندی الفاظ کے استعمال سے مٹھاس پیدا کرتے ہیں۔ سادگی، دل کشی، موسیقیت، تغزل اور مقصدیت ان کی کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

سوال: ستارہ سحر نے جب صبح کے آنے کی خبر دی تو آسمان پر کیا تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔

جواب: جب ستارہ سحر صبح کے آنے کی خبر سنا کر چل دیا تو آسمان اور زمین نور سے بھر گئے۔ رات کے ستارے سو گئے۔ چراغ بجھا دیے گئے۔ ستارے ٹمٹاتے ہوئے سو گئے اور چراغ جھلملاتے ہوئے سو گئے۔

سوال: طلوع سحر کے ساتھ ہی سعادتوں کے در کھلنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جب صبح طلوع ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی عبادت کا وقت ہو جاتا ہے۔ دعا کی قبولیت کا وقت آ جاتا ہے۔ اذان کی آواز سوئے ہوؤں کو جگا دیتی ہے۔ لوگ اللہ کے حضور بندگی کے اظہار کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ مندر بھی کھل جاتے ہیں۔ نمازی مسجدوں کی طرف اور پجاری مندر کی طرف چل پڑتے ہیں۔ گویا عبادتوں اور سعادتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

سوال: صبح طلوع ہوتے ہی دیہاتی زندگی کا کیا منظر ہوتا ہے؟

جواب: جب صبح طلوع ہو جاتی ہے تو کسان اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور مویشیوں کو لے کر کھیتوں کی طرف چل پڑتے ہیں۔ ہوا میں نمی اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ وہ گھاس کے فرش پر مزے سے چلتے ہوئے جاتے ہیں۔ وہ آسمان اور زمین کے سب سے دل فریب نظارے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جب کہ شہری اپنے حال میں مست سوئے رہ جاتے ہیں۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ حفیظ جالندھری کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۰۰ء ✓ (ب) ۱۹۰۱ء (ج) ۱۹۰۲ء (د) ۱۹۰۳ء

2۔ حفیظ جالندھری کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۹۸۰ء (ب) ۱۹۸۱ء (ج) ۱۹۸۲ء ✓ (د) ۱۹۸۳ء

3۔ حفیظ جالندھری کہاں پیدا ہوئے؟

(ا) امرتسر (ب) جالندھر ✓ (ج) لاہور (د) کراچی

4۔ حفیظ جالندھری کا نام تھا:

(ا) محمد حفیظ ✓ (ب) حفیظ خان (ج) حفیظ شاہ (د) ملک حفیظ

5۔ حفیظ جالندھری نے اسلام کی منظوم تاریخ کس نام سے لکھی؟

(ا) تاریخ اسلام (ب) سرمایۂ اسلام (ج) شاہنامہ اسلام ✓ (د) فردوس اسلام

6۔ نظم ''جلوۂ سحر'' کس شاعر کی تخلیق ہے:

(ا) عبدالرحمن بابا (ب) مرزا دبیر (ج) حفیظ جالندھری ✓ (د) اکبرالہ آبادی

7۔ حفیظ جالندھری کو سب سے زیادہ شہرت کس وجہ سے ملی:

(ا) گیت نگاری سے (ب) قومی ترانے کی تخلیق سے (ج) شاہنامہ اسلام (د) ب اور ج دونوں ✓

8۔ نظم ''جلوہ سحر'' کس کے بارے میں ہے:

(ا) ستاروں کے ڈوبنے کے بارے میں (ب) حسینۂ سحر کے بارے میں

(ج) طلوع سحر کے بارے میں ✓ (د) دیہات کے منظر کے بارے میں

9۔ حسینۂ سحر نے سر پہ کیا لیا ہوا تھا:

(ا) تاجِ زر ✓ (ب) حجاب (ج) شال (د) چادر

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

پرانا کوٹ

سیّد محمد جعفری

(۱۹۰۵ء - ۱۹۷۶ء)

شاعر کا تعارف:

سیّد محمد جعفری نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ایس۔سی آنرز (کیمیا) کی سند حاصل کرنے کے بعد علم کی تشنگی (پیاس) بجھانے کے لیے ایم۔اے فارسی اور ایم اے انگریزی ادبیات کیا۔ ان کے اساتذہ میں ممتاز مزاح نگار پطرس بخاری بھی شامل تھے۔

سیّد محمد جعفری نے مصوری اور خطاطی (لکھنے کا فن) کی تعلیم و تربیت بھی حاصل کی۔ کچھ عرصہ محکمۂ تعلیم سے منسلک رہے۔ بعد ازاں وزارتِ اطلاعات و نشریات سے وابستہ ہو گئے اور وہیں سے ریٹائرمنٹ لی۔ سیّد محمد جعفری کا شمار ایسے طنزیہ اور مزاحیہ شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے ظرافت (مزاح) اور طنز کو ملکی اور سماجی اصلاح (معاشرے کی اصلاح کرنا) کا ہر ہتھیار بنایا۔ اُن کا طنز تلخی (ایسا طنز جو بہت زیادہ دل پر لگنے والا ہو) ضرور ہے مگر اس قدر شگفتہ (خوش گوار) ہے کہ قاری کو نہ صرف لطف اندوز کرتا ہے بلکہ غور و فکر اور اصلاح کی دعوت بھی دیتا ہے۔ وہ ملکی ثقافت اور تہذیب و تمدن کو مغربی اثرات سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نظم ''پرانا کوٹ'' میں اُنھوں نے غلامانہ ذہنیت کو طنز کا نشانہ بنایا ہے اور ماضی سے عبرت حاصل کرنے کا درس دیا ہے۔

نظم کا تعارف:

یہ ایک پابند نظم ہے جو سید محمد جعفری کی کتاب ''شوخیِ تحریر'' سے لی گئی ہے۔ سید محمد جعفری ملکی ثقافت کو مغربی اثرات سے پاک دیکھنا چاہتے تھے۔ جس کا اظہار ان کی اس نظم ''پرانا کوٹ'' میں بہ خوبی ہوا ہے۔ شاعر نے ایک پرانا کوٹ نیلام گھر سے خریدا ہے۔ اگرچہ وہ کوٹ پرانا اور خستہ ہے لیکن شاعر اسے بہترین کوٹ ثابت کرنے کے لیے طنزیہ انداز میں دلیلیں گھڑ رہے ہیں۔ یہ طنز دراصل مغربی تہذیب کے ان اثرات پر ہے جو ہمارے ہاں پیدا ہو رہے ہیں اور ہم اس غیر تہذیب کو قبول کرنے کے لیے ہر بے بنیاد دلیل کا سہارا لے رہے ہیں۔

(تعارفی عبارت ہر جز و کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

۱-۲

خریدا جاڑوں میں نیلام سے پرانا کوٹ
جو پھٹ کے چل نہ سکے، یہ نہیں ہے ایسا نوٹ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

بنا ہے کوٹ یہ نیلام کی دکاں کے لیے
"صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"

لغت: جاڑوں: سردیوں۔ نیلام: جہاں سے پرانی چیزیں کم قیمت پر مل جائیں۔ صلائے عام: ہر شخص کے لیے عام دعوت۔
یارانِ نکتہ داں: سمجھ دار لوگ، عقل مند دوست۔

مفہوم: میں نے سردی میں نیلام سے ایک ایسا پرانا کوٹ خریدا ہے۔ جو نوٹ کی طرح پھٹتا نہیں ہے اور یہ سب کے لیے دعوت ہے کہ وہ آئیں اور اسے خریدنے کے لیے بولی دیں۔

تشریح

یہ ایک پابند نظم ہے جو سید محمد جعفری کی کتاب "شوخیِ تحریر" سے لی گئی ہے۔ سید محمد جعفری ملکی ثقافت کو مغربی اثرات سے پاک دیکھنا چاہتے تھے۔ جس کا اظہار ان کی اس نظم "پرانا کوٹ" میں بہ خوبی ہوا ہے۔ شاعر نے ایک پرانا کوٹ نیلام گھر سے خریدا ہے۔ اگرچہ وہ کوٹ پرانا اور خستہ ہے لیکن شاعر اسے بہترین کوٹ ثابت کرنے کے لیے طنزیہ انداز میں دلیلیں گھڑ رہے ہیں۔ یہ طنز دراصل مغربی تہذیب کے ان اثرات پر ہے جو ہمارے ہاں پیدا ہو رہے ہیں اور ہم اس غیر تہذیب کو قبول کرنے کے لیے ہر بے بنیاد دلیل کا سہارا لے رہے ہیں۔

(تعارفی عبارت ہر جز کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر اشعار میں شاعر نیلام سے خریدے گئے کوٹ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے سردی میں پرانے کپڑوں کی دکان سے ایک پرانا کوٹ خریدا ہے۔ ان کا یہ بیان درحقیقت ایک بڑی ہی تلخ حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ ہمارے ہاں معاشی حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے جہاں لوگ زندگی کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ وہیں سرد موسم میں خود کو سردی سے بچانے کے لیے بھی انھیں گرم کپڑے خریدنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ لہٰذا انھیں مجبوراً پرانے کپڑے خریدنے پڑتے ہیں۔ شاعر بھی ایسے ہی کسی سرد موسم میں نیلام سے ایک پرانا کوٹ خرید لایا ہے۔ وہ اس پرانے کوٹ کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کوٹ پرانا نوٹ نہیں ہے کہ پھٹ کر چل نہ سکے۔ اگرچہ اس میں کچھ پیوند لگے ہوئے ہیں لیکن یہ ابھی بھی پہننے کے قابل ہے۔

پھر وہ مزید اس خوبی کا اظہار کرتا ہے کہ یہ کوٹ دراصل بنا ہی نیلام کی دکان کے لیے تھا۔ یعنی ایسا کوٹ بڑی اور مہنگی دکانوں کے لیے نہیں بنا۔ اس لیے اسے نیلام کی دکانوں پر بڑی محنت اور کوشش سے ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ اس لیے اپنے عقل مند دوستوں کو دعوتِ عام دیتا ہے کہ وہ آئیں اور ایسا نادر کوٹ ڈھونڈ کر دکھائیں۔ گویا یہ بھی کوٹ کی تعریف کا ایک انداز ہے کہ ایسا نایاب کوٹ ہے کہ جو ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا۔

۳-۴

بڑا بزرگ ہے یہ آزمودہ کار ہے یہ
کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے یہ
پرانی وضع کا بے حد عجیب جامہ ہے
پہن چکا اسے خود "واسکوڈی گاما" ہے

لغت: بزرگ: کافی پرانا۔ آزمودہ کار: آزمایا ہوا۔ یادگار: نشانی۔ پرانی وضع: پرانا ڈیزائن۔ عجیب جامہ: ایسا لباس جس کی سمجھ نہ ہو۔
واسکوڈی گاما: ایک بحری سیاح جس نے ہندوستان تک کا بحری راستہ دریافت کیا تھا۔ جنوبی افریقہ سے گھوم کر کالی کٹ ہندوستان پہنچا تھا۔

مفہوم: یہ کوٹ بڑا پرانا ہے اور کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے۔ یہ بے حد عجیب ہے لیکن اسے واسکوڈی گاما بھی پہن چکا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیر نظر اشعار میں شاعر نیلام سے خریدے گئے کوٹ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انھوں نے جو کوٹ خریدا ہے وہ بہت ہی پرانا ہے، اسے بہت سے لوگ پہلے بھی پہن چکے ہیں۔ اور یہ اپنی وضع قطع سے کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار لگتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں سردیوں کے موسم میں باہر کے ملکوں سے پرانے کپڑے منگوائے جاتے ہیں۔ جنھیں عرفِ عام میں لنڈے کے کپڑے کہا جاتا ہے اور یہ کم قیمت پر دستیاب ہوتے ہیں۔ شاعر نے بھی ایک ایسا ہی کوٹ خرید لیا ہے جو قدرے پرانا اور خستہ ہے۔ لیکن شاعر کے خیال میں چونکہ وہ کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے اس لیے وہ اسے "بڑا بزرگ" کہہ کر عزت دیتے ہیں۔ لیکن اس کی خستگی بتا رہی ہے کہ اس گورے نے اسے مرتے دم تک پہنا ہوگا۔

پھر شاعر دوسرے شعر میں اس پرانے کوٹ کی تعریف انوکھے انداز میں بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگرچہ یہ کوٹ دیکھنے میں پرانی طرز یا فیشن کا ہے لیکن وہ اس کی خوبی بیان کرتے ہوئے ایک تلمیح کا استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی بزرگی کی یہ دلیل ہے کہ اسے مشہور سیاح واسکوڈی گاما بھی پہن چکا ہے۔ واسکوڈی گاما وہ مشہور سیاح ہے جس نے ہندوستان تک کا بحری راستہ دریافت کیا تھا۔ یعنی شاعر کے خیال میں یہ عین ممکن ہے کہ جب واسکوڈی گاما خود ہندوستان آیا تھا تو وہ خود یہ کوٹ پہن کر آیا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاعر طنزیہ انداز میں کوٹ کی تعریف بیان کرتے ہوئے دراصل ہماری غلامانہ ذہنیت کا اظہار کر رہا ہے کہ ہمارے ہاں جو چیز بھی باہر سے آجائے، اسے محترم اور بزرگ ثابت کرنے کے لیے طرح طرح سے دلیلیں دی جاتی ہیں۔

۵-۶

نہ دیکھ کہنیوں پر اس کی خستہ سامانی
پہن چکے ہیں اسے تُرک اور ایرانی
جگہ جگہ وہ پھرا مثلِ "مارکوپولو"
وہ کوٹ کوٹوں کا لیڈر ہے اس کی جے بولو

لغت: خستہ سامانی: پھٹا پرانا ہونا۔ مثل: کی مانند، کی طرح۔ جے بولو: زندہ باد کے نعرے لگاؤ۔ مارکوپولو: اٹلی کا مشہور سیاح جس نے دنیا کے کئی ممالک کا سفر کیا۔

مفہوم: اس کا پھٹا ہوا نہ دیکھو کیوں کہ اسے ترک اور ایرانی پہن چکے ہیں۔ یہ کوٹوں کا لیڈر ہے جو ہر جگہ مارکوپولو کی طرح پھر چکا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیر نظر اشعار میں شاعر نیلام سے خریدے گئے کوٹ کا ذکر فخریہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم اس کی پرانے ہونے کو نہ دیکھو، تم اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کی تاریخی اہمیت سے لگاؤ۔ اس کے لیے وہ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ یہ کوٹ یورپ سے چل کر ترکی اور ایران سے ہوتا ہوا شاعر تک پہنچا ہے۔ شاعر کے مطابق اس طرح کوٹ بے حد اہمیت کا حامل ہو چکا ہے۔ کیونکہ وہ ایک طویل سفر کر کے شاعر تک پہنچا ہے۔ اس میں

MDCAT BY FUTUREDOCTORS TOUSEEF AHMAD

ترکی اور ایران کے اسلامی اثرات بھی جمع ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو شاعر کا انداز طنزیہ ہے۔ وہ کوٹ کے پرانے ہونے کی شرمندگی کو مٹانے کے لیے اس کا شجرہ نسب یورپ، ترکی اور ایران سے ملا رہا ہے۔ یہ بھی غلامانہ ذہنیت کی عمدہ مثال ہے۔ جس میں انسان غیر تہذیب یا ثقافت کو اپنانے کے لیے من گھڑت دلیلیں ایجاد کر لیتا ہے۔ اسی طرح شاعر ہماری غلامانہ ذہنیت کو ایک پرانے کوٹ سے نمایاں کر رہا ہے۔

دوسرے شعر میں پھر شاعر اس طنزیہ انداز میں کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ پرانے کوٹ کی اہمیت کو نمایاں کرنے کے لیے ایک تلمیح کا سہارا لے رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کوٹ کو کوئی عام کوٹ نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک غیر معمولی کوٹ ہے۔ یہ مارکو پولو کی طرح دنیا پھر چکا ہے۔ مارکو پولو ایک مشہور سیاح تھا جس نے دنیا جہان کا سفر کیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے دور میں شاہراہ ریشم سے ہوتا ہوا چین بھی گیا تھا اور وہاں قبلائی خان سے ملاقات کی تھی۔ اس لیے شاعر کے خیال میں جس طرح مارکو پولو کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے اسی طرح اس کوٹ کو بھی عزت اور احترام دی جانی چاہیے۔ شاعر اس کوٹ کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر اسے دنیا کے تمام کوٹوں کا لیڈر قرار دیتا ہے۔ اور وہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس کوٹ کی اہمیت کو تسلیم کر کے اس کے حق میں نعرے بھی لگائے جانے چاہییں۔

۷-۸

بڑا بزرگ ہے گو وہ قلیل قیمت ہے
میاں! بزرگوں کا سایہ بڑا غنیمت ہے
ہیں اس پہ دھبے جو سرخی کے اور سیاہی کے
نشان ہیں کسی ٹیچر کی بادشاہی کے

لغت: قلیل: کم۔ غنیمت ہونا: کافی ہونا۔ دھبے: نشان۔

مفہوم: یہ کوٹ بزرگ اور کم قیمت ہے اس لیے یہ بڑی نعمت ہے۔ اس پر سرخی اور سیاہی کے دھبے کسی استاد کی نشانی ہیں۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جزو کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر اشعار میں شاعر اس پرانے کوٹ کی اہمیت منوانے کے لیے اسے واسکوڈی گاما کا کوٹ قرار دیتے ہیں اور کبھی مارکو پولو قرار دیتے ہوئے کوٹوں کا کوٹ قرار دیتے ہیں۔ زیرِ نظر اشعار میں وہ اس کوٹ کی بزرگی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ کوٹ بڑا بزرگ ہے یعنی بہت پرانا ہے لیکن اس کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ ایک تو یہ کم قیمت ہے دوسرا ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ بزرگ ہونا تو رحمت اور برکت کا باعث ہے کیونکہ ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ بزرگوں کا سایہ بڑا غنیمت ہے۔ اس لیے اس کوٹ کی بزرگی کی پیشِ نظر اس کی عزت اور احترام کرنا چاہیے۔

دوسرے شعر میں شاعر اس کوٹ پر اُٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب دے رہے ہیں۔ کسی نے اس کے پرانے ہونے کے ساتھ ساتھ یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ اس پر سرخی اور سیاہی کے دھبے ہیں۔ جس کا دفاع کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ ان دھبوں کو معمولی نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ نشان دراصل کسی استاد کی بادشاہت کے نشان ہیں۔ ضرور یہ بزرگ کوٹ کسی استاد کے زیرِ استعمال بھی رہا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے قلم کی سرخی اور سیاہی اس کوٹ پر ثبت ہوگئی ہوں گی۔ یوں شاعر اس کوٹ کی خامیوں کو خوبیاں بنا کر دکھا رہا ہے۔ یہ ہمارے اسی قومی رویے پر طنز ہے جس کے بارے میں پہلے لکھا گیا ہے کہ ہم مغربی تہذیب کی خامیوں کو بھی خوبیاں بنا کر دکھاتے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

۹-۱۰

جگہ جگہ جو یہ کیڑوں کی ضرب کاری ہے
نئی طرح کی یہ صنعت ہے ، دستکاری ہے
جو قدر دان ہیں ، وہ جانتے ہیں قیمت کو
کہ آفتاب چرا لے گیا ہے رنگت کو

لغت: **کیڑوں کی ضرب کاری:** کیڑوں کی چوٹیں یعنی کیڑوں کے کاٹنے کے نشانات۔ **دستکاری:** ہاتھ سے کیا گیا کام۔

مفہوم: اس میں ایک نئی طرح کا فیشن ہے اور اس کا رنگ سورج چرا کر لے گیا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جز ولی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

پہلے شعر میں شاعر کوٹ کی ڈیزائننگ اور فیشن پر طنز کر رہا ہے۔ ہمارے ہاں مغربی تہذیب کے نمایاں اثرات میں سے ایک اثر اندھی فیشن پرستی کا بھی ہے۔ یعنی جو فیشن مغرب سے ہمارے ہاں اسے ہمیشہ کمال سمجھتا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس میں بہ ظاہر نظر آنے والے نقص یا خرابیوں کو نئے اور جدید فیشن کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں پھٹی ہوئی جینز محض فیشن کے نام پر پہنی جاتی رہی ہے۔ اسی طرح شاعر اس کوٹ کی میں نظر آنے والے سوراخوں کو، جو مختلف قسم کے کیڑوں کے کاٹنے یا اس کے پرانے ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں، نئے دور کا فیشن قرار دے رہا ہے۔ بلکہ وہ تعریف کرتے ہوئے یہاں تک کہتا ہے کہ یہ بالکل اچھوتے انداز کی صنعت اور دستکاری ہے جس کی کوئی مثال پہلے نہیں ملتی۔

دوسرے شعر میں شاعر پھر اس کوٹ میں بہ ظاہر نظر آنے والے نقائص کو طنزیہ انداز میں اس کی خوبیاں بنا کر پیش کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح موتی کی قیمتی جوہری ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ نظر رکھتے ہیں اور اچھا کپڑا پہننے والے ہیں، وہ اس کوٹ کی صحیح قدر و قیمت سے بھی واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ کوٹوں کا بادشاہ ہے۔ اور جہاں تک اس کی اڑی ہوئی رنگت کی بات ہے تو یہ کوئی خرابی نہیں بلکہ ہوا یہ کہ یہ کوٹ ایسا اعلیٰ اور شاندار ہے کہ سورج بھی اس کا قدر دان نکلا۔ اس لیے کوٹ کو پھیکی رنگت صرف اس لیے ہے کہ سورج اس کا رنگ چرا لے گیا ہے۔ گویا اس طرح شاعر اس کوٹ کو بہترین ثابت کرنے کے لیے اپنا پورا زور لگا رہا ہے۔

۱۱-۱۲

یہ کوٹ کوٹوں کی دنیا کا باوا آدم ہے
اگرچہ ہے وہ نگہ ، جو نگاہ سے کم ہے
دہانِ زخم کی مانند ہنس رہے ہیں کاج
وصول کرتے ہیں چینی کی انکھڑیوں سے خراج

لغت: **باوا آدم:** سب سے پرانا، کوٹوں کا باپ۔ **نگہ:** تھوڑی، چھوٹی نگاہ۔ **دہانِ زخم:** زخموں کے منہ۔ **انکھڑیوں:** چھوٹی آنکھیں۔ **خراج:** قیمت۔ **کاج:** جہاں بٹن بند کیے جاتے ہیں۔

مفہوم: یہ کوٹ کوٹوں کا بابا آدم ہے۔ اس کے کھلے ہوئے کاج چینی لوگوں کی آنکھوں کو پسند آتے ہیں۔

MDCAT BY (FUTURE DOCTORS) (TOUSEEF AHMAD)

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جز و کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر ان اشعار میں پھر سے کوٹ کی اہمیت منوانے کے لیے من گھڑت دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مان لیا کہ یہ کوٹ بہت پرانا ہے لیکن یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ کوٹ دراصل تمام کوٹوں کا باوا آدم ہے۔ اگرچہ اس کا ظاہری حلیہ بہت خستہ اور گیا گزرا ہے لیکن اس کی اہمیت اور مقام کو سمجھنے کے لیے ایک خاص نگاہ کی ضرورت ہے۔ اور یہ نگاہ صرف ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جنھیں خدا نے دلِ بینا عطا کی ہو۔ گویا ان کے نزدیک ایک عام آدمی اس کوٹ کی اہمیت کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ اس طرح وہ کوٹ پر اُٹھنے والے اعتراضات کو بزرگی کے پردے میں لپیٹ کر مقدس بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

دوسرے شعر میں شاعر پھر اس پرانے کوٹ کے نقائص کو اس کی خوبیاں بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ وہ کوٹ بہت پرانا تھا۔ اور بار بار استعمال ہونے کی وجہ سے اس کے کاج کافی کھل چکے تھے اور بدنما معلوم ہوتے تھے۔ شاعر انھیں کھلے ہوئے زخموں سے تشبیہ دیتا ہے جو دکھنے میں بدنما نظر آتے ہیں۔ لیکن شاعر نے اس بدنمائی میں بھی خوبصورتی کا ایک پہلو نکال لیا ہے۔ ان کے خیال میں ان کاجوں کی خوبصورتی کا اندازہ لگانا ہو تو کبھی کسی چینی کو دیکھو۔ جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ وہ ان کاجوں کو جس محبت سے دیکھتے ہیں اور جس قدر ان کی عاشق ہیں، وہ ان کے دیکھنے کے انداز ہی سے سمجھ آجائے گا۔ گویا شاعر نے اس پھٹے حال کاجوں کو بھی حسن اور رعنائی کی تصویر بنا دیا ہے۔ اور اس کے لیے دلیل چینیوں کے اس پر عاشق ہونے سے دی ہے۔

۱۳-۱۴

جگہ جگہ جو یہ دھبے ہیں اور چکنائی
پہن چکا ہے کبھی اس کو کوئی حلوائی
گزشتہ صدیوں کی تاریخ کا ورق ہے کوٹ
خریدو اس کو کہ عبرت کا ایک سبق ہے کوٹ

لغت: حلوائی: مٹھائی بنانے کا کام کرنے والا۔ گزشتہ: گزری ہوئی۔ عبرت: سبق۔

مفہوم: اس پر لگے ہوئے چکنائی کے دھبے کسی حلوائی کی نشانی ہیں۔ الغرض یہ تاریخی کوٹ ہے۔ اسے خرید کر تاریخ سے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر جز و کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

پہلے شعر میں شاعر پھر سے کوٹ کی خامیوں کو خوبیاں بنانے کا کام کر رہا ہے۔ چونکہ کوٹ پرانا تھا اس لیے اس پر جگہ جگہ دھبے اور چکنائی کے داغ تھے۔ تو شاعر جہاں اس کوٹ کو تاریخی بنانے کے لیے اسے کبھی واسکوڈی گاما اور مارکوپولو کا کوٹ قرار دیتا ہے، اور کبھی اسے تقدس عطا کرنے کے لیے کسی استاد کا پہنا ہوا کوٹ کہتا ہے، اسی طرح شاعر ان پر نظر آنے والے دھبوں اور چکنائی کے داغوں کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ یہ کوٹ کسی حلوائی کے زیرِ استعمال رہ چکا ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر اس کوٹ کی اہمیت منوانے کے لیے ایک منفرد انداز میں دلیل دے رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وقت کا سفر جاری

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEFAHMAD)

ساری ہے۔ یہ مسلسل چلتا چلا جاتا ہے۔ اس کے آگے کوئی ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ یہ ہر شے کو مٹاتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ بقول گلزار:

وقت رہتا نہیں کہیں ٹک کر
اس کی عادت بھی آدمی سی ہے

وقت کا سفر بادشاہوں کو فقیر، امیروں کو غریب، طاقتوروں کو کمزور اور حسن والوں کو بدصورت بناتے ہوئے جاری رہتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وقت کی یہ گردش ہر چیز پر اپنے نشان اور آثار چھوڑ جاتی ہے۔ خواہ وہ پرانی عمارتیں ہوں یا استعمال میں رہنے والی چیزیں۔ اسی لیے شاعر اپنے پرانے کوٹ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کوٹ کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ اس نے ماضی کے گرم سرد دیکھے ہیں۔ اس نے لوگوں کو فنا ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ محض ایک کوٹ نہیں ہے بلکہ یہ تاریخ کا سبق ہے جس سے ہم عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اس کوٹ کو خریدنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے۔ اسے خرید کر ہم ہمیشہ اس بات کو یاد رکھیں گے کہ اس دنیا میں کوئی شے باقی نہیں رہے گی یعنی ہر شے کو فنا ہے۔

مشق

۱۔ **شاعر نے پرانے کوٹ کی خامیوں کو کیسے خوبیاں بنا کر پیش کیا ہے۔**

جواب: شاعر طنزیہ انداز میں پرانے کوٹ کی خامیوں کو اس کی خوبیاں بنا کر پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کوٹ بڑا ہی بزرگ اور تجربہ کار ہے۔ اگرچہ پرانا ہے لیکن اسے واسکوڈےگاما بھی پہن چکا ہے۔ اس کی کہنیوں پر اگر خستگی ہے تو وہ بھی اس لیے کہ اسے ترک اور ایرانی پہن چکے ہیں۔ اس پر نظر آنے والے سرخ دھبے اور سیاہی کے نشان کسی اُستاد کی نشانی ہیں۔ اور اس کا جگہ جگہ سے پھٹا ہونا ایک نیا انداز کا فیشن ہے۔ اس کے کھلے ہوئے کاج بھی خوب صورت ہیں۔ اور اس پر چکنائی کے داغ کسی حلوائی کی یادگار ہیں۔ الغرض یہ کوٹ تاریخ کے حوالے سے عبرت کا سامان ہے۔

۲۔ **تشبیہ اور استعارے سے کیا مراد ہے؟ اس نظم میں شاعر نے پرانے کوٹ کے لیے کیا کیا تشبیہات اور استعارات استعمال کیے ہیں۔**

جواب: تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک چیز کو مشترک خوبی کی بنیاد پر دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے۔ جب کہ استعارہ اسی مشترک خوبی کی بنیاد پر ایک چیز کو دوسری چیز قرار دینے کا نام ہے۔ اس نظم میں درج ذیل تشبیہات اور استعارات استعمال ہوئے ہیں:

1۔ پرانے کوٹ کو پرانے نوٹ سے تشبیہ
2۔ بزرگ بطور استعارہ
3۔ مثلِ مارکو پولو تشبیہ کے طور پر
4۔ کوٹوں کی دنیا کا باوا آدم بطور استعارہ
5۔ دہانِ زخم کی مانند بطور تشبیہ
6۔ تاریخ کا ورق بطور استعارہ

۳۔ **مصرعے مکمل کریں۔**

(الف) کسی مرے ہوئے گورے کی <u>یادگار ہے یہ</u>
(ب) پہن چکے ہیں اسے <u>ترک اور ایرانی</u>
(ج) میاں بزرگوں کا سایہ <u>بڑا غنیمت ہے</u>

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

(د) نئی طرح کی یہ صنعت ہے — دستکاری ہے

(و) گذشتہ صدیوں کی تاریخ کا — ورق ہے کوٹ

۴۔ نظم "پرانا کوٹ" کا مرکزی خیال لکھیں۔

جواب: اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ہم آج بھی ذہنی غلامی کا شکار ہیں۔ لوگ مغربی تہذیب اور اس کی چیزوں سے اتنے متاثر ہیں کہ گھٹیا سے گھٹیا چیز کو بھی بہترین ثابت کرتے ہیں اور اسے استعمال کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کی خامیوں کو خوبیاں بنا کر پیش کرتے ہیں۔

۵۔ قافیہ ہم آواز الفاظ کو کہتے ہیں، جیسے کوٹ اور نوٹ، دکان اور نکتہ داں، اس نظم میں اور کون کون سے قافیے استعمال ہوئے ہیں؟

جواب: کوٹ، نوٹ۔ دکاں، نکتہ داں۔ آزمودہ کار، یادگار۔ جامہ، واسکوڈی گاما۔ سامانی، ایرانی۔ مارکوپولو، بولو۔
قیمت، غنیمت۔ سپاہی، بادشاہی۔ کاری، دستکاری۔ قیمت، رنگت۔ آدم، کم۔ کاج، خراج۔ چکنائی، حلوائی۔ ورق، سبق

۶۔ کسی شاعر کے ایک مصرعے پر دوسرا مصرع لگا کر نیا شعر کہنا "صنعتِ تضمین" کہلاتا ہے۔
مثلاً:

بنا ہے کوٹ یہ نیلامی کی دکان کے لیے — "صدائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"

ایسے تین اشعار تحریر کریں جن میں صنعتِ تضمین کا استعمال ہو۔

غالبؔ اپنا تو عقیدہ ہے بقول ناسخؔ — "آپ بے بہرہ ہیں جو معتقدِ میرؔ نہیں"
ابھی چند میزوں سے گزری ہے فائل — "مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں"
نظام برق لیا واپڈا نے ہاتھوں میں — "پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی"

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: سید محمد جعفری کی شاعرانہ خوبیوں کو مختصراً بیان کریں۔

جواب: سید محمد جعفری کا شمار اُن طنزیہ اور مزاحیہ شاعروں میں ہوتا ہے جنھوں نے طنز و مزاح سے اصلاح کا کام لیا۔ ان کا طنز تیز مگر دل میں اُتر جانے والا ہوتا ہے اور اپنے پڑھنے والوں کو اصلاح کی دعوت دیتا ہے۔ وہ ملکی ثقافت کو غیر ملکی تہذیب سے پاک دیکھنا چاہتے تھے اور نظم "پرانا کوٹ" میں مغرب کی غلامانہ ذہنیت ہی کو نشانہ بنایا ہے۔

سوال: پہلے شعر میں سید محمد جعفری نے پرانے کوٹ کو نوٹ سے تشبیہ دیتے ہوئے کیا فرق واضح کیا ہے؟

جواب: پہلے شعر میں سید محمد جعفری نے پرانے کوٹ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر چہ یہ پرانا اور پھٹا ہوا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پرانا نوٹ پھٹ کر چل نہیں سکتا لیکن یہ پرانا کوٹ چوں کہ مغرب سے آیا ہے، اس لیے یہ اس گئی گزری حالت میں بھی چلنے کے قابل ہے۔

سوال: شاعر نے کوٹ کے کھلے ہوئے کاجوں کو کس سے تشبیہ دی ہے؟

جواب: شاعر پرانے کوٹ کی تعریف بیان کرتے ہوئے، اس کی خامیوں کو بھی خوبیاں بنا کر دکھا رہا ہے۔ اسی لیے وہ کوٹ کے کھلے ہوئے پرانے کاجوں کو زخم کے کھلے ہوئے منھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ایسا منھ جس پر ہنسی ہے۔ اور پھر وہ اس کھلے ہوئے زخم کو بھی خوب صورت بنانے کے لیے کہتے ہیں کہ ان کاجوں کو چینی آنکھیں جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں، تعریف اور ستائش کی نظروں سے دیکھتی ہیں۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS TO USEEF AHMAD

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ سیّد محمد جعفری کا سنِ پیدائش کیا ہے:

(ا) ۱۹۰۵ء ✓ (ب) ۱۹۰۶ء (ج) ۱۹۰۷ء (د) ۱۹۰۸ء

2۔ سیّد محمد جعفری کا سنِ وفات کیا ہے:

(ا) ۱۹۷۵ء (ب) ۱۹۷۶ء ✓ (ج) ۱۹۷۷ء (د) ۱۹۷۸ء

3۔ سیّد محمد جعفری کی شاعری کس قسم کی ہے:

(ا) بچگانہ (ب) فلسفیانہ (ج) طنزیہ اور مزاحیہ ✓ (د) سنجیدہ

4۔ سیّد محمد جعفری کے اساتذہ میں اردو ادب کے کون سے مزاح نگار شامل تھے:

(ا) ابنِ انشا (ب) ڈاکٹر سید عبداللہ (ج) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (د) پطرس بخاری ✓

5۔ سیّد محمد جعفری نے فنونِ لطیفہ کے کن دو شعبوں میں باقاعدہ تربیت حاصل کی:

(ا) موسیقی اور گائیکی (ب) بت تراشی اور گائیکی (ج) مصوری اور خطاطی ✓ (د) مصوری اور موسیقی

6۔ نظم ''پرانا کوٹ'' میں سیّد محمد جعفری نے کس ذہنیت کو طنز کا نشانہ بنایا ہے:

(ا) جدید (ب) قدیم (ج) (د) غلامانہ ✓

7۔ شاعر نے جاڑوں کے موسم میں پرانا کوٹ کہاں سے خریدا:

(ا) نیلام سے ✓ (ب) دکان سے (ج) سٹور سے (د) فٹ پاتھ سے

8۔ شاعر نے پرانا کوٹ کس موسم میں خریدا:

(ا) گرمیوں میں (ب) بہار میں (ج) جاڑوں میں ✓ (د) خزاں میں

9۔ شاعر کے نزدیک یہ پرانا کوٹ کس کی یادگار ہے:

(ا) مغلوں کی (ب) مرے ہوئے گورے کی ✓ (ج) ترکوں کی (د) ایرانیوں کی

10۔ شاعر کے مطابق یہ عجیب جامہ کس وضع کا تھا:

(ا) نئی (ب) پرانی ✓ (ج) مشرقی (د) مغربی

11۔ واسکوڈی گاما کا تعلق کس ملک سے تھا:

(ا) اٹلی (ب) فرانس (ج) پرتگال ✓ (د) جرمنی

MDCATBY(FUTUREDOCTORS)(TOUSEEFAHMAD)

12۔ واسکوڈی گاما پیشے کے لحاظ سے کیا تھا:

(ا) جہازراں سیاح ✓ (ب) بحری تاجر (ج) استاد (د) کتب فروش

13۔ مارکوپولو کا تعلق کس ملک سے تھا:

(ا) اٹلی ✓ (ب) فرانس (ج) پرتگال (د) جرمنی

14۔ پیشے کے لحاظ سے مارکوپولو کیا تھا:

(ا) [illegible] (ب) کتب فروش (ج) استاد (د) موسیقار

15۔ کوٹ پر موجود [illegible] سیاہی کے دھبے کوٹ کس کے زیرِ استعمال رہنے کی عکاسی کرتے ہیں:

(ا) حلوائی (ب) ٹیچر ✓ (ج) بڑھئی (د) بچے

16۔ شاعر کے نزدیک پرانے کوٹ کی رنگت کون اُڑا لے گیا:

(ا) ماہتاب ✓ (ب) ستارے (ج) آسمان (د) آفتاب

17۔ شاعر کے نزدیک یہ پرانا کوٹ، کوٹوں کی دنیا کا کیا ہے:

(ا) راجہ (ب) بادشاہ (ج) باوا آدم ✓ (د) رئیس

18۔ شاعر کے نزدیک یہ کوٹ کس کی تاریخ کا ایک ورق ہے:

(ا) گذشتہ صدیوں کی ✓ (ب) شاعری کی (ج) افسانوں کی (د) سفرناموں کی

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

یہ سڑکیں

سیّد ضمیر جعفری

(یکم جنوری ۱۹۱۶ء - ۱۲ مئی ۱۹۹۹ء)

شاعر کا تعارف:

اصل نام سیّد ضمیر حسین ہے۔ ضلع جہلم کے ایک گاؤں چک عبدالخالق میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول جہلم سے پائی۔ گورنمنٹ کالج کیمبل پور (اٹک) سے ایف-اے کیا اور بی-اے کی ڈگری اسلامیہ کالج لاہور سے حاصل کی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد صحافت کے کوچے میں قدم رکھا اور مولانا چراغ حسن حسرت کے اخبار ''شیرازہ'' میں بطور معاون مدیر (مدیر کی مدد کرنے والا) کام کرتے رہے۔ بعد میں ایک فوجی اخبار کے عملۂ ادارت (کسی رسالے یا اخبار کو چلانے والے لوگ) میں شامل ہو گئے۔ وہاں سے فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ میجر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ بعد ازاں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔

سیّد ضمیر جعفری نے مزاحیہ شاعری میں زندگی کی ناہمواریوں (جو چیز مسلسل ایک حالت میں نہ رہے) کو آشکارا (ظاہر) کرنے اور تاثر کی شدت سے اصلاحی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کے ہاں زندگی کو اعتنا (پروا، توجہ) کی نظر سے دیکھنے اور اس کی حالت بدلنے کا انداز نمایاں ہے۔ اُن کے منتخب کردہ موضوعات پھول کی طرح کھلتے اور بے ساختہ مسکراہٹوں کو جنم دیتے ہیں۔

نظم کا تعارف:

سید ضمیر جعفری کی اس نظم کی ہیئت ''مخمس'' ہے۔ یعنی ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں۔ اس نظم میں انھوں نے طنز و مزاح کے انداز میں اپنے شہر کی سڑکوں کی بدحالی کا نقشہ کھینچا ہے۔ جو اپنی خستگی اور ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے کسی پرانے دور کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر ان کی مرمت کا کام بھی بالکل نہیں کیا جاتا۔ الغرض شاعر طنزیہ انداز میں حکومتی محکمہ تعمیرات کی بے عملی اور کوتاہی کو نمایاں کر رہا ہے جو اپنے کام سے سستی اور غفلت برتتے ہیں۔

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

زمیں پر آدمی کی اوّلیں ایجاد یہ سڑکیں — پرانے وقت کے بغداد کی اولاد یہ سڑکیں
مرمت کی حدوں سے زائد المیعاد یہ سڑکیں — ہمارے شہر کی مادر پدر آزاد یہ سڑکیں
بظاہر صید، لیکن اصل میں صیاد یہ سڑکیں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

لغت: اولیں: پہلی پہلی ۔ زائد المیعاد: مقررہ وقت کا گزر جانا ۔ مادر پدر آزاد: ہر طرح سے آزاد، جسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو ۔ صید: جسے شکار کیا جائے ۔ صیاد: جو شکار کرے ۔

مفہوم: یہ سڑکیں انسان کی پہلی ایجاد اور قدیم بغداد کی نشانی ہیں یہ مرمت کی حدوں سے گزر چلی ہیں اور لوگوں کو شکار کرتی ہیں ۔

تشریح

سید ضمیر جعفری کی اس نظم کی ہیئت ''مخمس'' ہے ۔ یعنی ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں ۔ اس نظم میں انھوں نے طنز و مزاح کے انداز میں اپنے شہر کی سڑکوں کی بدحالی کا نقشہ کھینچا ہے ۔ جو اپنی خستگی اور ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے کسی پرانے دور کی معلوم ہوتی ہیں ۔ اور پھر سب سے بڑھ کر ان کی مرمت کا کام بھی بالکل نہیں کیا جاتا ۔ الغرض شاعر طنزیہ انداز میں حکومتی محکمہ تعمیرات کی بے عملی اور کوتاہی کو نمایاں کر رہا ہے جو اپنے کام سے سستی اور غفلت برتتے ہیں ۔

(تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیر نظر بند میں شاعر طنزیہ انداز میں سڑکوں کی بدحالی نمایاں کر رہے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے شہر کی سڑکیں اتنی پرانی اور خستہ ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ انسان نے جب اس زمین پر رہائش اختیار کی تھی تو سب سے پہلے یہ سڑکیں ایجاد کی تھیں ۔ اب اس طنز میں سڑکوں کے پرانے ہونے کا ذکر کر کے اگلے ہی مصرعے میں وہ اسے پرانے وقت کے بغداد کی سڑکیں قرار دیتے ہیں ۔ اس طنز میں ہماری قدیم داستانوں کا حوالہ نظر آتا ہے کیونکہ ہم جو پرانے دور کی داستانیں سنتے یا پڑھتے آئے ہیں ان میں بغداد شہر کا حوالہ لازمی ہوتا تھا ۔ ان دونوں حوالوں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ ہمارے شہر کی سڑکیں انسان کے اولین دور کی ایجاد اور ہمارے پرانے شہروں کی نشانیاں ہیں ۔

پھر شاعر محکمہ تعمیرات کے حوالے بات کرتے ہیں ۔ دنیا بھر میں عوامی املاک کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور ایک خاص مدت گزرنے کے بعد ان کی مرمت وغیرہ پر توجہ دی جاتی ہے ۔ کیونکہ ان کا اصل مقصد عوام کو سہولت دینا ہوتا ہے ۔ لیکن شاعر کے خیال میں ہماری سڑکیں مرمت وغیرہ کی حد سے بھی گزر چکی ہیں ۔ اول تو ان کی دیکھ بھال ہی نہیں کی جاتی لیکن ان کی مرمت وغیرہ کا کام بھی بالکل نہیں کیا جاتا ۔ وہ اپنی مدت سے زیادہ زندگی گزار چکی ہیں ۔ اسی قسم کا طنز پطرس بخاری نے اپنے مضمون ''لاہور کا جغرافیہ'' میں بھی کیا تھا ۔ انھوں نے لاہور کی سڑکوں کا ذکر کرتے ہوئے انھیں آثار قدیمہ قرار دیا تھا جن میں کوئی رد و بدل گوارا نہیں کیا جاتا ۔ یہی کچھ سید ضمیر جعفری اپنے شہر کی سڑکوں کی بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کر رہے ہیں ۔ ان کی خیال میں ہمارے شہر کی سڑکیں بالکل ہی مادر پدر آزاد ہیں ۔ یعنی انھیں کسی قسم کی دیکھ بھال کی ضرورت نہیں ۔ لیکن دراصل مراد یہ ہے کہ بالکل بھی ان کی دیکھ بھال نہیں کی جاتی ۔ اس لیے ان سڑکوں کی حالت ایسی ہو چکی ہے کہ وہ خود شکاری بن چکی ہیں ۔ اور جو کوئی بھی ان پر سفر کرتا ہے، وہ تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔

(۲)

دمِ بارانِ رحمت گرد کا گرداب ہو جانا — گڑھوں کا پھیل کر تالاب در تالاب ہو جانا
بپھر کر نالیوں کا ''رستم و سہراب'' ہو جانا — محلے کے گلی کوچوں کا زہرہ آب ہو جانا
مہینوں تک برنگِ ہرچہ بادا باد یہ سڑکیں

لغت: دمِ بارانِ رحمت: بارش برسنے کے وقت ۔ گرداب: بھنور ۔ رستم و سہراب: باپ بیٹا جو ایران کے مشہور پہلوان ہو گزرے ہیں ۔ زہرہ آب ہو جانا: خوف کھا جانا، ہمت حوصلہ نہ رہنا ۔ ہرچہ بادا باد: کسے پرواہ ہے، جو ہو گا دیکھ لیا جائے گا ۔

مفہوم: یہ بارش کے وقت ان کے گڑھے تالاب بن جاتے ہیں۔ ہر گلی کوچہ پانی سے بھر جاتا ہے اور مہینوں تک پانی پھر وہیں رہتا ہے۔

تشریح

(یہ تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیر نظر بند میں شاعر ان سڑکوں کی حالتِ زار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں کہ جب کبھی بھی بارش ہوجاتی ہے تو سڑک پر موجود چھوٹے بڑے گڑھوں میں جب پانی کھڑا ہوجاتا ہے تو ان کا حال دریا میں بننے والے بھنور جیسا ہوجاتا ہے۔ جن میں کوئی اگر پھنس جاتا ہے تو اس کا نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہی حال سڑکوں پر بننے والے گڑھوں کا ہوتا ہے کہ وہاں سے گزرنے والی سواریاں، مسافر یا پیدل حضرات ان گڑھوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ پھر شاعر مبالغے سے کام لیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ گڑھے بھنور سے بھی آگے بڑھ کر تالاب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو سڑک پر جابجا نظر آتے ہیں۔

اس طنز کے پیچھے دراصل محکمہ مواصلات والوں کی غفلت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ پوری دنیا میں سڑکیں عوام کی سہولت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ اس لیے ہر سال ان کی دیکھ بھال پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ جو دراصل عوام کے ٹیکسوں ہی سے وصول کیے جاتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے باقاعدہ محکمے بنائے جاتے ہیں جو ان میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو نظر میں رکھتے ہیں اور ان کی مرمت وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹوٹ پھوٹ ایسی ہوتی ہے جن کی اگر بروقت مرمت نہ کی جائے تو وہ بعد میں بڑی بڑی مصیبتیں بن جاتی ہیں۔

اسی لیے شاعر سڑکوں پر پڑنے والے گڑھوں کو کبھی بھنور قرار دیتے ہیں اور کبھی تالاب جو عوام کے لیے مصیبت کا سامان بن جاتے ہیں۔ پھر شاعر ان گڑھوں کی مصیبت کو نمایاں کرنے کے لیے ایک تلمیح استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کبھی کبھار ان گڑھوں میں بننے والے بھنور اور تالاب اس قدر بپھر جاتے ہیں کہ جس طرح رستم نے غلطی سے اپنے ہی بیٹے سہراب کو مار ڈالا تھا، اسی طرح یہ سڑکیں بھی ہر کسی کے لیے نقصان دہ بن جاتی ہیں۔

ان میں کھڑے ہونے والا پانی آہستہ آہستہ گندے نالوں کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ جو مچھروں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ جس سے طرح طرح کی بیماریاں ہر طرف پھیل جاتی ہیں۔ اسی لیے شاعر نے زیرِ آب کی جگہ ''زہرِ آب'' کی ترکیب استعمال کی ہے گویا ایسا پانی جو اپنے ارد گرد رہنے والوں اور گزرنے والوں کے لیے زہر بن جاتا ہے۔ لیکن کوئی ان کی پروا نہیں کرتا اور یہ سڑکیں ''دیکھا جائے گا'' کی تصویر بنی رہتی ہیں۔

(۳)

بہر گامے سڑک کھا جانے والی کھائیاں دیکھو   چٹختے راستوں کی ٹوٹتی انگڑائیاں دیکھو
کھڑی اونچائیوں کے پیٹ میں گہرائیاں دیکھو   گڑھوں کی جابجا بہزادیاں، چغتائیاں دیکھو
نقوشِ مانی و چغتائی، و بہزاد یہ سڑکیں

لغت: بہر گامے: ہر قدم پر۔ کھائیاں: گہرے گڑھے۔ چٹختے راستے: ٹوٹے پھوٹے راستے۔ بہزادیاں: ایرانی مصور بہزاد کی شاہکار تصویریں۔ چغتائیاں: پاکستانی مصور عبدالرحمن چغتائی کی شاہکار تصویریں۔ نقوشِ مانی و چغتائی و بہزاد: ایرانی مصور مانی، پاکستان کے معروف مصور عبدالرحمن چغتائی اور ایرانی مصور کمال الدین بہزاد کی شاہکار تصویریں۔

مفہوم: یہ ہر موڑ پر جو نشیب و فراز اور گڑھے ہیں وہ ہمیں مانی، چغتائی اور بہزاد کے شاہکاروں کی یاد دلاتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD

تشریح

(یہ تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیر نظر بند میں شاعر اپنے شہر کی سڑکوں کی حالتِ زار کا نقشہ چند ادبی اور فنی حوالوں سے کھینچ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ چوں کہ ان سڑکوں کو ایک بار بنا دینے کے بعد مرمت وغیرہ کے مسائل سے آزاد کر دیا جاتا ہے اس لیے ہوتا یہ ہے کہ شروع شروع میں جو چند چھوٹے چھوٹے گڑھے بنتے ہیں وہ آہستہ آہستہ گہری کھائیاں بن جاتی ہیں۔ جن میں مسافر اور سواریاں ڈوب جاتی ہیں۔ ان ٹوٹے پھوٹے راستوں پر گہرے کھڈے اور کھائیاں دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے یہ راستے انگڑائی لینے لگے تھے اور اچانک ان کی انگڑائی ٹوٹ گئی ہے۔ یعنی اچانک کہیں اونچائی اور کہیں گہری کھائی وجود میں آگئی ہے۔ جن کی وجہ سے عوام برے حالوں اور پریشان رہتے ہیں۔

اس طنز کے پیچھے دراصل محکمہ تعمیرات والوں کی غفلت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ پوری دنیا میں سڑکیں عوام کی سہولت کی لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ اس لیے ہر سال ان کی دیکھ بھال پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ جو دراصل عوام کے ٹیکسوں ہی سے وصول کیے جاتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے باقاعدہ محکمے بنائے جاتے ہیں جو ان میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو نظر میں رکھتے ہیں اور ان کی مرمت وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹوٹ پھوٹ ایسی ہوتی ہے جن کی اگر بروقت مرمت نہ کی جائے تو وہ بعد میں بڑی بڑی مصیبتیں بن جاتی ہیں۔

پھر شاعر سڑکوں پر بننے والے اچانک نشیب و فراز کو تین بڑے مصوروں کی شاہکار تصویریں قرار دیتا ہے۔ اس کے لیے وہ سب سے پہلے ایرانی مصور کمال الدین بہزاد کا ذکر کرتے ہوئے، اس نشیب و فراز کو بہزادیاں قرار دیتے ہیں۔ پھر وہ اسے پاکستانی مصور عبدالرحمن چغتائی کے مصوری کے نمونے قرار دیتے ہیں۔ اور پھر وہ ایرانی مصور مانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب سڑکیں اور ان کے نشیب و فراز دراصل مانی کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔ یہاں شاعر طنزیہ انداز میں ان تین بڑے مصوروں کے فن کا حوالہ دے کر اپنے شہر کی سڑکوں کو ان کے بنائے ہوئے شاہکار قرار دے رہا ہے۔ یہ طنز اپنے اندر بڑے ہی لطیف قسم کا پیرایہ لیے ہوئے ہے۔

(۴)

ہم اِن سے حلم و صبر و شکر کا پیغام لیتے ہیں — کہ جب چلتے ہیں کم از کم خدا کا نام لیتے ہیں
یہ کام آئیں نہ آئیں ہم انھی سے کام لیتے ہیں — "گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں"
ہم ان سے مطمئن ہیں اور ہم سے شاد یہ سڑکیں

لغت: حلم: صبر، برداشت۔ خار: کانٹے۔ دامن تھام لینا: ساتھ نہ چھوڑنا، سہارا دینا۔ شاد: خوش۔

مفہوم: یہ ہم ان سے صبر اور شکر کا پیغام لیتے ہیں کیوں کہ ان پر چلتے ہوئے خدا کو بار بار یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جیسی بھی ہیں، ہم ان سے مطمئن اور خوش نہیں۔

تشریح

(یہ تعارفی عبارت ہر بند کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر بند میں شاعر اپنے شہر کی خستہ حال سڑکوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ٹوٹی پھوٹی سڑکیں ایسی ہیں کہ ان پر سفر کرتے ہوئے انسان کو خدا یاد آ جاتا ہے۔ وہ جب بھی یہاں سے گزرتا ہے ان میں اعلیٰ درجے کی اخلاقی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں برداشت، صبر اور شکر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ جب بھی ان سڑکوں سے گزرتے ہیں، خدا کو یاد کرتے ہیں۔ بقول شاعر:

MDCAT BY FUTUREDOCTORS

بہت خوش ہوں کہ مصیبت میں خدا یاد آرہا ہے
میری کشتی کو اے خدا یوں ہی زیر و زبر رکھنا

لیکن دراصل یہ طنز محکمہ تعمیرات والوں کی غفلت پر ہے۔ پوری دنیا میں سڑکیں عوام کی سہولت کی لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ اس لیے ہر سال ان کی دیکھ بھال پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ جو دراصل عوام کے ٹیکسوں ہی سے وصول کیے جاتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے باقاعدہ محکمے بنائے جاتے ہیں جو ان میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کو نظر میں رکھتے ہیں اور ان کی مرمت وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹوٹ پھوٹ ایسی ہوتی ہے جن کی اگر بروقت مرمت نہ کی جائے تو وہ بعد میں بڑی بڑی مصیبتیں بن جاتی ہیں۔

پھر شاعر عوام کی اذیت کا زکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان سڑکوں کی حالت جیسی بھی ہو لیکن چونکہ عوام کے پاس کوئی دوسرا متبادل نہیں ہے اس لیے وہ اسے استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ حکومت کی غفلت ہے کہ ایک طرف وہ ان سڑکوں کی مرمت وغیرہ پر توجہ نہیں دیتی اور عوام کا پیسہ خورد برد ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ کوئی متبادل سڑکیں بھی نہیں بناتی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام انھیں ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کو استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہاں شاعر تضمین کا سہارا لے کر کہتا ہے کہ عوام کی حالت اس شاعر سی ہے جو کانٹوں کو پھولوں پر محض اس لیے ترجیح دیتا ہے کہ کم از کم وہ کانٹے دامن تو تھام لیتے ہیں۔ گویا عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ٹوٹی پھوٹی سڑکیں نہ ہونے سے بہتر ہیں اور اس لیے بھی بہتر ہیں کہ ان پر سفر کرتے ہوئے، خدا بھی یاد آتا ہے۔ بقول شاعر:

رفیقوں سے رقیب اچھے ، جو جل کر نام لیتے ہیں
گلوں سے خار بہتر ہیں ، جو دامن تھام لیتے ہیں

گویا عوام کی حالت اس بے شعور جانور سی ہے جسے خبر ہی نہیں کہ ان کے کیا حقوق ہیں اور کون کون سی سہولتیں دینا حکومت کا فرض ہے۔ شاعر کے نزدیک یہی لاعلمی اور بے شعوری ہمارے تمام مسائل کی جڑ ہے۔

مشق

نظم میں شہر کی سڑکوں کا نقشہ کس طرح کھینچا گیا ہے؟

جواب: سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں کہ شہر کی سڑکیں انسان کی اولین ایجاد ہیں۔ یہ پرانے دور کی نشانیاں ہیں۔ یہ مرمت اور دیکھ بھال کی حدود سے آزاد سڑکیں ہیں۔ بارش میں ان کے گڑھے بھی تالاب بن جاتے ہیں۔ ان کے نشیب و فراز عظیم مصوروں کے شاہ کار نظر آتے ہیں۔ اور ان پر چلنے والے ہر وقت خدا کو یاد رکھتے ہیں۔

نظم ”یہ سڑکیں“ کا خلاصہ لکھیں۔

جواب: زمین پر اولین انسانی ایجاد یہ سڑکیں ہیں۔ یہ سڑکیں قدیم بغداد کی یاد دلاتی ہیں۔ یہ مدت سے مرمت کی منتظر ہیں اور گزرنے والوں کا شکار کرتی ہیں۔ اگر بارش ہو جائے تو سڑکیں پانی سے تالاب بن جاتی ہیں۔ اور مہینوں تک یہ صورتِ حال برقرار رہتی ہے۔ ان سڑکوں پر بننے والے نشیب و فراز قدیم دور کے عظیم مصوروں کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ سڑکیں ایسی ہیں کہ ان پر چلتے وقت ہمارے ہونٹوں پر خدا کا نام آجاتا ہے۔ یہ کام کے قابل ہوں یا نہ ہوں ہم انہیں ہی قابل استعمال جانتے ہیں۔ ہم اِن سڑکوں سے خوش ہیں اور یہ سڑکیں ہم سے خوش ہیں۔

تلمیح سے مراد شاعری میں کسی تاریخی واقعے یا کردار کا ذکر ہوتا ہے، اس نظم میں شاعر نے کون کون سی تلمیحات بیان کی ہیں؟

جواب: اس نظم میں بغداد، رستم و سہراب، مانی، چغتائی، بہزاد کی تلمیحات استعمال ہوئی ہیں۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

۴۔ مصرعے کی وضاحت کریں:

ع پرانے وقت کے بغداد کی اولاد یہ سڑکیں

جواب: اس مصرع میں پرانے وقت کے بغداد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو قدیم دور میں اسلامی تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔ خصوصاً عباسی خلفا کے دور میں اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن یہ بات بہت پرانی ہے۔ اسی لیے شاعر اپنے شہر کی سڑکوں کو پرانے اور خستہ ہونے کی وجہ سے اسے پرانے وقت کے بغداد کی اولاد کہ کر ان سڑکوں کا قدیم ہونا بیان کر رہا ہے۔

۵۔ درج ذیل کے چار چار ہم قافیہ الفاظ لکھیں۔

الفاظ	قوافی
ایجاد	آباد۔ آزاد۔ صیاد۔ معیاد
گرداب	نقاب۔ حجاب۔ کتاب۔ باب
نگر	ڈگر۔ سنور۔ بکھر۔ دگر
قلم	نرم۔ بھرم۔ کرم۔ کم
خار	تار۔ کار۔ وار۔ پار

۶۔ ”گلوں سے خار بہتر ہیں، جو دامن تھام لیتے ہیں“

شاعر نے یہ مصرع واوین میں کیوں لکھا ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: اصطلاح میں اگر شاعر اپنی شاعری میں کسی دوسرے شاعر کا مصرع یا شعر استعمال کرتا ہے تو اسے صنعتِ تضمین کہتے ہیں۔ اور اس مصرع یا شعر کو نمایاں کرنے کے لیے واوین میں لکھا جاتا ہے۔ نظم کے آخری بند کا یہ مصرع ایک نامعلوم شاعر کے اس شعر سے لیا گیا ہے:

رفیقوں سے رقیق اچھے، جو جل کر نام لیتے ہیں گلوں سے خار بہتر ہیں، جو دامن تھام لیتے ہیں

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: سید ضمیر جعفری کے کلام کی نمایاں خوبیاں بیان کریں۔

جواب: سید ضمیر جعفری طنز و مزاح کے حوالے سے ایک معتبر نام ہے۔ ان کی شاعری میں زندگی کی ناہمواریوں کو بیان کرنے اور ان کی اصلاح کا رویہ نمایاں ہے۔ وہ زندگی کو گہری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی تلخیوں کو کھلے ہوئے پھولوں کی طرح بیان کرتے ہیں۔ جو پڑھنے والے کو مسکرانے اور سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

سوال: شاعر نے اپنے شہر کی سڑکوں کی مادر پدر آزاد کیوں کہا ہے؟

جواب: شاعر اپنے شہر کی سڑکوں پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سڑکیں اتنی قدیم اور خستہ ہیں کہ ہر مرمت کی حد سے آزاد ہو چکی ہیں۔ یعنی اب ان کی مرمت کی حد بھی گزر چکی ہے۔ اس لیے شاعر انھیں مادر پدر آزاد سڑکیں کہ کر ان کے مرمت ہونے کے امکان کو ناممکن قرار دیتا ہے۔

سوال: بھِر کرنالیوں کا رستم و سہراب ہو جانا، سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: اس مصرع میں شاعر نے رستم و سہراب کی تلمیح استعمال کی ہے۔ جس کی اصل تو شاہ نامہ فردوسی ہے لیکن اس کی بنیاد پر آغا حشر کاشمیری نے ایک ڈرامہ ”رستم و سہراب“ تحریر کیا تھا۔ جس میں رستم جو نامی گرامی پہلوان ہے، انجانے میں اپنے ہی بیٹے سہراب کو مقابلے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

میں قتل کر دیتا ہے۔ گویا شاعر کے بقول بارش کے بعد نالیاں بھی بپھر کر رستم اور سہراب کی طرح ایک دوسرے نبرد آزما ہو جاتی ہیں۔

سوال: نقوشِ مانی و چغتائی و بہزاد یہ سڑکیں، اس مصرع سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: شاعر سڑکوں کی خستہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان پر بننے والے گڑھے اور نشیب و فراز ہمیں عظیم مصوروں کی یاد دلاتے ہیں۔ ان عظیم مصوروں میں وہ ایرانی مصور مانی اور کمال الدین بہزاد اور پاکستانی مصور عبدالرحمن چغتائی کا ذکر کرتا ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ سیّد ضمیر جعفری کا سنِ پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۱۸ء (ب) ۱۹۱۹ء (ج) ۱۹۱۶ء ✓ (د) ۱۹۱۷ء

2۔ سیّد ضمیر جعفری کا سنِ وفات ہے:

(ا) ۲۰۰۰ء (ب) ۲۰۰۱ء (ج) ۱۹۹۸ء (د) ۱۹۹۹ء ✓

3۔ سیّد ضمیر جعفری کا اصل نام تھا:

(ا) سید حسین (ب) سید ضمیر (ج) سید ضمیر حسین ✓ (د) سید حسن

4۔ سیّد ضمیر جعفری کی شاعری کس قسم کی ہے:

(ا) طنزیہ مزاحیہ ✓ (ب) عوامی (ج) سنجیدہ (د) فلسفیانہ

5۔ سیّد ضمیر جعفری نے مولانا چراغ حسن حسرت کے کس اخبار میں معاون مدیر کے طور پر کام کیا:

(ا) شیرازہ ✓ (ب) راوی (ج) مشرق (د) امروز

6۔ سیّد ضمیر جعفری پاکستانی فوج کے کس عہدے سے ریٹائر ہوئے:

(ا) کرنل (ب) جنرل (ج) کیپٹن (د) میجر ✓

7۔ سیّد ضمیر جعفری نے اپنی مزاحیہ شاعری میں کن مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی:

(ا) اصلاحی ✓ (ب) جاسوسی (ج) مذہبی (د) ادبی

8۔ شاملِ نصاب نظم "یہ سڑکیں"، کس کی لکھی ہوئی ہے:

(ا) سیّد ضمیر جعفری ✓ (ب) مرزا محمود سرحدی (ج) میر انیس (د) سیّد محمد جعفری

9۔ سیّد ضمیر جعفری کے مطابق یہ سڑکیں زمین پر آدمی کی کون سی ایجاد ہیں:

(ا) آخری (ب) اوّلیں ✓ (ج) بے کار (د) بے مثال

10۔ شاعر کے مطابق یہ سڑکیں پرانے وقت کے کس شہر کی اولاد ہیں:

(ا) بغداد ✓ (ب) قرطبہ (ج) بصرہ (د) قاہرہ

11۔ شاعر کے مطابق یہ سڑکیں کس کی حدوں سے زائد المیعاد ہو چکی ہیں:

(ا) آرائش (ب) سفر (ج) مرمت ✓ (د) سجاوٹ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

12۔ سیّد ضمیر جعفری کے مطابق بارش برسنے کے بعد یہ سڑکیں کیا ہو جاتی ہیں:

(ا) دریا (ب) تالاب (ج) حباب (د) گرداب ✓

13۔ رستم کو سہراب کا تعلق کس ملک سے تھا:

(ا) مصر (ب) ایران ✓ (ج) عراق (د) یونان

14۔ بہزاد، مانی اور چغتائی کا تعلق فنونِ لطیفہ کے کس شعبے سے تھا:

(ا) شیشہ گری (ب) مصوری ✓ (ج) تعمیرات (د) موسیقی

15۔ مانی اور بہزاد کا تعلق کس ملک سے تھا:

(ا) سپین (ب) جرمنی (ج) فرانس (د) ایران ✓

16۔ عبدالرحمن چغتائی کا تعلق کس ملک سے تھا:

(ا) پاکستان ✓ (ب) چین (ج) عراق (د) قطر

17۔ سیّد ضمیر جعفری اپنے شہر کی پرانی سڑکوں سے مطمئن اور خوش کیوں ہے۔

(ا) اچھی حالت میں ہیں (ب) ان پر سفر کرتے وقت خدا یاد آتا ہے ✓

(ج) انھیں مرمت کر دیا گیا ہے (د) ان پر سفر کرتے ہوئے مزا آتا ہے

18۔ ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں، کیا کہلاتی ہے:

(ا) مخمس ✓ (ب) مسدس (ج) مثمن (د) ثلاثی

19۔ نظم ''یہ سڑکیں'' کس ہیئت میں لکھی گئی ہیں:

(ا) مسدس (ب) ثلاثی (ج) مخمس ✓ (د) معشر

✪✪✪✪✪

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

قطعات

مرزا محمود سرحدی
(۱۹۱۴ء - ۱۹۶۸ء)

شاعر کا تعارف:

مرزا محمود سرحدی پشاور میں پیدا ہوئے۔ وہ اوائلِ زندگی (زندگی کے شروع کے دن) ہی سے غم روزگار کے چکر میں پڑ گئے۔ انہیں زندگی گزارنے کے لیے بڑے جتن کرنے پڑے۔ فوجی نوکری سے لے کر اسکول میں مدرسی (استاد) تک اور کلرکی سے مزدوری تک کئی مراحل سے گزرنا پڑا۔

اُنہوں نے اکبر الہ آبادی کے طنزیہ و مزاحیہ انداز کی تقلید (پیروی) کی ہے اور اسی وجہ سے انہیں "اکبرِ سرحد" بھی کہا جاتا ہے۔ مرزا کے مزاح میں لفظوں کی ہیرا پھیری (لفظوں سے کھیلنا) نہیں ملتی، بلکہ اُن کا مزاج ایک حقیقت پسند کا مزاج تھا، جو وہ حالات و واقعات اور اُن کے نتائج سے پیدا کرتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے لیے، جس میدان کا انتخاب کیا، وہ فن کے اعتبار سے دشوار ترین رہگوار سے کم نہیں۔ طنز اور مزاح کی تمام تر لطافتوں (خوبی، لذت، تازگی) کو برقرار رکھتے ہوئے انتہائی مختصر پیرائے میں جامع (جس میں تمام خوبیاں جمع ہوں) اور مکمل بات کا اظہار کرنا بے حد مشکل کام ہے، اس میں ایک طرف شاعر سنجیدگی سے دامن بچاتا ہے، تو دوسری طرف پھکڑ پن (گری ہوئی اور بازاری باتیں) کی حدود سے دُور رہتا ہے۔

مرزا محمود سرحدی نے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی، لیکن ان کا اصل میدان "قطعات" ہیں۔ اُنہوں نے چھوٹے چھوٹے معاشرتی مسائل کو بڑی خوبصورتی سے اپنے قطعات میں سمویا ہے۔ مثلاً: چوری، رہزنی، ذخیرہ اندوزی (کسی چیز کا ذخیرہ کر لینا اور مہنگا بیچنا)، گراں فروشی (مہنگائی)، ملاوٹ، جھوٹ اور مکر و فریب وغیرہ۔ ان کا طنز سماجی ناسوروں (معاشرتی برائیاں، زخم) کے لیے کسی نشتر (طنز کرنا) سے کم نہیں۔ مرزا محمود سرحدی نے ساری عمر شادی نہیں کی زندگی کے آخری ایام میں دمے کے مرض کی وجہ سے علیل رہنے لگے تھے۔ اُنہوں نے پشاور میں وفات پائی۔

نظم کا تعارف:

قطعہ کا معنی "ٹکڑا" کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ ایسی صنف کو کہتے ہیں جس میں کم از کم دو شعر ہوں اور جن میں ایک ہی موضوع بیان کیا گیا ہو۔ مرزا محمود سرحدی طنز و مزاح میں جانا پہچانا نام ہے۔ ان کا اصل میدان "قطعات" ہیں۔ جن میں انھوں نے چھوٹے چھوٹے معاشرتی مسائل کو بڑی خوبصورتی سے پرو دیا ہے۔ ان کے قطعات میں سماجی ناسوروں پر طنز کا نشتر واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر قطعہ کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

کبھی تو ان کی حسینوں سے شکل ملتی ہے ۔۔۔ کبھی پناہ گزینوں سے شکل ملتی ہے
خدا کی شان ہے، وہ ہیں مرے وطن کے جواں ۔۔۔ کہ جن کی پردہ نشینوں سے شکل ملتی ہے

لغت: حسینوں: خوب صورت عورتوں۔ پناہ گزینوں: پناہ لینے والوں۔ پردہ نشینوں: پردہ کرنے والیوں۔

MDCATBY(FUTUREDOCTORS)(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

قطعہ کا معنی ''ٹکڑا'' کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ ایسی صنف کو کہتے ہیں جس میں کم از کم دو شعر ہوں اور جن میں ایک ہی موضوع بیان کیا گیا ہو۔ مرزا محمود سرحدی طنز و مزاح میں جانا پہچانا نام ہے۔ ان کا اصل میدان ''قطعات'' ہیں۔ جن میں انھوں نے چھوٹے چھوٹے معاشرتی مسائل کو بڑی خوبصورتی سے پرو دیا ہے۔ ان کے قطعات میں سماجی ناسوروں پر طنز کا نشتر واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر قطعہ کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر قطعہ میں انھوں نے نوجوان لڑکوں کے اندر بڑھتی ہوئی اندھی فیشن پرستی کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سمیت ہر مخلوق کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا ہے۔ انسانوں میں ایک جنس مرد ہے اور دوسری عورت۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی جسمانی ساخت، فطرت، مزاج، جذبات اور احساسات سمیت بہت سی چیزوں میں الگ الگ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں زندگی میں ذمہ داریوں کے لحاظ سے دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ وہیں ان کے لباس، وضع قطع اور انداز میں بھی فرق واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یہی چاہتے ہیں کہ یہ فرق قائم بھی رہے۔ یعنی مرد، مردوں کی طرح نظر آئیں اور عمل کریں۔ عورت، عورتوں کی طرح نظر آئیں اور عمل کریں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق، ان مردوں پر لعنت کی گئی ہے جو عورتوں کی شباہت اختیار کریں، اور ان عورتوں پر لعنت کی گئی ہے جو مردوں کی شباہت اختیار کریں۔ یہ اتنی سخت بات ہے جس کا سوچ کر ہی انسان ڈر جاتا ہے۔ لیکن آج کل کی اندھی فیشن پرستی کا یہ نتیجہ نکل رہا ہے کہ بقول شاعر ہمارے عہد کے نوجوانوں کی شکل حسینوں سے ملتی جلتی ہے۔ ان کے لباس، وضع قطع اور انداز میں یکسانیت پیدا ہو چلی ہے۔ جہاں لڑکے لڑکیوں کی طرح نظر آتے ہیں، وہیں لڑکیاں لڑکوں کی شباہت اختیار کر کے پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی ہی صورتِ حال پر انور مسعود نے کہا تھا:

اب گریمر کا یہی قانون ہونا چاہیے   مرد ہونی چاہیے ، خاتون ہونا چاہیے

پھر شاعر اندھی فیشن پرستی پر دوسرا طنز کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ جیسے امریکہ اور یورپ میں برے حالوں رہنا فیشن اور رواج سمجھا جاتا ہے۔ جسے ''ہپی ازم'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے لڑکے بھی اندھی فیشن پرستی میں برے حال رہنا، لمبے لمبے بال بڑھانا، شیو چھوڑ دینا، کمزور نظر آنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ سب بغیر سوچے سمجھے ہوتا ہے کہ یہ برے حالوں نظر آنا کیسا نظر آتا ہے۔ وہ خود بھی گندے مندے رہتے ہیں اور لباس بھی میلا کچیلا پہنتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر بالکل بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ خوش حال گھرانوں ہیں بلکہ انھیں دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ یہ کسی قحط زدہ ملک کے پناہ گزین ہیں جو خیموں وغیرہ میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی ایسی ہی میلی کچیلی اور کمزور حالت پر سید ضمیر جعفری نے اپنی ایک اور نظم میں طنز کرتے ہوئے کہا تھا:

پتلی گردن، پتلے ابرو، پتلے لب، پتلی کمر   جتنا بیمار آدمی، اتنا طرح دار آدمی

پھر شاعر آج کل کے نوجوانوں کی سہل پسندی کو موضوع بناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج کل کے نوجوانوں میں آرام پسندی اور نزاکتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ان پر پردہ نشین عورتوں کا گمان ہوتا ہے۔ بس صرف فرق یہ ہے کہ یہ نوجوان پردہ نہیں کرتے۔ ورنہ ان کے چہرے مہرے، بناؤ سنگھار اور نازک اندامیاں دیکھ کر کوئی بھی انھیں کہہ سکتا ہے کہ انھیں پردہ ضرور کرنا چاہیے۔

الغرض شاعر آج کل کے نوجوانوں پر طنز کرتے ہوئے انھیں یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ مرد کو مرد کی طرح ہی نظر آنا چاہیے اور سب سے بڑھ کر حیا کہ نصف ایمان ہے کو مدنظر رکھتے ہوئے، انھیں اپنی شخصیت میں رکھ رکھاؤ اور پاکیزگی اختیار کرنی چاہیے۔

(۲)

کیا بتائیں آپ کو کیا ہے ہمارا ہسپتال — انتظام ایسا کہ بس دل کی کلی کھل جائے ہے
حادثاتِ اتفاقی کا بھی ہے اِک ڈاکٹر — اتفاقی طور پر مل جائے، تو مل جائے ہے

لغت: دل کی کلی کھل جائے: بہت خوشی ہو۔ حادثاتِ اتفاقی: شعبہ حادثات کو طنزیہ انداز میں کہا گیا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر قطعہ کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

زیرِ نظر قطعہ میں شاعر نے سرکاری ہسپتالوں کی حالتِ زار اور ڈاکٹروں کی غفلت کو موضوع بنایا ہے۔ ہمارے ہاں ہمیشہ سے دو بنیادی ضروریات ہمیشہ سے نظر انداز ہوتی رہی ہیں۔ ایک تعلیم اور دوسری صحت۔ صحت کے حوالے سے سرکاری ہسپتالوں کی کمی، ڈاکٹروں کا نایاب ہونا، علاج معالجے کی سہولیات نہ ہونا، ایسی روایت ہے جو آج بھی جاری ہے۔ اسی لیے اس قطعے میں بھی طنزیہ انداز میں مرزا محمود سرحدی نے اس دکھ کو بیان کیا ہے۔

پہلا مسئلہ ترجیحات کا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک معاشرے میں رہتے ہوئے، کچھ چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات ہیں۔ ان میں پیٹ بھرنے کے لیے روٹی، تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا اور سر چھپانے کے لیے مکان شامل ہیں۔ یہ وہ ضروریات ہیں جن کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال ہے۔ لیکن ان کے ساتھ ساتھ معاشرتی ضروریات میں صحت، تعلیم اور سکیورٹی ایسی ضروریات ہیں جن کی نہ ہونے سے بھی زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ اس چیز کا اندازہ ہم ان ملکوں میں کر سکتے ہیں جہاں قحط یا غربت کے ساتھ ساتھ علاج معالجے اور تعلیم کی سہولتیں بھی موجود نہیں ہیں۔ خصوصاً علاج معالجے کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے وہاں شرحِ اموات بہت زیادہ ہیں۔ وہاں بیماریاں عام ہیں۔ وہاں بچوں اور عورتیں کی شرحِ اموات حد سے زیادہ ہیں۔ وہاں معذور لوگوں کی تعداد حد سے زیادہ ہے۔ گویا تعلیم اور علاج معالجے کی سہولت نہ ہونے سے معاشرے میں افراد بیماریوں کا شکار رہتے ہیں اور صحت مند زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ جس کا لامحالہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ معاشرہ ترقی کی دوڑ میں کہیں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

گویا ایک ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو بنیادی ضروریات روٹی، کپڑا، مکان کے ساتھ ساتھ تعلیم اور علاج معالجے کی سہولیات بھی فراہم کریں۔ انھیں تحفظ کا احساس دلائے۔ تبھی ممکن ہے کہ اس ریاست کے شہری کی جسمانی اور ذہنی نشوونما ٹھیک طریقے سے ہو سکے۔ وہ نہ صرف اپنے ملک وقوم کی لیے مفید بن سکیں بلکہ کُل انسانیت کے بھی کام آسکیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علاج معالجہ محض ایک سہولت نہیں ہے بلکہ ضرورت ہے۔

ہمارا قومی المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جتنی بھی حکومتیں آتی ہیں۔ ان کی ترجیحات میں بنیادی ضروریات تو شامل ہوتی ہی نہیں ہیں، صحت، تعلیم اور سکیورٹی بھی ان کے ترجیحات میں جگہ نہیں بنا پاتیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام کا پیسہ بے مقصد کاموں پر خرچ ہوتا رہتا ہے یا کرپشن کی نظر ہو جاتا ہے۔ کچھ یہی دکھ شاعر بھی بیان کر رہا ہے کہ ہمارے ہاں اول تو ہسپتال ویسے ہی نایاب ہیں۔ اور اگر موجود بھی ہیں تو صرف چند بڑے شہروں میں۔ چھوٹے شہروں اور گاؤں دیہات ان سہولتوں سے اکثر ہی محروم رہتے ہیں۔ اور اگر کہیں چھوٹا سا ہسپتال یا ڈسپنسری ہو بھی تو اس کا

MDCATBY(FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD))

انتظام ایسا ہوتا ہے کہ انسان سوچتا ہے کہ ان کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح کا ہمارا اجتماعی اخلاقی وجود ہے کہ اگر ہسپتال ہو بھی تو ڈاکٹر نایاب ہوتے ہیں۔ اور اگر ڈاکٹر بھی موجود ہوں تو وہ کام کرنے سے گریزاں ہوتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنی جان چھڑا لیں۔ یقیناً اس کے پیچھے ہمارے اجتماعی اخلاقی وجود کی کمزوری ہے۔ ہماری اجتماعی تربیت میں پائے جانے والی کمی کوتاہیاں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ہمارے انتظامی معاملات میں پائی جانے والی غفلت ہے کہ اوپر سے لے کر نیچے تک کُل انتظامیہ غفلت کی ماری ہوئی اور فرض ناشناس ہے۔

(۳)

اگر کوچوں میں بھنگی رات کو جاروب کش پاؤ — تو جانو یہ بھی ہے اِک شانِ بیداری کمیٹی کی
غلاظت جس سڑک پر جا بجا بکھری ہوئی دیکھو — تو سمجھو اس طرف سے گزری ہے لاری کمیٹی کی

لغت: کوچہ: گلی، تنگ راستہ۔ بھنگی: حلال خور، خاکروب۔ جاروب کش: جھاڑو پھیرنے والا۔ غلاظت: گندگی

تشریح

(تعارفی عبارت ہر قطعہ کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے۔)

زیرِ نظر قطعے میں شاعر نے میونسپل کمیٹی کی غفلت کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کے خیال میں جہاں ایک طرف کمیٹی کے لوگ آدھی رات کو بیدار رہتے ہیں اور صفائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہیں دوسری طرف اگر کسی سڑک پر بے جا گند بکھرا ہوا نظر آئے تو جان لیں کہ یہاں سے کمیٹی کی ٹوٹی پھوٹی گاڑی گزری ہے جس سے گرنا والا کچرا پوری سڑک پر بکھرا ہوا ہے۔

اصل میں اس قطعے کا موضوع تو میونسپل کمیٹی کی کارکردگی ہے لیکن یہ طنز ہمارے مجموعی قومی مزاج پر بھی ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ہم اگر ایک طرف اپنا کام ٹھیک طریقے سے کر بھی رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرح ہم اپنے دوسرے فرض سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی غفلت ہی ہے۔ یہ ایک نامکمل قومی شخصیت کا اظہار ہے۔ گویا ہم مجموعی طور پر ایک ایسی قوم ہیں جو فرض کا ایک پہلو تو پورا کر لیتے ہیں لیکن فرض کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اسی کا مثال انھوں نے کمیٹی کی کارکردگی سے دی ہے کہ جہاں تک صفائی کرنے کا تعلق ہے، کمیٹی کا عملہ اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ اگر آپ کو آدھی رات کو بھی جھاڑو لگانے والے نظر آئیں تو جان لیں کہ کمیٹی جاگ رہی ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔ لیکن دوسری طرف اپنے دوسرے فرض سے وہ کوتاہی برتتے ہیں۔ یعنی ان کا فرض ہے کہ جو کوڑا کرکٹ انھوں نے اُٹھایا ہے تو اسے صحیح طریقے سے ٹھکانے لگائیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ایک تو ان کی گاڑیاں ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہیں دوسرا وہ خود بھی اس پر کچھ خاص توجہ نہیں دیتے۔ اس لیے وہی کوڑا جسے وہ آدھی رات کو جھاڑو لگا کر اُٹھاتے ہیں، وہاں سے لے جاتے ہوئے کسی اور سڑک پر بکھیرتے جاتے ہیں۔ یعنی ایک طرف سے گند صاف کرتے ہیں اور دوسری طرف گند ڈالتے جاتے ہیں۔

الغرض شاعر کے خیال میں یہ ہمارے اجتماعی قومی وجود کا ایک المیہ ہے کہ ہم کسی کام کو بے دلی سے صرف اتنا کرتے ہیں جتنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ باقی ہم اپنی ذمہ داری ہی نہیں سمجھتے۔ جس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ کام کی خرابی اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

(۴)

کالے چشمے بھی ایک نعمت ہیں — دھوپ میں خوب کام دیتے ہیں
جو نگاہیں ملا نہیں سکتے — رات دن اِن سے کام لیتے ہیں

تشریح

(تعارفی عبارت ہر قطعہ کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

زیرِ نظر قطعے میں شاعر نے مزاحیہ انداز میں ایک انسانی کمزوری کی طرف ہماری توجہ دلائی ہے کہ ہم مسائل کے اصل حل کی طرف بڑھنے کی بجائے، عارضی طور پر انھیں سیاہ شیشوں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کرتا ہیں۔ چونکہ شاعر ایک حساس آدمی ہوتا ہے اور اس کا مشاہدہ عام لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ معاشرے میں پائے جانے والے انسانی رویوں کو بہ نظرِ غور دیکھتا ہے۔

وہ ایک رویے کا مشاہدہ کرتا ہے کہ کچھ لوگ دھوپ سے بچانے والے چشموں کا استعمال اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے بھی کرتے ہیں۔ اور وہ کمزوری یہ ہے کہ چونکہ وہ کسی سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کر سکتے، اس لیے وہ دھوپ کے سیاہ چشموں کے پیچھے اپنی اس کمزوری کو چھپا لیتے ہیں۔

اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو اصل مسائل کئی ہیں۔ ایک تو انسان میں خود اعتمادی کی کمی کا ہے۔ یہ مسئلہ تب سامنے آتا ہے جب انسان کسی چیز میں مہارت نہیں رکھتا لیکن دوسروں کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ وہ اپنی اصل حالت سے واقف ہوتا ہے، اس لیے وہ دوسروں سے آنکھ ملاتے ہوئے ڈرتا ہے۔ دوسرا یہ بھی ممکن ہے کہ انسان نے کچھ غلط کیا ہو جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے ساتھ آنکھ ملانے کی ہمت نہ پاتا ہو۔ یہ ایک قسم کی ضمیر کی چبھن ہے۔ انسان نے اگر کچھ غلط کیا ہو تو اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور وہ دوسروں کے سامنے شرمندہ شرمندہ رہتا ہے۔

اب ان دو مسائل کا اصل حل یہ ہے کہ ہم اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ہم کم سے کم کسی ایک کام میں ایسی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کریں جسے ہم دوسروں کے سامنے فخر اور اعتماد کے ساتھ پیش کر سکیں۔ اور دوسرا ہم ایسے کاموں سے گریز کریں جو ہمیں لوگوں کے سامنے شرمندہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم مسائل کے اصل حل کی طرف بڑھنے کی بجائے، ہم عارضی حل ڈھونڈنے لگ جاتے ہیں۔ ہم اپنے احساسِ کمتری اور احساسِ جرم کو سیاہ شیشوں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ وہ "ہٹی پاؤ" رویہ ہے جو مسائل کو حل کرنے کی بجائے، انھیں نظروں سے صرف دور کرنے کا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بلی کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھ بند کرنے والا رویہ ہے۔ اور ہمیں اس رویے سے جان چھڑا کر مسائل کے اصل حل کی طرف بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۵)

محتسب سے کہوں، تو کیا جا کر — میری مانند وہ بھی روتا ہے
پہلے ہوتا تھا دودھ میں پانی — آج پانی میں دودھ ہوتا ہے

لغت: محتسب: احتساب کرنے والا، جج۔ مانند: کی طرح۔

UPLOADED BY FUTURE DOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

تشریح

(تعارفی عبارت ہر قطعہ کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

اس قطعے میں شاعر نے ایک طنزیہ انداز میں ایک معاشرتی برائی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ کہ ملاوٹ تو پہلے بھی ایک مسئلہ تھا لیکن اب یہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ وہ لوگ جن کا کام اس کی روک تھام ہے، وہ بھی اس کے ہاتھوں بے بس نظر آتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ملاوٹ کیا ہے؟ ہم سب جانتے ہیں کہ ملاوٹ کا مطلب ہے کہ کوئی اگر کھانے پینے والی چیزوں میں اصل کے ساتھ ساتھ کچھ غیر معیاری اور نقلی چیزیں بھی ملا دے تو ان سے اس چیز کی معیار خراب ہوجاتا ہے۔ اور وہ چیز صحت افزا رہنے کی بجائے بیماری افزا بن جاتی ہے۔ ایک طرف اس کھانے پینے کا انسان کو فائدہ نہیں ہوتا اور دوسری طرف غیر معیاری چیزوں کی ملاوٹ سے وہ چیز بیماریاں پھیلانے کا موجب بن جاتی ہے۔

اس مسئلے اور جرم کی روک تھام کرنا حکومت وقت کا کام ہوتا ہے۔ وہ ایسے محکمے قائم کرتی ہے جن کے لوگ دن رات کام کر کے ملاوٹ کا خاتمہ کرتے ہیں۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی حسبہ یعنی مارکیٹ مجسٹریٹ مقرر کیے تھے۔ ان کے دور کی سب سے مشہور قاضی حسبہ محترمہ اُم شفا تھیں۔ جو بہت سخت منتظم تھیں۔ وہ مارکیٹ کے دوروں کے دوران جہاں کہیں ملاوٹ دیکھتیں تو اس چیز کو ضائع کر دیتیں۔ ان کی سختی کی وجہ سے کسی کو ملاوٹ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

لیکن جہاں ایک طرف قانون کا ڈر لوگوں کو ملاوٹ سے روکتا ہے، وہیں اسلام ریاست کے شہریوں کی تربیت کے ذریعے ان میں تقویٰ پیدا کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ یہی تقوی یعنی اللہ کا ڈر اس وقت انسان کو غلط کرنے سے روکتا ہے جب قانون اسے نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ اس کا مشاہدہ ہم اس مشہور واقعے میں کر سکتے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت معمول کے مطابق اپنے گشت پر تھے۔ ایک گھر سے انھیں ایک عورت کی آواز آئی جو اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا کہہ رہی تھی۔ لیکن بیٹی نے جواب دیا کہ خلیفہ نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ اس وقت خلیفہ کہاں دیکھ رہا ہے۔ تو اس کی بیٹی نے جواب دیا کہ لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے اس مسئلے کی روک تھام کا اصل طریقہ۔ یعنی اسلام کا دوطرفہ پروگرام جس کے ذریعے جہاں ایک طرف لوگوں میں قانون کا خوف پیدا کیا جاتا ہے، وہیں دوسری طرف انھیں تعلیم و تربیت کے ذریعے اللہ کا خوف پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مل کر انسان کو ہر جرم سے باز رکھتی ہیں۔

لیکن شاعر اس قطعے میں اس دکھ کا اظہار کر رہا ہے کہ محکمہ احتساب والے بھی ان ملاوٹ کرنے والوں کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ وہ خود دودھ میں پانی کی ملاوٹ کا شکوہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ پانی میں دودھ ملایا جاتا ہے۔ اور بعض حالات میں تو کیمیکل، کھاد اور جھاگ پیدا کرنے والے پاؤڈر ملا کر دودھ بنا لیا جاتا ہے۔ لیکن نہ تو کہیں قانون سب کے لیے حرکت میں آتا ہے اور نہ ہی کہیں تعلیم و تربیت میں اللہ کا خوف ہمیں روک رہا ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

مشق

ا۔ شاعر کو نوجوان نسل سے کیا شکایت ہے؟

جواب: شاعر کو نوجوان نسل سے یہ شکایت ہے کہ وہ اپنی روایات اور کلچر کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کی اندھی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ مغرب کی اندھی تقلید میں اس کے ہر فیشن کو اپنانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے ہیں۔ وہ شکوہ کرتا ہے کہ وہ اس اندھی تقلید میں کبھی عورتوں جیسی

MDCATBYFUTUREDOCTORSBYTOUSEEFAHMADI

اور کبھی پناہ گزینوں جیسی حالت بنالیتے ہیں جو انھیں بالکل بھی زیب نہیں دیتا۔

۲۔ **اِن قطعات میں کن معاشرتی برائیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔**

جواب: پہلے قطعے کا موضوع نوجوانوں کی اندھی فیشن پرستی ہے۔ دوسرے میں سرکاری اہل کاروں کی غفلت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تیسرے میں بلدیہ کا ملازمین کا غیر ذمہ دارانہ رویہ موضوع ہے۔ چوتھے میں ظاہری آرائش سے اپنے نفسیاتی امراض کو چھپانے پر طنز ہے۔ اور آخری قطعے میں میں ہمارے ہاں پائی جانے والے ملاوٹ کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۳۔ **مصرعے مکمل کریں۔**

(الف) انتظام ایسا کہ بس — <u>دل کی کلی کھِل جائے ہے</u>

(ب) اگر کوچے میں بھنگی رات کو — <u>جاروب کش پاؤ</u>

(ج) کالے چشمے بھی — <u>ایک نعمت ہیں</u>

(د) آج پانی میں — <u>دودھ ہوتا ہے</u>

۴۔ **جملوں میں استعمال کریں۔**

الفاظ و محاورات	جملے
دل کی کلی کھِلنا	اپنے عزیز دوست کو دیکھ کر اس کے دل کی کلی کھل گئی۔
نعمت	بیٹا ہو یا بیٹی دونوں ہی نعمت ہیں۔
نگاہیں ملانا	آج وہ نگاہیں نہیں ملا پا رہا تھا۔
محتسب	محتسب کے لیے سب لوگ برابر ہونے چاہیں۔
مانند	آج ہو پھول کی مانند کھلا کھلا ہے۔

۵۔ **قطعہ کسے کہتے ہیں؟ کسی شاعر کا قطعہ لکھیں جس میں شگفتہ پیرائے میں کسی سماجی برائی کا ذکر کیا گیا ہو۔**

ہدایت برائے اساتذہ: طلبہ کو اقبالؒ اور اکبرؔ کے چند قطعات لکھوائیں۔

جواب: قطعہ کے لفظی معنی "ٹکڑا" کے ہیں۔ اصطلاح میں قطعہ ایک ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کم از کم دو شعر ہوں، جن کا دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوں اور جس میں ایک موضوع یا خیال ہو۔

اکبر الہ آبادی کا ایک مشہور قطعہ درج ذیل ہے:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟ — کہنے لگیں کہ عقل پر مردوں کے پڑ گیا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: مرزا محمود سرحدی کے مزاح کی نمایاں خوبیاں بیان کریں۔

جواب: مرزا محمود سرحدی نے لفظوں کی ہیرا پھیری سے مزاح پیدا کرنے کی بجائے حقیقت پسندی کا سہارا لیا۔ وہ حالات وواقعات کو بیان کرنے اور نتائج سے مزاح تخلیق کرتے ہیں جو سننے والوں کے لیے تلخ لیکن سبق آموز ہوتا ہے۔ وہ طنز و مزاح کے پیرائے میں انتہائی مختصر اور جامع بات کہنے میں مہارت رکھتے ہیں۔

سوال: مرزا محمود سرحدی نے اپنے قطعات میں کن موضوعات کو بیان کیا ہے؟

جواب: مرزا محمود سرحدی کا اصل میدان قطعات ہی ہے۔ انھوں نے اپنے قطعات کے ذریعے چھوٹے چھوٹے معاشرتی مسائل کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ مثلاً: چوری، راہ زنی، ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی، ملاوٹ، جھوٹ اور مکر و فریب وغیرہ۔ ان کا طنز معاشرتی اور سماجی برائیوں کے لیے کسی نشتر سے کم نہیں ہے۔

سوال: شاعر نے ہسپتال میں "حادثاتِ اتفاقی" کی ترکیب استعمال کر کے کس چیز پر طنز کیا ہے؟

جواب: ہمارے ہاں سرکاری ہسپتالوں کا انتظام بس نام ہی کا ہوتا ہے۔ چوں کہ انتظام اور جواب دہی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے، اس لیے ڈاکٹر سمیت تمام عملہ اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے۔ اسی چیز پر شاعر نے طنز کرتے ہوئے "حادثاتِ اتفاقی" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یعنی ایسا شعبہ جس میں کام کرنے والے اگر اتفاقی طور پر مل جائیں تو غنیمت ہے۔

سوال: سڑک پر جا بہ جا بکھری ہوئی غلاظت دیکھ کر کیا پتا چلتا ہے؟

جواب: شاعر اپنے قطعے میں شہر کے انتظامی معاملات کی نگرانی کرنے والی بلدیہ پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس محکمے میں غیر ذمہ دارانہ رویہ اتنا زیادہ پایا جاتا ہے کہ آپ کو اگر کسی سڑک پر غلاظت بکھری ہوئی نظر آ جائے تو آپ بلا جھجک سمجھ سکتے ہیں کہ اس طرف سے بلدیہ کا کوئی ٹرک گزرا ہے جو یہ سب گراتا ہوا گیا ہے۔

سوال: جو نگاہیں ملا نہیں سکتے، سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: شاعر نے اپنے اس قطعے میں ان لوگوں کو موضوع بنایا ہے جو نفسیاتی طور پر احساسِ کم تری یا کسی ندامت کا شکار ہیں اور وہ کالے چشموں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ چوں کہ وہ اپنے کم تری کے احساس یا شرمندگی کے مارے کسی سے نظریں ملا نہیں سکتے ہیں، اس لیے وہ کالے چشمے لگا لیتے ہیں۔ اس مصرع میں یہی لوگ مراد ہیں۔

سوال: میری مانند وہ بھی روتا ہے، اس مصرع میں شاعر نے کس بد قسمتی کا ذکر کیا ہے؟

جواب: اس مصرع میں شاعر ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی لاقانونیت اور بد نظمی کا رونا رو رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ چوں کہ آج کل دودھ میں پانی کی جگہ پانی میں دودھ ملانے کا رواج ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ اس ملاوٹ کی شکایت محتسب سے کرتا ہے لیکن اسے یہ جان کر بے حد دکھ ہوتا ہے کہ محتسب جس کا کام ہی غیر قانونی کام کرنے والوں پر سختی کرنا اور حساب لینا ہے، خود بھی اس مصیبت کا شکار ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ مرزا محمود سرحدی کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۹۱۱ء (ب) ۱۹۱۲ء (ج) ۱۹۱۳ء (د) ۱۹۱۴ء ✓

2۔ مرزا محمود سرحدی کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۹۶۸ء ✓ (ب) ۱۹۷۹ء (ج) ۱۹۷۰ء (د) ۱۹۷۱ء

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

1. مرزا محمود سرحدی کہاں پیدا ہوئے؟
(ا) مردان (ب) ایبٹ آباد (ج) پشاور ✓ (د) نوشہرہ
2. مرزا محمود سرحدی نے کس عظیم شاعر کے انداز کی تقلید کی ہے؟
(ا) اکبر الہ آبادی ✓ (ب) علامہ اقبال (ج) مرزا غالب (د) میر تقی میر
3. مرزا محمود سرحدی کا لقب کیا تھا؟
(ا) اصغرِ سرحد (ب) فخرِ سرحد (ج) سرمایۂ سرحد (د) اکبرِ سرحد ✓
6. مرزا محمود سرحدی کا مزاج تھا:
(ا) تخیل پسند کا (ب) حقیقت پسند کا ✓ (ج) نصیحت پسند کا (د) دوراندیش کا
7. مرزا محمود سرحدی کا اصل میدان ہے:
(ا) غزل (ب) قطعات ✓ (ج) قصیدہ (د) مثنوی
8. مرزا محمود سرحدی نے کن مسائل کو اپنے قطعات میں بیان کیا ہے:
(ا) معاشی (ب) سیاسی (ج) معاشرتی ✓ (د) اخلاقی
9. مرزا محمود سرحدی نے کس مرض میں وفات پائی:
(ا) ٹی بی (ب) کینسر (ج) دمہ ✓ (د) ٹائیفائیڈ
10. شاملِ نصاب ''قطعات'' کس شاعر کی تخلیق ہیں:
(ا) مرزا محمود سرحدی ✓ (ب) انور مسعود (ج) اکبر الہ آبادی (د) ضمیر جعفری
11. پناہ گزینوں اور پردہ نشینوں کے علاوہ نوجوانوں کی شکل کس سے ملتی ہے:
(ا) دیوانوں (ب) بھنگیوں (ج) حسینوں ✓ (د) کھلاڑیوں
12. شاعر کے مطابق ہسپتال دیکھ کر کیا تاثر قائم ہوتا ہے:
(ا) افسوس ہوتا ہے (ب) دل افسردہ ہوتا ہے (ج) ندامت ہوتی ہے (د) دل کی کلی کھلتی ہے ✓
13. رات کو بھنگی جھاڑو دیتا نظر آئے تو اس کا مطلب کیا ہوگا:
(ا) بھنگی فرض شناس ہے (ب) بھنگی ''نوکریاں'' کرتا ہے
(ج) کمیٹی عوام کی ہمدرد ہے (د) وہ صرف رات کو کام کرتا ہے ✓
14. شاعر نے کالے چشمے کو قرار دیا ہے:
(ا) دکھاوا (ب) نعمت ✓ (ج) نمائش (د) تکلف
15. پانی میں دودھ سے مراد ہے:
(ا) پانی زیادہ دودھ کم ✓ (ب) دودھ زیادہ پانی کم (ج) دودھ اور پانی برابر (د) دودھ خالص ہے
16. مرزا محمود سرحدی کے کتنے مجموعے چھپ چکے ہیں:
(ا) دو ✓ (ب) تین (ج) چار (د) پانچ

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اخلاص

عبدالرحمن بابا/مترجم: طہ خان
(۱۶۵۳ء - ۱۷۱۱ء)

شاعر کا تعارف:

سترھویں صدی پشتو زبان و ادب کا دورِ زرّیں (بہترین دور) تھا۔ اس عرصے میں پشتو زبان و ادب کے لیے بے شمار مستند (مانا ہوا) اور معتبر شاعر و ادیب گزرے ہیں۔ جن میں خوشحال خان خٹک، عبدالحمید مومند، عبدالقادر خٹک، اشرف خان ہجری اور معز اللہ مومند کے ساتھ ساتھ عبدالرحمن بابا قابلِ ذکر ہیں۔

عبدالرحمن بابا نے ساری زندگی اپنے آبائی گاؤں (بہادر کلے) ہزار خوانی پشاور میں گزاری۔ اُن کی شاعری پر فطرت اور حقیقت کا رنگ غالب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے کے شاعر ہیں۔ اُن کے اشعار میں ماضی کی تاریخ، حال کا تذکرہ اور مستقبل کا پیغام جھلکتا ہے۔ اُن کا دیوان اگرچہ مختصر ہے لیکن علم و ادب کے لحاظ سے جامع اور مکمل ہے۔ پختون فطرت کی ترجمانی جس طرح عبدالرحمن بابا نے کی ہے کسی اور شاعر نے نہیں کی۔ اسی لیے جو مقبولیت اُن کو حاصل ہے، کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ اُن کے اشعار نہ صرف عشقِ حقیقی اور تصوف کے آئینہ دار ہیں، بلکہ ابدی زندگی (ہمیشہ رہنے والی زندگی) میں کامیابی کے لیے پند نامہ (ایسی تحریر جس میں نصیحتیں ہوں) بھی ہیں۔ قرآن و احادیث کی تشریح و توضیح اُن کی شاعری کا خاصہ ہے۔ اُن کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کے دیوان کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں اور لوگ اُن کی تعلیمات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اُن کی شاعری کے موضوعات محنت کی عظمت، رزقِ حلال، اسلامی اصول، علم کی اہمیت و افادیت اور دنیا کی بے ثباتی (ہر چیز کا فنا ہو جانا) جیسے حقائق پر مبنی ہیں۔

نظم کا تعارف:

یہ نظم پشتو کے مشہور صوفی شاعر عبدالرحمن بابا کی ہے۔ اس نظم کا موضوع اخلاقی نوعیت کا ہے۔ ان کے خیال میں انسان کے کردار کی بنیاد اخلاص ہو تو وہ اپنے رب کی رضا کا حق دار بن جاتا ہے۔ نظم کا ترجمہ طہ خان نے رواں زبان میں منظوم کیا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

اشعار کی تشریح

(۱)

ہم دوشِ ثریا ہے مقامِ اخلاص
جو ملتا ہے، ملتا ہے غلامِ اخلاص

لغت: ہم دوش: ہم سر، برابر کا، بلندی میں یکساں۔ ثریا: چھے ستاروں کا جھرمٹ، مراد بلندی۔ پروین: مراد بلند مقام۔ اخلاص: نیک نیتی جس

MDCATBYFUTUREDOCTORS.TOUSEEFAHMAD

میں ذاتی غرض شامل نہ ہو۔ بے لوث: خلوص، محبت، دوستی۔

مفہوم: اخلاص کا مقام بہت اونچا ہے اور انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے اسی کا غلام بن کر ملتا ہے۔

تشریح

یہ نظم پشتو کے مشہور صوفی شاعر عبدالرحمن بابا کی ہے۔ اس نظم کا موضوع اخلاقی نوعیت کا ہے۔ ان کے خیال میں انسان کے کردار کی بنیاد اخلاص ہو تو وہ اپنے رب کی رضا کا حق دار بن جاتا ہے۔ نظم کا ترجمہ طہٰ خان نے رواں زبان میں منظوم کیا ہے۔

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ مقام ثریا جو کائنات کا بلند ترین مقام ہے۔ اگر تم اُس مقام تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے عمل میں اخلاص کو لانا ہوگا۔ کیوں کہ شاعر کے بقول اگر ثریا کا ہم پایہ کوئی ہے تو وہ اخلاص کی قوت ہے۔ مسلمان جب تک قوت اخلاص اور قوت اخلاق کے حامل رہے۔ دنیا میں معتبر رہے۔ ساری دنیا مسلمانوں کی محکوم تھی لیکن جب سے انہوں نے قوت اخلاص اور قوت اخلاق کو چھوڑا۔ پوری دنیا میں نتے ہوگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقبال نے ہمیں احساس دلاتے ہوئے یوں ارشاد فرما گئے ہیں۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی　　ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

پھر شاعر کہتے ہیں جو بندہ قوت اخلاص کا غلام بن جاتا ہے یعنی اپنا ہر عمل اخلاص کے دامن میں سمو کر پیش کرتا ہے۔ ہر کوئی اُسے احترام اور عزت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اُس کا خلوص دوسروں کو مجبور کر دیتا ہے کہ یہ صاحب عزت کے قابل ہے۔ خلوص اور نیک نیتی کی بدولت اُسے مسندِ عزت عطا کر دی جاتی ہے۔

اس شعر میں شاعر ہمیں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ دنیا میں قوت اخلاص کا مقام آسمان کے بلند ترین ستارے ''ثریا'' کے برابر ہے۔ یعنی اگر ثریا کو آسمان کا بلند ترین ستارہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے تو انسانی گفتگو میں اخلاص کو وہ بلندی اور شرف حاصل ہے ''ثریا'' کو حاصل ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنی گفت گو میں ہمیشہ خلوص، سچائی، مٹھاس اور تڑپ پیدا کریں۔ تاکہ جب بھی ہم کسی سے ملیں تو وہ ہماری بات کو نہایت دھیان اور غور سے سننے پر مجبور ہو جائیں۔ ایسا صرف اُس وقت ممکن ہے جب ہمارا اخلاق نہایت اچھا ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان اس بات پرسایہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''تم میں سے اچھا وہ ہے جو اخلاق کے لحاظ سے اچھا ہے۔''

(۲)

گو فرش سے تا عرش سفر ہے دشوار
طے کرتی ہے بہ یک جنبشِ گامِ اخلاص

لغت: گو: اگرچہ۔ تا عرش: عرش تک۔ دشوار: مشکل۔ بہ یک جنبش: ایک ہی دفعہ، ایک ہی دفعہ حرکت کرنے سے، فوراً۔ گام: قدم۔ بہ یک جنبشِ گام: ایک ہی مرتبہ آگے بڑھنے یا قدم اٹھانے سے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEF AHMAD)

مفہوم: اگرچہ زمین سے لے کر آسمان تک کا سفر بڑا مشکل ہے لیکن اخلاص کی بدولت یہ سفر پلک جھپکنے میں ہوجاتا ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں اگر ہم یہ سوچیں کہ ہم فرش سے عرش تک سفر کر ڈالیں تو یہ بہت مشکل کام ہے۔ یہ ناممکن کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اسے کرنا اور سوچنا بہت مشکل ہے کیوں کہ فرش اور عرش میں بہت فاصلہ پایا جاتا ہے۔ انسان اپنی تمام تر کوشش اور توانائیوں کے باوجود وہاں تک رسائی نہیں حاصل کرسکتا۔ لیکن اقبالؒ نے اس رسائی کو ہمارے لیے یوں آسان فرما دیا ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام   اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

شاعر ہمیں اس مسافت کو طے کرنے کا ہنر بھی بتا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ اخلاص کی نیت سے اٹھایا گیا تمھارا ایک قدم اس ناقابل یقین مسافت کو طے کرلیتا ہے۔ اس لیے شاعر ہمیں قوت اخلاص سے کام لینے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اے انسانو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا ایک قدم زمین پر ہو تو دوسرا آسمان پر ہو تو تمہیں اپنے اعمال کے اندر خلوص بھرنا ہوگا۔ نیتوں کے اندر شفافیت لانا ہوگی۔ تب جا کر یہ کام نہایت آسان ہو جائے گا کیوں کہ:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اصل میں شاعر ہمیں اس شعر کے ذریعے ایک پیغام دے رہے ہیں کہ خلوص نیت سے اور قوت اخلاص کی بدولت ہم ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ دشواریوں کو آسانیوں میں بدل سکتے ہیں۔ مسائل کو وسائل بنا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ہمیں اپنے اندر قوت اخلاص کو جگہ دینی ہوگی کیوں کہ جب تک ہم کسی کام کو خلوص دل اور نیک نیتی سے نہیں کریں ہمیں اُس میں کامیابی اور کامرانی ملنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لیے شاعر ہمیں کہتے ہیں کہ اگر تم زمین سے آسماں تک مقبولیت پانا چاہتے ہو تو اپنے اعمال میں قوتِ اخلاص کو جگہ دے دو۔ پھر دیکھنا دنیا تو کیا تمہارے تذکرے آسمانوں پر ہوں گے۔

(۳)

فانی ہے ہر اِک چیز، ہر اِک رسم و رواج
باقی ہے، مگر ایک دوامِ اخلاص

لغت: فانی: فنا ہونے والی۔ دوام: ہمیشگی، سدا رہ جانے والی۔

مفہوم: ہر چیز اور رسم و رواج فنا ہونے والا ہے، صرف اخلاص باقی رہے گا۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ یہ کائنات اور اس میں پیدا کی گئی ہر ایک چیز فنا ہونے والی ہے۔ بقا صرف ایک ذات کو حاصل ہے اور حاصل رہے گی۔ وہ ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کے سوا اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے۔ اُس نے ایک دِن فنا ہوجانا ہے۔ انسان اس دنیا میں آتا ہے عمر گزارتا ہے اور مر کر فنا ہوجاتا ہے۔ ننھے سے بیج سے پودا پیدا ہوتا ہے۔ درخت بنتا ہے۔ سالوں تک ہرا بھرا رہنے کے بعد آخر اکھاڑ دیا جاتا

MDCATBYFUTUREDOCTORS/TOUSEEFAHMAD

ب۔ اسی طرح کائنات کی ہر چیز کی قسمت میں فنا ہونا لکھ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

ترجمہ: "اس کائنات میں جو کچھ ہے، اسے فنا ہونا ہے۔"

شاعر کہتے ہیں کہ دنیا میں چلنے والے رسوم و رواج بھی عارضی ہوتے ہیں۔ کچھ چند سالوں کے لیے آتی ہیں لیکن ہر رسم اور ہر رواج آخر مٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ بقا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے اور فنا ہر مخلوق کا مقدر ہے۔ اگر بقا ہے تو صرف اور صرف اخلاص کو ہے جو ہمیشہ کے لیے ہے۔ شاعر ہمیں بتانا چاہ رہے ہیں کہ اخلاص سے مراد کوئی بھی وہ امر ہے جسے ہم خالص اللہ کی رضا کے نیک نیتی سے کرتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی کام ختم نہیں ہوتا بلکہ خلوص سے کیا گیا کام ہمیشہ یاد رکھا جاتا ہے۔ زمانے بیت جاتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کے تذکرے کم نہیں ہوتے۔ خلوص اور نیک دلی سے کیا گیا کوئی بھی کام صدیوں تک یاد رکھا جاتا ہے۔ لوگ ایسے کاموں کو اور ایسے کام کرنے والوں کو بھی فراموش نہیں کرتے۔ اُن کے تذکرے آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے تذکرے محفوظ ہوتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں دولتِ خلوص ہوتی ہے۔ انہوں نے وہ کام اللہ اور اللہ کی مخلوق کی خاطر سرانجام دیے ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی راہ میں دوسروں کے کام آنے والے ہوتے ہیں بقول شاعرِ مشرق:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے   آتے ہیں جو کام دوسروں کے

اصل میں شاعر ہمیں ایک پیغام دے رہے ہیں کہ کائنات میں ہر چیز کے مقدر میں فنا ہونا لکھ دیا گیا ہے۔ اگر بقا ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ رہا دنیا کا معاملہ تو اس میں ہمیشہ ایسے کاموں کو یاد کیا جاتا ہے جو خلوص نیت اور نیک ارادے سے اللہ کی رضا اور اُس کی مخلوق کی بھلائی کے لیے کیے جاتے ہیں۔

(۴)

اسلام ہے پابندی اخلاص کا نام
اور نام ہے اسلام کا نامِ اخلاص

مفہوم: اسلام اخلاص کی پابندی کا نام ہے بلکہ اسلام کا نام ہی اخلاص ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے۔ اس کی پابند کرنے والے کو ہم مسلمان کہتے ہیں۔ دینِ اسلام کی پابندی کا دوسرا نام اخلاص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام کا ہر عمل خلوص کا متقاضی ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی رضا کے علاوہ کسی دوسری رضا کا تصور بھی نہیں رکھتا۔ اس لیے شاعر نے ہمیں بتایا ہے کہ اگر ہم دنیا میں رہتے ہوئے دینِ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم خلوص دِل کے ساتھ راہِ ہدایت کے مسافر ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے افعال کچھ اور ہیں اور زبان پر دین اسلام کا چرچا ہے تو معاملہ دوسری سمت اختیار کر جاتا ہے۔

پھر شاعر پہلے اپنی بات کو نئے انداز سے پیش کرتا ہے کہ اگر کوئی پوچھے کہ دین اسلام کا نام کیا ہے تو فوراً دل گواہی دیتا ہے کہ اخلاص ہی دین اسلام کا نام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام منافقت اور جھوٹ بولنے کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا تقاضا ہوتا ہے۔ جیسے تم نظر آ رہے ہو تمہارا باطن بھی ویسا ہی ہونا چاہیے۔ دین اسلام ظاہر اور باطن کے ایک ہونے کا نام ہے۔ اخلاص کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ نہایت خالص ہوتا ہے اُس میں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ملاوٹ کی ذرا برابر بھی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں نہیں ہے"

اصل میں شاعر ہمیں ایک بڑا خوب صورت پیغام دے رہا ہے کہ زندگی کی بہاریں اخلاص سے ہیں۔ اگر ہماری زندگیوں میں اخلاص شامل ہے تو ہماری زندگیاں کارآمد ہوں گیں۔ لیکن اگر ان میں اخلاص کی بجائے ذاتی مفاد اور ذاتی دلچسپیاں ہوں گی تو ہم دنیا کے لیے فائدہ مند نہ ہوں گے۔ ہمیں دنیا میں رہتے ہوئے ایک دوسروں کو تکلیف دینے کی بجائے ایک دوسرے کا دست و بازو بننا ہوگا۔ آپس کے دکھ درد بانٹنا ہوں گے۔ ایک دوسرے کے لیے سہارا بننا ہوگا۔ ایک دوسرے کے لیے معاون بن کر زندگی گزارنا ہوگی۔ برے کاموں سے خود بھی بچنا ہوگا اور دنیا کو بھی بچانا ہوگا۔ خود بھی نیک کام کرنے ہوں گے اور دنیا کو بھی نیک کاموں پر لگانا ہوگا۔ یہی حکمِ قرآنی ہے۔ مفہوم ہے۔

"نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے تعاون کرو اور بڑائی کے کاموں میں ایک دوسرے کو منع کرو۔"

(۵)

صیاد کو ممکن ہے ہما ہاتھ لگے
پھیلائے محبت سے جو دامِ اخلاص

لغت: صیاد: شکاری۔ ممکن ہے: ہوسکتا ہے، امکان ہے۔ ہما: ایک فرضی پرندہ جس کے پرندے میں کہا جاتا ہے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ مراد ہے۔ بخت جاگ اٹھنا۔ ہاتھ لگنا: دستیاب ہونا، مل جانا، میسر آنا۔ دام: جال۔

مفہوم: اگر شکاری اخلاص کا دام پھیلائے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہما پرندے کو پکڑ لے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر "صیاد" یعنی شکاری کا استعارہ ہر اُس شخص کے لیے استعمال کر رہے ہیں جو ترقی کا خواہاں ہے۔ جو آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ جس کے دل میں منزل کے حصوں کی تمنا ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ کامرانی اُس کا مقدر ٹھہرے۔ ہر شخص کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ زندگی میں کامیابی حاصل ہو۔ اس شعر میں "ہما" جو ایک فرضی پرندہ ہے، کامیابی اور ترقی کی علامت ہے۔ کامیابی کے حصول کے لیے مسلسل کوشش، لگاتار محنت اور عزم استقلال کا ہونا شرط اول ہے۔ زندگی میں مسلسل چلنے سے کامرانی مقدر بنتی ہے۔ زندگی کی دوڑ میں رکاوٹیں بھی آتی ہیں۔ مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بقول شاعر:

چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

پھر شاعر ایسے متمنی افراد سے (جو چاہتے ہیں "ہما" پرندہ اُن کے ہاتھ لگے) کہہ رہے ہیں کہ انہیں اس مقصد کے حصول کے لیے محبت کا جال پھیلانا ہوگا۔ محبت عام کرنا ہوگی۔ محبت کا درس پڑھنا اور پڑھانا ہوگا۔ تب جا کر کامیابی، کامرانی اور مقبولیت ہاتھ آئے گی۔ اخلاص کی قوت اپنانا ہوگی۔ اپنے ہر عمل میں خلاص کو شامل کرنا ہوگا۔ تب شہرِ محبت آباد ہوگا۔ لوگوں کا یقین قائم ہوگا۔ تجھے عزت افزائی حاصل کی۔

اصل میں شاعر اس شعر میں یہ پیغام چھوڑ رہے ہیں کہ کامیابی اور کامرانی کی چاہت ہر دل میں پائی جاتی ہے۔ لیکن کامیابی اور کامرانی کے حصول کے لیے خلوص نیت جز و لازم ہے۔ اگر خلوص نیت اور سچے ارادے کے ساتھ کسی کام کو ہاتھ ڈالتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر بن جاتا ہے۔ اور جب خدا کسی معاملے میں انسان کا حامی و ناصر بن جائے تو کامیابی مقدر ہوجاتی ہے۔ اس لیے شاعر ہمیں درس دے رہے ہیں کہ ہمیں

دامنِ محبت پھیلانا ہوگا خلوص نیت کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ نیک دلی سے قدم بڑھانے ہوں گے۔ پھر یقیناً حالات بدل جاتے [illegible] ہاتھ لگ جاتا ہے۔ بُرے دن اچھے دنوں میں بدل جاتے ہیں۔

(۶)

حاجت نہیں اخلاص کی کچھ بعدِ فنا
قائم کرو ہستی میں نظامِ اخلاص

لغت: حاجت: ضرورت۔ بعدِ فنا: مٹ جانے کے بعد، مرجانے کے بعد۔ ہستی: ہونا، زندگی۔ نظامِ اخلاص: خلوص عام کرنے کا سلسلہ۔

مفہوم: مرنے کے بعد اخلاص کی ضرورت نہیں۔ یہ اسی زندگی میں قائم کرنے والی چیز ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جاسکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں موت برحق ہے۔ [illegible] نے ہر صورت آنا ہے۔ اُس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ زندگی میں اخلاص سے کام لینے والے کو مرنے کے بعد کسی قسم کی حاجت کی ضرورت نہیں ہوتی [illegible] دنیا سے جارہا ہوتا ہے اور دنیا اس کے پُرخلوص کاموں کو یاد کر کے رو رہی ہوتی ہے۔ اُس کے نیک اور اخلاص سے کیے گئے عمل اُس کے لیے معاون [illegible] ہیں۔ اس لیے مخلص آدمی مرنے کے بعد کسی بھی قسم کی حاجت محسوس نہیں کرتا۔ اس لیے شاعر ہمیں درس دے رہے ہیں کہ موت ایک حقیقت [illegible] لیکن ہمیں دنیا میں رہتے ہوئے خلوص نیت کے ساتھ خود بھی جینا ہوگا اور دنیا کو جینا سکھانا بھی ہوگا۔ احمد ندیم قاسمی اس حقیقت کو یوں بے نقاب کرتے ہیں:

موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو
پہلے جینے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

شاعر کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی زندگی میں نظامِ اخلاص کو لاگو کرنا ہوگا۔ ہمارا ہر عمل [illegible] ہونا چاہیے۔ جعل سازی بناوٹ اور دھوکہ دہی ہمارے اعمال سے ہمیشہ دور رہے۔ ہمارے اعمال ہمیشہ صالح ہونے چاہییں کیوں کہ قرآن مجید میں [illegible] کو سراہا گیا جو خود بھی خالص عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو صالح اور خالص عمل کی تلقین کرتے ہیں۔ سورۃ العصر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جس کا مفہوم [illegible] ہے۔

"بے شک انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ نہیں، جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور ایک دوسرے [illegible] کی تاکید کی اور پھر جو مصیبت آئی اس پر صبر کیا۔"

شاعر اصل میں اس شعر کے ذریعے [illegible] ہے۔ یہ زندگی اعمال سے تعبیر ہوتی ہے۔ اگر ہمارے اعمال صالح ہوں تو ہمیں دنیا میں توقیر ملتی [illegible] قبر میں بھی [illegible] اگر ہمارے اعمال بُرے ہوں تو دنیا میں ذلت تو ملتی ہے۔ قبر میں عذاب جھیلنا پڑتا ہے۔ اس لیے [illegible] چاہیے اپنی زندگیوں کو نظامِ اخلاص کے ساتھ مربوط کرلیں تاکہ ہماری زندگیوں میں بھی رونق رہے اور قبروں میں بھی اجالے ہوں۔ یہ تب ممکن ہے [illegible] ہماری زندگی میں اخلاص شامل ہوگا۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں نیک رائے رکھیں گے۔ کسی کے بارے میں بُرا نہ سوچیں گے۔ [illegible] شاعر کا مقصود ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۷)

شیرینیِ گفتار پہ حسرت کیسی
ہے گفتۂ رحمن کلامِ اخلاص

لغت: شیرینی: مٹھاس۔ گفتار: گفتگو کی لذت۔ گفتہ: کہا ہوا۔ گفتۂ رحمن: رحمان بابا کا قول۔

مفہوم: تم شاعر کے کلام کی مٹھاس پر حیران ہو تو سن لو کہ اُس کے کلام میں اخلاص موجود ہے۔

تشریح

(تعارفی عبارت ہر شعر کی تشریح سے پہلے لکھی جا سکتی ہے)

شاعر کہتے ہیں کہ اے سننے والے! تجھے میری میٹھی باتوں پر حیرت کیوں ہو رہی ہے۔ تو اس بات پر حیران کس لیے ہے کہ میری باتوں میں اس قدر مٹھاس کیسے ہے؟ تجھے حیران اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری باتیں تو سادہ ہیں لیکن ان میں صرف ایک بات ہے اور وہ ہے خلوص۔ سچے دل سے بات کرنا میری عادت ہے۔ صاف سیدھی بات کرنا میرا دستور ہے۔ لگی لپٹی باتیں کرنا مجھے نہیں آتیں۔ اگر تجھے میری باتوں میں مٹھاس محسوس ہوتی ہے۔ تو یہ میرا کمال نہیں ہے۔ میرا امتیاز نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میری باتوں میں اخلاص پایا جاتا ہے۔ اخلاص ایک ایسی خوبی ہے جو سادہ سی بات کو دل نشین بنا دیتا ہے۔ بہ قول غالبؔ:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

شاعر کہتے ہیں کہ تم نے رحمن بابا کی جتنی بھی گفتگو سنی ہے اگر تم غور کرو تو تمھیں پتہ چلے گا کہ اُن میں سب سے نمایاں جوہر اخلاص کا ہے۔ میری کوئی بات بھی خلوص کے بغیر نہیں ہے۔ اس لیے تم میری باتوں پر حیران نہ ہونا۔ اگر تم بھی چاہتے ہو کہ تمہاری گفتگو میں شیرینی اور مٹھاس آجائے تو اپنے کلام میں اخلاص پیدا کر لو۔ لوگ تمہارے گرد جمع ہو جائیں۔ کلام میں مٹھاس اور خلوص اس قدر بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکار کر یوں ارشاد فرمایا تھا۔ مفہوم ہے:

"ہم نے تمھیں میٹھا اخلاق عطا کیا، لوگ تمہارے گرد جمع ہو گئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ تمہارے گرد جمع نہ ہوتے"۔

اس شعر کے اندر بھی شاعر ہمیں یہ خوب صورت پیغام دے رہا ہے کہ دنیا میں آنے والا ہر انسان گفتگو کرتا ہے۔ خوش اخلاق اور اچھے لہجے والے لوگ مقبول ہو جاتے ہیں اور نفرت والی گفتگو کرنے والے نشان عبرت بن جاتے ہیں۔ اس لیے اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں مقبولیت ملے تو لوگوں کے ساتھ مسکرا کر اور نرم لہجے میں گفتگو کیا کرو۔ ایسا کرنے سے تمہارا وقار قائم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے برتری کا اصول یوں بیان فرمایا۔

"تم میں سے اچھا وہ ہے جو اخلاق کے لحاظ سے اچھا ہے"

مشق

ا۔ **اس نظم میں "اخلاص" کی جو تعریفیں بیان کی گئی ہیں، انہیں مختصراً لکھیں۔**

جواب: شاعر کے مطابق اخلاص کا مقام بہت بلند ہے۔ اخلاص ہی انسان کو فرش سے عرش تک پہنچا دیتا ہے۔ یوں تو دنیا میں ہر چیز کو فنا ہے لیکن اخلاص باقی رہتا ہے۔ اسلام بھی خود اخلاص ہی کا نام ہے۔ اسے رکھنے والے بادشاہ بن جایا کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد اخلاص کے سوا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF.FAHIM.AQ)

کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور دو جہانوں کے رب کے کلام میں اخلاص موجود ہے۔

۲۔ "ہما" پرندے کی کیا خصوصیت بیان کی جاتی ہے؟

جواب: یہ ایک فرضی پرندہ ہے۔ جس کے بارے میں معروف ہے کہ جس کے سر سے گزر جائے یا بیٹھ جائے تو وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔

۳۔ اخلاص کی وجہ سے کون سا سفر آسان ہو جاتا ہے؟

جواب: اخلاص کی بدولت زمین سے آسمان تک کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے مرنے کے بعد کا سفر بھی آسان ہو جاتا ہے۔

۴۔ اس نظم کا مرکزی خیال بیان کریں۔

جواب: اخلاص ہی وہ طاقت ہے جو انسان کو معمولی سے غیر معمولی بنا سکتی ہے اور جو اسے اس دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی کامیاب کر سکتی ہے۔

۵۔ فانی ہے ہر اک چیز، ہر اک رسم و رواج
باقی ہے ، مگر ایک دوامِ اخلاص

کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں "صنعتِ تضاد" کہلاتا ہے۔ جیسے مندرجہ بالا شعر میں "فانی" اور "باقی" ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ صنعتِ تضاد کی تعریف کریں اور تین مثالیں لکھیں۔

جواب: **تعریف:** کلام میں ایسے الفاظ لانا جو معنی و مفہوم میں ایک دوسرے سے متضاد ہو، صنعت تضاد کہلاتا ہے۔

مثالیں:

ایک سب آگ ، ایک سب پانی — دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے — اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

ایک نعمت بھی یہی، ایک قیامت بھی یہی — روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال: عبدالرحمن بابا کی شاعری کی خوبیاں بیان کریں۔

جواب: اُن کی شاعری میں فطرت اور حقیقت کا رنگ غالب ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر دور کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں ماضی، حال اور مستقبل کا پتا ملتا ہے۔ ان کا دیوان اگرچہ مختصر سا ہے لیکن پڑھنے والوں کے لیے اسرار و رموز کا خزانہ ہے۔

سوال: عبدالرحمن بابا کی شاعری اور تصوف میں کیا تعلق ہے؟

جواب: اُن کی شاعری میں عشقِ حقیقی اور تصوف کا رنگ موجود ہے بلکہ یہی رنگ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس لیے انھیں صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو اخلاقی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں قرآن و حدیث کا تشریح جا بہ جا ملتی ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSHOUSEEHAHMAD

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ عبدالرحمن بابا کا سن پیدائش ہے:
(ا) ۱۶۵۰ء (ب) ۱۶۵۱ء (ج) ۱۶۵۲ء (د) ۱۶۵۳ء ✓

2۔ عبدالرحمن بابا کا سن وفات ہے:
(ا) ۱۷۱۰ء (ب) ۱۷۱۱ء ✓ (ج) ۱۷۱۲ء (د) ۱۷۱۳ء

3۔ عبدالرحمن بابا نے ساری زندگی کہاں گزاری؟
(ا) آبائی گاؤں میں ✓ (ب) پشاور شہر میں (ج) قبائلی علاقے میں (د) افغانستان میں

4۔ عبدالرحمن بابا کی شاعری پر کون سا رنگ غالب ہے؟
(ا) اُداسی کا (ب) فطرت کا (ج) حقیقت کا (د) ب اور ج دونوں ✓

5۔ عبدالرحمن بابا کا دیوان ہے:
(ا) طویل (ب) ضخیم (ج) مختصر ✓ (د) بہت طویل

6۔ عبدالرحمن بابا کے اشعار کس چیز کے آئینہ دار ہیں؟
(ا) عشق حقیقی (ب) ابدی زندگی کے لیے پند نامہ (ج) تصوف (د) ا، ب اور ج تینوں ✓

7۔ عبدالرحمن بابا نے اپنی شاعری میں ______ ترجمانی کی ہے:
(ا) پختون فطرت ✓ (ب) اقدار (ج) فطرت (د) انسانی فطرت

8۔ عبدالرحمن بابا کی شاعری ابدی زندگی کے لیے ______ ہے:
(ا) پند نامہ ✓ (ب) رہنما (ج) کلید (د) قطب نما

9۔ عبدالرحمن بابا کی شاعر کے ترجمے ______ زبانوں میں ہو چکے ہیں:
(ا) مختلف ✓ (ب) کئی (ج) بہت سی (د) چند

10۔ نظم ''اخلاص'' کس شاعری کی تخلیق ہے:
(ا) عبدالرحمن بابا ✓ (ب) خوشحال خان خٹک (ج) پریشان خٹک (د) معزاللہ مومند

11۔ اخلاص کا مقام کس کے ہم دوش بتایا گیا ہے:
(ا) آسمان (ب) قمر (ج) ہما (د) ثریا ✓

12۔ اخلاص زمین سے آسمان تک کا سفر کتنی دیر میں طے کرتا ہے:
(ا) بیک جنبش گام ✓ (ب) چند گھنٹوں میں (ج) چند گھڑیوں میں (د) چند لمحوں میں

13۔ اسلام نام ہے:
(ا) ایمان لانے کا (ب) تسلیم و رضا کا (ج) پابندیٔ اخلاص کا ✓ (د) سر جھکانے کا

14۔ محبت سے دامِ اخلاص پھیلانے سے کیا ہاتھ آ سکتا ہے:
(ا) ہما ✓ (ب) راحت (ج) سکون (د) مقدر

15۔ گفتۂ رحمن کی تاثیر و شیرینی کی وجہ کیا ہے:
(ا) اخلاص ✓ (ب) پرانی قوموں کے قصے (ج) اختصار (د) طوالت

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORSKTOJSEEFAHMAD

NMDCAT PREPARATION 2021

NMDCAT BY FUTURE DOCTORS

Motto : " WE ARE THE SAVIOUR OF NATION"

WE PROVIDE NOTES:

- FSC NOTES
- NMDCAT NOTES
- MATRIC NOTES
- PAST PAERS
- HINTS AND TRICKS
- STEP , STAR , STEP LECTURES
- FEDERAL BOARD BOOKS
- ALL TEXTBOOKS FROM ALL PROVINCES

FBGROUP: https://www.facebook.com/groups/mdcatbyfuturedoctors/?ref=share

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

حصۂ غزل

- شاعر کا تعارف
- اشعار کی تشریح
- مشق
- اضافی سوالات کے مختصر جوابات
- کثیر الانتخابی سوالات

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

NMDCAT BY FUTURE DOCTORS

Motto : " WE ARE THE SAVIOUR OF NATION"

WE PROVIDED NOTES:

- FSC NOTES
- NMDCAT NOTES
- MATRIC NOTES
- PAST PAERS
- HINTS AND TRICKS
- STEP . STAR . STEP LECTURES
- FEDERAL BOARD BOOKS
- ALL TEXTBOOKS FROM ALL PROVINCES

FBGROUP:
https://www.facebook.com/groups/mdcatbyfuturedoctors/?ref=share

LIKE & SHARE

03499815886

MDCAT BY FUTURE DOCTORS

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

میر تقی میر

(1723ء-1810ء)

شاعر کا تعارف:

میر تقی میر کی شاعری زندگی کے انقلابات کی ترجمان رہی ہے۔ اگرچہ بعض ناقدین (تنقید کرنے والے) نے میر کو قنوطیت (مایوسی) کا حامل شاعر بھی کہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر تقی میر کا تخلیقی شعور (تخلیق کرنے والی سوچ) زندگی کی مایوسیوں کی نشاندہی کر کے بھی کم کر دینے والی یاسیت کی منزل سے نہ صرف فاصلے پر رہتا ہے، بلکہ زیرِ سطح (سطح کے نیچے) ایک نشاطیہ احساس (خوش گوار احساس) کو جگانے کا باعث بھی بنتا رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ میر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف نہ صرف ان کے معاصرین (ایک ہی زمانے کے لوگ) نے کیا ہے، بلکہ اب تک کے تمام مستند (مانا ہوا) ناقدین اور غزل کے معتبر شعرا (مانے ہوئے شاعر) نے میر کے کلام کی ہمہ گیریت (جس میں زندگی کے بہت سے پہلو شامل ہوں)، نشتریت (دل میں چبھ جانے والی بات) اور افادیت (فائدہ) کو کھلے دل سے تسلیم کیا ہے۔ غالب جیسے یگانہ روزگار شاعر نے برملا یہ کہا:

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ کہتے ہیں، اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

میر کو خدائے سخن (میر تقی میر کا لقب) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ میر کا اُسلوبِ بیان (بیان کرنے کا انداز) سادہ اور سلیس (سادہ اور آسان) ہونے کے باوجود ندرت (منفرد، اچھوتا، انوکھا) اور انفرادیت کا حامل ہے۔ ان کے کلام میں روزمرہ اور محاورے کا التزام (کسی چیز کو لازم کرنا) بخوبی موجود ہے۔ اُن کے عہد کو اُردو شاعری کے زریں عہد (بہترین دور) سے تعبیر (وضاحت) کیا جاتا ہے۔ اُنہوں نے اُردو ادب کو چھ ضخیم (حجم میں زیادہ ہونا) مجموعہ ہائے کلام دیے، جن کی قدر و قیمت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ گویا میر تقی میر کا یہ دعویٰ بالکل درست ثابت ہوا ہے:

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا مستند ہے میرا فرمایا ہوا

غزل 1

(ا)

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
کہ میاں! خوش رہو ہم دعا کر چلے

لغت: فقیرانہ: فقیروں کی طرح۔ صدا: آواز دینا، پکار دینا۔ دعا کر چلے: دعا دے کر چلے گئے

مفہوم: ہم اس دنیا میں فقیروں کی طرح آئے تھے اور یہی دعا کر کے جا رہے ہیں کہ تم خوش رہو۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

میر تقی میر اس شعر میں دنیا کے عارضی اور فانی ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس دنیا کی مثال ایک مسافر خانے جیسی ہے۔ جس میں مسافر آ کر کچھ دیر کے لیے رکتے ہیں اور پھر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ انسان کی حقیقت بھی یہی ہے۔ انسان اس دنیا میں آتا ہے، معاش کماتا ہے، گھر جائداد یں بناتا ہے لیکن پھر ایک دن سب کچھ چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہی انسان اور اس کی زندگی کی حقیقت ہے۔ اسی لیے حالی نے دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا تھا:

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے   یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اسی پس منظر میں شاعر اس دنیا میں اپنے سفر کو فقیرانہ قرار دے رہے ہیں۔ یعنی ایسا سفر میں جس میں کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ انسان جو کچھ کماتا ہے، جو کچھ بناتا ہے، وہ سب کچھ اسے یہیں لٹا کر جانا پڑتا ہے۔ وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ خالی ہوتے ہیں۔ وہ اپنا سب کچھ لٹا کر دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ بقول راحت اندوری:

ہاتھ خالی ہیں ترے شہر سے جاتے جاتے   جان ہوتی تو مری جان لٹاتے جاتے

پھر اس شعر میں ایک پہلو تصوف کا بھی ہے۔ تصوف میں فقیرانہ انداز میں زندگی گزارنے کا اپنا ایک مطلب ہے یعنی دنیا میں یوں رہنا کہ دنیا کی محبت دل میں جگہ نہ بنا سکے۔ پھر صدا لگانا ایک طرح سے لوگوں کو حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے یعنی اپنا کام کرتے جانا ہے۔ اور دعا دینا ایک ایسا فقیرانہ عمل ہے جس میں محبت اور احسان دونوں کا پہلو شامل ہے۔ اس لیے اس شعر میں ہمیں میر کی صوفیانہ فکر کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔

(۲)

وہ کیا چیز ہے آہ! جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کے چلے

لغت: دل اُٹھا کر چلے: منہ موڑ کر چلے۔

مفہوم: آخر وہ کیا چیز ہے جس کے لیے ہم ہر چیز سے منہ موڑ کر جا رہے ہیں۔

تشریح

شاعر اس شعر میں دنیا کے فانی ہونے اور موت کے برحق ہونے کی حقیقت بیان کر رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

ہر ذی روح کو موت کو ذائقہ چکھنا ہے۔ (آلِ عمران:185)

ایک انسان جب اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات کو دیکھتا ہے تو وہ اسے حسن و جمال کا مجموعہ پاتا ہے۔ اس دنیا کی رنگینی کے جلوے قدم قدم پر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ وہ انھیں دیکھتا ہے اور یہی سمجھتا ہے کہ اس حسن و جمال کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ:

یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے۔ (آلِ عمران:185)

اور انسان اس زبردست دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے، وہ ہمیشہ رہے گا۔ جو کچھ اس کے پاس ہے، وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس کی بادشاہت، اس کی دولت، اس کا حسن، اس کی طاقت، اس کے اختیار کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ قرآن اسی سمجھ کو "دھوکے کا سامان" کہتا ہے کہ انسان اس زندگی کی حقیقت کو نہیں سمجھ پاتا۔ وہ نہیں جان پاتا کہ یہ زندگی تو فانی اور مختصر ہے اور انسان کو سب کچھ لٹا کر آخر ایک دن موت کی وادی میں اُترنا ہے۔ بقول شاعر:

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہے زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

(اقامت: قیام مراد دنیا کی زندگی جسے اقامت یعنی نماز کی تکبیر کہا گیا ہے)

شاعر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب تک انسان اس دنیا کی حقیقت سے بے خبر رہتا ہے وہ اس میں کھویا رہتا ہے۔ وہ اس کے خوبصورتی اور دل کشی میں گم رہتا ہے۔ لیکن جب انسان ہر شے کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس دنیا کی ظاہری خوبصورتی سے منھ موڑ لیتا ہے۔ یا اس شعر کا ایک یہ پہلو بھی ہو سکتا ہے کہ جب انسان حقیقت کا چہرہ دیکھ لیتا ہے یعنی موت اس کے در پر دستک دے دیتی ہے تو وہ زندگی کے ہر حسن و رعنائی سے منہ موڑ کر موت کی وادی میں اُتر جاتا ہے۔

(۳)

کوئی نا اُمیدانہ کر کے نگاہ
سو تم ہم سے منھ چھپا کر چلے

لغت: نااُمیدانہ: مایوسی سے بھری ہوئی۔ منھ چھپا کر چلے: منہ پھیر کر چلے۔ دعا کر چلے: دعا دے کر چلے گئے۔

مفہوم: وہ ہمیں نا اُمیدی کے ساتھ دیکھ کر اپنا منھ چھپائے جا رہے ہیں۔

تشریح

زیرِ بحث شعر میں شاعر محبوب کی بے رخی کو موضوع بنا رہا ہے۔ آنکھ جسم کا ایسا عُضو ہے جس سے فوراً ظاہر ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص کتنا غمگین ہے یا کتنا خوش ہے۔ انسان کے راضی اور ناراض ہونے کا پتا بھی یہی آنکھ ہی دیتی ہے۔ یہی آنکھ انسان کے مایوس یا پُرامید ہونے کی خبر بھی دیتی ہے۔ بقول فیضان ہاشمی:

آنکھ روتی ہے ، آنکھ گاتی ہے زندگی داستاں سناتی ہے

چوں کہ ہماری اردو کلاسیکل غزل کا محبوب ہمیشہ ہی سے بے وفائی کا پیکر ہے۔ جو بھولے سے بھی اپنے باوفا اور بامروت عاشق پر مہربان نہیں ہوتا اور ہمیشہ غرور اور بے نیازی کا پیکر نظر آتا ہے۔ جس سے عاشق گویا موت سے پہلے ہی مر جاتا ہے کیوں کہ وہ آرزومند ہے کہ اس کی محبت کا جواب محبت ہی سے دیا جائے۔ بقول ظہیر دہلوی:

چاہت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

مگر اس کے برعکس محبوب اول تو عاشق کو کبھی توجہ کے لائق ہی نہیں سمجھتا اور پھر کبھی اس خوش ہونے کا موقع بھی نہیں دیتا۔ اب اگر عاشق کو صدیوں بعد دیکھا بھی تو نظروں میں محبت و وفا اور اُمید کا پیغام سرے ہی سے نہیں تھا بلکہ بیزاری اور مایوسی سی تھی اور اس پر ستم یہ کہ عاشق کو دیکھ کر غیروں کی طرح منہ بھی چھپا لیا جس پر عاشق کے دل پر ایک کے بجائے دو بجلیاں گریں گویا یک نہ شد دو شد۔

(۴)

دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

مفہوم: وہ یوں دکھائی دیے ہیں کہ ہمیں ہر چیز سے بیگانہ کر دیا ہے حتیٰ کہ ہمیں اپنے بھی خبر نہیں رہی ہے۔

MEDICAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

تشریح

زیر بحث شعر میں شاعر محبوب کے جلوۂ حسن سے بیدار ہونے والی بے خودی کی کیفیت کو بیان کر رہا ہے۔ حسن توازن کا نام ہے۔ اور جب توازن کسی چیز میں پایا جائے تو وہ آنکھ کو بھلا لگتا ہے۔ انسان کی فطرت میں توازن یا حسن کو سراہا جانا موجود ہے۔ اس لیے انسان جب بھی کہیں حسن و جمال دیکھتا ہے تو بے خود ہو جاتا ہے۔ وہ چاہے قدرت کی رعنائیاں ہوں یا محبوب کا پُرنور چہرہ، ان کی جھلک انسان کو عقل اور ہوش سے بیگانہ کر دیتا ہے۔

یہی اس شعر کا موضوع ہے کہ شاعر اپنے محبوب کا جلوہ دیکھ کر اتنا بے خود ہو گیا ہے کہ اسے اپنا ہوش بھی نہیں رہا۔ اسے خبر ہی نہیں رہی کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے۔ اس بے خودی میں سب کچھ بھول بیٹھا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا ہے۔ اسی بے خودی کے بارے میں غالبؔ نے بڑے ہی معنی خیز لہجے میں کہا تھا:

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ   کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے

اس شعر کا دوسرا پہلو حقیقی معنوں میں ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں، پھر بے خودی ان کی زندگی کا راستہ بن جاتی ہے۔ وہ ہر چیز سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل سے دنیا کی محبت بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی خواہشوں یا ضرورتوں سے بھی لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ یہ پہلو میر کے دور میں پائی جانے والی صوفیانہ فکر کا محبوب موضوع ہے۔ جس میں صوفی راہِ عشق پر چلتے ہوئے جب اللہ کی معرفت پا لیتا ہے تو وہ دنیا جہان سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو   عجب چیز ہے لذت آشنائی

(بیگانہ: دور۔ لذت آشنائی: کسی چیز کی لذت سے آشنا ہو جانا)

(۵)

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

لغت: جبیں: ماتھا، پیشانی۔ حقِ بندگی: عبادت گزاری کا حق۔

مفہوم: ہماری پیشانی سجدہ کرتی رہی اور ہم نے بندگی کا حق ادا کر دیا۔

تشریح

زیر بحث شعر میں شاعر بندگی کا حق بیان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی وجہِ تخلیق بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب بنائے گا۔ خلیفہ یا نائب ایک ایسی ذمہ داری ہے جو بہت بھاری ہے۔ اتنی بھاری کہ کائنات کی ہر مخلوق نے اس ذمہ داری کو اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ یہ انسان ہی تھا جس نے اختیار اور ارادے کے ساتھ اللہ کے نائب ہونے کا منصب حاصل کیا۔ یعنی اس منصب کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنے کی جدوجہد کرے۔ یہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے اور اسے اللہ نے قرآن میں یوں بیان کیا ہے:

ہم نے جن وانس کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ **(الذاریات:56)**

شاعر اسی موضوع کو شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی پیشانی نے ہر قدم پر بندگی کا حق ادا کرنے کے لیے سجدے

MDCATBYFUTUREDOCTORSHOUSEFAHMAD

کیے ہیں۔ گویا یہ اس کی پوری زندگی ہی بندگی سے عبارت ہے۔ وہ ہر قدم، ہر سانس اللہ کی مرضی کے مطابق گزارتا رہا ہے۔ اور جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دنیا کی عارضی لذتوں سے بیگانہ ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اقبالؔ نے کہا تھا:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(گراں: مصیبت، بوجھ، مشکل)

(۶)

پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

لغت: پرستش: بندگی، پوجا۔ یاں تک۔ سبھوں: سب کے۔ خدا کر چلے: عبادت کے لائق بنا دیا۔ بت: محبوب، صنم۔

مفہوم: اے محبوب! ہم نے تمھاری پرستش یہاں تک کی ہے کہ تمھیں لوگوں کی نظر میں خدا بنا دیا ہے۔

تشریح

زیر بحث شعر میں شاعر محبوب سے اپنے عشق کی انتہا بیان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنے محبوب سے پرستش کی حد تک محبت کی ہے۔ عشق کا تقاضا اور شرط ہے کہ اپنے محبوب کو اپنی کل کائنات تصور کیا جائے اور اسی کو اپنی زندگی کا حاصل تصور کیا جائے۔ اُسے بے پناہ چاہا جائے اور اُسے ہی اپنی رگ و پے اور دل و نظر میں بسایا جائے۔

سو اس شعر میں شاعر کا مدعا و مقصد یہی ہے کہ میں اپنے محبوب سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں نے تمھیں ہر ایک سے بڑھ کر چاہا ہے۔ اور یہ چاہت کچھ ایسے منفرد اور اچھوتے انداز میں ہے کہ لوگ اے صنم کی بجائے خدا تصور کرنے لگے ہیں۔ دراصل شاعر کا مقصود بھی یہی ہے کہ محبت کی معراج یہ ہو کہ اپنے محبوب کو اس قدر چاہا جائے کہ اپنی ذات کی مکمل نفی ہوجائے۔ اس کی محبت میں جینے اور مرنے کا فرق ختم ہوجائے۔ بہ قول غالبؔ:

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا　　اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

(۷)

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے، کیا کر چلے

مفہوم: میرا اگر کوئی پوچھے گا کہ ہم دنیا میں کیا کر کے جا رہے ہیں تو کیا جواب دیں گے۔

تشریح

مقطع میں میر تقی میر انسان کی بے مقصد زندگی گزارنے پر طنز کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اکثر انسان ساری زندگی اس مقصد تک نہیں پہنچ پاتا، جس کے لیے اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ غیر ضروری مقاصد کے پیچھے دوڑتا ہوا اپنی زندگی تمام کر دیتا ہے جو بعد میں سراسر پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ اور آسمانی والہامی کتب کے ذریعے یہ بتایا ہے کہ انسان کی تخلیق اور زندگی مقصد صرف ایک ہی ہے۔ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ انسان کا خالق کون ہے اور اس کی منشا کیا ہے؟ اور یہ کہ انسان دین و دنیا میں کیسے سرخرو اور ظفریاب ہو

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

سکتا ہے؟ یہ وہ تمام سوال ہیں جن کے جواب دیے جا چکے ہیں۔ یہاں تک کہ انبیائے کرام کی زندگیاں بہترین نمونوں کے طور پر ہمارے سامنے رکھ دی گئیں۔ بلکہ حضورؐ پر نور کی زندگی کا لمحہ لمحہ بہترین نمونے کے طور پر ہمارے سامنے ہے جس کی تصدیق حسب قرآن یوں کی گئی ہے۔

بے شک تمہارے لیے رسولؐ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔(الاحزاب:21)

مگر افسوس صد افسوس انسان طبعاً آزاد اور بے فکر ہونے کے باعث اپنی تخلیق کے مقصد پر کبھی غور نہیں کرتا اور اپنے خالق کی رضا جوئی کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ بل کہ نفسِ امارہ اور شیطان مردود کے مقرر کردہ منفی اور تخریبی راستوں کا راہی بن کر اپنی اصل راہ سے دور چلا جاتا ہے۔ میر تقی میر بھی اسی کوتاہی پر کفِ افسوس مل رہے ہیں۔ کہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ ہم نے دنیا میں آ کر کیا کیا؟ تو یقیناً جب اس کا جواب ہم نہیں رکھتے بلکہ اپنی کوتاہیوں پر نادم اور دم بہ خود ہیں۔ بقول غالبؔ:

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب　　　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

غزل 2

(۱)

پیری میں کیا جوانی کے موسم کو روئیے
اب صبح ہونے آئی ہے ، اک دم تو سوئیے

لغت: پیری: بڑھاپا۔

مفہوم: اب بڑھاپے میں جوانی کو رونے کا کیا فائدہ ہے۔ اب تو زندگی ختم ہونے والی ہے اور آرام سے سونا ہے۔

تشریح

مطلع میں میر تقی میر نے نہایت خوش اُسلوبی سے یہ نکتہ اُجاگر کیا ہے کہ جوانی کا دورانیہ قیمتی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ کرنے کا وقت بھی ہوتا ہے۔ جسے انسان کمال غفلت کے عالم میں گزارتے ہوئے، اسے ضایع کر دیتا ہے اور پھر بڑھاپے میں اپنے دورِ جوانی کو یاد کر کے روتا رہتا ہے۔ جو سراسر بے سود اور بے فائدہ ہے۔ گویا ''اَب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت'' کی مثل اس صورت حال پر صادق آتی ہے۔

زندگی کے اس دور میں انسان اپنی ہی ہواؤں میں ہوتا ہے اور اپنی ذات کو دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت، منفرد اور اعلیٰ تصور کرتا ہے۔ جوانی کا زمانہ دراصل زندگی کا وہ حصہ ہے جس میں وہ بہترین صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ جذبات اپنے جوبن پر ہوتے ہیں اور یہی وہ زندگی کا حصہ ہے جس میں انسان اپنی ہمت اور طاقت کے باعث اپنے مقاصد پانے پر قادر ہوتا ہے۔ اور اپنے خوابوں اور ارمانوں کو عملی جامہ پہنانے کا یارا رکھتا ہے۔ جوانی کا نہایت عمدہ اور مثبت مصرف یہ ہے کہ انسان اسے کسی مقصد کے لیے وقف کر دے۔ وہ جان لے کہ زندگی میں بے سمت چلنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بقول امجد اسلام امجدؔ:

دل کے دریا کو کسی روز اُتر جانا ہے　　　　اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے

مگر ہوتا یہ ہے کہ اکثر اوقات انسان زندگی کا یہ قیمتی حصہ خرافات کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ اور جلد ہی اسے کھونے کے بعد بڑھاپے میں قدم رکھتا دیتا ہے۔ اور پھر تا دم آخر اپنی غفلت اور کوتاہوں پر روتا رہتا ہے۔ چوں کہ کمان میں سے تیر نکل جانے کے بعد اسے واپس لانا ناممکن ہوتا ہے اس لیے انسان سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔

الغرض شاعر ہمیں جوانی سے بھرپور استفادہ کرنے کی تاکید کرتا ہے تاکہ ہمیں بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ بقول میر حسنؔ:

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں　　　　گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

(دوراں: زمانہ، وقت)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

(۲)

اخلاص دل سے چاہیے سجدہ نماز میں
بے فائدہ ہے ورنہ جو یوں وقت کھوئیے

لغت: اخلاص: خلوص، بے غرضی، بے لوث ہو کر کام کرنا۔

مفہوم: نماز میں اخلاص ضروری ہے ورنہ یہ وقت کا ضیاع ہے۔

تشریح

زیر بحث میں شاعر عبادت میں اخلاص کی اہمیت کو اُجاگر کر رہا ہے۔ اخلاص ایسی دولت ہے جس کے بغیر دنیا کا ہر کام بے کار ہے حتیٰ کہ عبادت بھی بے فائدہ ہے۔ اس شعر میں میر تقی میر نے حکیمانہ و معلمانہ انداز اپناتے ہوئے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ جب وہ نماز میں سجدہ کرے یا وقت نماز اللہ کے سامنے جھکے تو خلوص دل سے جھکے ورنہ یہ سب بے فائدہ ہے اور وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ میر کے اس شعر کو بجا طور پر اقبالؒ کے اس شعر کے آئینے میں صاف دیکھا جا سکتا ہے:

میں جو سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا — ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

(صنم آشنا: بتوں کا شیدائی)

حدیث رسول مقبول ہے: "عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

اس حدیث مبارکہ کے پیشِ نظر بے حد ضروری ہے کہ انسان اپنے قول و فعل میں موافقت پیدا کرے ورنہ انسان دورنگی اور منافقت کی تصویر بن کر رہ جائے گا۔ جو اللہ اور رسولؐ کے ہاں نہایت ناپسندیدہ ہے۔

اس شعر میں بھی دراصل یہی درس دیا گیا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے قول و فعل میں تضاد پیدا نہ کرے بلکہ ہر کام خلوص دل سے انجام دے ریاکاری، دکھاوے اور دورنگی سے باز آئے۔ بقول اقبالؒ:

دورنگی خوب نئیں، یک رنگ ہو جا — سراپا موم ہو یا سنگ ہو جا

(دورنگی: منافقت)

نماز جو اسلامی ارکان میں سب سے اہم و افضل ہے۔ جسے مومن کی معراج کہا گیا ہے۔ اور جو مومن اور کافر کے درمیان حد فاصل ہے۔ اس لیے ازبس ضروری ہے کہ انسان جب نماز پڑھے اور قیام و سجود کا مظاہرہ کرے نہایت اخلاص و عجز سے کرے ورنہ وقت کا ضیاع ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق بروز حشر کئی نمازیوں کی نمازیں ان کے منہ پر ماردی جائیں گی۔ بلاشبہ یہ ایسی ہی نمازیں ہوں گی جن میں خلوص شامل نہ ہوگا۔

(۳)

کس طور آنسوؤں میں نہاتے ہیں غم کشاں
اس آبِ گرم میں تو نہ انگلی ڈبوئیے

لغت: غم کشاں: غم کرنے والے۔ آبِ گرم: گرم پانی۔

مفہوم: غم زدہ لوگ آنسو بہاتے ہیں، آپ ان آنسوؤں سے دور ہی رہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تشریح

اس شعر میں خدائے سخن میر تقی میر نے اپنے محبوب سے اس بات کا گلہ اور شکوہ کیا ہے کہ ہم عشق میں ہر وقت روتے رہتے ہیں اور اسے اس بات کی پروا بھی نہیں ہے۔ روایتی اُردو شاعری میں عاشق کا محبوب کی جدائی میں بے قرار رہنا اور روتے رہنا ایک عام موضوع ہے۔ لیکن میر کی شاعری میں رونے کا موضوع بہ کثرت پایا جاتا ہے۔ اس میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ جن میں سب سے اہم خود میر کے دور کے حالات اور ان کی ذاتی زندگی کے دکھ شامل ہیں۔ ایک اور جگہ میر اپنے رونے کو یوں بیان کرتے ہیں:

سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

روایتی شاعری میں عشاق اپنے بے وفا اور بے مروت محبوب کے ہاتھوں ہر وقت ستم کا شکار رہتے ہیں اور روتے رہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں غم کی تصویر بے رہتے ہیں۔ وہ اس حال کو صرف اور صرف اپنے سنگ دل محبوب کی وجہ سے پہنچتے ہیں۔ جو بھولے سے بھی اُن کا حال نہیں پوچھتا۔ محبوب کی یہی سرد مہری اور بے نیازی انہیں حد درجہ غمگین و افسردہ رکھتی ہے۔ اس غم میں افسردہ رہنے کی وجہ سے رونا ان کی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ لیکن وہ ستم گر ان کے حال سے بے خبر ہی رہتا ہے جس کے ہاتھوں وہ اس حالت کو پہنچتے ہیں۔ شاعر اپنے اس رونے کو آنسوؤں میں نہانے کے مترادف خیال کرتا ہے۔ اور محبوب سے کہتا ہے کہ وہ ان گرم اشکوں سے دور ہی رہے۔ کہیں اس کا ہاتھ ہی نہ جل جائے۔ میر تقی میر اپنے رونے کی حقیقت کو ایک شعر میں کچھ یوں بھی بیان کرتے ہیں:

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

(میر)

اب جان جسمِ خاک سے تنگ آ گئی بہت
کب تک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھوئیے

لغت: جسمِ خاک: بدن مراد ہے۔

مفہوم: جان اس مٹی کے جسم سے تنگ آ گئی ہے۔ کوئی کب تک اس مٹی کی ٹوکری کو ڈھوتا رہے۔

تشریح

زیرِ بحث شعر میں شاعر نے زندگی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے روح کی بے چینی کو نمایاں کیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ روح جو سراپا نور ہونے کے باعث نہایت لطیف اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ اور اسے بامر بی انسان کے جسم میں رہنا پڑتا ہے جو کثیف ہے۔ جس سے وہ حد درجہ تنگ آ جاتی ہے اور سوچتی ہے کہ آخر کب تک اسے اس میں رہنا پڑے گا؟ سوچا جائے تو کہاں نور اور کہاں خاک؟ ایک لطیف ہے تو دوسرا کثیف۔ یہ تو صرف امر بی ہے کہ روح کو اس مٹی کی ڈھیری میں رہنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کا یہ رہنا کب تک ہوگا، یہ کسی کو خبر نہیں۔ بقول شاہ عبدالطیف بھٹائی:

شکستِ جسمِ خاکی سے ہے پیدا رُبابِ روح کی نغمہ سرائی

(شکستِ جسمِ خاکی: مٹی کے بنے ہوئے جسم کی شکست مراد موت۔ رُبابِ روح: روح کا ساز۔ نغمہ سرائی: گیت گانا)

تو شاعر کے خیال میں روح ہر وقت اس قید خانے سے نکلنے کا سوچتی ہے۔ وہ مٹی کے بنے ہوئے جسم سے نکلنے کی ہر طرح سے تدبیر کرتی ہے۔ اس کی بے قراری اور بے چینی کو شاعر نے ایک خوبصورت انداز بیان کیا ہے۔ جس طرح ایک مزدور ٹوکری یا بوجھ اُٹھائے ہوئے تھک جاتا ہے اور جلد از جلد اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اس مٹی کی بنی ہوئی ڈھیری کو اُٹھائے اُٹھائے تھک جاتی ہے۔ اور اس

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ے نکلنے کی تدبیر سوچتی ہے۔ لیکن یہ زندگی کے ختم ہونے تک یہ بوجھ ہر حال میں اُٹھانا ہی پڑتا ہے۔ بقول شاہ عبداللطیف بھٹائی:

گھڑا ٹوٹا تو یہ آواز آئی
نہیں دونوں میں اب کوئی جدائی

(۵)

آلودہ اُس گلی کے جو ہوں خاک سے تو میرؔ
آبِ حیات سے بھی نہ وے پاؤں دھوئیے

لغت: آبِ حیات: ایک چشمہ جس کے بارے میں روایت ہے کہ اس کا پانی پینے سے ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے اس چشمے کے پانی کو کہتے ہیں۔ وے: وہ کی جمع ہے (اب متروک ہے)

مفہوم: میرے پاؤں جو اس گلی کی خاک سے آلودہ ہو جائیں تو میں انھیں آبِ حیات سے بھی نہ دھوؤں۔

تشریح

مقطع کے اس شعر میں میر تقی میر بیان کرتے ہیں کہ محبوب کی گلی کی مٹی یا خاک آبِ حیات یعنی دائمی زندگی بخش پانی سے بھی کہیں اہم اور بیش قیمت ہے۔ جبھی تو وہ محبوب کی گلی کی خاک کو آبِ حیات سے دھونے کے لیے بالکل بھی آمادہ نہیں ہیں۔

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ محبوب ایک عاشق صادق کی نظروں میں اس کی کل کائنات ہوتا ہے۔ بقول آتشؔ:

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے
زمیں یاں کی چہارم آسماں ہے

(رشکِ مسیحا: ایسا مسیحا جس پر رشک کیا جاسکے۔ یاں: یہاں۔ چہارم: چوتھا)

گویا ایک عاشق کے نزدیک محبوب کی گلی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے وہ کہتا ہے کہ اگر قسمت سے اس کے پاؤں اس کی گلی سے خاک آلودہ ہو جائیں تو وہ اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر اسے آبِ حیات بھی دیا جائے کہ اس خاک کو دھوڈالو تو وہ کبھی انھیں نہیں دھوئے گا۔ بقول احمد فرازؔ:

سنا ہے کہ اس کے شبستاں سے متصل ہے بہشت
مکیں ادھر کے بھی جلوے ادھر کے دیکھتے ہیں

(شبستاں: رات رہنے کی جگہ۔ بہشت: جنت۔ مکیں: رہنے والے)

MDCATBYFUTUREDOCTORSKTOUSEEFAHMAD

مشق

۱۔ درست الفاظ کا انتخاب کریں۔

(الف) ہر شعر میں .... مصرعے ہوتے ہیں۔
(ا) دو ✓ (ب) چار (ج) تین (د) پانچ

(ب) غزل کے پہلے شعر کو .... کہتے ہیں۔
(ا) ردیف (ب) بیت الغزل (ج) مقطع ✓ (د) مطلع

(ج) غزل کے .... میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔
(ا) مطلع (ب) مقطع ✓ (ج) درمیان (د) آغاز

(د) میر کو.................. کہا گیا۔

(ا) خدائے سخن ✓ (ب) بابائے اُردو (ج) بلبلِ ہند (د) اردو غزل کا باوا آدم

(ہ) غزل کے تمام اشعار کا.................. مفہوم ہوتا ہے۔

(ا) الگ الگ ✓ (ب) ایک (ج) متضاد (د) مبارک

(و) میر کی غزل کا بنیادی موضوع.................. ہے۔

(ا) غم ✓ (ب) شک (ج) خوشی (د) حُسن

۲۔ کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

میر کی غزل کے اس مقطع کی تشریح کریں نیز یہ بھی واضح کریں، کہ اس میں علم بیان کی کون سی خوبی پائی جاتی ہے؟

جواب: شعر کی تشریح پہلے دی جا چکی ہے۔ اور اس شعر میں صنعت لف ونشر سے کام لیا گیا ہے۔

۳۔ مندرجہ ذیل مصرعوں کے ساتھ دوسرا مصرع لگا کر شعر مکمل کریں۔

(الف) فقیرانہ آئے صدا کر چلے — میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

(ب) وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے — ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

(ج) دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا — ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

(د) پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے — نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

(ہ) کہیں کیا، جو پوچھے کوئی ہم سے میر — جہاں میں تم آئے تھے، کیا کر چلے

۴۔ میر کی شاعرانہ خصوصیات پر نوٹ لکھیں۔

جواب: میر کو خدائے سخن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ میر کا اُسلوبِ بیان سادہ اور سلیس ہے۔ اور یہی ان کی انفرادیت بھی ہے۔ ان کے کلام میں روزمرہ اور محاورے کا استعمال بہ خوبی کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان کی شاعری آہ و غم کا بیان ہے لیکن اس بیان کے زیریں سطح پر ایک نشاطیہ احساس ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اس لیے ہم میر کو قنوطی شاعر نہیں کہہ سکتے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSITOUSEEF(AHMAD)

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: کیا آپ ان ناقدین سے متفق ہیں جو میر کو قنوطیت کا حامل شاعر کہتے ہیں؟

جواب: یہ سچ ہے کہ میر کے ہاں غم اور مایوسی کا اظہار بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان کی شاعری اپنے پڑھنے والوں کو مایوس نہیں ہونے دیتی بلکہ اس کے برعکس غم کا یہ اظہار قاری کے اندر ایک نشاطیہ احساس بیدار کرتا ہے۔

سوال 2: میر تقی میر کے اسلوب پر روشنی ڈالیں۔

جواب: میر کا اسلوب یعنی انداز بیان سادہ اور آسان ہے لیکن اس میں انفرادیت کا رنگ وجود ہے۔ ان کے کلام میں روزمرہ اور محاورے کا استعمال بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔

سوال 3: ''فقیرانہ آئے صدا کر چلے'' اس مصرع میں میر کی زندگی کی جھلک بھی موجود ہے، وضاحت کریں؟

جواب: اس مصرع میں میر نے اپنی زندگی کے سفر کو فقیرانہ قرار دیا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ میر کی ساری زندگی اسی انداز میں گزری تھی۔ ان کی زندگی میں غم اور تکلیفوں کا حصہ بہت زیادہ ہے لیکن میر ان سب سے فقیرانہ انداز میں بے پروائی سے گزرتے چلے گئے۔ دوسرا ان کی زندگی میں دولت اور منصب وغیرہ سے بے اعتنائی کا رویہ پایا جاتا ہے۔

سوال 4: جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کر چلے
میر کے اس شعر کی روشنی میں بتائیے کہ حق بندگی کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ اس نے جن وانس کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزارے۔ اسی چیز کو میر نے اس شعر میں واضح کیا ہے۔

سوال 5: ''پیری میں کیا جوانی کے موسم کو رویئے'' میر کے اس مصرعے میں کس عالمگیر حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

جواب: ایک عالمگیر حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں ہر شے کو فنا ہے۔ اس کی ایک ابتدا ہے اور پھر اس کا ایک انجام ہے۔ انسانی زندگی بھی پیدائش، بچپن، جوانی سے ہوتی ہوئی آخر بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچتی ہے۔ یہی زندگی کی حقیقت ہے اس لیے گئے وقت کو رونا بے فائدہ ہے۔

سوال 6: میر کے خیال میں کیا چیز نماز کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔

جواب: میر کے خیال میں نماز کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز اخلاص ہے۔ اگر عبادت کرتے ہوئے اخلاص موجود نہ ہو تو اس کی عبادت بے کار ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان اپنا وقت کھو رہا ہے۔

سوال 7: ''کب تک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھویئے''، اس مصرعے میں میر کا انداز قنوطیت لیے ہوئے ہے، وضاحت کریں۔

جواب: انسان کا جسم مٹی سے تخلیق ہوا ہے اور اس کے اندر ایک روح موجود ہے۔ انسان اپنی زندگی میں روح اور جسم کے اس مجموعے کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ شاعر اپنی زندگی میں غم اور مصیبتوں سے اس قدر دکھی ہو چکا ہے کہ اب اس کے لیے مٹی سے بنے ہوئے جسم کو ڈھونا مشکل محسوس ہو رہا ہے۔ گویا وہ زندگی کے اس سفر میں تھک چکا ہے۔

سوال 8: میر کی دوسری غزل کے مقطع میں ایک تلمیح استعمال ہوئی، وضاحت کریں۔

جواب: میر کی دوسری غزل کے مقطع میں ''آبِ حیات'' کی تلمیح استعمال ہوئی ہے۔ جس کے بارے میں معروف ہے کہ وہ ایسا پانی کا چشمہ ہے کہ جسے پینے سے انسان ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے۔ اسی آبِ حیات کے حوالے سے خضر اور سکندر کا ایک غیر مستند واقعہ بھی مشہور ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ میر تقی میرؔ کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۷۱۹ء (ب) ۱۷۲۰ء (ج) ۱۷۲۱ء ✓ (د) ۱۷۲۲ء

2۔ میر تقی میرؔ کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۸۰۷ء (ب) ۱۸۰۸ء (ج) ۱۸۰۹ء (د) ۱۸۱۰ء ✓

3۔ میر تقی میرؔ کہاں پیدا ہوئے:

(ا) لکھنؤ (ب) آگرہ (ج) دلّی ✓ (د) کلکتہ

4۔ میر تقی میرؔ کو کس لقب سے یاد کیا جاتا ہے؟

(ا) شاعرِ سخن (ب) شہرِ سخن (ج) خدائے سخن ✓ (د) آشنائے سخن

5۔ میر تقی میرؔ کے عہد کو اُردو شاعری کے کس عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے؟

(ا) ابتدائی عہد (ب) دورِ زوال (ج) دورِ عروج (د) زریں عہد ✓

6۔ میر تقی میرؔ کی پرستش کی عادت نے محبوب کو سب کی نظر میں کیا بنا دیا ہے؟

(ا) دوست (ب) مہربان (ج) غم خوار (د) خدا ✓

7۔ میر تقی میرؔ کس عمر میں جوانی کے موسم کو رونے کو بے کار سمجھتے ہیں؟

(ا) بچپن (ب) پیری ✓ (ج) جوانی (د) لڑکپن

8۔ میر تقی میرؔ کے نزدیک نماز میں کیا چیز ضروری ہے؟

(ا) اخلاص ✓ (ب) توجہ (ج) وقت (د) دھیان

9۔ میر تقی میرؔ کے شعر میں ''ٹوکری مٹی'' سے کیا مراد ہے؟

(ا) روح (ب) دنیا (ج) جسم ✓ (د) لباس

10۔ میر تقی میر محبوب کی گلی میں آلودہ ہونے والے پیہوں کو کس چیز سے بھی دھونے کے لیے تیار نہیں؟

(ا) آبِ حیات (ب) سونے کے پانی سے (ج) چاندی کے پانی سے (د) پانی سے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

11۔ میرتقی میرؔ کے کتنے دیوان شائع ہوئے:

(ا) دو (ب) تین (ج) پانچ (د) چھ ✓

12۔ میرؔ کی دونوں غزلیں کس کتاب سے لی گئی ہیں:

(ا) دیوانِ میرؔ (ب) انتخاب کلامِ میرؔ ✓ (ج) انتخابِ میرؔ (د) کلیاتِ میرؔ

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

خواجہ میر درد

(۱۷۲۰ء۔۱۷۸۵ء)

شاعر کا تعارف:

خواجہ میر دردؔ دِلّی میں پیدا ہوئے۔ گو تصوف (روحانی پاکیزگی اختیار کرنے کا راستہ) کے مضامین اُردو کے بیشتر شعرا نے باندھے ہیں لیکن اِن میں جو تکمیلی شان (مکمل ہونے کا احساس) درد نے پیدا کی ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ صوفی (وہ جو تصوف کے راستے پر چلے) تھے۔ دردؔ قلبی واردات (دل پر گزرنے والی) کے اظہار کے لیے جن الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ الفاظ بنے ہی اس مقصد کے لیے ہوں۔ دردؔ کی صوفیانہ شاعری وحدت الوجود (ایک صوفیانہ فلسفہ جس میں کائنات کی ہر چیز خدا کے وجود میں گم ہو جاتی ہے۔) اور وحدت الشہود (ایک صوفیانہ فلسفہ جس میں کائنات کی ہر چیز خدا کا جلوہ ہے۔) کے فلسفوں کا خوب صورت امتزاج (دو چیزوں کا ملنا) پیش کرتی ہے۔ خواجہ میر درد تصوف کے فلسفیانہ مضامین کو جس بے ساختگی (فورا) اور سادگی سے بیان کرتے ہیں، وہ اُنہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُن کی غزل میں تغزل (غزل کی روح اور رنگ کا ہونا) صرف تصوف کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ دردؔ کے ہاں عشق اور تصوف ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ اُنہوں نے محاورہ اور روزمرہ کثرت سے استعمال کیا اور نہ صرف غزل کی تہذیبی روایت پیدا کی بلکہ اسے ارتقا (مرحلہ بہ مرحلہ ترقی) کے اگلے زینے پر چڑھنے کا راستہ بھی دکھایا۔ اُردو شاعری کو دردؔ نے ایک ہی مجموعۂ کلام (دیوان درد) دیا ہے لیکن معیار کے اعتبار سے وہ اتنا بلند پایہ ہے کہ اسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور جس نے دردؔ کو غزل گو شعرا کے صفِ اوّل میں کھڑا کر دیا ہے۔

اشعار کی تشریح

(۱)

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

لغت: عہد: وعدہ۔ دستور: چلن، اصول، قاعدہ

مفہوم: اگرچہ محبوب کے ہاتھوں عاشقوں کے قتل ہونے کا رواج پہلے بھی تھا لیکن ظلم و ستم کرنا پہلے نہیں تھا۔

تشریح

اس شعر میں شاعر روایتی انداز میں محبوب کے ظلم اور جور و جفا کا تذکرہ کر رہا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ میرا محبوب حد درجہ ظالم اور سفاک ہے یہاں تک کہ اپنے عشاق کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ یہ موضوع ہماری روایتی شاعری کا ایک اہم موضوع ہے۔ دراصل ہماری اردو کا اسیکل شاعری کا روایتی محبوب حد درجہ ظالم و جابر، سنگدل اور اپنے ناز و انداز سے قتل کرنے میں طاق ہے۔ قتل کرنے کے لیے اگرچہ تیر و خنجر یا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تلوار وغیرہ درکار ہوتے ہیں مگر اُردو شاعری کا محبوب ان تمام اوزاروں سے بے نیاز ہے۔ وہ اپنے عاشق کو، کبھی ناز نخروں سے تو کبھی بے نیازی اور تغافل کے ہاتھوں جب چاہے، بے موت مار دیتا ہے۔ بقول غالبؔ:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ۔۔۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

شاعر اس دکھ کا اظہار کر رہا ہے کہ ان سے پہلے بھی محبوب ظالم اور جفا جو ہوا کرتے تھے اور عاشق ان کے ہاتھوں موت کی وادی میں اُتر جایا کرتے تھے لیکن ان کا محبوب حد درجہ ظالم ہے۔ اسے عاشقوں کو تڑپانے اور قتل کرنے میں لطف آتا ہے۔ اگرچہ اس میں مکالمے کے انداز میں شکوہ بھی موجود ہے لیکن بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو شاعر اس میں بھی اپنے محبوب کی انفرادیت کا پہلو تلاش کر رہا ہے۔

خنجر سے کرو بات نہ تلوار سے پوچھو ۔۔۔ میں قتل ہوا کیسے، میرے یار سے پوچھو

(۲)

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا، تو کہیں نور نہ تھا

لغت: مجلس میں: محفل میں۔ نور: روشنی

مفہوم: میں نے رات آپ کے حسن کے سامنے جب شمع کو دیکھا تو اس کے چہرے پر کہیں نور نہیں تھا۔

تشریح

زیرِ بحث شعر میں شاعر محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے اس کا موازنہ شمع سے کر رہا ہے۔ عاشق اپنے محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگرچہ دنیا میں حسن ہر جگہ بکھرا ہوا ہے۔ اور لوگ بھی بے حد حسین ہوں گے۔ لیکن اس کے خیال میں اس کے محبوب کا حسن و جمال بے مثال ہے۔ اس شعر میں شاعر نے طُرفہ انداز میں یہ مضمون باندھا ہے کہ شمع اگرچہ خوب فروزاں اور روشن ہوتی ہے اور اس کا اپنا حسن اور نور اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ مگر محبوب کے رنگ اور روپ اور تجلی حسن کے سامنے شمع فروزاں بھی بے نور نظر آتی ہے۔

محبوب کے حسن کی تعریف کرنا اگرچہ پرانا اور بوسیدہ خیال ہے مگر شاعر نے اس شعر میں یہ مضمون ایسی عمدگی سے باندھا ہے کہ یک سرنیا اور اچھوتا معلوم ہوتا ہے۔ ایک عاشق کے لیے اُس کا محبوب ایسی ذات ہے جس میں کائنات بھی کا حسن و جمال سے آراستہ ہے۔ بہ قول احمد فرازؔ:

تیرے ہوتے ہوئے محفل میں جلاتے ہیں چراغ ۔۔۔ لوگ کیا سادہ ہیں سورج کو دکھاتے ہیں چراغ

مذکورہ شعر کے حسبِ حال میر درد کو بھی کائنات بھر کا حسن اس کی جاذبیت اور جملہ دلفریب نظارے اپنے محبوب کے حسن کے سامنے ہیچ اور حقیر نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ شمع فروزاں کو بھی حسن یار کے سامنے نہایت ماند اور مدھم پاتا ہے۔

شمع فروزاں اگرچہ حسن و تجلی میں ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے اور ظلمت و تاریکی دور کرنے میں لاثانی ہے۔ مگر میر درد کہتے ہیں کہ رات میں نے مجلس میں بغور مشاہدہ کیا ہے کہ ایک طرف شمع جل رہی تھی تو ایک طرف میرا محبوب تشریف فرما تھا۔ میں نے دیکھا کہ محبوب کے حسن کے مقابل شمع کے منہ پر گویا نور ہی نہیں تھا یعنی محبوب کا چہرہ شمع سے کہیں زیادہ روشن اور تاب تاک دکھائی دیتا تھا۔ بہ قول داغ دہلوی:

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں ۔۔۔ اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

(۳)

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً ، لیکن
میں جو پہنچا تو کہا ، خیر یہ مذکور نہ تھا

لغت: صریحاً: واضح طور پر، کھلم کھلا۔ **مذکور:** جس کا ذکر کیا گیا ہو۔

مفہوم: وہ واضح طور پر میرا ہی ذکر کر رہا تھا لیکن جب میں وہاں پہنچا تو کہنے لگا کہ یہ ذکر اس کا نہیں تھا۔

تشریح

اس شعر میں شاعر محبوب کی اُس بے رخی کو نمایاں کر رہا ہے جو عاشق سے روا رکھتا ہے۔ شاعر اس شعر میں محبوب کی شوخی اور محبوبانہ انداز کی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگرچہ میرا محبوب میری وفاداری اور بے لوث محبت کا قائل ہے۔ اور میری وہ عدم موجودگی میں سب کے سامنے میرا ذکر بھی کرتا ہے لیکن جب میں محفل میں پہنچتا ہوں تو یہ کہ کر بات کو بدل دیتا ہے کہ خیر میری مراد اس سے نہیں تھی۔

یہ دراصل روایتی شاعری میں محبوب کی بے رخی کا ایک اہم موضوع ہے۔ روایتی شاعری میں محبوب یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح بھی محبوب کو کوئی خوشی حاصل ہونے نہ دے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس کی تعریف بھی کرتا ہے تو اس کی عدم موجودگی میں۔ لیکن کبھی اس کے سامنے اس کی بے لوث محبت اور وفاداری کا اقرار نہیں کرتا۔ یوں شاعر روز مرتا ہے، روز جیتا ہے لیکن محبوب کے دل پر اس کی حالت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اسی کیفیت کو خواجہ میر دردؔ نے ایک اور جگہ کچھ یوں بیان کیا ہے:

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

(**مسیحائی مراد:** محبت کے بول بولنا)

گویا محبوب کے ہاں کسی طرح بھی عاشق کے سامنے اس کا ذکر ایسے الفاظ میں نہیں ہوتا جس سے اسے راحت مل سکے۔ وہ اپنے عشق کی آگ میں جلتا رہتا ہے لیکن محبوب کا پتھر دل موم نہیں ہوتا۔ یعنی عاشق کی مصیبتیں بھی اس کے لیے خوشی کا باعث نہیں بنتیں۔ بہ قول مومن خان مومن:

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا

(**رنج:** غم۔ **راحت فزا:** خوشی کا باعث)

(۴)

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں پہ پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

لغت: باوجودیکہ: اس کے باوجود۔ واں: وہاں۔ مقدور: قسمت۔

مفہوم: اگرچہ انسان کے پَر نہیں تھے لیکن وہ اس مقام پر پہنچ گیا جو فرشتے کے نصیب میں بھی نہیں تھا۔

تشریح

اس شعر میں شاعر انسان کی عظمت بیان کر رہا ہے۔ شاعر نے شب معراج کی تلمیح کے خوبصورت استعمال سے یہ بات واضح کی ہے کہ بے بال و پر ہونے کے باوجود انسان کی فرشتوں پر برتری اور فضیلت واضح ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو اپنے پاس عرش بریں پر بلایا۔ حضرت جبریلؑ اللہ کا پیام بر بن کر

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور براق پر سوار ہو کر حضور ﷺ عرش بریں کی طرف تشریف لے گئے۔ جب یہ مسافر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو جبریلؑ نے آگے جانے سے معذرت چاہی اور حضور ﷺ پرنور سے عرض کیا کہ اگر میں اس سے ذرہ بھر بھی آگے جاؤں گا تو تجلیاتِ خداوندی مجھے جلا کر راکھ کر دیں گی۔ لہٰذا وہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہ جا سکے جبکہ اُس سے کہیں اوپر اور کہیں رفعت و بلندی پر حضور ﷺ پرنور تشریف لے گئے۔ اسی لیے اقبال نے کہا تھا:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

شاعر کا مقصد اور مدعا یہی ہے کہ بے شک انسان ہی اشرف المخلوقات ہے۔ جن ہوں، فرشتے ہوں یا حور و غلمان، انسان ہر لحاظ اور ہر پہلو سے سب پر برتری اور فوقیت رکھتا ہے۔ اور بال و پر نہ رکھنے کے باوجود بھی فرشتوں سے کہیں اعلیٰ و بالا ہے۔ اسی لیے ایک حالیؔ نے انسان کے اس مقام کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

(۵)

پرورش غم کی ترے یاں تئیں تو کی، دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینے میں کہ ناسور نہ تھا

لغت: یاں: یہاں۔ تئیں: کو۔ ناسور: مندمل نہ ہونے والا زخم، کینسر کی شکل۔

مفہوم: تیرے غموں کو پالتے ہوئے یہ حالت ہوگئی ہے کہ سینے کا ہر زخم ناسور بن چکا ہے۔

تشریح

اس شعر میں شاعر میں راہِ عشق میں ملنے والوں زخموں کا ذکر کر رہا ہے جو آخر کار ناسور بن چکے ہیں۔ روایتی شاعری میں عاشق کی زندگی کرب اور تکلیفوں میں گزرتی ہے۔ وہ دن رات غم اُٹھاتا ہے، تکلیفیں سہتا ہے۔ محبوب کے ستم برداشت کرتا ہے۔ ہجر کا دکھ پالتا ہے۔ الغرض جو غم بھی ملتا ہے، وہ اسے سینے سے لگائے رکھتا ہے۔ اسی لیے جگرؔ مراد آبادی نے راہِ عشق کی تکلیفوں کا ذکر کرتا ہوئے کہا تھا کہ:

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

لیکن آگ کے دریا کے باوجود وہ محبوب سے ملنے والے ہر زخم کو پالتا رہتا ہے۔ اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا یعنی وہ سارے زخم ایک دن ناسور بن گئے۔ لیکن شاعر ان زخموں کی وجہ سے پریشان یا غم زدہ نہیں ہے بلکہ وہ تو انھیں اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہے کہ وہ ان ناسوروں کو عشق میں ملنے والے میڈل شمار کرتا ہے۔ اسی لیے وہ محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر تم میرے جذبہ عشق اور وفاداری کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو میرے دل میں جھانک کر دیکھو۔ تمھیں ہر زخم روشن نظر آئے گا۔ گویا شاعر کے نزدیک یہ زخم ہی اس کی زندگی ہیں۔ بقول عدمؔ:

زخمِ دل کے اگر سیے ہوتے
اہلِ دل کس طرح جیے ہوتے

(۶)

محتسب آج تو مے خانے میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی، کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

لغت: محتسب: احتساب کرنے والا (نیب)۔ مے خانہ: شراب خانہ۔

مفہوم: اے محتسب! آج تیری سختی کی وجہ سے مے خانے میں ہر دل ٹوٹا ہوا تھا۔

تشریح

زیرِ بحث شعر میں شاعر محتسب کے روایتی کردار پر تنقید کر رہا ہے کہ اُس کی وجہ سے عاشقوں کے دل ٹوٹ چکے ہیں۔ روایتی شاعری میں جہاں ایک طرف عاشق اپنا غم غلط کرنے کے لیے شراب خانے کا رخ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہیں اس میں ایک کردار محتسب کا بھی ہے جسے کبھی واعظ اور ناصح بھی کہا جاتا ہے۔ محتسب، واعظ یا ناصح کا کردار عاشق کو اچھے اور برے میں فرق سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح غم غلط کرنا ایک نامناسب عمل ہے۔ وہ عاشق کو سمجھاتا ہے کہ ہجر کے دکھ میں رو رو کر اپنی حالت خراب کرنا، بے آرام رہنا، نشے کی حالت میں دھت رہنا، یہ سب کہاں کی دانش مندی ہے۔ اس کے خیال میں یہ سب ذلت اور رسوائی کے سودے ہیں۔ اس لیے وہ مے خانے میں کڑا احتساب کرتا ہے یا شراب پینے والوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہے کہ وہ خود کو اس ذلت میں نہ گرائیں۔ لیکن عاشق اس کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ بقول شاعر:

آئیں ہیں سمجھانے لوگ ہیں کتنے دیوانے لوگ

گویا روایتی شاعری میں اس کردار کی باتوں کو ہمیشہ سنا ان سنا کر دیا جاتا ہے۔ اس کی نصیحتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اُڑا دیا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر محتسب یا واعظ کو منافق بھی کہا جاتا ہے جو موقع ملنے پر خود بھی گناہ کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس لیے عاشق اپنی دھن میں مگن رہتا ہے۔ وہ ان کی نصیحتوں سے چڑتا ہے اور انھیں برا بھلا کہتا ہے۔ وہ اپنا غم غلط کرنے کے لیے ہر وقت نشے میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس لیے اسے محتسب کی پوچھ گچھ اور واعظ کی نصیحتیں سخت بری لگتی ہیں۔ اسی لیے خواجہ میر درد نے محتسب سے مخاطب ہو کر اس پر سخت تنقید کی ہے۔ اور کہا ہے کہ آج تمھاری سختی اور سوالوں کی وجہ سے شراب خانے میں کسی بھی عاشق کا دل سلامت نہیں رہنے پایا۔ اور اسے اپنا غم غلط کرنے کے لیے اور زیادہ نشے کا سہارا لینا پڑا۔ بقول بیخود بدایونی:

واعظ و محتسب کا جمگھٹ ہے میکدہ اب تو مے کدہ نہ رہا

(۷)

دردؔ کے ملنے سے اے یار! بُرا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے، منظور نہ تھا

لغت: دید: دیدار۔

مفہوم: اے محبوب تو نے درد کے آنے کا برا کیوں مانا وہ تو صرف تمہارا دیدار کرنا چاہتا تھا۔

تشریح

مقطع میں شاعر نے یہ مضمون باندھا ہے کہ میں دوست یا محبوب سے ملنے اور اس کی دید کے سوا کوئی اور مقصد نہیں رکھتا۔ دیکھا جائے تو ایک عاشق محض اسی لیے عشق کا راستہ اپناتا ہے تا کہ وہ اپنے محبوب کو حاصل کر سکے کیوں کہ محبوب کی ذات ہی لے دے کے عاشق کے لیے وہ ذات ہے جس پر عاشق کے تمام ارمانوں اور خواہشوں کی تان ٹوٹتی ہے۔ اُس کا دیدار اُس کی زندگی حاصل ہے اور کائنات سے بھی قیمتی دولت ہے۔ اسی دیدار کے لیے وہ اخلاص، ایثار اور قربانی کا پیکر بنتا ہے۔ محبوب کے ناز نخرے جھیلتا ہے اور اس کی سختیاں، رنج و آلام بہ خوشی سہتا ہے۔ جدائی اور ہجر میں راتیں تارے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

گن گن کر گزارتا ہے اور اکثر و بیشتر پہروں اس کا انتظار کرتا جو بسا اوقات لاحاصل ہی ہوتا ہے۔ یہ سب محض اسی لیے ہے کہ عاشق کا محبوب اس پر مہربان ہو کر اس پر اپنی عنایات و نواشات کے دروازے کھول دے اور اُس کے لیے اپنے وصال و دیدار کی دولت عام کر دے۔ بقول اقبال:

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ ، میرا انتظار دیکھ

مگر عاشق اگر کبھی کبھار محبوب سے ملتا ہے تو وہ بجائے خوش ہونے کے بہت بُرا مانتا ہے جو بہر حال عاشق کے لئے باعثِ تشویش ہے۔ اسی لیے شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ وہ اس کے ملنے کا برا نہ مانے وہ تو صرف اس کے دیدار کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے۔

مشق

۱۔ خالی جگہ مناسب لفظ کے انتخاب سے پُر کریں۔

(الف) قتلِ عاشق کسی .... سے کچھ دور نہ تھا (معشوق، محبوب ، دشمن)

(ب) رات مجلس میں ترے .... کے شعلے کے حضور (آگ ، حسن ، نار)

(ج) واں پہ پہنچا کہ .... کا بھی مقدور نہ تھا (انسان ، آدمی ، فرشتے)

(د) محتسب آج تو .... میں تیرے ہاتھوں (تھانے ، جیل خانے ، مے خانے)

(ہ) درد کے ملنے سے اے .... بُرا کیوں مانا (یار ، دوست ، دشمن)

۲۔ ردیف کسے کہتے ہیں؟ درد کی غزل کی ردیف کی نشان دہی کریں۔

جواب: ردیف کے لغوی معنی پیچھے سوار ہونے والے کے ہیں۔ اصطلاح میں شعر کے آخر میں بار بار دوہرائے جانے والے الفاظ ردیف کہلاتے ہیں۔ میر درد کی غزل میں ردیف ہے: "نہ تھا"

۳۔ دور، دستور، مذکور وغیرہ اس غزل کے قافیے ہیں۔ ایسے پانچ ہم قافیہ الفاظ لکھیں جو اس غزل میں موجود نہ ہوں۔

جواب: کتاب ، حجاب ، نقاب ، آفتاب ، باب

۴۔ کنایہ قریب اور کنایہ بعید میں، مثالوں کی مدد سے فرق واضح کریں۔

جواب: دیکھیے (علمِ بیان)

۵۔ اس غزل کے قوافی لکھیں۔

جواب: اس غزل کے قوافی درج ذیل ہیں:

دور ، دستور ، نور ، مذکور ، مقدور ، ناسور ، چور ، منظور

۶۔ مندرجہ ذیل کی تعریف کریں اور دو دو مثالیں لکھیں۔

مراعاۃ النظیر: دیکھیے (علمِ بدیع)

حسنِ تعلیل: دیکھیے (علمِ بدیع)

لف و نشر: دیکھیے (علمِ بدیع)

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تلمیح: دیکھیے (علمِ بدیع)

تضمین: دیکھیے (علمِ بدیع)

۷۔ آپ کو اس غزل میں درد کا کون سا شعر پسند ہے اور کیوں؟

جواب: مجھے اس غزل میں یہ شعر پسند ہے:

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے وہاں پہ پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

اس شعر کی پسندیدگی کی اصل وجہ اس کا موضوع اور اندازِ بیاں ہے۔ اس شعر میں انسان کی عظمت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اور خواجہ میر دردؔ نے واضح کیا ہے کہ انسان کا مقام فرشتوں سے بلند ہے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: تصوف کے مضامین کی جو تکمیلی شان خواجہ میر دردؔ کے ہاں نظر آتی ہے۔ وہ کسی اور اُردو شاعر کے ہاں نہیں، وضاحت کریں۔

جواب: خواجہ میر درد ایک صوفی تھے۔ ان کا تعلق بھی ایک صوفی گھرانے سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ تصوف کے مضامین بہت سے شاعروں نے اپنی شاعری میں بیان کیے ہیں۔ لیکن جو تکمیلی شان خواجہ میر دردؔ نے پیدا کی ہے، وہ صرف انھی کا حصہ ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ ان کا باعمل صوفی ہونا ہے۔

سوال 2: خواجہ میر دردؔ نے صوفیانہ فلسفوں کو کس طرح پیش کیا ہے؟

جواب: خواجہ میر دردؔ نے دوسرے شاعروں کی طرح اپنی شاعری میں صوفیانہ فلسفے بیان کیے ہیں۔ انھوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا خوب صورت امتزاج پیش کیا ہے۔ انھوں نے ان مضامین کو جس بے ساختگی اور سادگی سے بیان کیا ہے۔ وہ انھی کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال 3: خواجہ میر دردؔ کے کلام کی خوبیاں بیان کریں۔

جواب: خواجہ میر درد کی غزل کی سب سے نمایاں خوبی تصوف کے مضامین ہیں۔ ان کے ہاں عشق اور تصوف ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں انھوں نے محاورے اور روزمرہ کا خوب صورت استعمال کیا ہے۔ اور غزل کی تہذیبی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔

سوال 4: باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے

وہاں پہ پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

اس شعر میں خواجہ میر دردؔ نے کس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جواب: خواجہ میر دردؔ کے اس شعر میں واقع معراج کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے مکہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان تک کا سفر کیا تھا۔ اس سفر کے دوران سدرۃ المنتہی کے مقام پر جبریل ٹھہر گئے تھے اور وہاں سے آگے آپ ﷺ نے اکیلے سفر کیا تھا۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ خواجہ میر دردؔ کا سن پیدائش ہے:

(ا) ۱۷۲۰ء ✓ (ب) ۱۷۲۱ء (ج) ۱۷۲۲ء (د) ۱۷۲۳ء

2۔ خواجہ میر دردؔ کا سن وفات ہے:

(ا) ۱۷۸۳ء (ب) ۱۷۸۴ء (ج) ۱۷۸۵ء ✓ (د) ۱۷۸۶ء

3۔ خواجہ میر دردؔ کہاں پیدا ہوئے:

(ا) دلّی ✓ (ب) آگرہ (ج) امروہہ (د) کلکتہ

4۔ خواجہ میر دردؔ کی شاعری میں کون سے صوفیانہ فلسفے بیان ہوئے ہیں؟

(ا) فلسفۂ حلول (ب) وحدت الوجود (ج) وحدت الشہود (د) ب اور ج دونوں ✓

5۔ خواجہ میر دردؔ کی شاعری میں تغزل کس چیز کی بدولت پیدا ہوا ہے؟

(ا) عشقیہ مضامین (ب) تصوف ✓ (ج) تخیل (د) فلسفیانہ مضامین

6۔ خواجہ میر دردؔ کے ہاں ________ کا رنگ غالب ہے:

(ا) تصوف ✓ (ب) دنیاداری (ج) آہ و بقا (د) عشقِ مجازی

7۔ خواجہ میر دردؔ کے کتنے دیوان شائع ہوئے:

(ا) ایک ✓ (ب) دو (ج) تین (د) چار

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

غلام ہمدانی مصحفی

(۱۷۵۱ء۔ ۱۸۴۴ء)

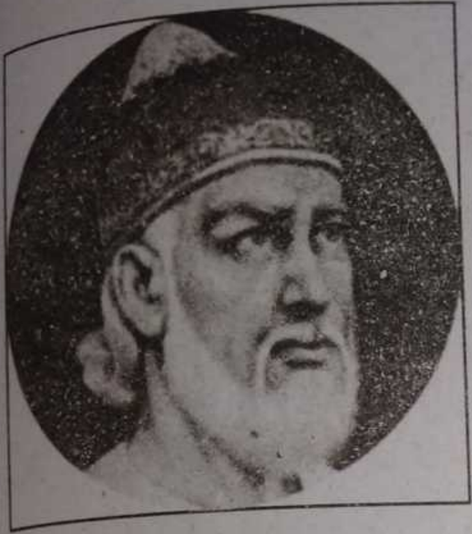

شاعر کا تعارف:

مصحفی کی غزل دبستانِ دلی (دلی کی زبان و ادب کا نمائندہ انداز جسے دلی کے شاعروں نے اپنایا۔) اور دبستانِ لکھنؤ (لکھنو کی زبان و ادب کا نمائندہ انداز جسے لکھنؤ کے شاعروں نے اپنایا۔) کے دل آویز (دل کو چھو لینے والا) امتزاج (دو چیزوں کا ملاپ) کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ اُن کی غزل میں ایک طرف دبستانِ دلی کا سوز و گداز (غم اور رنج کی کیفیت) ہے تو دوسری جانب دبستانِ لکھنؤ کی پیکر تراشی (ظاہری وجود بنانا) کا رجحان بھی نظر آتا ہے۔

مصحفی کا اسلوب نہایت سلیس، بے حد سادہ اور تخلیقی نفاست (تخلیقی خوبی) کا حامل ہے۔ اُن کے لہجے میں ایک دھیما پن (درمیانی سا ٹھہراؤ) ہے جو اُن کی غزل میں ایک طلسماتی (جادوئی) فضا پیدا کرتا ہے۔ مصحفی کو غزل پر ایک استادانہ کمال حاصل ہے۔ وہ پائمال (گئے گزرے) موضوعات کو بھی نئے انداز سے برتتے ہوئے ان میں کوئی نہ کوئی جدت (نیا پن) کا پہلو پیدا کرتے ہیں۔ ان کے کئی ایک اشعار کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" میں لکھا ہے کہ "وہ اُصولِ فن سے بال برابر بھی سرکتے نہ تھے۔ کلام پر قدرتِ کامل (مکمل قدرت رکھنا) پائی تھی۔ الفاظ کو پس و پیش (ہچکچانا، ٹالنا) اور مضمون کو کم و بیش کر کے اس دروبست (حفاظت سے) سے شعر میں کھپاتے تھے، کہ جو حق استادی کا ہے ادا ہو جاتا تھا"۔

مصحفی کی غزلیات میں روانی اور جوانی پائی جاتی ہے۔ وہ صحت زبان کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کے اشعار میں ترنم (جس میں نغمگی ہو) پایا جاتا ہے اور یہ کیفیت موزوں اصوات (مناسب آوازیں) کی تکرار (بار بار آنا) سے پیدا ہوتی ہے۔

اشعار کی تشریح

(۱)

ناگہ چمن میں جب وہ گل اندام آ گیا
گل کو شکستِ رنگ کا پیغام آ گیا

لغت: **ناگہ:** ناگہاں، اچانک۔ **گل اندام:** پھولوں کی طرح نازک، مراد محبوب۔ **گل:** پھول۔

مفہوم: جب محبوب باغ میں نکل آیا تو اس کے سامنے پھول کی رنگت بھی ماند پڑ گئی۔

تشریح

اس شعر میں شاعر مبالغے کے انداز میں محبوب کی تعریف کر رہا ہے۔ شاعر بیان کرتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے کہ پھول حُسن کی علامت

MDCATBYFUTUREDOCTORSKTOUSE(FAHMAD)

ہے لیکن اس کے باوجود جب محبوب باغ میں آتا ہے تو پھول اپنی تمام تر رنگینی اور حسن کھو دیتے ہیں اور ان کی دل کشی ماند پڑ جاتی ہے۔ گویا شاعر کی نگاہ میں اس کا محبوب باغ کے تمام پھولوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کا حسن بے مثال ہے۔ اس کی دل کشی کے سامنے ہر چیز ہیچ ہے۔ کچھ یہی خیال حیدر علی آتش نے یوں بیان کیا تھا:

یہ آرزو تھی تجھے گل کے رُو بہ رُو کرتے
ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہماری کلاسیکل غزل کا روایتی عاشق اپنے محبوب کو کائنات بھر سے منفرد اور یگانہ جانتا ہے اور اُسے تمام دُنیا سے زیادہ جاذب اور دلکش خیال کرتا ہے۔ اِس پر طرہ یہ کے پھولوں کا حُسن، رنگ ڈھنگ نزاکت خوشبو اور عطر تسلیم شدہ ہے۔ گویا پھول حسن کی علامت میں۔ جس سے کسی کو بھی انکار کیے نہیں بنتی۔ مگر عاشق کے ہاں محبوب کے حسن کے سامنے پھول بھی ہیچ اور کم تر ہیں۔ پھولوں میں پائے جانے والے تمام تر اوصاف محبوب کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں۔ بقول شاعر محبوب جب اچانک چمن میں جلوہ گر ہوا تو کیا چنبیلی، کیا نسترن ہکیا چمپا، کیا لالہ اور کیا گلاب، سبھی اپنی تمام تر چمک، بھڑک اور جاذبیت کھو بیٹھے۔ گویا محبوب کی آمد پر تمام پھول اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ شاعر کے نزدیک محبوب کے حسن کے سامنے تمام پھولوں کا رنگ تک ماند پڑ گیا بالکل ایسے ہی جیسے چودویں کے چاند کے سامنے تمام تاروں کی کوئی اہمیت اور وقعت باقی نہیں رہتی۔ اور اُن کی چمک دمک نام کو بھی محسوس نہیں کی جاتی۔ بقول فیض احمد فیض:

اک نظر تم مرا محبوبِ نظر تو دیکھو
وہ تو وہ ہے، تمھیں ہوجائے گی الفت مجھ سے

(۲)

اُٹھا جو صبحِ خواب سے وہ مست پُر خمار
خورشید کف کے بیچ لیے جام آ گیا

لغت: مستِ پُرخمار: نشے میں چُور۔ خورشید: سورج۔ کف: ہتھیلی۔ جام: شراب بھرا پیالہ۔

مفہوم: محبوب جب صبح پُرخمار آنکھیں لیے بیدار ہوا تو سورج نے جام پیش کیا۔

تشریح

اس شعر میں شاعر محبوب کے حسن کی تعریف بیان کرتے ہوئے سورج کو اس کا مداح قرار دے رہا ہے۔ مصحفی محبوب کے مخمور حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سورج جو خود اس قدر روشن اور چمک دار ہے کہ زمانہ جانتا ہے، اس نے بھی جب میرے محبوب کو صبح بیدار ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اس کی مخمور حسن اور آنکھوں سے اتنا متاثر ہوا کہ خود شراب کا جام لے کر حاضر ہو گیا تا کہ محبوب کی یہ مخموری ٹوٹنے نہ پائے۔ بقول میر تقی میرؔ:

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

ہمارے ہاں روایتی شاعری اور خصوصاً لکھنؤ کی شاعری میں محبوب کے حسن و جمال کا تذکرہ کرنا اور اسے بیان کرنے میں زمین آسمان ایک کرنا بہت عام ہے۔ گویا محبوب کی تعریف کرنا، اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کرنا ہی شاعر کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس شعر میں بھی شاعر مبالغہ کے انداز میں اپنے محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ علی الصباح بیدار ہوتا ہے اور اس کے چہرے اور آنکھوں میں جو خمار ہوتی ہے، اسے دیکھ کر تو سورج بھی اس کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ جو خود روشن ترین اور حسین ہے لیکن اس کے باوجود وہ میرے محبوب کے حسن اور

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

دلکشی کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اور ایک مودّب نوکر کی طرح اُسے شراب کا جام پیش کرتا ہے۔ حسن ہر حال میں حسن ہی ہوتا ہے مگر جب کوئی حسین نیند اور خواب سے بیدار ہو تو اُس کا حُسن کئی چند اور کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ بالخصوص مخمور آنکھیں تو یوں لگتی ہیں کہ جیسے وہ نشے کے عالم میں ہے۔ اس کی آنکھوں سے ایک نشہ اور خمار سا ٹپکتا ہے۔ ایسے میں گویا خورشید خود ہاتھوں میں شراب کا جام لے کر محبوب کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تاکہ اس کی بے خودی کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ کچھ یہی بات قدرے مختلف انداز میں احمد فرازؔ نے یوں بیان کی تھی:

تیرے ہوتے ہوئے محفل میں جلاتے ہیں چراغ
لوگ کیا سادہ ہیں سورج کو دکھاتے ہیں چراغ

(۳)

افسوس ہے کہ ہم تو رہے مستِ خوابِ صبح
اور آفتابِ عمر لبِ بام آ گیا

لغت: آفتابِ عمر: زندگی کا سورج، مراد زندگی۔ لبِ بام: کنارے پر، ڈوبنے کے قریب۔

مفہوم: افسوس کہ ہم غفلت میں پڑے رہے جب کہ زندگی کا سورج ڈوبنے کے قریب آچکا ہے۔

تشریح

اس شعر میں مصحفیؔ نے یہ نکتہ نہایت عمدگی سے اُجاگر کیا ہے کہ انسان خوابِ غفلت کا شکار ہو کر اپنی تمام زندگی بے کاری میں گزار دیتا ہے۔ یہاں تک کہ موت اُسے آدبوچتی ہے اور یوں وہ آدمی تخلیق کے مقصد سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور پھر جب وقت گزر جاتا ہے تو سوائے پچھتانے کے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہمارے ہاں کہاوت مشہور ہے کہ:

"اَب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔"

دراصل مصحفیؔ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان اگرچہ اشرف المخلوقات ہے یہاں تک کہ فرشتوں پر بھی برتری رکھتا ہے۔ اس کی مکمل رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ کے ساتھ ساتھ کتابیں بھی بھیجی ہیں۔ اسے عقل اور حکمت سے بھی نوازا ہے۔ اور اُسے یہاں تک صحیح اور غلط کا فرق بھی واضح کیا ہے کہ اس کی زندگی کا ایک خاص ہدف اور مقصد بھی مقرر فرما دیا ہے۔ اور انسان بہ خوبی جانتا ہے کہ اس کی زندگی چند گنی چُنی سانسوں کا مجموعہ ہے اور اسے آخر موت کے گھاٹ اُترنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر زندگی کے ایک ایک پل کا حساب دینا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ عملی زندگی میں حد درجہ غافل پایا گیا ہے۔ ایک شاعر نے اسی غفلت سے بے دار ہونے کے لیے نصیحت کی تھی:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

(گھڑیال: گھڑی۔ منادی: پکار۔ گردوں: مراد وقت)

یہ اس لیے بھی ہے کہ انسان فطری طور پر کاہل اور لاپروا واقع ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کو فانی اور عارضی جاننے کے باوجود سفرِ آخرت کی تیاری ہرگز نہیں کرتا اور اپنے تخلیق کے مقصد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ اُس کے سر پر آن پہنچتا ہے۔ اس حال میں وہ افسوس کرتا ہے اور روتا ہے۔ مگر یہ سب افسوس کرنا اور رونا بے فائدہ ثابت ہوتا ہے۔ شاعر کا مدعا یہی ہے کہ کاش انسان آخرت کا سامان کرے اور غفلت کو ترک کر دے۔ اسی خیال کو امجد اسلام امجدؔ نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

دل کے دریا کو کسی روز اُتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل، لوٹ کے گھر جانا ہے

(۴)

ہے جائے رحم حال پہ یاں اُس اسیر کے
جو گرتے ہی ہوا سے تہہِ دام آ گیا

لغت: یاں: یہاں۔ اسیر: قیدی۔ تہِ دام: جال کے نیچے۔

مفہوم: یہاں اس قیدی کے حال پر رحم ہی کھایا جاسکتا ہے، جو ہوا سے گرتے ہی گرفتار ہو جائے۔

تشریح

زیرِ بحث شعر میں شاعر اس اسیر کی حالت پر افسوس کر رہا ہے جو گرتے ہی جال میں پھنس گیا ہو۔ مصحفی بیان کرتے ہیں کہ وہ اسیر اور قیدی پرندہ قابلِ رحم ہے جو لالچ کے ہاتھوں شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اسیر یا قیدی پرندہ قابلِ رحم ہے جو ہوا سے گرتے ہی قید کرلیا جاتا ہے یعنی ایک مصیبت سے نکلتے ہی دوسری مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے۔

اگرچہ زندگی اَن گنت نعمتوں سے بھری پڑی ہے اور ہر نعمت اپنی افادیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔ مگر آزادی ان تمام نعمتوں کی جان اور روح ہے۔ ایک قیدی یا اسیر کے قدموں میں دنیا بھر کی نعمتیں اور آسائشیں بھی رکھ دی جائیں تو اُس کے لیے وہ کوئی اثر اور مقام نہیں رکھتی ہیں۔ ایک آزاد پرندہ ہی زندگی کا صحیح لُطف اُٹھاتا ہے۔ اپنی مرضی سے اِدھر سے اُدھر اور یہاں سے وہاں محوِ پرواز رہتا ہے۔ مگر بھوک جو ہر ذی روح کی بنیادی ضرورت ہے اُسے مجبور کر کے شکاری کے جال تک لے جاتی ہے۔ اگرچہ یہ سب اُس کی ہوس اور لالچ کے باعث ہی ہوتا ہے۔ جس نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ یہاں تک کے اُسے دانہ تو نظر آگیا لیکن اس کے ساتھ شکاری کا دام یا جال نظر نہیں آیا اور آخرِ کار وہ اسیر اور قید ہوگیا۔ گویا ان کا آنکھ رکھنا ہی ان کے لیے مصیبت کی وجہ بن جاتا ہے۔ اسی لیے عدمؔ نے کہا تھا:

وہ پرندے جو آنکھ رکھتے ہیں
سب سے پہلے اسیر ہوتے ہیں

اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ اس شخص یا پرندے کی حالت قابلِ رحم ہے جو ہوا سے گرتا ہے اور پھر اسیر ہو جاتا ہے۔ گویا ایک مصیبت کے بعد وہ دوسری مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس مفہوم میں دراصل بدقسمتی کا موضوع بھی شامل ہے۔ یعنی جب قسمت مہربان نہ ہو تو پرندہ پہلے تو اڑنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ پھر جب وہ وہ ہوا سے زمین پر گرتا ہے تو کوئی صیاد اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیتا ہے۔ اس طرح آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا کی طرح، وہ شخص یا پرندہ ایک نئی مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی مصیبت در مصیبت کو غالبؔ نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیاں کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

(پنہاں تھا: چھپا ہوا تھا۔ دامِ سخت: سخت قسم کا جال۔ آشیاں کے: گھونسلے کے)

(۵)

سمجھو خدا کے واسطے پیارے بُرا نہیں
دو دن، اگر کسی کے کوئی کام آ گیا

مفہوم: اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی کے کام آجائے تو یہ کوئی برا کام نہیں ہے۔

تشریح

زیرِ بحث شعر میں شاعر انسان کو دوسروں کے کام آنے کی نصیحت کر رہا ہے۔ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے وہ مل جل کر زندگی گزارتا

ہے۔ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ یہی انسان کی زندگی کا حسن ہے۔ اسی طرح معاشرہ آگے بڑھتا ہے اور زندگی آسان ہوتی ہے۔ تو دراصل انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان معاشرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے کام آئے۔ اگر انسان ایک دوسرے سے کٹ کر رہے ہیں تو نفسا نفسی اور خودغرضی کا عالم پیدا ہو جائے گا۔ جس میں انسان تنہائی کا شکار ہو جائے گا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کا انسان کے کام آنا اس کی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے اور جو لوگ دوسروں کے کام آتے ہیں، دوسروں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں، لوگ ان سے محبت کرتے ہیں اور انھیں یاد رکھتے ہیں۔ اسی لیے ایک شاعر نے کہا تھا:

رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کر بکھرا نہیں کرتے

اس کے برعکس وہ لوگ جو دوسروں کے کام نہیں آتے، وہ دراصل خودغرضی اور غرور کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لیے شاعر اپنے اس شعر میں یہ پیغام دے رہا ہے کہ انسان کا دوسروں کے کام آنا ایک قابل قدر جذبہ ہے اسے کم تر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ اس کے بغیر انسانی معاشرہ محض مشینوں کی دنیا بن کر رہ جائے گا۔ اسی لیے شاعر اس کام کو اچھا سمجھتے ہوئے یہ نصیحت کرتا ہے کہ ہمیں دوسروں کی مدد کرنے کو برا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اسی حقیقت کو خواجہ میر درد نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کم نہ تھے کرّ و بیاں

(دردِ دل: دوسروں کے دکھ سکھ میں شریک ہونا۔ طاعت: مراد اطاعت۔ کرّ و بیاں: فرشتے)

(۶)

کر قطع کب گیا ترے کوچے سے مصحفیؔ
گر صبح کو گیا، وہیں پھر شام آ گیا

لغت: گر: اگر۔ قطع: تعلقات منقطع کر کے، توڑ کر۔ کوچہ: گلی۔

مفہوم: مصحفیؔ صبح و شام تیرے کوچے ہی میں رہتا ہے۔

تشریح

اس شعر میں شاعر روایتی انداز میں محبوب سے مخاطب ہے کہ میں تیرے کوچے سے اپنا تعلق توڑ کر جاتا ہوں لیکن پھر لوٹ کر وہیں آ جاتا ہوں۔ یہ میرے بس میں نہیں کہ میں اس تعلق کو مستقل ختم کر دوں۔ اگرچہ محبوب کے کوچے میں اسے ذلت اور رسوائی ہی برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اس ذلت کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے کہ وہ وہاں لوٹ کر نہ جائے۔ اس لیے اگر وہ صبح وہاں سے لوٹ آتا ہے تو شام پھر اسی کوچے کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ بقول مصحفیؔ:

ترے کوچے ہر بہانے، مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا، کبھی اُس سے بات کرنا

مشق

۱۔ مصحفی کی شامل نصاب غزل میں جو تراکیب استعمال ہوئی ہیں انھیں تحریر کریں۔

جواب: مصحفی کی اس غزل میں درج ذیل تراکیب استعمال ہوئی ہیں:

تراکیب	معانی	تراکیب	معانی
گل اندام	پھول جیسے بدن والا	شکستِ رنگ	رنگ اُڑ جانا

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

پُرخمار	نشہ میں چُور	صبحِ خواب	نیند سے
مستِ خوابِ صبح	صبح نیند میں مست	لبِ بام	غروب ہونے کے قریب
آفتابِ عمر	زندگی مراد ہے	تہِ دام	جال میں پھنس جانا

۲۔ مصحفی کی غزل میں ردیف اور قافیوں کی نشان دہی کریں۔

جواب: ردیف: آگیا

قوافی: اندام ، پیغام ، جام ، بام ، دام ، کام ، شام

۳۔ اس غزل میں سے چند مرکباتِ اضافی لکھیں۔

جواب: شکستِ رنگ ، [illegible] ، مستِ خوابِ صبح ، آفتابِ عمر ، لبِ بام ، جائے رحم ، تہِ دام

۴۔ ان مصرعوں کا مفہوم واضح کریں۔

☆ گل کو شکست رنگ کا پیغام آگیا

مفہوم: محبوب کے آنے سے پھول کا رنگ اُڑ گیا ہے۔ یعنی اس کا حسن ماند پڑھ چکا ہے۔

☆ خورشید کف کے بیچ لیے جام آگیا

مفہوم: جب محبوب صبح بیدار ہوا تو سورج شراب کا جام لیے حاضر ہوا۔

☆ جو گرتے ہی ہوا سے تہِ دام آگیا

مفہوم: وہ قیدی بدقسمت ہے جو ہوا سے گرتے ہی قید کر دیا جائے۔

۵۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ و محاورات	جملے
گلِ اندام	اگر تم اتنے ہی گل اندام تھے تو تمھیں یہ سفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔
پُرخمار	اس کی پرخمار آنکھیں شب بیداری کی چغلی کھا رہی ہیں۔
کف	اس کے کف میں خنجر موجود ہے۔
تہِ دام	پرندہ آخر تہِ دام آ ہی گیا۔
اسیر	اسیروں سے آزادی کی قیمت پوچھو۔
آفتابِ عمر	جب آفتابِ عمر ڈھلنے لگتا ہے تو انسان جوانی کو یاد کرتا ہے۔

۶۔ مصحفی کی غزل کے دوسرے شعر میں جس صنعت کا استعمال ہوا ہے، اس کی تعریف کریں اور دو مثالیں دیں۔

جواب: مجاز مرسل: اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ اس لفظ کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق پایا جائے تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔ اس میں مندرجہ ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

1۔ جز بول کر کل مراد لینا

مثلاً: سنگ زنی کی گل کے بدلے دیں صلواتیں قل کے بدلے

MDCATBYFUTUREDOCTORS|TOUSEEFAHMAD

یہاں جز و یعنی قل بول کر کل یعنی سورہ فاتحہ مراد لی گئی ہے۔

2۔ **کل بول کر جزو مراد لینا**

مثلاً: اور لے آئیں بازار سے گر ٹوٹ گیا — جامِ جم سے میرا جامِ سفال اچھا ہے

اس شعر میں کل یعنی "بازار" کہ کر جزو یعنی "دکان" مراد لی گئی ہے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: **مصحفی کی غزل دبستان دلی اور دبستان لکھنؤ کا حسین امتزاج ہے، وضاحت کریں۔**

جواب: مصحفی امروہہ میں پیدا ہوئے اور جوانی دلّی میں گزری۔ یہیں ان کے شاعرانہ ذوق کی تربیت ہوئی۔ بعد میں وہ لکھنؤ چلے گئے اور وہاں کے شاعرانہ مزاج کے اثرات قبول کیے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں دونوں دبستانوں یعنی دلی اور لکھنؤ کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ایک طرف دبستان دلی کا سوز ہے تو دوسری طرف لکھنؤ کی پیکر تراشی کا رجحان بھی موجود ہے۔

سوال 2: **مصحفی کے اسلوب پر روشنی ڈالیں۔**

جواب: مصحفی کا اسلوب نہایت سلیس، سادہ اور نفیس ہے۔ ان کے انداز میں ایک دھیما پن اور ٹھہراؤ موجود ہے جو ان کی غزل کی خوب صورتی ہے۔ انھیں غزل میں کمال حاصل تھا۔ وہ گئے گزرے مضامین کو بھی اس انداز سے بیان کرتے کہ وہ نئے نظر آتے۔ ان کے کئی اشعار ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔

سوال 3: **مولانا محمد حسین آزاد نے مصحفی کو کن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا، اپنے الفاظ میں بیان کریں۔**

جواب: مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب "آبِ حیات" میں مصحفی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فن کے اصولوں سے بال برابر بھی انحراف نہیں کرتے تھے۔ انھیں اپنے کلام پر قدرت حاصل تھی۔ الفاظ اور مضمون کو اس طرح ترکیب میں پیش کرتے کہ استادی کا حق ادا ہو جاتا تھا۔

سوال 4: **"اور آفتاب عمر لبِ بام آگیا"، شاعر کی اس سے کیا مراد ہے؟**

جواب: اس مصرع میں شاعر نے زندگی کی سب سے بڑی حقیقت کو نمایاں کیا ہے۔ اس دنیا میں ہر شے کو فنا ہے۔ ہر شے اپنی ابتدا سے اپنے انجام کی طرف بڑھتی ہے۔ انسان بھی بچپن اور جوانی سے ہوتے ہوئے آخر کار بڑھاپے کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور یہی اس مصرع میں بیان کیا گیا ہے۔

سوال 5: **مصحفی نے کس اسیر کے حال پر رحم کھایا ہے؟**

جواب: مصحفی نے اپنے شعر میں اس اسیر پر رحم کھایا ہے جو ہوا سے گرتے ہی قید کر لیا جاتا ہے۔ یعنی وہ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

سوال 6: **مصحفی کے مقطع میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے۔ تعریف لکھیں اور دو مثالیں تحریر کریں۔**

جواب: مصحفی کے مقطع میں صنعت تضاد استعمال ہوئی ہے۔ جس میں کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ اس شعر میں صبح اور شام کے متضاد الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس کی مزید مثالیں یہ ہیں۔

خندہ اہلِ جہاں کی مجھے پروا کیا تھی — تم بھی ہنستے ہو، مرے حال پہ رونا ہے یہی

اس شعر میں ہنستے اور رونا سے تضاد پیدا کیا گیا ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (YOUSEEF AHMAD)

2۔ ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

اس شعر میں بادشاہی اور گدائی سے صنعتِ تضاد کا استعمال کیا گیا ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ غلام ہمدانی مصحفی کا سنِ پیدائش ہے:

(ا) ۱۷۵۰ء (ب) ۱۷۵۱ء ✓ (ج) ۱۷۵۲ء (د) ۱۷۵۳ء

2۔ غلام ہمدانی مصحفی کا سنِ وفات ہے:

(ا) ۱۸۴۴ء (ب) ۱۸۴۵ء (ج) ۱۷۴۴ء ✓ (د) ۱۷۴۵ء

3۔ غلام ہمدانی مصحفی کے ہاں داخلیت اور سوز کی وجہ ہے:

(ا) دبستانِ رام پور (ب) دبستانِ دلّی (ج) دبستانِ امروہہ (د) دبستانِ لکھنؤ

4۔ غلام ہمدانی مصحفی کے ہاں خارجیت آئی ہے:

(ا) دبستانِ رام پور (ب) دبستانِ دلّی (ج) دبستانِ امروہہ (د) دبستانِ لکھنؤ ✓

5۔ کس نے اپنی کتاب ''آبِ حیات'' میں مصحفی کو استادِ کامل بتایا ہے:

(ا) مولانا الطاف حسین حالی (ب) مولانا محمد حسین آزاد ✓

(ج) مولانا شبلی نعمانی (د) سرسید احمد خان

6۔ ناگہ اس ____ میں وہ گل اندام آ گیا:

(ا) محفل (ب) چمن ✓ (ج) انجمن (د) باغ

7۔ غلام ہمدانی مصحفی کی غزل میں ____:

(ا) مقطع ہے (ب) مطلع ہے (ج) دونوں ہیں ✓ (د) کوئی بھی نہیں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مرزا اسد اللہ خاں غالب

(۲۷ر دسمبر ۱۷۹۷ء - ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء)

شاعر کا تعارف:

مرزا اسد اللہ خان غالب آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اسدؔ اور بعد میں غالب تخلص اختیار کیا۔ شاہی دربار سے نجم الدولہ اور دبیر الملک کے خطاب پائے۔ غالبؔ کے آباؤ اجداد ترک سلجوق (ایک خاندان جس نے حکومت کی) تھے جو مغلیہ عہد میں ماوراء النہر سے ہندوستان آئے اور اچھے سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے چچا نصر اللہ بیگ شاہی فوج میں رسالدار تھے۔ نوابانِ لوہارو سے مرزا غالب کا سسرالی رشتہ تھا۔ اپنی خاندانی وجاہت پر انہیں ناز تھا:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری، کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اپنی شعر گوئی کے پہلے دَور میں غالب نے مشکل پسندی اختیار کی لیکن پھر سادہ طرز اپنایا۔ خیال کی لطافت (خوب صورتی، نازکی)، بلندی، روزمرہ اور محاورات کا لطف' طرزِ ادا (لکھنے کا انداز) کی شوخی اور موضوعات کی رنگا رنگی نے ان کے کلام کو منفرد اور دلکش بنا دیا۔ زندگی کے غموں اور دکھوں کے باوجود وہ خوش طبعی (خوش مزاجی) کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ان کی شاعری کی ایک اہم خوبی محاکات (لفظوں سے تصویر بنانا) ہے۔ وہ لفظوں سے تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی شاعری کا انتخاب "دیوانِ غالب" کی شکل میں کیا اور ان کی شاعرانہ عظمت میں اس انتخاب کو بڑا دخل ہے۔ اُردو کا یہ عظیم شاعر دِلّی میں انتقال کر گیا۔

اشعار کی تشریح

غزل (۱)

(۱)

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

لغت: دائم: ہمیشہ۔ در: دروازہ۔

مفہوم: افسوس کہ میں تیرے در پر مستقل پڑا ہوا نہیں ہوں۔

تشریح

اس شعر میں غالب نے عاشق کی روایتی خواہش کو بڑے ہی دل گیر انداز میں پیش کیا ہے۔ روایتی شاعری میں عاشق ہمیشہ اس بات کی خواہش کرتا ہے کہ اسے محبوب کے در ہی پر جگہ مل جائے۔ وہ وہاں سے اُٹھ کر کہیں نہ جائے۔ وہ اس کے در کا پتھر ہو جائے تا کہ اسے مستقل محبوب

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کے در پر جگہ مل رہے۔ درحقیقت یہ عشق کی وہ انتہا ہے جس میں انسان اپنی دیوانگی کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے۔ اور وہ خود کو ہمیشہ محبوب کے کوچے کی طرف جاتا ہوا پاتا ہے۔ بقول مصحفی:

ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا، کبھی اُس سے بات کرنا

غالب بھی اسی حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسے اپنی زندگی پر بہت دکھ ہے کہ مستقل اپنے محبوب کے در پر نہیں پڑا ہوا۔ وہ وہاں جاتا ضرور ہے لیکن پھر زندگی کے دوسرے غموں کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہاں سے لوٹ آتا ہے۔ وہ اس زندگی پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ ایسی زندگی تو کسی کام کی نہیں ہے۔ وہ ایسی زندگی پر تین حرف بھیجتا ہے۔ وہ اس حسرت کا اظہار کرتا ہے کہ کاش وہ ایک پتھر ہوتا جو مستقل محبوب کے در پر پڑا رہتا اور وہاں سے کہیں نہ جاتا۔ بس یہی اس کی زندگی کا مقصد ہوتا۔ بقول شاعر:

دور سے کل ہم نے اس کے آستاں کو دیکھ کر
رو دیا کن حسرتوں سے آسماں کو دیکھ کر

(۲)

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

لغت: گردشِ مدام: مسلسل چکر کاٹنا۔ ساغر: پیالا، عموماً شراب کے پیالے کو کہا جاتا ہے۔

مفہوم: زمانے کی گردش سے دل کیوں نہ گھبرا جائے یہ کوئی پیالہ و ساغر نہیں ہے۔

تشریح

زیرِ بحث شعر میں شاعر انسان کی حقیقت یعنی کمزور ہونے کو نمایاں کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمزور پیدا کیا ہے۔ ہر انسان غم اور مصیبتیں برداشت کرنے کی اپنی استطاعت رکھتا ہے۔ جس طرح ہر پیالہ بھرنے کی ایک حد رکھتا ہے جس کے بعد اس میں اگر پانی ڈالا جائے تو وہ باہر چھلک جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جس کے بعد وہ بوجھ تلے دب جاتا ہے اور چیخ اٹھتا ہے۔ اپنے دکھ دوسروں کو سنانے لگتا ہے۔ اپنے غم کو دنیا جہان کے غموں سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ اس میں زندگی کی یکسانیت بے زاری اور مایوسی پیدا کر دیتی ہے۔ وہ اپنی حالت کو بدلنے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔ بقول خواجہ میر درد:

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

شاعر اسی لیے کہتا ہے کہ وہ اپنی بے سروپا زندگی سے تنگ آچکا ہے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ اگر اسے کسی جگہ بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہو تو وہ گھبرا جاتا ہے۔ اگر زندگی مسلسل گردش کی صورت اختیار کر جائے تو انسان بوکھلا جاتا ہے۔ اور پھر اپنی کیفیت کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں انسان ہوں کوئی شراب کا پیالہ نہیں ہوں کہ جو مسلسل گردش میں رہے تو بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے شاعر اپنی زندگی میں آنے والی پے در پے مصیبتوں کی وجہ سے گھبرا گیا ہے اور شکوہ کے انداز میں اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ انسان ہے، کوئی شراب کا پیالہ نہیں ہے۔

دل ہی تو ہے، نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

(سنگ و خشت: پتھر اور اینٹ)

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۳)

یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

لغت: لوح: تختی۔ جہاں: دنیا۔ حرفِ مکرر: دوبارہ لکھا گیا۔

مفہوم: یارب یہ زمانہ مجھے کیوں مٹا رہا ہے۔ میں دنیا کی تختی پہ دوبارہ لکھا ہوا کوئی لفظ نہیں ہوں۔

تشریح

شاعر اس شعر میں شکوے کے انداز اختیار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ زمانہ اس کی قابلیت کی قدر کرنے کی بجائے اسے مٹانے کے درپے ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دنیا اس کے فن کی قدر کرتی اور اسے سراہتی لیکن اس کے بجائے وہ اسے مٹانے پر تُل گئی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اہلِ ہنر کی قدر نہیں کرتے۔ جو عزت اور تکریم انھیں ملنی چاہیے، وہ انھیں نہیں دیتا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ انھیں نیچا دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور انھیں غلط یا دوبار لکھے ہوئے حرف کی طرح مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بھلے ان اہلِ ہنر کے مرنے کے بعد انھیں احترام دیا جائے لیکن زندگی میں کبھی انھیں ان کا حق نہیں ملتا۔ اسی لیے احمد ندیم قاسمی نے بھی شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن　　　یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

(سنگ زنی: پتھر مارنا)

شاعر نے اپنی تکلیف اور مٹائے جانے کو "حرفِ مکرر" سے تشبیہ دی ہے۔ بعض دفعہ لکھتے ہوئے کوئی لفظ یا حرف دوبار لکھا جاتا ہے اور پھر بعد میں اضافی لفظ یا حرف مٹا دیا جاتا ہے کیونکہ وہ غیر ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے شاعر شکوہ کرتا ہے کہ اے رب! میں اس جہان کی لوح پر لکھا ہوا کوئی اضافی یا غیر ضروری حرف تو نہیں ہوں۔ جو زمانہ مجھے مٹانے کے درپے ہے۔ لیکن شاعر اس کے برعکس خود کو بامقصد اور ضروری تصور کرتا ہے۔ اسی خیال کو مدحت الاختر نے کچھ یوں بیان کیا تھا:

تو سمجھتا ہے مجھے حرفِ مکرر لیکن　　　میں صحیفہ ہوں ترے دل پہ اُترنے والا

اس شعر سے ایک یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ کوئی بھی انسان بے مقصد نہیں ہوتا۔ ہر انسان کی تخلیق کا ایک بنیادی مقصد ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر انسان کو کچھ نہ کچھ خاص خوبیاں اور صلاحیتیں دی جاتی ہیں جنھیں پہچان کر کام میں لانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاعر اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ کوئی بھی شخص حرفِ مکرر کی طرح بے کار اور غیر ضروری نہیں ہوتا۔

(۴)

حد چاہیے سزا میں، عقوبت کے واسطے
آخر گنہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں

لغت: عقوبت: عذاب، سزا

مفہوم: سزا کے لیے بھی کوئی حد ہونی چاہیے آخر میں گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں۔

تشریح

شاعر اس شعر میں شکوہ کے انداز میں اپنی زندگی کی تلخیوں اور مصیبتوں کا ذکر کر رہا ہے۔ عام طور پر یہ تصور ہے کہ کسی بھی مجرم کو جو سزا دی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

جاتی ہے، اس کی کوئی نہ کوئی حد مقرر ہوتی ہے۔ یہ فطری چیز ہے کیونکہ کسی کو بھی لامحدود سزا نہیں دی جاسکتی۔ لیکن شاعر کو اس بات کا شکوہ ہے کہ اس کی زندگی میں جو مصیبتیں، تکلیفیں، غم اور پریشانیاں ہیں وہ ایک ایسی لامحدود سزا کی طرح ہیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔ اس کا اپنی زندگی سے اختیار ختم ہو چکا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے ایک مسلسل جبر ہے جو اس کی زندگی کو چلا رہا ہے۔ ساغر صدیقی نے بھی اسی غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے میں نے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

دوسرے مصرعے میں شاعر نے اسی شکوہ بھرے انداز میں یہ وضاحت کی ہے کہ وہ تو صرف گناہ گار ہے۔ جسے اس کی سزا ملنی چاہیے لیکن وہ کوئی کافر نہیں ہے جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سزا کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

اس شعر کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ مصیبتیں اور غم وہ ہیں جو محبوب کی طرف سے دیے جا رہے ہیں۔ اور محبوب ایسا ظالم اور جفا جو ہے کہ اس کا ظلم ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ وہ ایسا بے رحم ہے کہ اسے عاشق کے حال پر رحم ہی نہیں آتا۔ روایتی شاعری میں محبوب کا یہی تصورِ عام ہے کہ وہ اپنے چاہنے والوں کو مسلسل عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔ اسی لیے آتش بہاولپوری نے کہا تھا:

مجھے بھی اک ستم گر کے کرم سے
ستم سہنے کی عادت ہوگئی ہے

اس شعر کا دوسرا پہلو قسمت کے ستم ہے۔ یعنی شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میں دکھ اور ستم اتنے زیادہ ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ وہ گناہ گار نہیں بلکہ ایک کافر ہے جسے مسلسل عذاب میں مبتلا رکھا گیا ہے۔ اس پہلو کا غالب کی زندگی سے بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ غالب تمام عمر مسلسل غم اور مصیبت کا شکار رہے۔ ایک کے بعد ایک ستم ان کی زندگی کو ڈھاتا رہا۔

(۵)

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

لغت: عزیز: پیارا، پسندیدہ۔ زر: دولت۔ گوہر: موتی

مفہوم: اے محبوب تم مجھے عزیز کیوں نہیں رکھتے ہو۔ کیا اس لیے کہ میں مال و دولت نہیں رکھتا؟

تشریح

شاعر اس شعر میں پھر شکوے کے انداز میں اپنے بے توقیری کو موضوع بنا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں جی رہے ہیں، وہاں انسان کی عزت اس کی خوبیوں کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ مال و زر کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ انسان کے پاس ہنر کیا ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان کس قدر امیر ہے۔ کس قدر مال و زر رکھتا ہے۔ اسی معیار اور سوچ کو مادیت پرستی کہتے ہیں۔ سید ضمیر جعفری نے اپنی مشہور نظم ''آدمی'' میں اسی دکھ کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کیا تھا:

تھا کبھی علم آدمی، دل آدمی، پیار آدمی
آج کل زر آدمی، قصر آدمی، کار آدمی

(زر: دولت۔ قصر: محل۔ کار: سواری)

شاعر بھی اسی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کی عزت اس کے فن اور ہنر کی وجہ سے کی جاتی لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ کیونکہ وہ مال و زر نہیں رکھتا۔ اور معاشرے میں صرف اسی کو عزت اور توقیر ملتی ہے جو دولت رکھتا ہے۔ صرف اسی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس کے پاس مادی وسائل ہوتے ہیں۔ اس شعر کو روایتی انداز میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ محبوب اسے کوئی عزت دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اسے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

عزیز نہیں رکھتا تو اس لیے کہ وہ کوئی وہ لعل، زمرد اور گوہر نہیں رکھتا۔ شاعر کے لیے یہ دکھ کسی کرب سے کم نہیں ہے۔ خواجہ آتشؔ نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا   کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

(دلِ شکستہ: ٹوٹا ہوا دل)

(۶)

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

لغت: دریغ: انکار۔ مہر: سورج۔ ماہ: چاند۔

مفہوم: تم میری آنکھوں سے بچ کے کیوں چلتے ہو کیا میں سورج اور چاند سے رتبے میں کم تر ہوں۔

تشریح

شاعر اس شعر میں محبوب کی بے رخی کو نمایاں کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ محبوب کبھی بھی اس راستے پر قدم نہیں دھرتا جس پر شاعر اپنی آنکھیں بچھائے، اس کا منتظر ہوتا ہے۔ دراصل اردو کی روایتی شاعری کے پس منظر میں دیکھا جائے تو محبوب ایک سنگ دل شخص ہے۔ جسے کبھی عاشق کی حالتِ زار پر رحم نہیں آتا۔ وہ اسے برے حالوں دیکھ کر بھی کبھی نہیں پگھلتا۔ وہ اسے ہمیشہ اذیت اور مصیبت میں مبتلا رکھتا ہے۔ اسی لیے دردؔ نے کہا تھا:

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں   ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

شاعر بھی محبوب سے شکوہ کرتا ہے کہ بھلے تم چاند ستاروں پر قدم رکھنے والے ہو لیکن یاد رکھو کہ میں بھی رتبے اور مقام میں کسی چاند ستارے سے کم نہیں ہوں۔ میں اگر تمھاری راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھا ہوں تو اس کی وجہ عشق ہے جس کے لیے میں اپنی عزت اور مقام تو کیا جان قربان کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن عاشق کو یہ گلہ ہے کہ محبوب ہمیشہ اس راستے سے گریزاں رہتا ہے جس پر وہ اپنی آنکھیں بچھائے منتظر ہوتا ہے۔ شاعر سمجھتا ہے کہ محبوب کو یہ ستم گری چھوڑ کر عاشق کی حسرتِ دیدار کا خیال کرنا چاہیے۔ بقول آتشؔ:

کچھ نظر آتا نہیں، اس کے تصور کے سوا   حسرتِ دیدار نے آنکھوں کو اندھا کر دیا

(۷)

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

لغت: قدم بوس: جس کے قدموں کو بوسہ دیا جائے۔

مفہوم: اے محبوب تم مجھے اپنی قدم بوسی سے کیوں روکتے ہو، کیا میں آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں؟

تشریح

اس شعر میں شاعر نے مبالغے کی صنعت استعمال کرتے ہوئے محبوب کی بے رخی کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ محبوب اسے تو قدم بوسی سے منع کرتا ہے لیکن دوسری طرف آسمان اس کی قدم بوسی کو جھکتا ہے۔ اس تفریق پر شاعر شکوے کے انداز میں سوال کرتا ہے کہ کیا وہ آسمان سے بھی کم تر

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ہے؟ دراصل شاعر محبوب کی محفل میں حضوری چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ قدم بوسی کی ترکیب استعمال کرتا ہے۔ لیکن اسے محبوب کی محفل میں حضوری کی اجازت نہیں ملتی۔ جس پر شاعر کڑھتا ہے۔ اور اسی کڑھن کو غالبؔ نے ایک اور جگہ کچھ یوں بیان کیا تھا:

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

اس کڑھنے کے باوجود وہ محبوب کے مقام اور رتبے کو مبالغے کے انداز میں پیش کرتا ہے کہ میرا محبوب تو وہ کہ جس کی محفل میں حضوری کے لیے آسمان بھی جھک جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی قدر و قیمت کا احساس بھی دلاتا ہے کہ اسے بھی معمولی نہ سمجھا جائے۔ اس راہِ عشق نے کندن کر دیا ہے۔ اب اس کا مقام بھی چاند ستاروں اور آسمان سے زیادہ ہے۔ اس لیے شاعر سوالیہ انداز میں پوچھتا ہے کہ کیا اس کا مقام آسمان سے بھی کم تر ہے کہ اُسے تو حضوری کی اجازت ہے لیکن مجھے نہیں۔ اسی بے توقیری کا شکوہ چراغ حسن حسرتؔ نے بھی کیا تھا:

غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سنا تم نے　　　کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سنا ہوتا

(۸)

غالبؔ وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا
وہ دِن گئے کہ جو کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

لغت: وظیفہ خوار: وظیفہ یا انعام لینے والا

مفہوم: غالبؔ اب تم بادشاہ کے وظیفہ خوار ہو اس لیے اسے دعا دو۔ اب وہ دن گئے کہ تم نوکر نہیں تھے۔

تشریح

مقطع میں مرزا غالب نے وظیفہ خوار ہونے کے سبب بہادر شاہ ظفر کو دعائیں دینا از بس ضروری خیال کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ غالب اپنے ماضی کے سہانے اور پُرعیش دنوں کو یاد کر کے کفِ افسوس بھی مل رہے ہیں۔

تاریخ دورِ مغلیہ اور بعض شعراء کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بالخصوص مغلیہ دورِ حکومت میں بعض نامی گرامی شعرا شاہی دربار سے وابستہ رہے ہیں۔ انھوں نے اس دور کی تاریخ محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ بعض حکمرانوں کی شان میں قصیدے بھی لکھے ہیں۔ جن میں اُن کی بہادری، انسان دوستی اور فیاضی و سخاوت کا خصوصاً تذکرہ کیا ہے۔ اُن شعرا کو باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی تھیں یا اُن کے وظیفے مقرر تھے جو انھیں ہر مہینے ملتے تھے۔ یوں انہیں معاشی فکر سے بھی آزاد کر دیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں خوب پذیرائی ملتی تھی اور خطابات و القابات سے بھی نوازا جاتا تھا۔

مرزا غالبؔ بھی ان شعرا میں سے ایک ہیں۔ دراصل ذوق کے بعد مرزا غالبؔ بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد مقرر ہوئے جن کا باقاعدہ وظیفہ مقرر کیا گیا جو انہیں ساری زندگی ملتا رہا۔ اس شعر میں اُن کا مدعا یہی ہے کہ اے غالب! وہ دن گزر چکے ہیں جب بات بات پہ کہتے تھے کہ میں کسی کا نوکر یا ملازم نہیں ہوں۔ اب تم باقاعدہ شاہ کے نوکر ہو اور اُن کے وظیفہ خوار بھی ہو لہٰذا انصاف کا تقاضا ہے کہ شاہ کو دل کی اتھاہ گہرائی سے اقبال، کمال اور جینے کی دعائیں دی جائیں۔

UPLOADED BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

غزل (2)

(۱)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان ، لیکن پھر بھی کم نکلے

لغت: دم نکلے: مراد خواہشیں پوری کرنا چاہتا ہوں۔ ارمان: خواہشیں۔

مفہوم: ایسی ہزاروں خواہشیں ہیں جنھیں میں پوری کرنا چاہتا ہوں۔ اگر چہ میری بہت سے خواہشیں پوری ہوئی بھی ہیں لیکن بہت سی خواہشیں دل میں بے قرار ہیں۔

تشریح

مطلع میں شاعر اس آفاقی حقیقت سے پردہ سرکا رہا ہے کہ انسانی خواہشات کا سلسلہ اس قدر وسیع وعریض ہے کہ زندگی کی آخری سانس تک پھیلا ہوا ہے۔ گویا: ''جب تک سانس تب تک آس'' باقی رہتی ہے۔

گو سینکڑوں خواہش پوری ہو بھی جائیں تو اُن کی جگہ ہزاروں مزید جنم لے لیتی ہیں۔ انسان درحقیقت اپنے دل میں بیسیوں خواہشیں اور ارمان پالتا ہے۔ ہزاروں خواب بنتا ہے جنھیں پورا کرنے کے لیے وہ صبح و شام کوشاں رہتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ ہر خواہش کو اپنی اہمیت اور قدر و قیمت کے لحاظ سے دوسروں سے بڑھ کر پاتا ہے۔ اُن میں سے بعض خواہشیں پوری ہو بھی جاتی ہیں لیکن بہت سی خواہشیں اور خواب ادھورے ہی رہتے ہیں۔ بہ قول شاعر:

یہ الگ بات کہ شرمندہ تعبیر نہ ہوں لیکن
ورنہ ہر خواب میں کئی تاج محل ہوتے ہیں

اصل یہ ہے کہ انسان ناشکرا ہے۔ انسان بہت سی خواہشوں کے پورا ہونے پر شکر گزار ہونے کی بجائے ان خواہشوں کا گلہ کرتا ہے جو ابھی پوری نہیں ہوئیں۔ اس طرح وہ باقی ماندہ خواہشوں کو پانے کے لیے مصروف ہو جاتا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ انسان ہر خواہش کو جان و دل سے عزیز جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بھی خواہش کو کم قیمت اور غیر اہم نہیں پاتا۔ اور ہر خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ یوں انسان ہزاروں ارمان نکلتے اور بیسیوں تمنائیں پوری ہونے پر بھی یہی محسوس کرتا ہے کہ جیسے ابھی اُس کی برائے نام یا نہ ہونے کے برابر خواہشیں پوری ہوئی ہیں۔ القصہ اسی کوشش میں آخر وہ اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ غالب نے انسانی فطرت اور نفسیات کا بغور جائزہ لے کر یہی راز فاش کیا ہے۔ اور چھپے لہجے میں ہمیں اپنے ارمانوں کا دائرہ محدود رکھنے کی بھی تاکید کی ہے کیونکہ اُسی میں بھلائی اور عافیت ہے ورنہ دنیا تو ایک ایسے جادو کے کھلونے کی مانند ہے جو کبھی انسان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ بقول ندا فاضلی:

دنیا جسے کہتے ہیں جادو کا کھلونا ہے
مل جائے تو مٹی ہے، کھو جائے تو سونا ہے

(۲)

ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر؟
وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دم بہ دم نکلے

لغت: چشمِ تر: نمناک آنکھ۔ دم بہ دم: مسلسل۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (YOUSEF AHMAD)

مفہوم: میرا محبوب مجھے قتل کرنے سے اس لیے گھبرا رہا ہے کہ شاید میرے قتل کا الزام اس کے سر آئے گا جبکہ میرا خون تو بہت مدت سے بہہ رہا ہے۔

تشریح

اس شعر میں شاعر نے نکتہ آفرینی سے کام لیتے ہوئے محبوب کے خوف اور اپنی حالتِ زار کا ذکر کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا خون میری روتی ہوئی آنکھ سے مسلسل نکل بھی رہا ہے تو میرے قاتل کو گھبرانے اور ڈرنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس طرح مرا خون اس کی گردن پر نہیں رہے گا۔ میرا قاتل محبوب اُس وقت دنیا والوں کی نظر میں مجرم اور قاتل ٹھہرتا اگر میں خنجر یا تلوار سے چند لمحوں میں موت کے گھاٹ اُتر جاتا۔ بقول سعید راہی:

خنجر سے کرو بات نہ تلوار سے پوچھو — میں قتل ہوا کیسے، مرے یار سے پوچھو

لطف کی بات یہ ہے کہ شاعر یا عاشق محبوب کے ہاتھوں زخم پہ زخم کھاتا ہے اور اشک بہاتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ موت سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اُس کا محبوب شاید اپنے آپ کو اس کا قاتل سمجھتا ہے۔ مگر غالب پھر اُسی کی طرف داری کرتے ہوئے اُسے بری الذمہ قرار دیتا ہے۔ غالب کا کہنا یہ ہے کہ اگر میرا قاتل محبوب مجھ پر تیر یا تلوار آزماتا تو وہ میرا قاتل ٹھہرتا اور یہ بھی کہ میں آنا فانا مر بھی جاتا۔ اب اگرچہ عاشق کا خون تو بہہ رہا ہے جو بلاشبہ محبوب کے ستم ہی کا نتیجہ ہے۔ لیکن شاعر اپنے محبوب پر اپنا قاتل ہونے کا الزام نہیں دیتا بل کہ اسے اس ظلم سے بری الذمہ قرار دیتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اُسے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ خون اب اس کی گردن پر نہیں آئے گا۔ بقول مظہر مرزا جانِ جاناں:

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

(۳)

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں، لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

لغت: خلد: جنت۔ کوچہ: گلی، مراد محبوب کے گھر سے۔

مفہوم: اگرچہ ہم آدم کا جنت سے نکلنا سنتے آئے ہیں لیکن میں بہت بے آبرو ہو کر اپنے محبوب کے کوچے سے نکلا ہوں۔

تشریح

اس شعر میں شاعر اپنی ذلت اور رسوائی کا نوحہ لکھ رہا ہے۔ روایتی شاعری میں عاشق ہر وقت اپنے محبوب کے دیدار کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ وہ بے خودی کے عالم میں اس کے کوچے میں جا نکلتا ہے۔ جہاں اس کی پزیرائی نہیں کی جاتی بلکہ اسے دھتکار کر نکال دیا جاتا ہے۔ اسی لیے شاعر ہمیشہ عہد کرتا ہے کہ وہ اس کوچے میں نہیں جائے گا لیکن پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسی کوچے میں جا نکلتا ہے۔ بقول مصحفی:

رکھوں میں روک کیوں کے دل اپنے کو مصحفی — میرے کہے میں اب تو مرا دل نہیں رہا

پھر شاعر اپنا دکھ بیان کرتے ہوئے ایک تلمیح کے ذریعے موازنے کی کیفیت بھی پیدا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم سب حضرت آدم کا جنت سے نکلنا سنتے آئے ہیں۔ جنھیں اللہ کی نافرمانی کے جرم میں جنت سے دیس نکالا مل گیا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ جب انھیں جنت سے نکالا گیا تو ساتھ ہی انھیں خلیفہ الارض کا منصب بھی عطا کیا گیا اور پھر بعد میں انھیں معاف بھی کر دیا گیا۔ لیکن شاعر یہ تلمیح بیان کرنے کے بعد اپنا دکھ بیان کرتا ہے کہ

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لیکن میرے نصیب میں صرف ذلت اور رسوائی ہی ہے۔ ہم جس طرح محبوب کے کوچے سے نکالے گئے ہیں وہ بہت دل دکھانے والا ہے۔ میرا دل اس بے عزتی اور رسوائی پر خون کے آنسو رو رہا ہے۔ مجھے اس نکالے جانے سے سوائے ذلت اور مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ بقول میرؔ:

بہت آرزو تھی گلی کی تری　　سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

(۴)

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

لغت: **بھرم کھلنا:** رکھ رکھاؤ جاتے رہنا، حقیقت سے پردہ اٹھ جانا۔ **قامت:** طوالت۔ **طرۂ پُرپیچ:** پیچ دار پگڑی۔ **پیچ وخم:** اتار چڑھاؤ۔

مفہوم: اے محبوب اگر تیری زلفوں کے پیچ وخم کھل جائیں تو تیرے قدوقامت کی درازی کا بھرم بھی کھل جائے گا۔

تشریح

زیر بحث شعر میں شاعر محبوب کی طویل قامت کی حقیقت پر طنز کر رہا ہے۔ طنزیہ انداز میں مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے محبوب یہ جو زمانے میں تمھاری لمبی قامت کا بھرم بنا ہوا ہے تو وہ صرف اور صرف تمھاری بل کھاتی ہوئی زلفیں کی وجہ سے ہے۔ اگر تمھاری یہ بل کھاتی ہوئی زلفوں کا پیچ وخم کھل جائے تو پھر تمھاری قامت کم دکھائی دینے لگے گی۔ اور لوگ جان لیں گے کہ حقیقت میں تمھاری قامت اتنی نہیں ہے۔ دراصل معاملہ یہ ہے کہ محبوب اپنی اپنے قدوقامت کی وجہ سے معروف تھا۔ اس کے حسن کے ساتھ ساتھ اس کی قامت کے بھی چرچے تھے۔ جیسا کہ غالبؔ نے ایک شعر میں محبوب کی قامت کو قیامت سے بھی کہیں بڑھ کر قرار دیا ہے:

ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم　　قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

(سروقامت: سرو کے درخت کی طرح لمبا قد۔ قدِ آدم: ایک انسان کا قد۔ فتنہ: آزمائش)

لیکن یہاں شاعر طنزیہ انداز میں محبوب کی طویل قامتی کی حقیقت بیان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ قامت درازی صرف اور صرف بالوں کے پیچ وخم کی وجہ سے ہے۔ جنھیں اس طرح باندھا گیا ہے کہ قدوقامت بلند نظر آتا ہے۔ اگر انھیں کھول دیا جائے تو قامت درازی کی حقیقت سے پردہ اُٹھ جائے اور لوگوں کی نظر میں جو اس کا بھرم بنا ہوا ہے، وہ بھی جاتا رہا۔

اس شعر میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ معاشرے میں لوگ عام طور پر اپنے اونچے شملوں، عہدوں، مناصب اور طاقت کی وجہ سے عزت دار ہوتے ہیں۔ اگر ان سے ان کی طاقت، عہدہ، منصب یا شملہ چھین لیا جائے یا واپس لے لیا جائے تو ان کی ساری عزت اور بھرم جاتا رہا۔ گویا ان کی عزت میں ان کی خوبیوں یا کردار کا کوئی کمال نہیں ہوتا بلکہ ان کے عہدے لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ انھیں عزت دیتے رہیں اور جب یہ عہدے نہیں رہتے تو وہ بھرم بھی باقی نہیں رہتا۔

(۵)

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے

لغت: خستگی: بدحالی۔ داد پانا: پاباشی لینا، تعریف کا مستحق ٹھہرنا۔ خستۂ تیغِ ستم: ستم زدہ۔

مفہوم: مجھے جن لوگوں کی طرف سے غم بانٹنے کی توقع تھی، وہ مجھ سے بھی زیادہ غم زدہ نکلے۔

تشریح

شاعر اس شعر میں اس دکھ کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں اسی کا غم سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے وہ جس کسی کو اپنا غم سنائے گا، وہ ضرور اس کے دکھ کو محسوس کرے گا۔ وہ ضرور اس کا غم شریک ہوگا۔ وہ اس کی حالت پر دکھ اور افسوس کا اظہار کرے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ شاعر نے اپنا غم جن کو سنایا اور ان سے داد کا طلب گار ہوا، وہ اس سے بھی زیادہ قسمت کے مارے ہوئے اور غم زدہ نکلے۔ شاعر اپنی بدنصیبی کا رونا بیان کرنا چاہتا تھا لیکن لوگ اس سے بھی زیادہ اپنی بدنصیبی بیان کرنا چاہتے تھے۔ اسی کیفیت کو باقی صدیقی نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

داغِ دل ہم کو یاد آنے لگے — لوگ اپنے دیے جلانے لگے

تو دراصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسی کا غم سب سے زیادہ ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ ایک انسان جب اپنے اردگرد پھیلی ہوئی دنیا کو بہ نظرِ غور دیکھے۔ لوگوں سے ملے اور ان کے دکھ سکھ سنے تو اسے احساس ہوگا کہ دنیا میں لوگوں کا غم زیادہ ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ملیں گے کہ انسان اُن کے دکھ سن کر سکتے میں آ جائے گا۔ اس لیے شاعر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ انسان کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ صرف وہی دنیا میں سب سے زیادہ دکھی ہے۔ بلکہ جو غم اور مصیبت اسے زندگی میں ملی ہے، اس پر صبر سے کام لے۔ یہی سوچے کہ مجھ سے بھی زیادہ غم دنیا میں موجود ہیں۔ اسی حقیقت کو ناصر کاظمی نے کچھ یوں بیان کیا تھا:

ہر کوئی اپنے غم میں ہے مصروف — کس کو درد آشنا کہے کوئی

(۲)

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

مفہوم: محبت میں جینا مرنا برابر ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کو دیکھ کر جیتا ہوں جس پر مرتا ہوں۔

تشریح

شاعر اس شعر میں محبت میں پیش آنے والی تکلیفوں کا ذکر بے حد منفرد انداز سے کر رہا ہے۔ روایتی شاعری میں کہا جاتا ہے کہ عشق ایک بے حد کٹھن راستہ ہے۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے کہ جس پر چلتے ہوئے انسان بہت سے اذیتوں اور مصیبتوں سے گزرتا ہے۔ اسے پل پل جینا اور مرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے زندگی اور موت برابر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جینا بعض اوقات موت سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے انسان کو اپنا سب کچھ داؤ پر لگانا پڑتا ہے۔ اسی لیے جگر مرادآبادی نے کہا تھا:

یہ عشق نہیں آساں ، اتنا ہی سمجھ لیجیے — اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اسی پس منظر میں شاعر کہ رہا ہے کہ محبت میں جینے مرنے کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں وہ اپنی ایک الجھن صنعت تضاد کے ذریعے واضح کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ جسے دیکھ کر جیتا ہے، اسی محبوب پر وہ مرتا ہے۔ یہاں "جیتے" اور "دم نکلے" سے صنعت تضاد کی صورت پیدا کی ہے۔ اور اس صنعت گری نے اس مصرعے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ وہی بات جو پہلے مصرعے میں سادہ سے انداز میں بیان ہوئی تھی، اسی بات کو دوسرے مصرعے میں صنعت کے خوبصورت استعمال نے مثالی بنا دیا ہے۔ اس بے بسی اور بے قراری کو غالب نے ایک اور شعر میں یوں نمایاں کیا ہے:

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالب — جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

(بجھائے نہ بنے: جو بجھائی نہ جا سکے)

MDCAT BY FUTUREDOCTORS TOUSEEF AHMAD

(۷)

کہاں مے خانے کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

لغت: مے خانہ: شراب خانہ۔ واعظ: وعظ کرنے والا، ناصح، رندی کا متضاد۔

مفہوم: اگرچہ مے خانے اور واعظ کا کوئی تعلق نہیں لیکن کل جب میں مے خانے سے نکل رہا تھا تو میں نے واعظ کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔

تشریح

اس شعر میں شاعر نے روایتی شاعری کے ایک اہم کردار واعظ کا تذکرہ کیا ہے۔ جسے کبھی واعظ، کبھی ناصح، کبھی زاہد اور کبھی محتسب کہا جاتا ہے۔ روایتی شاعری میں واعظ کا کردار ایک ایسا کردار ہے جو عاشق کو نصیحت کرتا رہتا ہے۔ اسے عشق سے باز رہنے اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ اسے عشق کی ذلت اور رسوائی سے نکالنا چاہتا ہے۔ لیکن واعظ کی یہ سب نصیحتیں بے اثر جاتی ہیں۔ کیونکہ عاشق جوشِ جنون میں کبھی اس کی باتوں پر دھیان نہیں کرتے۔ وہ اس کی باتوں کو ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ بقول شاعر:

آئیں ہیں سمجھانے لوگ ہیں کتنے دیوانے لوگ

دوسری طرف روایتی شاعری میں واعظ یا ناصح پر طنز کرنا بھی بہت عام ہے۔ یہ طنز عام طور پر واعظ کی منافقت پر کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ واعظ عام طور پر جو دوسروں کو نصیحتیں کرتے ہیں، خود ان پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کو شراب خانے جانے سے روکتے ہیں لیکن خود بھی کبھی کبھار شراب خانے میں نظر آجاتے ہیں۔ یہی طنز غالب کے اس شعر میں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عام طور پر واعظ اور شراب خانے کا دروازہ دو مختلف چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن کل میں جب شراب خانے کے دروازے سے نکل رہا تھا تو میں نے خود واعظ کو اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی وہ منافقت ہے جس پر غالب نے اس شعر میں طنز کا ہتھیار استعمال کیا ہے۔ اسی پر بیخودؔ بدایونی نے طنز کرتے ہوئے کہا تھا:

بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں کہیں زاہد ولی نہ ہوجائے

(رند: شراب نوش۔ ولی: نیک، پرہیز گار)

مشق

۱۔ کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

غالبؔ کے اس شعر کی تشریح کریں نیز یہ بتائیں کہ اس میں علمِ بیان کی کون سی خوبی پائی جاتی ہے۔

جواب: شعر کی تشریح دی جاچکی ہے۔ اور اس شعر میں تشبیہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں شاعر نے خود کو پیالہ و ساغر کہ کر مخاطب کیا ہے۔

۲۔ مندرجہ ذیل مصرعوں کا مفہوم واضح کریں۔

(الف) لوحِ جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

مفہوم: میں دنیا کی تختی پر لکھا ہوا لفظ نہیں ہوں کہ جسے مٹا دیا جائے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

(ب) رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
مفہوم: میں مقام اور مرتبے میں سورج اور چاند سے کمتر نہیں ہوں۔
(ج) وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں
مفہوم: وہ دن گزر گئے کہ جب ہم کسی کے ملازم نہیں تھے۔
(د) بہت نکلے میرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے
مفہوم: اگر چہ بہت سی خواہشیں پوری ہوئی ہیں لیکن بہت سی خواہشیں نامکمل بھی ہیں۔
(ہ) اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں، جس کافر پہ دم نکلے
مفہوم: اسی محبوب کو دیکھ کر جیتے ہیں جس پر مرتے ہیں۔

۳۔ **غالب کی پہلی غزل کی ردیف تحریر کریں۔**
جواب: غالب کی پہلی غزل کی ردیف ہے: نہیں ہوں میں

۴۔ **غالب کی دوسری غزل کے قافیوں کی نشان دہی کریں۔**
جواب: دم ، کم ، ہم ، خم ، ستم

۵۔ **آپ کو غالب کا کون سا شعر زیادہ پسند ہے اور کیوں؟**
جواب: مجھے غالب کی دوسری غزل کا مطلع پسند ہے کیوں کہ اس میں غالب نے انسانی فطرت کی بڑی خوب صورت عکاسی کی ہے۔اور وہ یہ کہ انسان خواہش کیے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن اس کی ہر خواہش کا پورا ہونا ممکن نہیں۔ یہ شعر غالب کی سادگی اور فن کاری کا عمدہ نمونہ ہے۔

۶۔ **مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔**

الفاظ و محاورات	جملے
حرفِ مکرر	میں لوحِ جہاں پر کوئی حرفِ مکرر نہیں ہوں۔
لعل و زمرد	اس دور میں لعل و زمرد کی اہمیت زیادہ ہے۔
مہر و ماہ	اللہ قرآن میں مہر و ماہ کو اپنی نشانیاں قرار دیتا ہے۔
کمتر	کسی انسان کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔
عقوبت	طاقت ور لوگوں نے اپنے عقوبت خانے کھول رکھے ہیں۔
گردشِ مدام	چونکہ انسان پتھر نہیں ہے اس لیے گردشِ مدام سے گھبرا جاتا ہے۔
بھرم کھلنا	اللہ نہ کرے کے اس کا بھرم کھل جائے۔
چشمِ تر	وہ شخص میری چشمِ تر میں رہتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

۷۔ غالب کے کلام کی نمایاں خصوصیات تحریر کریں۔

جواب: غالب نے اپنی شاعری کے آغاز میں مشکل پسندی اختیار کی لیکن پھر سادہ طرز کی طرف لوٹ آئے ان کی شاعری میں خیال کی بلندی، روزمرہ اور محاورات کا لطف، اندازِ بیاں کی شوخی اور موضوعات کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ وہ زندگی کے غم بھی خوش مزاجی سے بیان کرتے ہیں۔ انھیں لفظوں میں تصویریں کھینچنے میں مہارت حاصل ہے۔

اضافی سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: غالب نے پہلی غزل کے مقطع میں بادشاہ کو دعا دینے کی بات کیوں کی ہے؟

جواب: غالب نے ہمیشہ آزاد زندگی گزاری تھی لیکن پھر حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر انھیں لال قلعہ میں ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ جہاں سے انھیں وظیفہ ملا کرتا تھا۔ اسی لیے غالب نے لکھا ہے کہ اب چونکہ وہ ایک ملازم ہیں اس لیے انھیں بادشاہ کو دعا دینی چاہیے۔

سوال 2: ''نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن''، غالب کے اس مصرعے میں کس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

جواب: غالب نے اپنی اس مصرعے میں حضرت آدمؑ کے جنت سے نکلنے کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ حضرت آدمؑ اور اماں حوا جنت میں آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی جس کے جواب میں انھیں جنت سے زمین پر اتار دیا گیا۔

سوال 3: محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے۔ تعریف کریں اور دو مثالیں دیں۔

جواب: اس شعر میں صنعت تضاد استعمال ہوئی ہے۔ جس میں شاعر شعر میں دو متضاد الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس شعر میں جینے اور مرنے کے متضاد الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس کی مزید مثالیں یہ ہیں:

1۔ خندہ اہلِ جہاں کی مجھے پروا کیا تھی تم بھی ہنستے ہو، مرے حال پہ رونا ہے یہی

اس شعر میں ہنستے اور رونا سے تضاد پیدا کیا گیا ہے۔

2۔ ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

اس شعر میں بادشاہی اور گدائی سے صنعت تضاد کا استعمال کیا گیا ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ مرزا غالب کا سنِ پیدائش ہے:

(ا) ۱۷۹۴ء (ب) ۱۷۹۵ء (ج) ۱۷۹۶ء (د) ۱۷۹۷ء ✓

2۔ مرزا غالب کا سنِ وفات ہے:

(ا) ۱۸۶۶ء (ب) ۱۸۶۷ء (ج) ۱۸۶۸ء (د) ۱۸۶۹ء ✓

3۔ مرزا غالب کہاں پیدا ہوئے:

(ا) مرادآباد (ب) آگرہ ✓ (ج) لکھنؤ (د) دلّی

4۔ مرزا غالبؔ نے آبائی پیشہ کیا بتایا ہے؟:

(ا) آہن گری (ب) کاشتکاری (ج) شاعری (د) سپاہ گری ✓

5۔ مرزا غالبؔ کا پہلا تخلص کیا تھا:

(ا) اسداللہ (ب) غالب آُفریں (ج) غالب (د) اسد ✓

6۔ مرزا غالبؔ کو خطاب دیا گیا:

(ا) بہادر جنگ (ب) نجم الدولہ اور دبیر الملک ✓ (ج) نجم الدولہ (د) دبیر الملک

7۔ مرزا غالبؔ نے شاعری کے آغاز میں کیسا انداز اختیار کیا؟

(ا) سنجیدہ (ب) مزاحیہ (ج) سادہ (د) مشکل ✓

8۔ مرزا غالبؔ نے بعد میں اپنی شاعری میں کیسا انداز اختیار کیا؟

(ا) سنجیدہ (ب) مزاحیہ (ج) سادہ ✓ (د) مشکل

9۔ مرزا غالبؔ کی شاعری کی سب سے اہم خوبی ہے:

(ا) محاکات ✓ (ب) منظر کشی (ج) تخیل (د) مضمون

10۔ مرزا غالبؔ نے زمانے کی گردشِ مدام سے گھبرا کر اپنے دل کا موازنہ کس چیز سے کیا ہے؟

(ا) پھول سے (ب) پیالے سے (ج) پیالہ و ساغر سے ✓ (د) ساغر سے

11۔ مرزا غالبؔ نے عقوبت میں کس چیز کا تقاضا کیا ہے؟

(ا) معافی کا (ب) حد کا ✓ (ج) آسانی کا (د) مشکل کا

12۔ مرزا غالبؔ نے وظیفہ خوار ہونے کی وجہ سے کس کو دعا دی ہے؟

(ا) نواب کو (ب) دوست کو (ج) ہمسائے کو (د) بادشاہ کو ✓

13۔ مرزا غالبؔ نے خلد سے کس کے نکلنے کا ذکر کیا ہے؟

(ا) آدم کا ✓ (ب) حوا کا (ج) آدم وحوا کا (د) ابلیس کا

14۔ محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

مرزا غالبؔ کے اس شعر میں کون سی صنف استعمال ہوئی ہے؟

(ا) تلمیح (ب) تضاد ✓ (ج) مبالغہ (د) مرعاۃ النظیر

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS/TOUSEEFAHMAD

نواب میرزا خاں داغ دہلوی

(۲۵رمئی ۱۸۳۱ء - ۱۹۰۵ء)

شاعر کا تعارف:

نواب مرزا خان داغ دلّی میں پیدا ہوئے۔ قلعہ معلّٰی (دلی کا شاہی قلعہ) میں پرورش پائی۔ قلعہ میں مشاعروں کی رونق کو داغ نے قریب سے دیکھا اور یہیں سے ان کا ذوقِ شاعری اُبھرا اور نکھرا۔ شاعری میں استاد ذوق کے شاگرد تھے۔

داغ کے یہاں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ لطفِ محاورہ (محاورے کا خوب صورت استعمال) اور زبان کا چٹخارہ (زبان کے مزے) ہے۔ اُن کا اندازِ بیان بڑا خوبصورت ہے۔ داغ کی غزلوں میں عشق کی معاملہ بندی (محبوب سے ہوئی باتوں کو شاعری میں بیان کرنا)، شوخی اور مسرت کے جذبات کی فراوانی ہے اور ان کی شاعری میں میر کا غم یا غالب کا غور وفکر نہیں ہے مگر ان کا اندازِ بیان سہلِ ممتنع (ایسا آسان اور سادہ کلام کہ جسے آسان کہنا مشکل ہو) کی بہترین مثال پیش کرتا ہے جس کی بدولت ان کی شاعری کو ایک خاص مقام حاصل ہوا ہے۔ ان کی زبان کو سند کا درجہ (معیار) حاصل ہے۔ ان کا ایک امتیاز (انفرادیت) یہ بھی ہے کہ علامہ اقبال بھی انہیں اپنا کلام اصلاح کے لیے ارسال کیا کرتے تھے۔ ان کی موت پر اقبال نے ایک پُرتاثیر (جس میں اثر ہو) مرثیہ لکھا جس میں داغ کی شاعری کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اُردو غزل کی تاریخ میں داغ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اُردو زبان کے فروغ میں بھی ان کی شاعری کا بڑا حصہ ہے۔ داغ کا کلیات اُردو شاعری کا قابلِ قدر سرمایہ ہے۔

اشعار کی تشریح

(۱)

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو
کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو

لغت: کوئی دم: کچھ دیر کے لیے۔

مفہوم: اچھا ہے کہ محبوب کچھ دیر آئینہ دیکھتا رہے اور خود میں مگن رہے کہ اس طرح میں اس کے ستم سے بچا رہوں گا۔

تشریح

اس شعر میں شاعر نے محبوب کے حسن و جمال اور اس کے سجنے سنورنے کو موضوع بنایا ہے۔ چوں کہ محبوب حسن و جمال کا مرقع ہے اس لیے اسے خود پر بہت ناز بھی ہے اور وہ اپنی آرائش پر بھی بہت توجہ دیتا ہے۔ اور وہ جب آئینہ دیکھتا ہے تو بہت دیر تک اپنے عکس میں کھویا رہتا ہے۔ گویا وہ اپنے ہی حسن کی تجلیوں میں گم رہتا ہے۔ اسی بے خودی کی کیفیت کو بیخود دہلوی نے اپنے ایک شعر میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

آئینہ دیکھ کر وہ یہ سمجھے
مل گیا حسن بے مثال مجھے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اسی موضوع کو داغ دہلوی نے اپنے اس شعر میں ذرا وسعت دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر محبوب آئینہ دیکھتا رہے گا تو ضرور وہ اپنے حسن کے جال میں الجھا رہے گا۔ اسے فرصت ہی نہیں ملے گی کہ وہ کسی اور پر توجہ دے سکے۔ اس لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے حسن کے دام میں گرفتار رہے اس طرح عاشق اس کے ظلم وستم سے بچے رہیں گے۔ انھیں سکون کا سانس لینے کا موقع ملے گا۔ اسی لیے غالبؔ نے کہا تھا:

آئینہ کیوں نہ دوں اسے تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

لیکن اس خیال کے باوجود اس شعر میں محبوب کے حسن کی تعریف کا ایک پہلو بالواسطہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ محبوب اتنا حسین ہے کہ اگر وہ خود بھی اپنا عکس دیکھتا ہے تو بے خود ہو جاتا ہے۔

(۲)

کم نگاہی میں اشارہ ہے ، اشارے میں حیا
یا نہ ہونے دو مجھے چین سے یا ہونے دو

لغت: کم نگاہی: کم فہمی ۔ چین: سکون۔

مفہوم: محبوب کی کم نگاہی میں جو اشارہ اور حیا ہے وہ مجھے کسی چین کروٹ لینے نہیں دیتا۔

تشریح

زیر بحث شعر میں شاعر محبوب کی اداؤں اور اپنی بے چینی کو بیان کر رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ محبوب کی کم نظری میں بھی ایک اشارہ پایا جاتا ہے اس پر ستم یہ کہ اس اشارے میں شرم وحیا بھی موجود ہے۔ جس کے باعث میں عجیب بے قراری کے عالم میں ہوں۔ مجھے اب کسی کروٹ قرار نہیں ہے۔ ایک طرف شرم وحیا کی ادا نے اُمید کا دیا جلا دیا ہے اور دوسری کم نگاہی نے مایوسیوں کے اندھیرے بڑھا دیے ہیں۔ اس لیے مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں اس کم نگاہی کی ادا کو کیا سمجھوں۔ بہ قول فرازؔ:

یہ کن نظروں سے تو نے آج دیکھا
کہ تیرا دیکھنا ، دیکھا نہ جائے

عاشق کے نزدیک اس کا محبوب سراپا قیامت اور آفت ہے۔ اس کی ہر ہر ادا اُس کے دل پر قیامتیں ڈھاتی ہے۔ اس کا ہر ہر انگ ڈھنگ اور رنگ اس کا قرار و سکون چھین لیتا ہے۔ خاص طور پر آنکھ جسے دل اور چہرے کی عکاس اور ترجمان کہا جاتا ہے۔ وہی آنکھ عاشق سے صبرو قرار چھین لیتی ہے۔ مگر اِدھر تو کچھ ایسی صورتِ حال ہے کہ محبوب نے عاشق کو کم نگاہی سے دیکھا یعنی ایک سرسری سی نظر عاشق پر ڈالی ہے۔ جس میں ایک خاص ادا اور اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور پھر اس پر ستم یہ کہ اس اشارہ میں شرم وحیا بھی موجود ہے۔ اگر صرف کم نگاہی تک بات محدود ہوتی تو شاعر یوں بے قرار نہ ہوتا لیکن اشارہ اور حیا نے اُسے کچھ بے قرار بھی کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب عاشق قرار اور بے قراری کے عالم میں کروٹیں بدل رہا ہے۔ عاشق کے نزدیک اُونٹ کسی کروٹ بیٹھ جاتا تو بات ضرور کسی کنارے لگ جاتی لیکن بات کہیں بیچ ہی میں اٹک گئی ہے اور عاشق گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ بہ قول داغؔ:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

(۳)

ہم بھی دیکھیں ، تو کہاں تک نہ توجہ ہو گی
کوئی دن تذکرۂ اہلِ وفا ہونے دو

لغت: تذکرہ: ذکر۔ اہلِ وفا: وفا کرنے والے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

مفہوم: میں محبوب کی طرف متوجہ رہوں گا، آخر کسی دن تو وہ ہم وفاداروں کا ذکر کرے گا۔

تشریح

زیر نظر شعر میں شاعر محبوب کی بے رخی اور اپنی وفاداری کا تذکرہ کر رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر عاشقوں کی وفا، مروت اور ان کی قربانیوں کے تذکرے کچھ دن کے لیے کیے جائیں تو محبوب خود بہ خود عاشقوں کی طرف کھینچا چلا آئے گا۔ اسی لیے انشاءاللہ خان نے کہا تھا:

جذبۂ عشق سلامت ہے تو انشاءاللہ　　　کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے

اردو غزل کے روایتی محبوب کی بے نیازی جہاں بھر میں ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے یعنی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ صرف اسی لیے ہے کہ وہ اہل وفا کی قربانی اور ایثار کو پیش نظر نہیں رکھتا۔ عاشق کی بے لوث محبت اور وفاداری خود سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ انصاف کیا جائے تو یہ محبت اور وفاداری ہی وہ کھرا سکہ ہے جس سے عاشق محبوب کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ اسی سکے کے عوض محبوب کی تمام عنایات اور نوازشات عاشق کو میسر آ سکتی ہیں۔ مگر رونا تو یہی ہے کہ محبوب عاشق کی اس بے لوث ایثار، بے غرض محبت اور وفاداری کی قدر بھی کرے۔ اگر محبوب عاشق کی وفاداری اور بے غرض محبت کی قدر جان لے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے عاشق کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یقیناً وہ بھی اس کی محبت کے گن گانے لگے گا اور اسی کی محبت کی لگن میں مگن ہو کر رہ جائے گا۔ عاشق بھی یہی دیکھنا چاہتا ہے کہ دنیا میں اہل وفا کی تعریف وتوصیف کی جائے۔ دنیا اہل وفا کے کارنامے منظر عام پر لائے اور ان کی عظمت ورفعت کے تذکرے کرے تاکہ بے نیاز ولا پروا محبوب کو اہل وفا کی قدر ومنزلت معلوم پڑے۔ اور وہ بھی عاشق کی طرف متوجہ ہو۔

ان تک بھی پہنچ جائے گا جو حال ہے میرا　　　ہر روز یہی ذکر ہے دو چار کے آگے

(۴)

آنکھ ملتے ہی کہوں خاک حقیقت دل کی
دیکھ کر جلوہ مرے ہوش بجا ہونے دو

لغت: خاک: ذرہ برابر۔ جلوہ: دیدار۔

مفہوم: محبوب کو دیکھتے ہی دل کی حالت ایسی عجیب ہو جاتی ہے کہ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔

تشریح

اس شعر میں شاعر محبوب کے سامنے آجانے کے بعد کی حقیقت بیان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب محبوب سے آنکھ ملتی ہے تو اس کے بعد دل کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ بیان کرنے کے قابل ہی نہیں رہتی۔ اس لیے اب میں نے جو جلوہ دیکھ لیا ہے، اس کے بعد میرے ہوش ٹھکانے لگنے دو۔ پھر ہی میں کوئی بات کر سکوں گا۔ محبوب کے سامنے آنے پر عاشق کا جو حال ہو جاتا ہے، وہ ناقابلِ بیان ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے اس لیے وہ کوئی اور بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ فیض نے اسی کیفیت کو کچھ یوں بیان کیا تھا:

ان سے جو کہنے گئے تھے، فیض جاں صدقہ کیے　　　ان کہی ہی رہ گئی، وہ بات سب باتوں کے بعد

شاعر کے خیال میں محبوب کا جلوہ اسے ہوش سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ اس لیے وہ جو بات کہنے کے لیے سوچ کر جاتا ہے، وہ کہی نہیں جاتی۔ سو عاشق اپنے ہوش وحواس پر قابو نہیں رکھ سکا۔ اور پکار اُٹھا کے مجھ سے اس مدہوشی میں کے عالم میں میری دلی کیفیات مت پوچھو۔ ہاں البتہ ہوش آنے پر میں بتا سکوں گا کہ مجھ پر کیا گزری اور حسنِ یار کے جلوے سے میری دلی حالت کیا سے کیا ہو گئی۔ بقول چراغ حسن حسرت:

آؤ حسن یار کی باتیں کریں　　　زلف کی رخسار کی باتیں کریں

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۵)

تم دل آزار بنے رشکِ مسیحا کیسے
کم نہ ہونے دو مرا درد رسوا ہونے دو

لغت: دل آزار: ستانے والا۔ رشکِ مسیحا: مثلِ معالج۔

مفہوم: اے محبوب تم عمر بھر ظلم وستم کرتے رہے ہو، تم مسیحائی کی بجائے اپنا ستم جاری رکھو اور میرے درد کو بڑھنے دو۔

تشریح

اس شاعر میں ایک روایتی خیال کو اپنے خوبصورت انداز میں بیان کر رہا ہے۔ روایتی شاعری میں یہ خیال عام ہے کہ محبوب ظالم اور جفا جُو ہوتا ہے۔ وہ محبوب کی پروا نہیں بلکہ وہ اسے خوش نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے وہ اس پر ستم آزماتا رہتا ہے۔ وہ اس کی قدر کرنے کی بجائے، اس کی تذلیل کرتا رہتا ہے۔ وہ اس کے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح دیتا ہے۔ اسی لیے چراغ حسن حسرتؔ نے شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا:

غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سنا ہوتا

شاعر اس شعر میں بھی محبوب کے ظلم وستم کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ تمام عمر اس پر ستم ڈھاتا رہا ہے۔ اب اگر وہ اچانک مہرباں ہو گیا ہے اور مسیحائی کرنے لگا ہے تو شاعر حیرت زدہ ہے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ یہ اچانک مہربانی اور مسیحائی کا رویہ کیوں اپنایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف شاعر تمام عمر محبوب کے ستم برداشت کرتا رہا ہے۔ اسے اس درد کو سہنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ اب اسے اس درد ہی میں لذت ملتی ہے۔ اس لیے وہ محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ وہ اپنی جفا اور ستم جاری رکھے اور میرے درد کو کم نہ ہونے دے کہ اب اسی میں زندگی کی لذت ہے۔ اثرؔ لکھنوی نے اس کیفیت کو کچھ یوں بیان کیا تھا:

کرم پر بھی ہوتا ہے دھوکا ستم کا
یہاں تک الم آشنا ہوگئے ہم

(الم آشنا: غم سہنے کا عادی)

(۶)

کیا نہ آئے گا اسے خوف مرے قتل کے بعد
دستِ قاتل کو ذرا دستِ دُعا ہونے دو

لغت: دست: ہاتھ۔

مفہوم: جب میرا محبوب مجھے قتل کرنے کے بعد کبھی دعا مانگے گا تو وہ میرے ناحق قتل سے ضرور خوف زدہ ہوگا۔

تشریح

شاعر اس شعر میں محبوب کے ظلم وستم کو موضوع بنا رہا ہے۔ جیسا کہ روایتی شاعری میں محبوب ہمیشہ سنگ دل اور ستم گر ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ عاشق پر نامہربان رہتا ہے۔ اور پھر جب اس کے ستم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو وہ عاشق کو قتل کرنے سے گریز بھی نہیں کرتا۔ بقولِ دردؔ:

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر تیرے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

اس شعر میں شاعر اسی روایت کے پس منظر میں یہ خیال پیش کر رہا ہے کہ اگرچہ میرے محبوب نے مجھے ناحق قتل تو کر دیا ہے لیکن میرا خونِ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ناحق بے کار نہیں جائے گا۔ بل کہ یہ محبوب کے دل میں ندامت اور پچھتاوا پیدا کر دے گا۔ اسے جب میری وفا شعاری، محبت اور اخلاص یاد آئے گا تو وہ ضرور شرمندہ ہوگا۔ اور جب وہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے گا تو ضرور خوف زدہ بھی ہوگا کیونکہ میرا خونِ ناحق اس کی گردن پر ہوگا۔ غالب نے اپنے ایک شعر میں محبوب کے اس شرمندہ ہونے کو بھی طنز کا نشانہ بنایا ہے کہ مرے مرنے کے بعد اگر وہ شرمندہ ہوا بھی تو مجھے کیا فائدہ۔ بقول غالبؔ:

کی مرے قتل کے اس نے بعد جفا سے توبہ　　　　ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

(جفا: ظلم۔ زود پشیماں: جلدی شرمندہ ہونے والا۔ پشیماں ہونا: شرمندہ ہونا)

الغرض شاعر کہتا ہے کہ مرا محبوب مجھے قتل کرنے کے بعد ندامت کا شکار بھی ہوگا اور جب وہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے گا تو ضرور خوف زدہ بھی ہوگا کیونکہ یہ خونِ ناحق اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے گا۔

(۷)

جب سنا داغؔ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے

اس ستمگر نے اشارے سے کہا : ہونے دو

لغت: فنا: مرنا۔ ستمگر: ظلم کرنے والا۔ ہونے دو: مراد مرنے دو

مفہوم: جب محبوب نے سنا کہ داغ مرنے والا ہے تو اس ستم گر نے اشارے سے کہا کہ مرنے دو۔

تشریح

مقطع میں داغ دہلوی نے سنگدل محبوب کی بے پناہ بے حسی کا نقشہ کھینچا ہے یعنی بے حسی کہ کسی کی جان بھی چلی جائے تو اُسے پروا تک نہیں ہے۔ کوئی اس کے انتظار میں مر رہا ہے تو اسے کوئی پروا نہیں۔ بقول نسیمؔ امروہی:

یہ انتظار نہ ٹھہرا، کوئی بلا ٹھہری　　　　کسی کی جان گئی، آپ کی ادا ٹھہری

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ ایک عاشق اپنے محبوب کو پانے کے لیے اپنی تمام زندگی وقف کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں جتنی تکالیف، رنج و آلام اور تلخیاں پائی جاتی ہیں عاشق اُنہیں بہ خوشی جھیلتا ہے اور بھولے سے بھی نالہ و فریاد سے کام نہیں لیتا ہے اور نہ حرفِ شکایت ہی لب پر لاتا ہے۔ کبھی اہلِ زمانہ اس کے راستے کا کانٹا بن جاتے ہیں اور کبھی رقیب اس کے راستے میں سو سو طرح سے رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ اور پھر اُس پر ستم یہ کہ محبوب بجائے خود حد درجہ ظالم اور سفاک ہے۔ اس پر مزید یہ کہ وہ بے حسی، بے نیازی اور سنگ دلی کا پیکر بھی ہے۔ انہیں ستم ظریفیوں کے باعث عاشق اپنی زندگی میں کوئی چاشنی اور دلکشی نہیں پاتا اور بالآخر زندگی سے منہ موڑ لیتا ہے۔ بقول شاعر:

بدلہ جفا کا دیں گے بڑی سادگی سے ہم　　　　تم ہم سے رُوٹھ جاؤ گے اور زندگی سے ہم

حد تو یہ ہے کہ سنگ دل محبوب یہ جان کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا کہ اس کا عاشق جو اسی کی بے رحمی اور سفاکی کے باعث موت کے گھاٹ اُتر رہا ہے۔ بلکہ وہ کمال لاپروائی سے کہ دیتا ہے کہ وہ مرتا ہے تو مرنے دو۔ درحقیقت مقطع میں داغ نے محبوب کی اسی بے حسی اور حد درجہ سفاکی کا اظہار کیا ہے۔

MBCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مشق

۱۔ موزوں الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) آئینہ اپنی .... سے نہ جدا ہونے دو (نظر، جگر ، اثر ، سفر)

(ب) .... ملتے ہی کہوں خاک حقیقت دل کی (بال ، ہاتھ ، آنکھ ، ناک)

(ج) جب سنا .... کوئی دم میں فنا ہوا ہے۔ (میر ، درد ، ذوق ، داغ)

(د) تم دل .... بنے رشک مسیحا کیسے (آرام ، آزار، آویز ، افروز)

(ہ) اس ستمگر نے .... سے کہا ہونے دو۔ (اشارے، شرارے ، ستارے ، نظارے)

۲۔ داغ دہلوی کی غزل کا مطلع تحریر کر کے اس کا مفہوم واضح کریں۔

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو — کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو

مفہوم: اے محبوب تو کچھ دیر اور آئینہ دیکھتے رہو اور اپنے آپ میں محو رہو کیوں کہ اس طرح عاشق تمہارے ظلم سے بچے رہیں گے۔

۳۔ داغ نے غزل کے مقطع میں محبوب کی نفسیات کی کون سی تصویر پیش کی ہے۔

جواب: داغ نے غزل کے مقطع میں دراصل محبوب کے اس روایتی تصور کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ہمیشہ ظالم، ستم گر اور بے پرواہ ہوتا ہے۔ اس لیے جب اسے شاعر کے بارے میں یہ خبر ہوئی کہ وہ چند گھڑیوں کا مہمان ہے تو اس نے اشارے سے کہا کہ اسے مرنے دو۔

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ و محاورات	جملے
کم نگاہی	وہ ہر وقت میری کم نگاہی کا گلہ کرتا ہے۔
حیا	حیا مومن کا زیور ہے۔
رشکِ مسیحا	آج کل کون رشکِ مسیحا ہوتا ہے۔
دستِ دعا	اس نے دستِ دعا بلند کیے اور رونے لگا۔
اہلِ وفا	اہلِ وفا کبھی ہمت نہیں ہارتے
فنا	کائنات کی ہر شے فنا ہونے والی ہے۔

۵۔ داغ کی شاعری پر مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب: داغ کا شمار اُردو کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کا اندازِ بیان بہت سادہ اور خوب صورت ہے۔ ان کے ہاں محاورے اور زبان کا استادانہ استعمال نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے باعث مصرعے اور شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اگرچہ ان کی شاعری میں گہرائی موجود نہیں ہے لیکن ان کا کلام سادگی کی بہترین مثال ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ داغؔ دہلوی کا سنِ پیدائش ہے:

(ا) ۱۸۳۰ء (ب) ۱۸۳۱ء ✓ (ج) ۱۸۳۲ء (د) ۱۸۳۳ء

2۔ داغؔ دہلوی کا سنِ وفات ہے:

(ا) ۱۹۰۵ء ✓ (ب) ۱۹۰۶ء (ج) ۱۹۰۷ء (د) ۱۹۰۸ء

3۔ داغؔ دہلوی کہاں پیدا ہوئے؟

(ا) لکھنؤ (ب) دلی ✓ (ج) الہ آباد (د) فیض آباد

4۔ داغؔ دہلوی نے پرورش پائی:

(ا) دلی (ب) قلعہ معلّٰی ✓ (ج) بلی ماراں (د) لکھنؤ

5۔ داغؔ دہلوی کی شاعری میں سب سے نمایاں چیز کیا ہے؟

(ا) مضامین (ب) لطفِ محاورہ (ج) زبان کا چٹخارہ (د) ب اور ج دونوں ✓

6۔ داغؔ دہلوی کا کلام کس چیز کا بہترین مثال ہے؟

(ا) مشکل پسندی (ب) غوروفکر (ج) سہل ممتنع ✓ (د) گہرائی

7۔ داغؔ دہلوی کس عظیم شاعر کے استاد تھے:

(ا) میرؔ (ب) حالی (ج) غالبؔ (د) اقبال ✓

8۔ اقبال نے داغؔ کی وفات پر ایک ________ لکھا:

(ا) مرثیہ ✓ (ب) تعزیت نامہ (ج) کتبہ (د) شعر

9۔ ________ دلِ آزاء بنے رشکِ مسیحا کیسے:

(ا) تم ✓ (ب) سب (ج) وہ (د) کوئی

10۔ جب سنا ________ کوئی دَم میں فنا ہوتا ہے:

(ا) داغؔ ✓ (ب) کہ وہ (ج) یہ کہ (د) ہم دَم

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(FOUSEEFAHMAD)

NMDCAT BY FUTURE DOCTORS

Motto : " WE ARE THE SAVIOUR OF NATION"

WE PROVIDED NOTES:

- FSC NOTES
- NMDCAT NOTES
- MATRIC NOTES
- PAST PAERS
- HINTS AND TRICKS
- STEP . STAR . STEP LECTURES
- FEDERAL BOARD BOOKS
- ALL TEXTBOOKS FROM ALL PROVINCES

FBGROUP: https://www.facebook.com/groups/mdcatbyfuturedoctors/?ref=share

LIKE & SHARE
03499815886
MDCAT BY FUTURE DOCTORS

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

قواعد و انشاء

- مکالمہ نویسی
- رُوداد نویسی
- درخواست نگاری
- خطوط نویسی
- تلخیص نگاری
- ادبی اصطلاحات
- ادبی اصناف
- قواعد

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

NMDCAT BY FUTURE DOCTORS

Motto : " WE ARE THE SAVIOUR OF NATION"

WE PROVIDED NOTES:

- FSC NOTES
- NMDCAT NOTES
- MATRIC NOTES
- PAST PAERS
- HINTS AND TRICKS
- STEP . STAR . STEP LECTURES
- FEDERAL BOARD BOOKS
- ALL TEXTBOOKS FROM ALL PROVINCES

FBGROUP:
https://www.facebook.com/groups/mdcatbyfuturedoctors/?ref=share

LIKE & SHARE
03499815886
MDCAT BY FUTURE DOCTORS

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مکالمہ نویسی

مکالمہ دو آدمیوں کے درمیان بامعنی گفتگو کو کہتے ہیں۔

ہدایات

- کوشش یہ ہونی چاہیے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم بیان کر دیا جائے۔
- لہجے میں بے تکلفی اور شگفتگی ہونی چاہیے۔ بات جامع اور مدلل ہونی چاہیے۔
- مکالمے کو ایک منطقی ترتیب سے آگے بڑھنا چاہیے۔
- انداز بات چیت کا ہونا چاہیے۔ لمبی تقریر مکالمے کو مضمون بنا دیتی ہے۔ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔
- کوشش کریں کہ موضوع کے تمام اہم نکات کا ذکر جائے۔
- موزوں اشعار، آیات، احادیث، برمحل اقوال اور ظرافت وشوخی مکالمے کا حسن ہیں۔
- گفتگو کے آغاز ہی میں یہ علم ہونا چاہیے کہ گفتگو میں حصہ لینے والے کون ہیں۔
- مکالمے میں ڈائیلاگ ہمیشہ مختصر اور جامع ہونے چاہییں۔
- گفتگو میں تسلسل نظر آنا چاہیے۔
- مکالمہ اصل میں ڈرامہ نگاری کی بنیاد ہے۔ اس لیے جب بھی مکالمہ لکھنا شروع کریں تو آپ اپنے ساتھ ایک فرضی شخصیت کو خیالوں میں اپنے ساتھ رکھیں۔ تصور میں اُس سے باتیں کریں۔ اس طرح سے آپ اچھے مکالمہ نویس بن سکتے ہیں۔
- مکالمے کے آغاز میں منظر اور کرداروں کے بارے میں لکھنا مفید ہوتا ہے۔
- دونوں کرداروں کو بولنے کا مناسب وقت دیں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک ہی کردار بولتا چلا جائے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

گاہک اور پھل فروش کے درمیان مکالمہ

کردار

پہلا کردار: گاہک

دوسرا کردار: پھل فروش

منظر

گاہک دکان پر آتا ہے اور پھل فروش سے گفتگو کرتا ہے۔

گاہک: السلام علیکم!

پھل فروش: وعلیکم السلام! بھائی صاحب! فرمائیے!

گاہک: بھائی! مجھے سیب اور کیلے درکار ہیں۔

پھل فروش: کتنے سیب اور کتنے کیلے؟

گاہک: پہلے قیمت تو بتائیں۔ اس کے بعد ہی میں کچھ بتا سکوں گا۔

پھل فروش: سیب ساٹھ روپے کلو اور کیلے تیس روپے درجن۔

گاہک: خدا کا خوف کرو، اس قدر مہنگائی کہ جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ یہ سمجھ کر کہ گاہک مجبور ہے۔

پھل فروش: بھائی! آپ غصہ کیوں کر رہے ہیں۔ اس دنیا میں کون ہے جو مجبور نہیں ہے۔

گاہک: کچھ مناسب قیمت لگائیں تو میں کچھ سوچ سکتا ہوں۔

پھل فروش: بھائی! سچ تو یہ ہے کہ میں بہت ہی معمولی منافع لے رہا ہوں۔

گاہک: آپ تو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں اور پھر منافع کو معمولی بتا رہے ہیں۔ میں سامنے والی دکان سے پوچھ کر آیا ہوں۔ وہ تو قیمت کم بتا رہا ہے۔

پھل فروش: مال مال کا فرق ہوتا ہے، میرے بھائی! میرے پاس جو پھل ہیں وہ نہ صرف تازہ ہیں بلکہ بہترین بھی ہے۔

گاہک: مال کے معیار اور تازگی کو میں خوب سمجھتا ہوں۔ میرے پاس وقت کم ہے، آپ مناسب قیمت لگائیں تو میں دیکھتا ہوں۔

پھل فروش: میں نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط نہیں ہے، باقی آپ کی مرضی ہے۔

گاہک: اچھا بھائی! خدا حافظ۔

پھل فروش: ناراض ہو کر نہ جائیں۔ صبح کا وقت ہے۔ ہم گاہک کو ناراض نہیں کیا کرتے۔ میں کچھ رعایت کر دیتا ہوں۔

گاہک: بتائیے، کیا رعایت کریں گے۔

پھل فروش: سیب پچاس روپے کلو دے دوں گا اور کیلے پچیس روپے درجن۔

گاہک: ظاہر ہے کہ اس رعایت میں بھی آپ کا منافع موجود ہے۔

پھل فروش: منافع ہے تو دے رہا ہوں۔ اپنا نقصان کون کرنا چاہے گا۔ مگر یہ منافع بہت کم ہے۔ یہ تو محض آپ کو راضی رکھنے کے لیے ہے۔

گاہک: جو اللہ کے بندوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

پھل فروش: فرمایئے! کس قدر سیب اور کتنے کیلے؟
گاہک: چار کلو سیب اور چار درجن کیلے دے دیں۔ سیب داغ دار اور کیلے گلے ہوئے نہیں ہونے چاہئیں۔
پھل فروش: آپ مطمئن رہیں۔
گاہک: مہربانی!
پھل فروش: جب بھی آپ کو پھل چاہیے ہوں، بے فکر ہو کر آئیں اور اسے اپنی ہی دکان سمجھیں۔
گاہک: میں آپ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ورنہ دکان دار تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔
پھل فروش: جناب! اخلاق ہی تو سب کچھ ہے۔
گاہک: واقعی! اخلاق ہی سے انسان دوسروں کو اپنا بنا لیتا ہے۔
پھل فروش: حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دکان کا کرایہ اور کمیٹی کو ٹیکس ادا کرنا ہوتا۔ گھر بار بھی چلانا ہے۔ اس لیے کچھ نہ کچھ کمانے کی کوشش کی جاتی ہے۔
گاہک: مگر یہ کوشش اگر حد سے بڑھ جائے تو تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔
پھل فروش: آپ کی یہ بات تو واقعی درست ہے۔
گاہک! بہر حال آپ کا شکریہ! ان شاء اللہ! پھر ملاقات ہوگی۔
پھل فروش: یہ لیجیے آپ کا سامان۔ اور آپ کے آنے کا شکریہ! السلام علیکم!
گاہک: وعلیکم السلام!

ڈاکٹر اور مریض کے درمیان مکالمہ

کردار

پہلا کردار: مریض
دوسرا کردار: ڈاکٹر

منظر

مریض ڈاکٹر کے کلینک پر آتا ہے اور اپنی صحت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

مریض: ڈاکٹر صاحب، السلام علیکم!
ڈاکٹر: وعلیکم السلام! جی فرمایئے!
مریض: ڈاکٹر صاحب! آپ کا کچھ وقت چاہیے۔ مہربانی فرما کر مجھے چیک کر لیجیے۔
ڈاکٹر: لیکن آپ سے پہلے تو بہت سے مریض موجود ہیں۔
مریض: آپ کا کہنا درست ہے لیکن میری حالت اس وقت کافی خراب ہے۔ میں دوسرے مریضوں سے معذرت کر کے آیا ہوں۔
ڈاکٹر: اللہ خیر کرے! بات کیا ہے؟
مریض: میں آج صبح نماز کے لیے اٹھا تو سینے کے بائیں جانب شدید نوعیت کا درد اٹھا۔ پورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں وضو کے لیے جا رہا تھا مگر نہ جا سکا اور مجبوراً کچھ عرصے کے لیے زمین پر بیٹھ گیا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ڈاکٹر: نبض دکھائیے (مریض اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے اور ڈاکٹر نبض چیک کرتا ہے)۔ آپ کو فوری ای۔سی۔جی کروانی ہوگی۔ تب بات واضح ہوگی۔ میں نے لکھ دیا ہے، آپ لیبارٹری میں تشریف لے جائیں۔

(کچھ وقت کے بعد)

مریض: میں ای۔سی۔جی رپورٹ لے آیا ہوں، یہ دیکھیے۔

ڈاکٹر: رپورٹ تو بظاہر تسلی بخش ہے۔ اس میں تو کسی قسم کی بے قاعدگی نظر نہیں آ رہی۔ آپ یہ بتائیں کہ درد بائیں بازو کی جانب بھی محسوس ہوتا تھا۔

مریض: نہیں ڈاکٹر صاحب! یہ صرف سینے میں ہے۔

ڈاکٹر: کیا آپ کھانے میں مرچ مسالے زیادہ پسند کرتے ہیں؟

مریض: جی ہاں! چٹ پٹی غذاؤں کا شوق تو ہے اور اکثر اوقات بازار اور ہوٹلوں سے بھی یہ شوق پورا کرتا ہوں۔

ڈاکٹر: آپ نے سینے اور گلے میں کبھی جلن بھی محسوس کی ہے۔

مریض: جی ہاں! اکثر۔

ڈاکٹر: محترم! یہ معدے کی تکلیف ہے۔ یہ بتائیے کہ آپ کا ذہن پریشان تو نہیں ہوتا اور نیند کی کیفیت کیا ہے؟

مریض: ڈاکٹر صاحب! آج کل کاروبار کا سلسلہ کچھ خوش انداز سے نہیں چل رہا، پریشانی تو ہے۔ پھر کچھ گھر کے مسائل بھی ہیں۔ نیند کے لیے تو خواب آور گولیوں کا استعمال لازم سا ہے۔

ڈاکٹر: خواب آور دوا! یہ کس ڈاکٹر نے تجویز کی ہے؟

مریض: کسی نے نہیں۔ میں خود ہی کیمسٹ سے لے لیتا ہوں۔

ڈاکٹر: کوئی بھی دوا مستند ڈاکٹر کی تجویز کے بغیر استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ خواب آور دواؤں کا استعمال تو نقصان دہ ہوتا ہے۔ میں آپ کو دوا تجویز کر رہا ہوں۔ یہ دوا آپ کو کم از کم تین ماہ تک استعمال کرنا ہوگی۔

مریض: دوا زیادہ مہنگی تو نہیں ہوگی؟

ڈاکٹر: آج کل کون سی چیز سستی ہے۔ اور پھر صحت کی بحالی سے قیمتی تو کوئی چیز نہیں ہے۔

مریض: آپ نسخہ اور پرہیز بتا دیں۔ میں ان شاءاللہ انتظام کر لوں گا۔

ڈاکٹر: یہ نسخہ ہے اسی پر مکمل پرہیز اور دوا کا طریقہ استعمال بھی لکھ دیا ہے۔ تین ماہ کے بعد آئیں۔ ضروری بات یہ ہے کہ نماز کی پابندی کریں۔ کوشش اور دعا کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر مطمئن ہو جائیں۔ خود خدا بن کر اپنے معاملات کے بارے میں زیادہ نہ سوچیں۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہیں، اُن کی طرف سے ملنے والی ہر چیز اور پیش آنے والا ہر نتیجہ بہتر ہوتا ہے۔

مریض: بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب!

ڈاکٹر: کوئی بات نہیں، اپنا خیال رکھیے گا۔

مریض: فیس کتنی ہوئی؟

ڈاکٹر: فیس کاؤنٹر پر ادا کر دیں۔

مریض: بہت بہتر۔ السلام علیکم!

ڈاکٹر: وعلیکم السلام!

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ایک کتابی کیڑے اور کھلاڑی کے مابین مکالمہ

کردار

پہلا کردار: راشد (جو کھیل کا دلدادہ ہے)

دوسرا کردار: اکرم (جو کتابی دنیا میں گم رہتا ہے)

تیسرا کردار: اکبر (جو اعتدال اور توازن کی بات کرتا ہے)

منظر

راشد ہوسٹل کے کمرے میں داخل ہو کر اکرم سے مخاطب ہوتا ہے

راشد: اکرم اٹھو! کتابی کیڑے مت بنو۔ ان کتابوں کو بند کر کے آؤ اور گراونڈ میں چل کر ہاکی کھیلتے ہیں۔

اکرم: یار تمھیں پتہ ہے کہ امتحان قریب آ رہے ہیں۔ اس لیے میری طرف سے معذرت۔

راشد: وہ امتحان پاس کرنے سے کیا فائدہ، جو صحت کو کھوکھلا کر دے اور جس سے انسان ایک چلتا پھرتا سایہ بن کر رہ جائے۔

اکرم: اس صحت مند ڈیل ڈول سے کیا حاصل، جو امتحانات میں ناکام ہو کر آوارگی کا عادی بن جائے۔

راشد: تم انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر کے کیا کرو گے۔ جب کہ بہت سے تعلیم یافتہ پہلے ہی بے کار پھر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بی۔اے اور ایم۔اے کرنے کے بعد بھی ملازمت نہیں ملتی۔

اکرم: اگر ہر شخص یہی سوچ لے تو پھر کوئی بھی پڑھنا لکھنا گوارا نہ کرے۔ اور پھر پڑھنا لکھنے کا ایک مقصد قوم اور ملک کی خدمت بھی تو ہے۔

راشد: تمھیں پتہ نہیں کہ ایک صحت مند جسم ہی میں ایک صحت مند دماغ ہوتا ہے۔ اگر تم اسی طرح کتابوں میں گم رہے تو ایک دن بیمار ہو جاؤ گے اور پھر ڈاکٹروں کے پاس چکر لگاتے پھرو گے۔ پھر بھلا ملک اور قوم کی کون سی خدمت ہو گی؟

اکرم: جانوروں کی طرح صرف موٹے تازہ ہونا بھی کون سی خدمت ہے۔ تمہاری صحت کا ملک کو کیا فائدہ ہے۔ جب تمھارے پاس کوئی علم و ہنر ہی نہیں۔ اب وہ دور نہیں کہ ملک و قوم کی بقا کا انحصار پہلوانوں پر ہوتا تھا۔

راشد: اس حقیقت سے تم انکار نہیں کر سکتے کہ معاشرے میں اسی انسان کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے جو بارعب شخصیت کا مالک ہو۔ ایک بیمار، علیل اور مریل انسان کو کون اہمیت دیتا ہے۔

اکرم: تمھارا یہ تصور کہ شخصیت بھاری ڈیل ڈول کا نام ہے، ایک غلط خیال ہے۔ شخصیت انسان کے علم و ہنر اور عمل کا نام ہے۔

راشد: یار ملک کو تم ایسے بے کار فلاسفروں کی ضرورت نہیں۔ کھلاڑی بھی وطن کا نام روشن کرتے اور پہلوان بھی وطن کی عظمت کا نشان ہوتے ہیں۔

اکرم: لوگ ایک دیو کے جسم کی تعریف تو کر سکتے ہیں مگر اس کے ذہن کی صلاحیت کے بارے میں کوئی احمق ہی سوچ سکتا ہے۔ آج کل تو فوج میں بھرتی کرنے کے لیے بھی جسم سے کہیں زیادہ ذہنی صلاحیتوں کو دیکھا جاتا ہے۔

راشد: تمہارا مطلب یہ ہے کہ ایک کھلاڑی کی حیثیت ایک حیوان کی سی ہے جو ذہنی سوجھ بوجھ سے عاری ہوتا ہے۔ تمہیں علم نہیں کہ ہر کھیل میں ذہانت چاہیے۔ اگر ذہانت اس کی رہنمائی نہ کرے تو کھلاڑی کھیل کے میدان اور ایک پہلوان اکھاڑے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(اسی دوران ایک تیسرا دوست اکبر اندر آتا ہے۔)

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اکبر: تم دونوں کے تیور کیوں بدلے ہوئے ہیں۔ کس بات پر جھگڑ رہے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟
(دونوں صورت حال کی وضاحت کرتے ہیں)

اکرم: تم دونوں ٹھیک بھی ہو اور غلط بھی۔ ہر بات کا حسن اعتدال میں ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کتابوں کا ہو کر رہنا اور اپنے ہاتھوں صحت کو تباہ و برباد کر لینا حماقت ہے۔ اسی طرح ہر وقت کھیل کود میں لگے رہنا اور تعلیم کی طرف بالکل توجہ نہ دینا، غلط بات ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان پڑھے بھی اور ورزش سے اپنے جسم کو چاق چوبند بھی رکھے۔ یہی اعتدال اور توازن ہے۔

راشد: ہاں یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ لو بھئی اکرم میں تو اس بات کا قائل ہو گیا ہوں۔

اکرم: ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرے خیال میں بھی یہی بات متوازن ہے۔

اکبر: چلو شکر ہے کہ تم دونوں نے میری بات مان لی۔ لو اب کھیلنے کا وقت ہے، اب تھوڑا سا کھیل ہو جائے۔

راشد: میں تو پہلے ہی تیار ہوں۔ چلو!

اکبر: ہاں چلو، کچھ دیر کھیل کر آتے ہیں۔
(تینوں دوست کھیل کے میدان کی طرف چلے جاتے ہیں)

دو دوستوں کے درمیان امتحانی نظام کے بارے میں مکالمہ

کردار

پہلا دوست: اسلم

دوسرا دوست: اکرم

منظر

دو دوست کالج میں ملتے ہیں اور امتحان کے نتیجے پر گفتگو کرتے ہیں۔

اسلم: السلام علیکم! اکرم اس قدر پریشان کیوں ہو؟

اکرم: وعلیکم السلام، آج پارٹ I کا نتیجہ نکلا ہے۔ افسوس کہ میں اُردو میں فیل ہو گیا ہوں۔

اسلم: اُردو میں! (حیرت سے) اس میں فیل ہونا تو بہت مشکل ہے۔

اکرم: ہاں! پروفیسر صاحب اس پر یہ اضافہ فرمایا کرتے ہیں کہ اُردو میں فیل ہونا اور اچھے نمبر لینا دونوں مشکل ہیں۔

اسلم: اُردو میں اس ناکامی کی وجہ کیا ہے؟

اکرم: صرف امتحانی نظام!

اسلم: امتحانی نظام؟ وہ کیسے؟ میں مجھے تو کوئی خاص خرابی نظر نہیں آتی۔

اکرم: امتحانی نظام چار چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک پرچوں کا بنانا، دوسرا امتحانی مرکز کا نظام، تیسرا پرچوں کو چیک کرنا، چوتھا نتائج مرتب کرنا۔ ان چاروں چیزوں میں خرابیاں موجود ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم بہترین تیاری کے باوجود اُردو جیسے مضمون میں بھی فیل ہو جاتے ہیں۔

اسلم: تم ان خرابیوں پر کچھ روشنی تو ڈالو۔

اکرم: اکرم جہاں تک پرچے بنانے کا تعلق ہے، ایک تو بورڈ والے ماڈل پیپر انتہائی تاخیر سے کالجوں میں بھیجتے ہیں۔ اگر سال کے آغاز میں

MDCATBYFUTUREDOCTOR(TOUSEEFAHMAD)

نمونے کا پرچہ آ جائے تو ہم لوگوں کو تیاری کرنے میں آسانی رہے۔

اسلم: بات تو پرچوں کو مرتب کرنے کی ہو رہی تھی اور تم ماڈل پیپروں کی طرف چلے گئے۔

اکرم: ہاں! سنا ہے کہ بہت سے پرچہ بنانے والے اساتذہ مختلف پرچے بناتے ہیں۔ بعض پرچے انتہائی مشکل ہو جاتے ہیں اور بعض انتہائی آسان۔ حالانکہ پرچے کے معیار میں ایک توازن ہونا چاہیے۔

اسلم: تم نے امتحانی مرکز میں بدنظمی کا بھی ذکر کیا تھا۔

اکرم: ہاں! میں نے خود دیکھا ہے کہ نگران حضرات! منظورِ نظر طلبہ کو معروضی پرچہ حل کرا رہے تھے اور واضح ہے کہ وہی طلبہ منظورِ نظر ٹھہرتے ہیں جو نگران حضرات کی مٹھی گرم کرتے ہیں۔

اسلم: افسوس کہ یہ سب کام اساتذہ کرام کرتے ہیں۔ اُساتذہ تو باکردار بھی ہوتے ہیں اور انتہائی واجب الاحترام بھی۔

اکرم: یہ سچ ہے لیکن ایک تو سب اساتذہ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جو اچھے اور دیانت دار ہیں، وہ کبھی کرپشن نہیں کرتے۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ معاشرے کے ہاتھوں اساتذہ بھی بے بس ہو گئے ہیں۔ وہ فرشتے تو نہیں۔ آخر اسی معاشرے کے افراد ہیں۔

اسلم: یہ بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن پرچوں کو چیک کرنے میں کیا خرابیاں ہیں؟

اکرم: اصل مصیبت یہیں ہے۔ بورڈ کو مناسب تعداد میں اساتذہ نہیں ملتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکولوں کے اساتذہ کالج کے نصابی پرچے چیک کرتے ہیں، حالانکہ انھیں کالج کی درس و تدریس کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔

اسلم: میرا خیال ہے کہ پرچے زیادہ ہوتے ہوں گے اور اُن کو چیک کرنے والے اساتذہ کم۔

اکرم: بالکل! یہی تو بتا رہا ہوں۔

اسلم: نتیجہ واضح ہے کہ وہ بغیر پڑھے نمبر لگا دیتے ہوں گے کہ ایک بار نتیجہ نکل جائے تو کون اپنے پرچے دیکھے گا۔ اکثریت صبر و شکر کے ساتھ نتیجے پر مطمئن ہو جائے گی۔ جیسا کہ تمھارا معاملہ ہے کہ تم اُردو میں فیل ہو۔

اکرم: ہاں! اور ری چیکنگ میں بھی کوئی سنتا نہیں ہے۔ بس جلدی جلدی ٹوٹل دکھا کر پرچہ لپیٹ دیا جاتا ہے۔

اسلم: یہ تو بڑی زیادتی ہے۔

اکرم: یہ بھی سنا ہے کہ رزلٹ بھی کمپیوٹر کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور وہی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے۔

اسلم: میرے دوست! چھوڑو ان باتوں کو۔ ہمارے معاشرے میں بدنظمی کہاں نہیں ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی معاملہ پیش آتا ہے، پریشانی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اکرم: تو پھر کیا کیا جائے؟

اسلم: ایک تو تمھیں چاہیے کہ اپنا پرچہ ری چیک کروالو۔ اگر کوئی مسئلہ ہوا تو سامنے آ جائے گا ورنہ اپنی خرابیوں پر نظر کرتے ہوئے، تیاری شروع کرو۔ ان شاءاللہ کامیابی تمھارے قدم چومے گی۔

اکرم: تم پہلے مجھے یہ راستہ دکھا دیتے تو میں یقیناً اس قدر بحث نہ کرتا اور اس بحث سے حاصل بھی کچھ نہیں۔ میں تمھاری ہدایت پر عمل کروں گا۔ ان شاءاللہ!

اسلم: اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اچھا پھر ملاقات ہوگی۔ السلام علیکم!

اکرم: وعلیکم السلام!

دو دوستوں کے درمیان موبائل فون کے فوائد اور نقصانات پر مکالمہ

کردار

پہلا کردار: ناصر

دوسرا کردار: علی

منظر

ناصر تیزی سے جا رہا ہے، راستے میں اسے علی ملتا ہے اور دونوں باہم گفتگو کرتے ہیں۔

علی: ناصر، السلام علیکم! بڑی جلدی میں لگ رہے ہو۔ کیا بات ہے؟ کدھر جا رہے ہو؟

ناصر: معذرت کہ میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔ دراصل میرا موبائل خراب ہو گیا ہے، اسے مرمت کروانے جا رہا ہوں۔

علی: کوئی بات نہیں، موبائل ہی تو ہے۔ کسی وقت بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر نہ ہو گا تو کیا وقت نہیں گزرے گا؟

ناصر: ارے بھائی! اب یہ زندگی کا ایک لازمی حصہ بن گیا ہے۔ اس کے بغیر نہ وقت گزرتا ہے اور نہ کام چلتا ہے۔

علی: وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہ رہ سکے۔

ناصر: یہ اتنی مفید ایجاد ہے کہ کاروباری زندگی سے لے کر دفاتر تک، گھروں میں، مساجد سے لے کر درسگاہوں تک، بس اسی کی حکمرانی ہے۔

علی: بس اسی حکمرانی نے سکون غارت کر رکھا ہے، اخلاقی کردار کو بھی تباہ کر دیا ہے اور جرائم میں بھی انتہائی اضافہ ہو چکا ہے۔

ناصر: دیکھو! میرا چھوٹا بھائی سکول جاتا ہے۔ اس کے پاس موبائل ہے۔ اگر رکشا اُسے لینے کے لیے نہیں آتا تو وہ فوراً گھر فون کر دیتا ہے اور میں اُسے لے کر آتا ہوں۔ کتنا بڑا فائدہ ہے۔

علی: بالکل! ان فائدوں سے کون منکر ہے۔

ناصر: پھر یہ بھی دیکھو کہ یہ کاروباری دُنیا میں لین دین میں مددگار ہے۔ اس نے تو پوری دنیا کو ایک ایسی بستی میں بدل دیا ہے، جہاں ہر ایک دوسرے سے رابطے میں ہے۔

علی: لیکن اس کا منفی استعمال بھی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج بچے بچے کے ہاتھ میں موبائل ہے۔ گلی کوچوں میں چھوٹے چھوٹے بچے اسے کان سے لگائے پھرتے ہیں۔ جیسے انھیں کوئی اور کام ہی نہیں ہے۔

ناصر: قصور بچوں کا نہیں والدین کا ہے جنھوں نے معصوم ہاتھوں میں موبائل تھما دیا ہے۔ بچوں کی اپنی سوچ ناپختہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بات تعمیر سے تخریب کی طرف چلی گئی ہے۔

علی: ایک لمحے کے لیے سوچو کہ جب موبائل نہیں تھا تو کیا کام نہیں چلتے تھے۔ آج آپ کے چھوٹے بھائی کے پاس موبائل ہے۔ تمھیں نہیں پتا کہ وہ سکول میں پڑھتا ہے یا موبائل میں گیمیں کھیلتا ہے۔

ناصر: مجھے اپنے بھائی پر اعتماد ہے۔

علی: اسی اندھے اعتماد نے معصوم ذہنوں میں زہر بھر دیا ہے۔ اخلاق خراب ہو چکا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بداخلاقی کے سارے راستے یاد ہو چکے ہیں اور پانی سر سے گزر چکا ہے۔

ناصر: تم نے تو مجھے فکر میں ڈال دیا ہے۔

علی: یہ تو کچھ بھی نہیں، میں گذشتہ دنوں عمرے کے لیے گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ طواف و سعی کے دوران بھی لوگوں کے موبائل بج رہے ہیں۔ گفتگو چل رہی ہے ایسے میں وہ سکون نہیں ہے جس کی وہاں ضرورت ہے۔ مسجدوں میں بھی یہی حال ہے۔

ناصر: میں تو بہر حال اسے زحمت نہیں بلکہ نعمت سمجھتا ہوں۔ ہم خود اسے زحمت بناتے ہیں۔

علی: غور کرو کہ دفاتر، کاروباری مراکز اور بینکوں میں اسی موبائل نے دہشت گردی کو ایک معمول بنا دیا ہے۔ ڈاکو باہر کھڑے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دیتا ہے کہ حالات سازگار ہیں، آؤ اور لوٹ مار کا بازار گرم کرو۔

ناصر: یہ بات تو ہے لیکن اسے کنٹرول بھی تو کیا جا سکتا ہے۔

علی: ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن کون کرے گا؟ یہ سوال بہت اہم ہے۔

ناصر: واقعی یہ سوال اہم ہے۔ لیکن اس گفتگو سے نتیجہ یہی نکلا ہے کے موبائل کے فائدے بھی یقیناً ہیں مگر کچھ نقصانات بھی ہیں۔

علی: بالکل! اور جہاں تک کنٹرول کا سوال ہے۔ تو اس کا جواب ہے کہ کچھ کردار حکومت کو کرنا ہوگا اور کچھ والدین ذمہ داری اُٹھائیں گے تو بات بنے گی۔

ناصر: کاش! ہم ایک منظم قوم بن جائیں اور ہمارے اندر وہ شعور بیدار ہو جائے جو نعمت کو زحمت نہ بننے دے۔

علی: آمین۔ اللہ اسے ہمارے لیے نعمت بنا دے۔ اچھا! پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ!

ناصر: اللہ حافظ!

دو دوستوں کے درمیان احترامِ اُستاد کے بارے میں مکالمہ

کردار

پہلا دوست: زاہد

دوسرا دوست: راشد

منظر

زاہد اور راشد کینٹین پر ملتے ہیں اور احترامِ استاد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

زاہد: راشد، تمھارا تو اُردو کا پیریڈ لگا ہوا ہے اور تم ٹک شاپ پر بیٹھے برگر کھا رہے ہو؟

راشد: یار کل اُردو کے پیریڈ میں سلیم صاحب نے میری بہت بے عزتی کی تھی، اس لیے کلاس میں جانے کے لیے دل آمادہ نہیں ہو رہا۔

زاہد: سلیم صاحب تو بہت شفیق اُستاد ہیں۔ کوئی خاص وجہ ہوگی جو انھوں نے تمھیں ڈانٹا ہوگا۔

راشد: میرے پاس اُردو کی کتاب نہیں تھی اور میں ساتھ بیٹھے اکرم سے کسی لفظ کا معنی پوچھ رہا تھا۔

زاہد: تمھاری اس حرکت پر سر سلیم کا ڈانٹنا انتہائی ضروری تھا۔

راشد: مگر انھوں نے اتنے سخت لفظ استعمال کیے اور پوری کلاس کے سامنے میری یوں تذلیل کی کہ اب میں کلاس کا سامنا نہیں کر سکتا۔ عزت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

زاہد: اُستاد کا مقام والد سے کہیں بلند ہوتا ہے۔ والد بچے کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے اور اُستاد اُسے زمین سے پھر آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔ اُستاد کی ڈانٹ ڈپٹ محبت ہی کی ایک شکل ہے۔

راشد: یہ سب تسلیم ہے۔ مگر میری انا مجھے کلاس میں جانے سے روک رہی ہے۔

زاہد: قصور بھی سراسر اپنا اور پھر اترانا بھی۔ یہ سب شیطانی حیلے ہیں اور نقصان کا سبب ہیں۔ سر سلیم کا کیا بگڑے گا، نقصان تو تمھارا ہوا اور ہو

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ہے۔ اگر آج کے لیکچر میں سے کوئی سوال امتحان میں آ گیا تو کیا کرو گے۔ وہاں لکھ دو گے میری انا نے مجھے روک رکھا تھا۔

راشد: کیا کروں، دل نہیں مان رہا۔ اُن کا لہجہ انتہائی سخت تھا۔ وہ نرم لہجے میں بھی تو سمجھا سکتے تھے۔

زاہد: ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہم اُستاد کے لب و لہجے پر تنقید کریں۔ یہ احترام کا مقام ہے اور ہمیں ہر حال میں سر جھکانا ہے۔ حضرت علیؓ کا ایک فرمان ہے، جس کا مفہوم ہے کہ ''جس نے مجھے ایک لفظ بھی سکھایا وہ میرا اُستاد ہے اور قابلِ احترام ہے۔''

راشد: اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنی تمام تر توہین کے باوجود اُن کے قدموں میں جھکوں۔

زاہد: کچھ سوچو، کچھ سمجھو! اُستاد کے قدموں میں جھک جانے سے بے عزتی نہیں، عزت میں اضافہ ہوا کرتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''بے شک اللہ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے''۔

راشد: اس فرمان اقدس کے بعد تو بات ہی ختم ہو گی ہے۔ میں کل ہی سر سلیم سے ادب کے ساتھ معذرت کر لوں گا۔

زاہد: زندگی کا کیا اعتبار۔ کل آتا ہے یا نہیں۔ نیکی کا کام ہے، آخرت کا توشہ ہے، دُنیا کی عزت ہے ابھی کیوں حاصل نہیں کرتے۔ چلو میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔

راشد: نہیں دوست! تمھارے ساتھ ہو گئے تو سر سلیم سمجھیں گے کہ تم مجھے لے کر آئے ہو۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا اور ان شاءاللہ اُستادِ محترم سے دلی معافی مانگوں گا اور اُن کے قدم اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا، جب تک اُن کا دل راضی نہیں ہو جاتا۔

زاہد: تمھارا خیال درست ہے۔ تمھیں تنہا جانا چاہیے اور سر سلیم کے قدموں میں جھک کر خود کو سربلند کر لینا چاہیے۔ شاگرد کی سربلندی اُستاد کے قدموں میں جھکنا ہے اور یاد رکھو کہ اُستاد کی دُعا سے دُنیا بھی سنورتی ہے اور آخرت بھی۔

راشد: میں تمھارا دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہوں کہ تم نے اس بھٹکے ہوئے اور بہکے ہوئے شخص کو درست راستہ دکھایا اور اس کی رہ نمائی کی۔ اب مجھے اجازت دو کہ میں جا کر اپنا فرض پورا کر سکوں۔ السلام علیکم!

زاہد: وعلیکم السلام! خوش رہو! اللہ تمھیں دنیا اور آخرت کی بھلائی دے۔ آمین

دو دوستوں کے درمیان امتحان کی تیاری کے حوالے سے مکالمہ

کردار

پہلا کردار: احمد

دوسرا کردار: راشد

منظر

احمد اور راشد سرِ راہ ملتے ہیں اور امتحان کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

احمد: راشد کیا بات ہے؟ اتنی جلدی میں ہو کہ دیکھنا اور سلام دُعا بھول گئے۔

راشد: معاف کرنا یار۔ یوں لگتا ہے کہ میں خود کو بھولا ہوا ہوں اور اردگرد سے بے خبر ہوں۔

احمد: بھائی! اس خود فراموشی کی وجہ کیا ہے؟

راشد: یار! میں ایک ماہ مری میں رہ کر کل ہی آیا ہوں اور دو ہفتے بعد امتحانات شروع ہو رہے ہیں۔ بس یہی فکر ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کر دیا۔ (continued) کالج والوں نے تو فری امتحان کی تیاری کے لیے کیا تھا مگر افسوس کہ تم نے پورا ایک مہینہ مری میں ضائع کر دیا۔

احمد: کالج والوں نے تو فری امتحان کی تیاری کے لیے کیا تھا مگر افسوس کہ تم نے پورا ایک مہینہ مری میں ضائع کر دیا۔

راشد: کاش! میں وہاں درسی کتابیں ساتھ لے جاتا اور اُس پر سکون اور خوبصورت ماحول میں امتحان کی تیاری کرتا۔

احمد: میں نے تو فراغت کے ان دنوں میں کم و بیش ہر مضمون دہرا لیا ہے۔

راشد: میں تو آج کتابیں کھولنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر کچھ سوجھ نہیں رہا کہ کالج میں بھی بے قاعدہ رہا ہوں۔

احمد: دوست، چھوڑو! جو گزر گیا اس کے بارے میں سوچنے اور پریشان ہونے کا فائدہ؟ یوں تم کچھ بھی نہ کر سکو گے۔

راشد: میں نے اپنی پریشان حالی تمھارے سامنے رکھ دی ہے۔ تم کیا مشورہ دیتے ہیں؟

احمد: دیکھو جب تک سوچتے رہو گے، کچھ نہیں کر سکو گے۔ اس لیے بس طے کر لو کہ کرنا کیا ہے۔

راشد: وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کیا کرنا چاہیے؟

احمد: ابھی امتحان میں اتنا وقت باقی ہے کہ تم تمام مضامین ایک نظر دیکھ سکتے ہو۔

راشد: تمام مضامین دو ہفتوں میں کیسے پڑھے اور یاد کیے جا سکتے ہیں؟

احمد: تم میرے ساتھ پروگرام بناؤ۔ میں تمھاری مدد کروں گا۔

راشد: وہ کیسے؟

احمد: تم کتابیں لے کر میرے ہاں آ جاؤ۔

راشد: مگر تیاری کی کیا صورت ہو گی؟ کہیں میری وجہ سے تمھارا وقت بھی ضائع نہ ہو۔

احمد: میرا وقت ضائع نہیں ہو گا بلکہ مجھے فائدہ ہو جائے گا۔ ایک ایک اور دو گیارہ۔

راشد: صورت حال کچھ واضح تو کرو۔

احمد: دیکھو! میں تو کم و بیش تمام مضامین دیکھ چکا ہوں۔ ایک بار پھر مل کر پڑھ لیں گے۔

راشد: بہت خوب! تمھاری دہرائی ہو جائے گی اور میری تیاری۔

احمد: بس میری گزارش یہ ہے کہ اب تمھیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ وقت کے ایک ایک لمحے سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

راشد: ہر مضمون کے لیے دو دو گھنٹے وقف کر لیتے ہیں۔

احمد: میں نے ہر مضمون کے اہم موضوعات کو نشان زد کیا ہوا ہے۔ اُنھیں توجہ سے پڑھ لیں گے۔

راشد: یہ درست ہے کہ اساتذہ کرام اپنے تجربے کی روشنی میں جن موضوعات کو اہم قرار دیتے ہیں۔ اکثر پرچہ انھی سوالات پر مشتمل ہوتا ہے۔

احمد: ایک اہم بات، ہمیں کھانے اور نماز کے لیے وقت نکالنا ہو گا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی ہو گی کہ وہ ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے اور ہماری محنت میں برکت ڈال دے۔

راشد: یہ تو واقعی انتہائی ضروری بات ہے۔ ان شاءاللہ! اس پر عمل کریں گے۔

احمد: اللہ تعالیٰ نماز کی توفیق عطا فرمائے۔ دُعا فی الواقع عمل کا دروازہ ہے۔ میں تمھارا انتظار کروں گا۔ اللہ حافظ!

راشد: اللہ حافظ!

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

دو ماؤں کے درمیان بچوں کے اخلاق کے بارے میں ایک مکالمہ

کردار

پہلا کردار: پروین

دوسرا کردار: نسرین

منظر

مس پروین مس نسرین سے ملنے کے لیے آتی ہیں اور بچوں کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔

پروین: بہن السلام علیکم! آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں۔ کیا تشویش ہے؟

نسرین: وعلیکم السلام! آپ نے خوب اندازہ لگایا۔ واقعی چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ میں فی الواقع پریشان ہوں۔

پروین: اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اپنی پریشانی کے بارے میں بتائیں۔ شاعر نے تو کہا تھا:

غم بانٹنے کی چیز نہیں، پھر بھی دوستو
اک دوسرے کے حال سے واقف رہا کرو

حالات سے آگاہ ہو کر شاید میں آپ کا غم بھی بانٹ سکوں۔

نسرین: آپ کو علم ہے کہ میرے دو بیٹے ہیں۔ ایک نویں جماعت میں ہے اور دوسرا دسویں میں۔ اور دونوں ہی پڑھائی میں کمزور ہیں۔

پروین: آخر وجہ؟ آپ کے شوہر تو خود ٹیچر ہیں۔

نسرین: حقیقت یہ ہے کہ استاد، دوسروں کے بچوں کو تو پڑھا اور سنوار سکتا ہے، اپنوں کو نہیں۔

پروین: اس کا مطلب ہے کہ بھائی جان کے پاس گھر کے لیے وقت نہیں ہے۔

نسرین: وہ رات گئے تک گھر گھر جا کر ٹیوشن پڑھاتے ہیں اور اپنے بچوں کے لیے صرف مار پیٹ اور جھڑکیاں۔

پروین: کاش وہ اپنے بچوں کے لیے بھی وقت نکال پاتے۔ مگر آپ کے بیٹے سکول میں تو جاتے ہی ہیں۔

نسرین: سکول تو باقاعدہ جاتے ہیں مگر ٹیلی ویژن، کمپیوٹر اور موبائل فون نے اُن کی مصروفیت کا رُخ بدل کے رکھ دیا ہے۔ پڑھائی اضافی ہو کر رہ گئی ہے۔

پروین: دورِ حاضر کی ہر سائنسی ایجاد کے فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ آپ نے اُن کے شوق کو متوازن رکھنا تھا۔ زندگی کا سارا حسن اعتدال میں پوشیدہ ہے۔

نسرین: بتایا ناں کہ میں تو گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہوں اور اُن کے والد دولت کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

پروین: رزق کے لیے کوشش ضروری ہے۔ مگر اس قدر بھاگ دوڑ ضروری نہیں کہ بچے ہی آوارہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہو تو رزق خود پیچھا کرتا ہے۔

نسرین: اللہ پر بھروسا ہی تو نہیں ہے۔ وہ تو نماز بھی نہیں پڑھتے البتہ میں نماز کی پابندی کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

پروین: نماز کے سلسلے میں بچوں کی کیفیت کیا ہے؟

نسرین: وہ تو سکول سے آ کر کھانا کھانے کے بعد پورا وقت ٹی۔وی اور کمپیوٹر دیکھتے رہتے ہیں یا موبائل لے کر باہر نکل جاتے ہیں۔

پروین: آپ ماں ہیں۔ خاوند کو بھی سمجھائیں اور بچوں کو بھی۔ بچوں کے ساتھ سختی نہ کریں محبت سے اُن کے بڑھتے ہوئے شوق کو متوازن اور بے راہ روی کو راست روی میں بدلنے کی کوشش کریں۔

نسرین: واقعی سختی کا دور نہیں ہے۔ سختی کریں تو ردعمل کے طور پر بچے غلط باتوں پر اور پختہ ہو جاتے ہیں۔

پروین: ضروری بات یہ ہے کہ آپ کے میاں گھر اور بچوں کے لیے وقت نکالیں اور شفقت کے ساتھ انھیں سمجھائیں۔ آپ دونوں میں بچوں کی تربیت کے بارے میں اتفاق ہونا چاہیے۔

نسرین: میں ان شاءاللہ! آج ہی اُن سے بات کرنے کی کوشش کروں گی۔ خدا کرے وہ تحمل سے میری بات سن لیں۔

پروین: آپ دونوں پہلے گھر میں نماز و تلاوت قرآن پاک کے سلسلے میں باقاعدگی پیدا کریں اور بچوں کو بھی تلقین کریں۔ سب سے پہلے خود عمل کریں کہ انگیٹھی اس وقت تک دوسرے کو گرم نہیں کرتی جب تک خود انگارا نہیں بنتی۔

نسرین: واقعی انسان پہلے خود عامل ہو تو اُس کی نصیحت میں اثر پیدا ہو جاتا ہے۔

پروین: یہ سو باتوں کی ایک بات ہے۔

نسرین: آپ بھی دُعا کریں اور میں بھی آپ کی ہدایات پر بھی عمل کرنے کی سعی کروں گی۔ اللہ کرے میری پریشانی راحت میں بدل جائے۔

پروین: آمین! میں ضرور دُعا کروں گی۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ گھر کے کچھ ضروری کام ابھی پڑے ہیں۔ اللہ حافظ!

نسرین: اللہ حافظ! آپ کے آنے اور سمجھانے کا بہت بہت شکریہ!

باپ بیٹے کے مابین زندگی کے نصب العین پر مکالمہ

کردار

پہلا کردار: باپ

دوسرا کردار: بیٹا

منظر

باپ بیٹے کو دیکھ کر اپنے پاس بلاتا ہے اور زندگی کے نصب العین کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

باپ: بیٹا! آپ کدھر جا رہے ہیں؟

بیٹا: ابا! دو ہفتوں کے بعد امتحان شروع ہونے والا ہے۔ ایک دوست کے ہاں تیاری کے لیے جا رہا ہوں۔

باپ: بیٹا! انٹرمیڈیٹ میں بھی آپ کے نمبر اچھے آ گئے تھے۔ انشاءاللہ بی۔اے میں بھی شاندار کامیابی نصیب ہو گی۔

بیٹا: میں صرف بی۔اے نہیں کرنا چاہتا بلکہ بی۔اے کے بعد ایم۔اے اور ایم۔اے کے بعد پی۔ایچ۔ڈی کرنا چاہتا ہوں۔

باپ: پی۔ایچ۔ڈی کے بعد؟

بیٹا: کسی کالج میں بطور لیکچرار ملازمت۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

آپ بی۔اے کے بعد میرے ساتھ کاروبار میں کیوں نہیں آجاتے۔ ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی میں وقت اور دماغی صلاحیتیں ضایع کرنے کا فائدہ؟

آپ نے تمام عمر کاروبار میں بسر کی ہے۔ اس لیے آپ ملازمت کے خلاف ہیں۔

ملازمت میں افسر کی خوشامد، جی حضوری اور دیس پردیس کی پریشان حالی کے سوا رکھا کیا ہے اور پھر تنخواہ اس قدر قلیل کہ بہ مشکل دال روٹی چلتی ہے۔

میں انتہائی ادب کے ساتھ آپ کی رائے سے اختلاف کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ کاروبار میں ملازمت کے مقابلے میں دولت کی ریل پیل ضرور ہے مگر یہ کرپشن، ہیرا پھیری اور انکم ٹیکس بچانے کی ناجائز کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بد دیانتی کا ارتکاب کر رہا ہوں۔ آپ سے اس طرح کی تنقید کی توقع نہ تھی۔

آپ ناراض ہو گئے نا، کل ہی تو آپ ڈرائینگ روم میں انکم ٹیکس کے ایک وکیل کے ساتھ غلط اعداد و شمار کو غلط دستاویزات کے ذریعے درست قرار دینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

کاروبار میں یہ چیزیں تو چلتی ہیں بیٹا! کون ان سے بچ سکتا ہے؟

دورِ حاضر میں ان باتوں سے بچنے والے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ٹھہرتے ہیں۔

آپ تو مولوی ہوتے چلے جا رہے ہو؟ مجھے بھی وعظ و تلقین کرنے لگے ہو۔ لیکن ان باتوں نے مجھے کچھ سوچنے پر مجبور سا کر دیا ہے۔

ابا جان! میں نے اسی لیے ملازمت کو ترجیح دی ہے۔ گو کاروبار تو اپنے گھر کی بات ہے۔

بیٹا! آپ کو کالج میں پڑھانے کی تنخواہ کتنی ملے گی؟

ابا جان! آپ بنیادی طور پر کاروباری ہیں۔ آپ کا ذہن پیسے ہی کے گرد گھومتا ہے؟

پیسے کے بغیر نہ دن گزرتا ہے نہ رات کٹتی ہے۔ زندہ رہنے کے لیے دولت ضروری ہے۔

زندگی دولت کا پیمانہ نہیں ہے۔ میں قوم کا معمار بن کر، نسلِ نو کو اخلاقی اور علمی اعتبار سے سنوارنا چاہتا ہوں۔

خواہ اپنی زندگی فاقوں سے گزرے۔

ان شاءاللہ! زندگی فاقوں سے نہیں گزرے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقیناً کاروباری سفر کیے ہیں مگر دیانت و امانت کی اعلیٰ ترین مثال بھی قائم کی ہے۔ بنیادی طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم تھے، کارخانہ دار نہیں۔ مجھے اسی لیے درس و تدریس کا پیشہ پسند ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال کے بعد ہر دلیل اور ہر بحث ختم ہو جاتی ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں۔

بہت بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ اگر اس گفتگو میں کہیں تلخی آ گئی ہو تو میں معذرت چاہتا ہوں۔

بیٹا! ناراضی کس بات کی۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا چاہا ہے۔ اس سے زیادہ مسرت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

مجھے اجازت دیجیے۔ السلام علیکم!

وعلیکم السلام! خوش رہو۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

رشوت ستانی کے بارے میں ایک مکالمہ

کردار

پہلا کردار: انور

دوسرا کردار: سعید

منظر

انور اور سعید کی ملاقات ہوتی ہے اور رشوت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

انور: السلام علیکم! سعید پریشان سے لگ رہے ہو۔ خیریت تو ہے؟

سعید: وعلیکم السلام! ویسے تو خیریت ہے۔ مگر میں پریشان ہوں، ابھی ضلع کچہری سے زمین کے ایک ٹکڑے کی رجسٹری کرا کے آیا ہوں۔

انور: رجسٹری ہوئی نہیں کیا؟

سعید: ہو تو گئی ہے مگر اس کے لیے کئی مقامات پر رشوت دینا پڑی۔ حالانکہ بات جائز تھی مگر پٹواری سے لے کر اُوپر تک، ہر جگہ ہر ایک کی فیس مقرر ہے۔ یہ فیس جائز عدالتی کاغذات کے علاوہ ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ فیس قانون ہی کا حصہ ہے۔ اس کے بغیر رجسٹری ہوتی نہیں۔ یہ فیس رشوت ہی تو ہے۔

انور: جس معاشرے میں کسی کا جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہ ہوتا ہو۔ کیا وہ اسلامی معاشرہ ہے اور کیا وہ اسلامی ملک ہے؟ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

سعید: ٹھیک کہہ رہے ہو دوسری طرف کسی کو احساس تک نہیں ہے کہ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں اور یہ بات اس زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے جو حق کے سوا کچھ بیان نہیں کرتی۔ میری مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔

انور: جب اس فرمان اقدس کو بھی جانتے ہیں تو لوگ سمجھتے بوجھتے کیوں رشوت لیتے ہیں؟

سعید: دراصل غیر اسلامی اثرات کا غلبہ ہے۔ جس کی وجہ سے نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ہر شخص آخرت کی بجائے دُنیاوی نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔

انور: یہ بھی تو ہے کہ لوگ ناجائز کام کراتے ہیں۔ ناجائز کام ظاہر ہے کہ جائز طریقے سے تو ہو نہیں سکتا۔ اس کے لیے رشوت دینا پڑتی ہے۔ یوں جائز کاموں کے لیے بھی رشوت ایک معمول بن گئی ہے۔

سعید: اب تو صورت حال یہ ہے کہ کوئی کام ہو کوئی دفتر ہو اور کوئی محکمہ ہو، رشوت کے بغیر نہ کسی اہلکار کا قلم حرکت میں آتا ہے نہ قدم۔ رشوت دے دو تو پر لگ جاتے ہیں اور دنوں کا کام گھنٹوں میں ہو جاتا ہے۔

انور: میرا ایک دوست آئرلینڈ میں مقیم ہے۔ وہ تو مجھے بتا رہا تھا کہ وہاں رشوت کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ہر جائز کام بغیر کسی رشوت اور بغیر کسی تگ و دو کے ہو جاتا ہے۔ بعض کام ایک دن میں ہی ہو جاتے ہیں اور بعض امور بذریعہ ڈاک بھی نپٹا جاتے ہیں۔ دفتروں میں ذلیل و خوار ہونے کا کوئی تصور نہیں ہے۔

سعید: بس یہی وجہ ہے کہ ساری دُنیا ہماری حالت پر ہنس رہی ہے۔ مگر ہمیں اپنی حالت پر رونا نہیں آتا، یہ ایک تکلیف دہ حقیقت بلکہ المیہ کہنا چاہیے۔

انور: دراصل ترقی کے لیے اللہ نے کچھ اصول وضع کر دیے ہیں۔ جو قوم ان پر چلے گی، ترقی کرے گی۔

سعید: ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمیں اس پر سوچنا چاہیے۔

انور: کیا کوئی صورت ہے کہ ہمارا معاشرہ رشوت ستانی کے زہر سے بچ سکے اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ بن سکے۔

سعید: میرے خیال میں ہم سب کو سادہ زندگی اپنانی چاہیے۔ اپنے مسائل کو وسائل کے اندر رکھنا چاہیے۔ اپنے دل میں خدا کا خوف پیدا کرنا چاہیے اور آخر میں ہر عمل کی جوابدہی کے لیے تیار رہنا چاہیے کیوں کہ آج جو ہمارا عمل ہے، کل وہی ہمارا نامۂ اعمال ہوگا۔

انور: سب سے بڑھ کر یہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس فرمان اقدس کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جس کا ذکر آپ نے شروع میں کیا تھا

MDCATBYFUTUREDOCTORSBYTOUSEEFAHMAD

اور خود کو ہر وقت جہنم کے شعلوں سے ڈرانا چاہیے۔

سعید: ہمیں بظاہر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے۔ اُن کے ناموس پر کٹ مرنا ہمارے لیے وجہ فخر ہے۔ ضروری ہے کہ اس محبت کو عملی دُنیا کا حصہ بنا دیا جائے۔ ان کے لائے ہوئے دین کو دنیا کا قانون بنایا جائے۔ پھر ہی یہ ممکن ہے کہ ہم منزل پر پہنچ سکیں۔

انور: اس کے لیے ایک تحریک کی ضرورت ہے اور اس تحریک کے لیے جذبہ علمائے کرام، اساتذہ اور سیاسی رہنماؤں کو فراہم کرنا چاہیے اگر سب ایک مشن کے طور پر نکل کھڑے ہوں تو ایک رشوت ستانی ہی نہیں ہر برائی مٹ سکتی ہے اور ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے پر بھی دوسرے لوگ رشک کر سکتے ہیں۔

سعید: بے شک! اچھا میں چلتا ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی، ان شاءاللہ! السلام علیکم!

انور: وعلیکم السلام!

دو طلبہ کے درمیان عمومی اور فنی تعلیم کے بارے میں مکالمہ

کردار

پہلا کردار: راحت

دوسرا کردار: شفقت

منظر

راحت اور شفقت امتحانات کے بعد ملتے ہیں اور زندگی کے نصب العین بارے گفتگو کرتے ہیں۔

راحت: السلام علیکم! شفقت میٹرک کا نتیجہ نکل آیا ہے۔ آپ کے کتنے نمبر آئے ہیں؟

شفقت: وعلیکم السلام! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے 850 نمبر آئے ہیں۔ آپ نے کتنے نمبر حاصل کیے ہیں؟

راحت: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے میں نے 900 نمبر لے کر سکول میں اوّل پوزیشن حاصل کی ہے۔

شفقت: ماشاءاللہ! اللہ مبارک کرے۔ اب کیا ارادے ہیں۔ میں تو انجینئرنگ میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔

راحت: گو میٹرک میں میرے پاس سائنس کے مضامین تھے اور نمبر بھی بہت اچھے آئے ہیں مگر میں آرٹس کو ترجیح دوں گا۔

شفقت: آخر کیوں؟

راحت: میں کسی آسان سے مضمون میں ایم۔اے کرنے کے بعد درس وتدریس کی وادی میں زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔

شفقت: ایم۔اے اور اس کے بعد ملازمت کی تلاش تو بہت مشکل ہے۔ اور ملازمت مل بھی جائے تو مہنگائی کے اس دور میں انتہائی معمولی تنخواہ، جس میں گزر اوقات بھی مشکل ہے۔

راحت: درس وتدریس ایک مقدس پیشہ ہے۔ تم نے انجینئرنگ کو ترجیح دی مگر یاد رکھو باقی چیزیں انسان خود بنالیتا ہے مگر معلم انسان بناتا ہے۔ بہ قول اقبال:

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روح انسانی

شفقت: ہم ایک صنعتی اور فنی دور میں سانس لے رہے ہیں۔ ڈاکٹری، انجینئرنگ، زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت فنی تعلیم ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ آرٹس کے کسی مضمون میں ایم۔اے کر لینا عمومی تعلیم کا دوسرا نام ہے۔ ایم۔اے کرنے کے بعد ملازمت نہ ملے تو انسان بیکار ہو کر رہ جاتا ہے نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

راحت: آپ نے ''نہ گھر کا نہ گھاٹ کا'' کہ کر میری بھی تذلیل کی ہے اور میرے نصب العین کی بھی۔ میں اس گفتگو کو مزید جاری نہیں رکھنا چاہتا اور نہ آپ سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا چاہتا ہوں۔ گفتگو بہر حال شریفانہ ہونی چاہیے۔

شفقت: دوست! میں معافی کا خواستگار ہوں۔ افسوس کہ میری زبان سے روا روی میں ایک غلط بات نکل گئی۔ مقصود صرف یہ تھا کہ فن اور ہنر ہاتھ میں ہو تو انسان اپنے قدموں پر خود کھڑا ہو سکتا ہے اور اپنی زندگی کو مالی آسودگی عطا کر سکتا ہے۔

راحت: میں آپ سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں۔ مگر میں نے اپنے لیے درس و تدریس کا شعبہ اسی لیے چنا ہے کہ نسل نو کو صراط مستقیم دکھا سکوں۔ کون سا فنی شعبہ ایسا ہے جو اساتذہ کی تدریس کے بغیر تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ دین ہو یا دُنیا، اُستاد کی تو ہر جگہ ضرورت ہے۔

شفقت: یہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔

راحت: اور پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ انھیں معلم بنا کر بھیجا گیا ہے اور اُن کی ساری زندگی گمراہی کو ہدایت، تخریب کو تہذیب اور بد اخلاقیوں کو اخلاق و کردار کی خوب صورتی عطا کرتے ہوئے گزری۔ اور لمحۂ موجود میں اس نوع کی تعلیم و تدریس کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

شفقت: واقعی آپ کا کہنا درست ہے۔ یعنی زندگی کا نصب العین کے بارے میں میرا انتخاب بھی درست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنر مندوں اور محنت کشوں کی قدر و منزلت فرمائی ہے۔

راحت: اس میں کوئی شک نہیں۔ محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ لیکن معلم ہونا بذاتِ خود ایک اعزاز ہے۔

شفقت: ٹھیک کہا۔ تو پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر کسی کو اپنی پسند کے مطابق پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔

راحت: بالکل! اس میں کوئی برائی نہیں۔ دراصل ہمارے ہاں انجینئر اور ڈاکٹر تو جیسے مقدس پیشے بن چکے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ہر انسان کو اپنی پسند کے شعبے میں جانا چاہیے۔ اور معاشرے میں صرف چند شعبوں کو اس طرح دوسروں سے ممتاز نہیں کرنا چاہیے۔

شفقت: میں آپ کی بات سے متفق ہوں۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔ السلام علیکم!

راحت: ضرور، ان شاء اللہ! وعلیکم السلام!

وقت کی پابندی۔ ایک مکالمہ

کردار

پہلا کردار: راشدہ

دوسرا کردار: شاہدہ

منظر

دو طالبات کالج میں ملتی ہیں اور وقت کی پابندی پر گفتگو کرتی ہیں۔

راشدہ: شاہدہ! تم پہلے پیریڈ میں ہمیشہ لیٹ کیوں آتی ہو؟ کالج آنے والی بس تو بروقت کالج پہنچ جاتی ہے۔

شاہدہ: کالج بس تو میرے گھر کے سامنے سے گزرتی ہے مگر میں صبح اُٹھ نہیں سکتی ہوں۔ اس لیے بس کے ذریعے آنا ممکن نہیں رہتا۔

راشدہ: پھر تم کیسے کالج پہنچتی ہو؟

شاہدہ: جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں صبح دیر سے اُٹھتی ہوں۔ ناشتہ کرنے کے بعد چھوٹے بھائی کو کہتی ہوں۔ وہ مجھے موٹر سائیکل پر کالج چھوڑ جاتا ہے۔ اس لیے پہلے پیریڈ میں کچھ تاخیر ہو جاتی ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSHOUSEEFAHMAD

راشدہ: تم صبح دیر سے کیوں اُٹھتی ہو؟

شاہدہ: بس کچھ خاص تو نہیں۔ یونہی رات گئے تک ٹیلی ویژن دیکھتی رہتی ہوں۔ پھر سوتی ہوں، تو کوشش کے باوجود آنکھ نہیں کھلتی۔

راشدہ: ٹیلی ویژن، کمپیوٹر ایسی ایجادات ہیں جنھوں نے ہمارے روز وشب کے معمولات کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ جلد سونے اور جلد اُٹھنے کا اب ہمارے معاشرے میں کوئی تصور ہی نہیں رہا۔

شاہدہ: کتابوں میں تو یہی پڑھا ہے کہ جلد سونے اور جلد اُٹھنے کے بڑے فائدے ہیں۔

راشدہ: پہلا فائدہ تو یہی ہے کہ تم وقت پر کالج آ ؤ گی۔ باقی فائدے تو اس اچھی عادت کو اپنانے سے ملیں گے۔

شاہدہ: میں کوشش تو کروں گی مگر ٹی۔ وی کا شوق تو جنون کی حد تک پہنچ چکا ہے۔

راشدہ: کیا تم نماز پابندی سے ادا کرتی ہو؟

شاہدہ: یار! نماز کی تو عادت بھی نہیں ہے اور وقت بھی نہیں ملتا۔

راشدہ: یہ تم نے کیا کہہ دیا کہ نماز کے لیے وقت نہیں ملتا۔ باقی تمام فضولیات کے لیے وقت ہی وقت ہے۔ تمھاری اس بات سے مجھے تکلیف پہنچی ہے۔

شاہدہ: میں معذرت خواہ ہوں مگر جھوٹ بول ہی نہیں سکتی اور وہ بھی نماز کے بارے میں۔

راشدہ: نماز پڑھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں اکثر مقامات پر ہدایت فرمائی ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تلقین فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی ایسی ذات اور شخصیت ہے جس نے کہا ہو کہ نماز نہ پڑھو۔ تم کس کا حکم مان رہی ہو؟

شاہدہ: یہ تم نے کیا کہہ دیا؟ اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماننا تو بہرحال لازم ہے۔

راشدہ: پھر آج ہی سے نماز کی پابندی شروع کر دو۔ اس پابندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھاری پوری زندگی ایک نظم اور ایک ترتیب کے سانچے میں ڈھل جائے گی اور ان شااللہ ہر کام وقت پر ہوگا۔

شاہدہ: میں ان شااللہ آج ہی سے نماز ادا کرنا شروع کر دوں گی۔

راشدہ: ٹیلی ویژن کا شوق کم سے کم کرنے کی کوشش کرو۔ کالج کے بعد کی مصروفیات کو ایک سلیقہ اور قرینہ دو۔ کالج میں جو کچھ پڑھا ہوا سے دہراؤں۔ تا کہ وہ ذہن نشین ہو جائے۔ ایک ٹائم ٹیبل بناؤ۔ ہر مضمون کو وقت دو۔

شاہدہ: ان شااللہ! بالکل میں کوشش کروں گی۔

راشدہ: وقت پر نماز ادا کرو۔ یوں بے ترتیب زندگی میں ایک انداز، ایک حسن اور ایک ترتیب پیدا ہو جائے گی۔

شاہدہ: میں تمھاری ہدایت کے مطابق آج ہی سے عمل شروع کر دوں گی۔ اللہ کرے کہ نماز کی برکت سے میری زندگی توازن اور اعتدال کے سانچے میں ڈھل جائے۔

راشدہ: وقت انتہائی قابلِ قدر نعمت ہے۔ وقت ضائع کرنے والی قوموں کی داستان بھی داستانوں میں باقی نہیں رہتی۔ ہمیں ایک سلیقے کے ساتھ وقت کے ایک ایک لمحے سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

شاہدہ: یار تم نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔

راشدہ: کیا تمھیں علم ہے کہ روشنی ایک سیکنڈ میں کتنا فاصلہ طے کرتی ہے اور ہم گھنٹے ضائع کرتے چلے جاتے ہیں۔ نماز تمھیں وقت کی پابندی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

سکھائے گی اور اس کی برکت سے روز و شب کا باقی حصہ بھی با مقصد ہو جائے گا۔

شاہدہ: میں ان شاءاللہ! نمازِ عشاء کے فوراً بعد سونے اور اذانِ فجر کے وقت اُٹھنے کی عادت ڈالوں گی اور کل ہی سے میں کلاس میں بروقت آؤں گی۔

راشدہ: ان شاءاللہ! مجھے اب کلاس میں جانا ہے۔ السلام علیکم!

شاہدہ: وعلیکم السلام!

دو طلبہ کے درمیان ملازمت اور کاروبار کے بارے میں مکالمہ

کردار

پہلا کردار: احمد

دوسرا کردار: حامد

منظر

احمد اور حامد کالج میں ملازمت اور کاروبار کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

احمد: السلام علیکم! حامد کیسے ہو؟

حامد: وعلیکم السلام! الحمد اللہ! میں بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟

احمد: اللہ کا شکر ہے۔ پرچے کیسے ہوئے؟

حامد: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہترین کامیابی کی توقع ہے۔ اپنے پرچوں کا سناؤ؟

احمد: میرا ایک پرچہ معیار کے مطابق نہیں ہوا۔ پھر بھی فرسٹ ڈویژن کی توقع ہے۔

حامد: اللہ تمھیں شاندار کامیابی سے نوازے۔ رزلٹ کے بعد کیا ارادے ہیں؟ کہاں ملازمت کا ارادہ ہے؟

احمد: یار! اگر اللہ نے مجھے کامیابی عطا کی تو میں ملازمت کی طرف توجہ نہیں دوں گا بلکہ کاروبار کروں گا۔

حامد: کاروبار کے لیے تجربے اور سرمایے کی ضرورت ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے تمھیں اس کا تجربہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی اتنا سرمایہ تمھارے پاس ہے کہ تم دورِ حاضر کے کاروباری معیار کا ساتھ دے سکو۔

احمد: میری طبیعت ملازمت کی طرف راغب نہیں کیوں کہ ملازمت کا دائرہ تنگ ہوتا ہے۔ اس کے لیے سفارش کی ضرورت پڑتی ہے یا پھر رشوت کی۔ تعلیمی سند تو کاغذ کا اک پرزہ ہے جس کی رشوت اور سفارش کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حامد: تمھارا کہنا کسی حد تک درست ہے لیکن اتنا بھی اندھیر نہیں کہ رشوت اور سفارش کے بغیر ملازمت ہی نہ ملے۔ اگر تم سچے دل سے کوشش کرو تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔

احمد: میں تمھاری بات کسی حد تک تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اپنے مزاج کا کیا کروں کہ طبیعت ادھر آتی ہی نہیں ہے۔

حامد: آخر کیوں! تمھارے تو والد بھی ملازم تھے اور چچا بھی۔ آخر تمھیں ملازمت کی کون سی ادا پسند نہیں؟

احمد: ملازمت ایک طرح کی غلامی ہے۔ وہاں صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔ انسان دل کی بات نہیں کہہ سکتا۔ ہر وقت افسر کی خوشامد اور مرضی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ خوشامد پیشہ لوگ ترقی کرتے جاتے ہیں اور اپنے کام سے کام رکھنے والا شخص اپنے گلے میں اپنی

ہی بانہوں کو ڈال کر رہ جاتا ہے۔

حامد: یہ بات کسی حد تک ٹھیک ہے۔ لیکن تم ملازمت کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی تو کر سکتے ہیں۔

احمد: دو کشتیوں کا سوار کبھی ساحل پر نہیں پہنچ سکتا۔ بھنور میں ڈوبنا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ کاروبار میں ہر طرح کی آزادی ہوتی ہے۔ کسی قسم کی خوشامد نہ گھٹن۔ اپنی مرضی اپنا راج۔

حامد: کاروبار میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ کبھی نفع کبھی نقصان ہوتا ہے۔ اگر شروع ہی میں نقصان ہو جائے تو انسان بددل بھی ہو جاتا ہے اور سرمایہ بھی ضایع ہو جاتا ہے۔

احمد: دورِ حاضر کا کون سا کاروبار ایسا ہے جس میں نقصان نہیں ہوتا ہے۔ انسان کی نیت درست ہونی چاہیے تو اللہ کریم مدد فرماتے ہیں۔

حامد: لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل ہر کاروبار میں قدم قدم پر جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ جھوٹی سچی قسمیں کھانا پڑتی ہیں اور انسان کے لیے مشکل ہے کہ وہ سچی بات بھی کہے اور نفع بھی حاصل کرے۔

احمد: مجھے تمھاری اس رائے سے شدید اختلاف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی نصیحت فرمائی ہے کہ کاروبار میں ہمیشہ سچ بولو۔ آپ کے مال میں اگر کوئی نقص ہو تو خریدار کو بتا دو اور یہ بھی حضورؐ ہی کا ارشاد ہے کہ تجارت یعنی کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔

حامد: حضور ﷺ کا فرمان تو بہر کیف سچا، درست اور قابل تقلید ہے۔ کون سی انسانی عقل اس کی مخالفت کر سکتی ہے۔

احمد: تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فرمان کے مطابق کاروبار کا پیشہ اپناؤں گا اور آپؐ کے ارشادات پر عمل بھی کروں گا اور اس یقین کے ساتھ کہ اللہ کا فضل و کرم میرے ساتھ ہو گا۔

حامد: چلو اللہ تمھاری مدد کریں اور تمھیں کامیابی عطا کریں۔ میں خود بھی کوشش کروں گا کہ کسی طرح کوئی کاروبار کر سکوں۔

احمد: ان شاء اللہ! اور اس سلسلے میں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو ضرور بتانا۔

حامد: شکریہ! اور ان شاء اللہ! لو پھر دوبارہ ملاقات ہوگی۔ السلام علیکم!

احمد: وعلیکم السلام!

دو دوستوں کے درمیان اُردو زبان کی اہمیت پر مکالمہ

کردار

پہلا کردار: وسیم

دوسرا کردار: نسیم

منظر

دو دوست کالج میں ملتے ہیں اور باہم گفتگو کرتے ہیں۔

وسیم: ویل مسٹر نسیم ہاؤ ڈو یو ڈو؟

نسیم: بھائی! السلام علیکم! میں تو ٹھیک ہوں۔ مگر تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ بات بات پر انگریزی بولتے ہو۔ کیا اردو بولنا مشکل ہو گیا ہے؟

وسیم: نو نو! تم جیسے لوگ جو انگلش زبان پر عبور نہ رکھتے ہوں تو وہ دوسروں کو ایسے ہی ٹانٹ کیا کرتے ہیں؟

نسیم: جہاں تک انگریزی زبان پر عبور کا تعلق ہے، اس کا دعویٰ تو خیر تم بھی نہیں کر سکتے۔

وسیم: کیوں کیا میں غلط انگلش بولتا ہوں؟

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEFAHMAD

نسیم: بات صحیح یا غلط انگریزی کی نہیں ہے۔ بات ایک آزاد ملک کے وقار کی ہے۔ انگریزی میں بات چیت کر کے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہم اپنی کوئی زبان نہیں رکھتے۔

وسیم: میری زبان تو پنجابی اور تمھاری پشتو ہے تو کیا ہمیں پنجابی یا پشتو میں بات چیت کرنی چاہیے۔

نسیم: پنجابی اور پشتو دوسری علاقائی زبانوں کی طرح زبانیں ہیں۔ میری مراد ہماری قومی زبان سے ہے، جس کا نام اردو ہے۔

وسیم: ویل! اگر اردو ہماری قومی زبان ہے تو انگلش ایک انٹرنیشنل زبان ہے۔ دنیا کا بہترین لٹریچر اسی زبان میں ہے۔ یہ آرٹ اور ایجوکیشن کی زبان ہے۔ کمیونیکیشن کی زبان ہے۔ اسے کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔

نسیم: میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ انگریزی زبان سیکھی ہی نہ جائے۔ دنیا کے بہت سے ملکوں میں اپنی قومی زبان کو اولیت دی جاتی ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک پہلے اپنی زبان سکھاتے ہیں پھر بنیادی تعلیم مکمل ہونے کے بعد دوسری زبانیں سیکھنے کا موقع دیتے ہیں۔ پھر سب سے اہم بات کہ آپس میں بول چال کے لیے قومی زبان ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

وسیم: اس شخص کے ساتھ تو اردو میں گفتگو کرنی چاہیے، جو انگلش نہیں جانتا۔ مگر جو انگلش سمجھتا ہے اس کے ساتھ اس زبان میں گفتگو کرنے میں کیا حرج ہے۔

نسیم: میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہم پاکستانی ایک آزاد قوم ہیں۔ ہماری اپنی ایک زبان ہے اور ہمیں اس زبان کو پہلی ترجیح دینی چاہیے۔ دوسری ہر زبان کو ثانوی سمجھنا چاہیے۔

وسیم: انگلش بولنے سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ ہم ایک آزاد قوم نہیں ہیں۔

نسیم: وسیم بھائی! اردو ہماری شناخت ہے۔ جو قوم اپنا عقیدہ، اپنی زبان، اپنا لباس اور اپنی تاریخ بھول جاتی ہے، وقت اسے فراموش کر دیا کرتا ہے۔

وسیم: اگر ہم نے انگریزی زبان ترک کر دی تو ہم انٹرنیشنل فورمز میں پیچھے رہ جائیں گے۔

نسیم: میرا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم انگریزی زبان ضرور سیکھیں اور اس میں ترقی بھی کریں۔ لیکن اپنی روایات کو ترک نہ کریں۔ قائداعظم سے زیادہ انگریزی کی اہمیت سے کون واقف ہو سکتا تھا۔ مگر انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہے۔

وسیم: قائداعظمؒ انگریزی زبان کے مخالف تو نہیں تھے۔

نسیم: مخالف یقیناً نہیں تھے مگر وہ اس بنیادی ضرورت کو سمجھتے تھے کہ ہر آزاد قوم کی اپنی زبان ہوا کرتی ہے۔

وسیم: وہ کیسے؟

نسیم: دیکھو! جیسا کہ آزاد قوموں کے رہنما جب بھی کسی دوسرے ملک جاتے ہیں تو وہاں بھی اپنی قومی زبان ہی میں بولتے ہیں اور ترجمان ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا ہے حالانکہ وہ رہنما بخوبی انگریزی بول سکتے ہیں۔

وسیم: میرے خیال میں وہ دوسرے ممالک میں اپنے ملک کا وقار بلند کرنا چاہتے ہیں۔

نسیم: اب تم میرا مقصد سمجھ چکے ہیں۔ اگر ہم ہر سطح پر اپنی زبان بولیں، اپنا لباس اور اپنی روایات کا خیال رکھیں تو اس سے ہمارے ملک کا نام روشن ہوگا۔

وسیم: ہونہہ! تم ٹھیک کہ رہے ہو۔ یہ تو ایک زندہ حقیقت ہے۔

نسیم: میں اسی حقیقت کی طرف تمھیں لا رہا ہوں۔ اور یاد رکھو! جو قوم اپنی روایات ترک کر کے غیروں کے انداز اپنا لیتی ہے وہ احساس کمتری کا

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHIMADI

شکار ہو کر حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتی ہے۔

وسیم: میں تمھاری بات سمجھ چکا ہوں اور ان شاءاللہ! آئندہ کوشش کروں گا کہ اپنی گفتگو اُردو زبان میں کیا کروں۔

نسیم: چلو شکر ہے کہ تمھیں سمجھ آ گئی۔ ان شاءاللہ! پھر ملاقات رہے گی۔ اللہ حافظ!

وسیم: اللہ حافظ! اور سمجھانے کے لیے شکریہ!

مالک مکان اور کرایہ دار کے درمیان مکالمہ

کردار

پہلا کردار: اسلم (مالک مکان)

دوسرا کردار: احمد (کرایہ دار)

منظر

مالک مکان کرایہ دار کے گھر آتا ہے اور مکان کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے۔

اسلم: السلام علیکم!

احمد: وعلیکم السلام۔ آیئے تشریف لایئے۔ میں نے کئی بار فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر رابطہ نہ ہو سکا۔

اسلم: دراصل میں تین ماہ کے لیے ملک سے باہر اپنے بیٹے کے پاس گیا ہوا تھا۔ بہر حال معاملہ کیا تھا؟

احمد: جناب! مکان کی حالت بہت خراب ہے۔ چھتیں ٹپکتی ہیں۔ کمروں کی سطح نیچی ہے۔ پانی جمع ہو جاتا ہے اور انتہائی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلم: مجھے اس صورت حال کا احساس ہے اور میں ضروری مرمت کرانا چاہتا تھا مگر مجھے شہر سے باہر جانا پڑا اور دوسرے برسات کا موسم بھی کچھ جلدی شروع ہو گیا ہے۔

احمد: آج کل تو برسات زوروں پر ہے اور آپ خود کمروں کی صورت حال کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

اسلم: مجھے صورت حال کا بہ خوبی احساس ہے۔ آپ کو جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، اس پر مجھے ندامت بھی ہے۔

احمد: آپ نے دوسری منزل پر جو دو کمرے مقفل کر رکھے ہیں، اگر وہ مل جائیں تو قدرے سکون کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

اسلم: آپ نے خوب یاد دلایا میں ان کمروں کو خالی کر دوں گا اور آپ ضروری سامان کے ساتھ وہاں منتقل ہو جائیں اور بارشوں کے یہ دن وہاں گزار لیں۔

احمد: کیا یہ ممکن ہے کہ ہم بالائی منزل میں منتقل ہو جائیں اور آپ ان دنوں میں مکان کے زیریں حصے کی مرمت کروا لیں۔

اسلم: میں اپنی سی کوشش کر دیکھوں گا۔ مگر میں تو اس لیے آیا تھا کہ آپ کرایہ میں کچھ اضافہ کریں کیوں کہ آج کل مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے۔ اور آپ کو رہتے ہوئے کئی سال ہو گئے ہیں۔

احمد: (قدرے تیز لہجے میں) دیکھیے! میں نے آپ کو مکان کی صورت حال بتا دی ہے۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ موسم برسات میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کے باوجود آپ کرایہ بڑھانے پر زور دے رہے ہیں۔

اسلم: میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو میرے مطالبے پر غصہ آیا اور اچھا ہوا آپ نے اس غصے کا اظہار بھی کیا۔ مگر یہ بات تو درست ہے کہ مکان کا موجودہ کرایہ انتہائی کم ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

احمد: محترم! سب سے پہلے مکان کو اس قابل بنائیے کہ اس میں کوئی شریف آدمی رہ سکے۔ اس کے بعد بے شک کرائے کے بارے میں مطالبہ کیجیے۔

اسلم: ضرور غور کیجیے اور یہ بھی غور کیجیے کہ آج کل مہنگائی بہت بڑھ چکی ہے۔

احمد: آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن آپ کے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

اسلم: بھائی! الحمد للہ! لیکن جتنی آمدنی ہے، اس لحاظ سے خرچے بھی اتنے زیادہ ہیں۔

احمد: ہاں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

اسلم: پھر یہ بھی دیکھیے کہ ایک شخص کی اگر آمدنی زیادہ ہے تو اس پر فرائض بھی اتنے ہی زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اس کی استطاعت کے مطابق ہی رکھا ہوا ہے۔

احمد: میں آپ کی بات سے متفق ہوں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں۔

اسلم: جزاک اللہ! آپ نے میری بات کو سمجھا۔

احمد: اللہ آپ کو خوش رکھے۔ لیکن پہلے کچھ ضروری مرمت ہو جائے تو مناسب ہے۔

اسلم: میں کل ہی مرمت کا کام شروع کروا دیتا ہوں۔ میں آپ کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہوں۔

احمد: آپ کا بہت بہت شکریہ! میری کسی بات سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔

اسلم: ارے نہیں! کوئی ایسی بات نہیں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ میں اب کل مستری کو لے کر حاضر ہوں گا۔

احمد: ان شاء اللہ! اگر آپ آج شام تک اوپر والی منزل کا کچھ انتظام کر دیں تو میں سامان لے کر اوپر شفٹ ہو جاؤں گا۔

اسلم: ہاں ہاں! ان شاء اللہ! میں ابھی ملازم کو بھجواتا ہوں۔ وہ یہ کام کر دے گا۔

احمد: جزاک اللہ! آج کے دور میں آپ جیسے شریف لوگوں کا دم غنیمت ہے۔

اسلم: یہ سب اللہ کا کرم ہے۔ اچھا میں اب چلتا ہوں۔ السلام علیکم!

احمد: وعلیکم السلام!

دو دوستوں کے درمیان سفرِ حج کے بارے میں مکالمہ

کردار

پہلا دوست: راحت

دوسرا دوست: انور

منظر

راحت اپنے دوست انور کے گھر آتے ہیں اور انھیں حج کی مبارک باد دیتے ہیں۔

راحت: السلام علیکم جناب! آپ کو بہت بہت مبارک ہو کہ اللہ نے آپ حج کی سعادت عطا کی۔

انور: شکریہ! راحت صاحب! میں تو خود آپ کی طرف آنے والا تھا کہ آپ تشریف لے آئے۔ دراصل میں آج ہی کراچی سے آیا ہوں اور تھکن محسوس کر رہا تھا، اس لیے حاضر نہیں ہو سکا۔

راحت: کوئی بات نہیں۔ میں تو خود منتظر تھا کہ آپ آئیں تو ملاقات ہو اور میں آپ سے حج کے روح پرور واقعات سن سکوں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(ISE)AHMAD

انور: واقعی! یہ بات تو ہے۔ یہ جذبات ہر مسلمان کے ہیں۔ اس چیز کی چاہت ہوتی ہے کہ وہ اگر حرمین شریفین خود نہ جا سکے تو اس کے بارے میں دوسروں سے ضرور سنے۔

راحت: بجا فرمایا آپ نے۔ ان گھروں سے محبت ہی ایسی ہے کہ ہر مسلمان کا دل وہیں اٹکا ہوتا ہے۔

انور: بالکل یہی بات ہے۔

راحت: مکہ معظمہ میں آپ کی رہائش حرم شریف سے کتنے فاصلے پر تھی؟

انور: جائے قیام سے حرم پاک تک کا فاصلہ صرف تین منٹ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہر نماز خانہ کعبہ میں باجماعت ادا کی۔

راحت: حرم پاک میں نماز ادا کرنے کے بارے میں آپ کے کیا جذبات ہیں؟

انور: ویسے تو سبھی مساجد اللہ کا گھر ہیں مگر خانہ کعبہ کی بات ہی کچھ اور ہے۔ وہاں تو محسوس ہوتا ہے کہ رات دن اللہ تعالیٰ کے انوار کی بارش ہوتی ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب ہزاروں لوگ اللہ کے گھر کا طواف نہ کر رہے ہوں اور گڑگڑا کر دعائیں نہ کر رہے ہوں۔

راحت: یہ تو واقعی بڑا روح پرور منظر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور خاص بات جو آپ نے وہاں محسوس کی ہو؟

انور: ایک خاص بات یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے ہی دل پر ایک رعب طاری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جمال کے ساتھ جلال کا ایسا احساس قائم ہوتا ہے کہ انسان کی روح عظمت اور تقدس سے سرشار ہو جاتی ہے۔

راحت: خدا کرے کہ ہمارے دل اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال سے منور ہو جائیں، آمین۔ جب کعبے پر پہلی نظر پڑی تھی تو کیا کیفیت ہوئی تھی؟

انور: کچھ نہ پوچھیے! آنسو ایسے رواں ہوئے تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ ایک ندامت کا احساس تھا جو دل و جان میں پھیل گیا تھا۔

راحت: بے شک ہم سب اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ کچھ مسجد نبوی کے بارے میں بھی بتائیے۔ آپ وہاں حج سے پہلے تشریف لے گئے تھے یا بعد میں۔

انور: میں حج سے پہلے مدینہ منورہ چلا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہاں بڑے اطمینان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

راحت: وہاں آپ کے قیام کا انتظام کیسا تھا؟

انور: رہائش کا انتظام موزوں اور تسلی بخش تھا اور حسن اتفاق سمجھیے کہ وہاں بھی جو رہائش ملی وہ مسجد نبوی کے بالکل قریب تھی۔

راحت: الحمدللہ! جب مسجد نبوی جاتے ہوں گے تو کیسا محسوس کرتے ہوں گے؟

انور: راحت صاحب! وہاں کی تو بات ہی مت پوچھیے۔ پہلی بار جب میں وہاں حاضر ہوا تو قدم اٹھتے ہی نہیں تھے۔ اپنے دل کی سیاہیاں سامنے آ جاتی تھیں۔ ایک شرمندگی کا احساس نے مجھے گھیر لیا تھا کہ کہاں ہم گناہ گار اور کہاں روضہ رسول ﷺ کی قربت۔

راحت: اللہ ہم سب کو نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ اور قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت سے فیض یاب کرے۔

انور: آمین! بس پھر میں نے روتے روتے روضہ اقدس میں سلام پیش کیا، جو زمین پر جنت کا ٹکڑا ہے۔

راحت: سنا ہے وہاں تہجد کی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھی جاتی ہے۔

انور: آپ نے درست سنا ہے۔ میں تہجد کی نماز مسجد نبویؐ ہی میں ادا کرتا رہا۔ پھر میں نے جب بھی دعا کی، اپنے لیے، اپنے اہل و عیال کے لیے، آپ جیسے دوستوں کے لیے، تمام مسلمانوں کے لیے اور بالخصوص اس امت مرحوم کے لیے جو اپنا راستہ کھو بیٹھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت مرحوم کی مشکلیں آسان کر دے۔

راحت: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی سب دعاؤں کو قبول کرے۔ مدینے سے لوٹتے ہوئے آپ کے جذبات کیا تھے؟

انور: بس یوں سمجھیے کہ آنکھ کے آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔۔ زبان تھی کہ اسے الفاظ ہی نہیں سوجھ رہے تھے۔ دل کی دھڑکنیں اور روح کی

لرزشیں تھیں کہ بار بار حاضری کی دعا کر رہی تھیں۔

راحت: اللہ آپ کو دوبارہ حاضری کی توفیق دے۔ آپ میرے اور میرے گھر والوں کے لیے بھی دعا کیجیے کہ اللہ ہمیں بھی جلد از جلد اپنے اور اپنے محبوب کے در پر حاضری کی توفیق دے، آمین۔

انور: آمین! اللہ آپ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے۔ اور ہاں یہ لیجیے۔ یہ آبِ زم زم اور کھجوریں ہیں۔

راحت: جزاک اللہ! اچھا تو اجازت دیجیے۔ پھر ملاقات ہوگی، ان شاءاللہ! السلام علیکم!

انور: وعلیکم السلام!

OOOOO

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

رُودادنویسی

ہدایات:

روداد نویسی سے مراد کسی تقریب، جلسے اور مشاعرے کا آنکھوں دیکھا حال ایک غیر جانبدار مبصر کے حیثیت سے پیش کرنا ہے۔ گویا یہ ایک نوع سے تلخیص بھی ہے اور جائزہ بھی یہ مضمون سے مختلف ہوتی ہے۔ مضمون میں ہم کسی موضوع پر مختلف خیالات کو ایک منطقی ترتیب اور انشاء کی دل آویزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں مگر روداد نویسی میں ہم جو دیکھتے ہیں اسے اختصار، ترتیب اور حسن کے ساتھ سپردِ قلم کرتے ہیں تا کہ وہ لوگ جنھوں نے اس تقریب کو نہیں دیکھا غائبانہ لطف اندوز ہو سکیں۔ ایک مضمون میں بحث و تمحیص کا دخل ہوتا ہے مگر روداد میں ایک واقعہ کی ترجمانی من و عن کی جاتی ہے مگر اسلوب کی خوبی، لکھنے والے کی اپنی ہوتی ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ روداد اس انداز سے لکھی جائے کہ قاری کے تصور میں ایک نقشہ کھنچ جائے اور اسے آرزو پیدا ہو کہ کاش وہ بھی اس محفل میں موجود ہوتا اور فکر و نظر کے موتیوں اور شعر ادب کے پھولوں سے اپنا دامن بھرتا۔

رُوداد نویسی کے لیے ضروری ہے کہ

- ☆ لکھنے والے کا مشاہدہ گہرا، نظر وسیع اور انداز اچھوتا ہو، تقریب کا کوئی اہم پہلو اس کی نظر سے اوجھل نہ رہے۔
- ☆ جلسے کی نوعیت، تاریخ، مقام، حاضرین اور مقررین کا ذکر ضروری ہے۔
- ☆ مقررین کی تقریروں کے اہم نکات، شاعروں کے وہ اشعار جن پر داد ملی ہو اور جنابِ صدر کے خیالات کا ملخص حسنِ ترتیب اور حسنِ ادا کے ساتھ پیش کرنا چاہیے۔
- ☆ روداد میں واقعیت ہونی چاہیے۔ اس میں حسنِ ادا ہونا چاہیے۔ مگر اس قدر زیادہ نہیں کہ روداد ایک مضمون معلوم ہو، آغاز کا پیراگراف موضوع کے مناسبت سے تعارفی حیثیت کا ہونا چاہیے۔
- ☆ انداز، سادہ اور پروقار ہونا چاہیے۔
- ☆ ایک روداد نویس (رپورٹر) کو اپنی رائے، تبصرے یا تنقید سے گریز کرنا چاہیے۔ بلکہ یہ بتانا چاہیے کہ سامعین کا کسی مقرر، شاعر یا ادیب کے بارے میں مجموعی تاثر کیا تھا۔
- ☆ ایک جلسے میں خوشگوار باتیں بھی ہوتی ہیں اور بعض ناگوار پہلو بھی، روداد نویس کو چاہیے کہ وہ پھولوں سے اپنا دامن بھرے اور کانٹوں سے دامن بچاتا گزر جائے۔ اچھی باتوں کو کھل کر بیان کرے اور ناگوار امور کی طرف (اگر ناگزیر ہو) محض ہلکا سا اشارہ کرے۔
- ☆ ایک روداد میں مقررین کا مختصر اور جامع تعارف بھی ہونا چاہیے تا کہ ناواقف قاری ان شخصیتوں کی روشنی میں ان کے خیالات کا مطالعہ کر سکے کیونکہ خیال کو شخصیت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔
- ☆ روداد کی ابتدا موقع کی مناسبت سے موزوں اور شگفتہ ہونی چاہیے تا کہ قاری کے دل میں کچھ اور جاننے کی امنگ پیدا ہو، ہر لکھنے والے کا انداز اپنا ہوتا ہے۔ اس انداز کی جھلک تحریر میں ایک فطری بات ہے جس طرح بعض تصاویر سپاٹ ہوتی ہیں اور بعض اس زاویے سے لی جاتی ہیں کہ وہ خود نگاہوں سے لپٹ جاتی ہیں۔ اِسی طرح بعض رودادیں ایسی ہوتی ہیں کہ قاری ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر آگے گزر جاتا ہے اور بعض یوں پیش کی جاتی ہیں کہ انہیں نہ اہلِ نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں نہ تماشائی۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

ایک نعتیہ مشاعرے کا آنکھوں دیکھا حال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ آپؐ کی محبت ہمارا ایمان اور آپ کا اسوہ ہمارے لیے بہترین مثال ہے۔ اگر ہم اس اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کریں تو ہم پھر سے اپنا کھویا ہوا عروج حاصل کر سکتے ہیں۔ آج ہماری تذلیل و رسوائی کی واحد وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے دوری ہے۔

ہر دور کے شاعروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت کو آغاز اسلام ہی سے موضوع بنایا ہے۔ حضورؐ کی شان میں جو شعر کہا جائے وہ نعت کہلاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ حضورؐ کی ولادت سے قبل بھی تھا کیونکہ حضورؐ کا ذکر قدیم صحائف میں موجود ہے۔ دربار رسالت میں بھی حسان بن ثابتؓ اور کعب بن زہیرؓ ایسے شاعر موجود تھے جو نعت کہتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی قریباً ہر دوسرے صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت کہی ہے۔ بعد میں یہ روایت فارسی شاعری سے ہوتی ہوئی اردو شاعری تک پہنچی۔ ہمارے دور کا ہر عظیم شاعر نعت کہنا اپنے لیے وجہ سعادت سمجھتا ہے۔ ان دنوں چونکہ ربیع الاول کا مہینا تھا، اس لیے ہمارے کالج میں ایک نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اس مشاعرے کی صدارت کے لیے لاہور سے ایک عظیم نعت گو جناب عبدالعزیز خالد کو مدعو کیا گیا تھا۔ مقامی شاعروں کے علاوہ پاکستان کے بہت سے نعت گو شاعر بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس محفل کا انعقاد کالج ہال میں کیا گیا تھا۔ جہاں سٹیج پر حصہ لینے والے شاعر فرشی نشستوں پر تشریف فرما تھے۔ جبکہ طلبہ اور باقی اساتذہ سامنے بچھی چاندنیوں پر بیٹھے تھے۔

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے کیا گیا۔ اس کے بعد جناب پرنسپل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ کا اسوہ قرآن کا آئینہ تھا۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے اخلاق اور قرآن کو مکمل ہم آہنگ بتایا ہے۔ آپؐ مجسم قرآن تھے۔ ان کے بعد مقامی شعراء کو دعوت دی گئی۔ احمد اریب آئے انہوں نے یوں عقیدت کے موتی بکھیرے۔

نے صبر ہے، نے ہوش ہے، نے طاقتِ گفتار تو گنجِ کرمؑ کانِ سخاؑ بحرِ عطا ہے
افسوس ترے دین سے بیگانہ ہوئے ہیں وہ لوگ ترے نام سے یاں جن کی بقا ہے

ان کے بعد زبیر نازش نے ترنم سے اپنی نعت پیش کی ان کے اس شعر پر خاص داد ملی۔

کیا خلد کی رنگینی بہلائے گی دل اس کا دیکھے ہیں یہاں جس نے گلزار مدینہ کے

آخر میں حضرت راز کاشمیری تشریف لائے۔ ان کی نعت مکمل انہماک اور توجہ سے سنی گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کے دل سے نکلے والی ہوک سامعین کے دلوں میں اُترتی جارہی ہے اور لوگ محسوس کر رہے ہیں کہ دینی اور دنیاوی سرخروئی اسی ایک دروازے سے وابستہ ہے ان کا ایک شعر پیش خدمت ہے۔

چندھیا گئی نگاہ کو اک نور کی کرن مشکوٰۃ پڑھتے سوچا تھا نقشہ حضورؐ کا

مقامی شعراء کے بعد مہمان شاعروں کو تکلیف دی گئی۔ سٹیج سیکرٹری نے ان کا تعارف کرایا۔ بطور نمونہ ان کے چند شعر پیش کیے اور پھر یکے بعد دیگرے انہیں دعوت دی گئی۔ ہر نعت کے بعد سٹیج سیکرٹری کا تبصرہ دلوں پر مستقل نقش چھوڑے جا رہا تھا۔ ان کے بعد اعظم چشتی تشریف لائے۔ انہوں نے نعت پیش کی۔ ان کے ترنم اور گداز نے سامعین کو تڑپا دیا۔

اک خالق جہاں ہے تو اک مالک جہاں اک جان کائنات ہے اک وجہ کائنات
اب تک سجی ہوئی ہے ستاروں کی انجمن اس انتظار میں کہ پھر آئیں وہ ایک رات

ان کے بعد ضمیر جعفری تشریف لائے' انہوں نے اپنی نعت تحت اللفظ میں پڑھی۔ مگر ان کے لہجے میں اتنا درد تھا کہ ان کا ہر شعر دل کا

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMADJ

میں اترتا چلا گیا۔ ایک شعر آپ بھی ملاحظہ کیجیے۔

حضورؐ آئے تو چمکیں فکر انسانی کی تنویریں حضورؐ آئے تو ٹوٹیں جبر و محکوی کی زنجیریں

ضمیر جعفری کے بعد نعیم صدیقی کو دعوت دے گئی۔ ان کی طویل نعت اسلوب کے حسن اور عشق کے جذبے کا حسین امتزاج تھی۔

یہاں کہاں سے مجھے رفعت خیال ملے کہاں سے شعر کو اخلاص کا جمال ملے
کہاں سے قال کو گم گشتہ رنگ حال ملے حضورؐ ایک ہی مصرع یہ ہو سکا موزوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں؟

آخر میں جناب صدر آئے۔ ان کی نعت قدیم صحائف کی اصطلاحات، قرآنی حوالہ جات اور تاریخی صداقتوں کی آئینہ دار تھی۔ ان کے پڑھنے کا انداز انتہائی دلکش تھا جو قدیم دور کے عظیم قصیدہ گو شاعروں کے انداز اور اسلوب کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ وہ شاعر دنیاوی بادشاہوں کے قصیدے لکھتے تھے۔ عبدالعزیز خالد اس وقت اس ذات مکرم کی تعریف و ستائش میں مصروف تھے جس کا سب سے بڑا نعت گو خود خدا ہے۔ اور قرآن جس کی کتاب نعت ہے۔ جناب خالد کا ایک شعر دیکھیے۔

اسی کو صاحب خلق عظیم کہتے ہیں وہی ہے نوع بشر کا معلم اعظم

جناب صدر کی نعت کے بعد پرنسپل نے سب کا شکریہ ادا کیا اور اس طرح یہ روح پرور محفل اختتام کو پہنچی اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

یوم اقبال کی روداد

اقبال محض ایک شاعر ہی نہیں بلکہ مفکر بھی تھے۔ یہی خوبی انھیں دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کی انفرادیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی فکر کا ماخذ قرآن اور سنت تھا۔ انھوں نے غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم کو بیدار کیا اور اسے ایک ولولہ تازہ دیا۔ انھیں غلامی سے نکل کر آزادی کی طرف بڑھنے کا جذبہ دیا۔

اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو لاہور سے تا خاک بخارا و سمر قند

ہمارے ملک میں 9 نومبر کو یوم اقبال بڑی عقیدت اور احترام سے منایا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں ہمارے کالج میں بھی یوم اقبال منایا گیا۔ یوم اقبال کی یہ پُروقار تقریب کالج ہال میں ۴ بجے سہ پہر منعقد ہوئی۔ اس تقریب کی صدارت کے لیے جناب پروفیسر مرزا محمد منور کو مدعو کیا گیا تھا۔ وہ ماہر اقبالیات بھی ہیں اور صاحب دل انسان بھی۔ نظامت کے فرائض صدر شعبہ اردو نے انجام دیئے۔ پروفیسر موصوف ساڑھے تین بجے تشریف لے آئے اور یوں وقت کی پابندی کی انہوں نے عملی مثال قائم کر دی۔ ٹھیک وقت پر جلسہ شروع ہوا۔ سٹیج پر صدر محترم کے ساتھ جناب پرنسپل تشریف فرما تھے۔ سب سے پہلے تلاوت قرآن پاک کی گئی جس کا شرف صدر شعبہ اسلامیات کو ملا۔ انہوں نے تلاوت کے بعد آیات قرآنی کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا۔ بعد میں احمد سعید نے اقبال ہی کے چند نعتیہ شعر پیش کیے۔ اس شعر پر حاضرین وجد میں آ گئے:

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اس کے بعد سٹیج سیکریٹری نے علامہ اقبال کی شاعرانہ عظمت پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ اقبال شاعرانہ صلاحیتیں

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے تھے اور انہوں نے اپنے الفاظ وکا سرمایہ مجازی محبوب کے لب و رخسار کی تعریف پر صرف نہیں کیا بلکہ اپنے ہر لفظ میں اپنا پیغام رکھ دیا ہے۔ اور وہ پیغام اسلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا پیغام ہے۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے

عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

ان کے بعد سال دوم کے ایک طالب علم ابوبکر نے اقبالؒ اور تحریک پاکستان کے حوالے سے ایک پر مغز مضمون پڑھا انہوں نے خطبہ الہ آباد سے قرارداد لاہور تک کے تاریخی سفر کو ادبی انداز سے پیش کیا اور بتایا کہ اقبالؒ اگر فکری رہنمائی نہ فرماتے تو قیام پاکستان کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔

ابوبکر کی اس فکر انگیز تقریر کے بعد ایک طالب علم نے ترنم سے اقبال کی ایک نظم پیش کی۔ یہ نظم علامہ اقبال نے ۱۹۳۲ میں انگلستان سے اپنے بیٹے جاوید اقبال کو بھیجی تھی۔ اقبالؒ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے اور جاوید اقبال نے والد محترم کو پہلا خط لکھا تھا جس میں یہ آرزو کی تھی کہ اقبال واپسی پر اس کے لیے ہارمونیم لے کر آئیں۔ اقبالؒ نے اس مکتوب کے جواب میں یہ چند شعر بھیجے تھے جو بظاہر بیٹے کے نام ہیں مگر امت مسلمہ کا ہر نوجوان اقبال کا مخاطب ہے اور اقبالؒ ہر مسلمان نوجوان کو تلقین کرتے ہیں کہ:

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر — نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو — سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر

ان کے بعد ایک طالب علم نے اس دور کی یاد تازہ کی جب اقبالؒ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بتایا کہ اس دور میں کون کون استاد علامہ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ افسوس کہ آج نہ ویسے استاد ہے اور نہ ویسے شاگرد۔ بحیثیت مجموعی انسان خسارے کی طرف جا رہا ہے اور یہ دور زوال پذیر ہے۔

اس کے بعد پھر ایک طالب علم نے علامہ اقبال کی وہ نظم ترنم کے ساتھ پیش کی جس کا عنوان "ترانہ ملی ہے"۔ ترانہ ملی کی بعد دو طلبہ نے علامہ اقبال کی وہ نظم تمثیل کے انداز میں پیش کی جو جبریل اور ابلیس کے درمیان ایک مکالمے کی شکل میں ہے۔

صدر محترم کے خطاب سے قبل جناب پرنسپل نے علامہ اقبال کے فرمودات کی روشنی میں سیرت و کردار کی تعمیر پر زور دیا اور تفصیل سے بتایا کہ علامہ نے مسلمان نوجوانوں سے کیا کیا امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں اور اشارتاً یہ بھی بتایا کہ آج کا نوجوان کس حد تک اقبال کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے۔

آخر میں جناب پروفیسر مرزا محمد منور نے ایک فکر انگیز، دل آویز اور پر مغز تقریر کی انہوں نے بتایا کہ کہ کفر و شرک کے کتنے ہی بادل کیوں نہ چھا جائیں۔ اخلاق و کردار کتنے ہی پامال کیوں نہ ہو جائیں۔ تن آسانی اور بے راہ روی کتنی ہی غالب کیوں نہ آ جائے، مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے' اقبال نہ خود مایوس ہوا اور نہ اس نے مسلمانوں کو مایوس ہونے دیا۔ اس نے امید کی لو کو ہر دور میں اونچا رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو شعر کے رنگ میں پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہی قومیں مایوس ہوا کرتی ہیں جن کے دل میں کفر نے اپنا آشیانہ بنا رکھا ہو۔ اس تقریر کے بعد یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔

MEDICATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

جلسہ تقسیم انعامات کی روداد

دسمبر ٹیسٹ کے نتیجے کی بنیاد پر انعامات کی تقسیم ہمارے ادارے کی ایک شاندار روایت ہے۔اس سے جہاں اعزاز پانے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے وہاں رہ جانے والوں میں بھی مقابلے کا جذبہ ابھرتا ہے اور محنت کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک خوبصورت اور بامقصد روایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ کی اکثریت دسمبر ٹیسٹ کی اس قدر تیاری کرتی ہے کہ بورڈ کے امتحان کی بھی اتنی تیاری نہیں ہوتی۔ کیونکہ انعامات تو بہرحال کتابوں کی شکل میں ملتے ہیں مگر کتابوں کے ساتھ ساتھ بحیثیت مجموعی اول آنے والے طلبہ کو گولڈ میڈل جبکہ دوم اور سوم آنے طلبہ کو میرٹ سرٹیفکیٹ دیئے جاتے ہیں جو عمر بھر ایک سہانی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ادارے میں دسمبر ٹیسٹ' دسمبر کے دوسرے عشرے میں لیا جاتا ہے۔ جبکہ تقسیم انعامات کی تقریب جنوری کے پہلے ہفتے میں منعقد ہوتی ہے۔

یہ ایک حسین اتفاق ہے کہ اس دفعہ تین مضمونوں میں میری اول پوزیشن تھی اور مجموعی اعتبار سے بھی میں اول تھا اس لیے یہ جلسہ تقسیم انعامات' میرے لیے ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے اور آج میں اُسی کی روداد قلم بند کر رہا ہوں۔

۵ جنوری کو تقسیم انعامات کے اجلاس کا اعلان ہوا۔ کالج گراؤنڈ میں خوبصورت شامیانے لگائے گئے۔ سٹیج پر صوفے رکھے ہوئے تھے جبکہ حاضرین کے لیے کرسیوں کا انتظام تھا۔ سٹیج کے دائیں جانب کالج سٹاف تشریف فرما تھا اور بائیں جانب انعام پانے والے طلبہ بیٹھے ہوئے تھے کالج کے دیگر طلبہ بھی سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ کرسیوں کی شروع کی تین قطاریں معززین اور طلبہ کے والدین کے لیے مخصوص تھیں۔

ٹھیک دس بجے کالج کے ایک ریٹائرڈ پرنسپل موجودہ پرنسپل صاحب کے ساتھ پنڈال میں داخل ہوئے۔ تمام حاضرین احتراماً کھڑے ہو گئے مہمان خصوصی اور جناب پرنسپل اپنی نشستوں پر تشریف فرما ہوئے۔ صدر شعبہ اردو نے نظامت (سٹیج سیکریٹری شپ) کے فرائض انجام دیئے انہوں نے صدر شعبہ اسلامیات کو تلاوت کی دعوت دی۔ انہوں نے قرآن مجید کی جو آیات تلاوت فرمائیں ان میں ایک آیت کا ترجمہ تھا کہ "انسان کے لیے کچھ نہیں ہے سوائے اس کے جس کے لیے کہ وہ محنت کرتا ہے" تلاوت کے بعد ایک طالب علم نے ترنم کی ساتھ ایک نعت پیش کی جسے حاضرین نے انتہائی احترام اور عقیدت کے ساتھ سنا۔ چند شعر دیکھئے

جب تری چشم عنایت سے گزر جاتے ہیں چمن دہر کے پھول اور نکھر جاتے ہیں
جب ترا نام مہکتا ہے مرے ہونٹوں پر جیسے تا حد نظر پھول بکھر جاتے ہیں

اس کے بعد جناب پرنسپل نے رپورٹ پیش کی جس میں گزشتہ سال کی شاندار کارکردگی کے ساتھ موجودہ امتحان کے نتائج کا ذکر کیا طلبہ کی تعریف بھی اور حوصلہ افزائی بھی اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ باقی طلبہ میں مقابلے اور محنت کا جذبہ ابھارا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ طلبہ وطن عزیز کی عظمت میں اضافہ کریں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں آسمان علم و نظر کا آفتاب و مہتاب بنا دے۔ انہوں نے درج ذیل دو شعروں پر اپنی رپورٹ ختم کی۔

یہ شگوفے ہیں تو ان کو پھول بنا چاہیئے یہ ستارے ہیں تو ان کو کیجیئے ماہ تمام
یہ اگر قطرے ہیں ان کو شوکت دریا ملے یہ اگر ذرے ہیں ان کو دیجئے سورج کا نام

ان کی رپورٹ کے بعد انعامات کا مرحلہ شروع ہوا جس کے لیے مہمان خصوصی سے التماس کی گئی۔ سٹیج سیکریٹری نے ہر مضمون میں اول آنے والے طلبہ کو ایک ایک کر کے پکارا اور مہمان خصوصی نے اپنے دست مبارک سے ہر طالب علم کو کتابوں کی شکل میں انعام عطا کیا۔ مجھے بھی اردو، انگریزی اور بیالوجی میں اول انعام ملا۔ چونکہ سائنس کے مضامین میں مجموعی اعتبار سے میں اول تھا اس لیے ایک بار پھر مجھے پکارا گیا اور مہمان خصوصی نے گولڈ میڈل میرے گلے میں ڈال دیا۔ تمام طلبہ نے تالیوں سے میری حوصلہ افزائی کی اور سٹیج سیکریٹری نے بھی بڑے خوبصورت انداز میں میری کارکردگی پر مختصر اظہار خیال کیا اور یہ شعر بھی پڑھا:-

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اس کے بعد ہر مضمون میں دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو انعامات بھی دیئے گئے اور تعریفی اسناد سے بھی نوازا گیا۔
آخر میں مہمان خصوصی نے خطاب فرمایا۔ سب سے پہلے انہوں نے پرنسپل صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے انہیں یاد رکھا۔ پھر انہوں نے کالج میں اپنے دور کا تذکرہ کیا۔ انہیں دوران تقریر میں بعض ایسے اساتذہ یاد آ گئے جو ان کے رفقائے کار تھے مگر موت کے ہاتھوں سے جدا ہو گئے وہ اس مقام پر غمگین بھی ہوئے اور اشک بار بھی۔
اس کے بعد انہوں نے جلد اپنے آپ پر قابو پالیا اور اصل موضوع کی طرف آ گئے انہوں نے انعام پانے والے طلبہ کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی اور انہیں دل کی گہرائیوں سے مبارک دی۔ ان کی تقریر کے ساتھ یہ محفل اختتام کو پہنچی۔ اور تمام حاضرین چائے سے لطف اندوز ہونے کے لیے کالج ہال میں چلے گئے۔

سیلاب کا آنکھوں دیکھا حال

انسان کی موجودہ ترقی کے سامنے چاند ستارے بھی جھکتے ہیں۔ آج کا انسان پانی سے بجلی پیدا کرتا اور بجلی جیسی خطرناک چیز کو اپنا خادم بنا لیتا ہے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالتا' عناصر پر حکمرانی کرتا اور چاند کے غاروں میں اترتا ہے۔ آدم خاکی کا یہ عروج بہرحال قابل قدر ہے۔ بقول اقبال

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں ۔ کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

یہ درست ہے کہ انسان کی فنکاری بعض اوقات قدرت کو شرما دیتی ہے اور وہ اپنے فانی ہاتھوں سے ابدی تصویریں بنا جاتا ہے۔ فطرت نے ریت کے ٹیلے بنائے ہیں اس نے اہرام مصر جیسی عمارتیں بنائی ہیں۔ فطرت کی شب تاریک میں روشنی کرنے کے لیے اس نے چراغ ایجاد کیا۔ یہ ذوق تسخیر فطرت ہے، جو انسان کو ہر لحظہ محو جستجو اور سراپا اضطراب بنائے رکھتا ہے اور اس کے اسی ذوق کے سامنے عناصر لرزہ براندام (کانپتے) ہیں۔

مرے ذوق تسخیر فطرت کے آگے ۔ عناصر کا قلب و جگر کانپتا ہے

اس ساری مادی ترقی اور خاکی عروج کے باوجود انسان بہرحال انسان ہے اور قدرت، قدرت۔ وہ بے بس اور لاچار ہے اور قدرت کی آزمائش کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جب قدرت اپنا اظہار کرتی ہے تو اس کے روبرو انسان عاجز و بیچارہ نظر آتا ہے۔ زلزلے آتے ہیں' پل بھر میں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارتیں زمین کے ساتھ ہموار ہو جاتی ہیں' جھکڑ چلتے ہیں مضبوط بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ اس طرح سیلاب آتے ہیں جو ہر شے کو گراتے اور بہاتے چلے جاتے ہیں۔ آج مجھے اس سیلاب کی ایک مختصر داستان بیان کرنا ہے۔

ہمارا گاؤں راوی کے کنارے واقع ہے۔ راوی کا بہتا ہوا پانی' لہروں کا خرام' مچھلیوں کا رقص' پرندوں کے نغمے' غرض دلکشی کے بہت سے سامان ہیں جو انسانی مشاہدے کے لیے ایک سرمایہ ہیں ہم ہر شام اور ہر صبح اس دریا کی موجوں کا نظارہ کرتے ہوئے میلوں سیر کیا کرتے ہیں۔ مگر برسات کے موسم میں اس دریا کو معلوم نہیں کیا ہو جاتا ہے کہ یہ یکایک غضب ناک ہو کر بپھرتا اور کناروں سے نکل کر اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو تنکوں کی طرح بہاتا چلا جاتا ہے۔

گزشتہ برس راوی اس طرح بپھرا کہ اس کی طغیانی اور سیلاب نے اردگرد کے دیہات کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ سب سے پہلے جو گاؤں اس سیلاب کا شکار ہوا وہ ہمارا گاؤں تھا۔ ہم لوگ رات سوئے ہوئے تھے۔ کہ پانی کی بلند لہروں نے ہمیں جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ پہلے بارش

اور آندھی کا طوفان آیا اور اس طوفان بادوباراں کے ساتھ ہی لہریں ہمارے مکانوں سے یوں ٹکرانے لگیں جیسے کوئی اژدہا عالم غضب میں اپنا سر ٹکراتا ہو۔ رات کا وقت، تاریکی کی حکمرانی، ہوا کا زور، بارش کی شدت اور دریا کی طغیانی نے ہمیں اس قدر پریشان اور بے بس کر دیا کہ ہمیں موت سامنے نظر آنے لگی اور ہم نے پہلی بار دل سے اللہ کو پکارا اور اس کی مدد کو اپنا آخری سہارا سمجھا۔

پانی کی لہریں مکانوں کی کھڑکیوں میں سے کمروں میں داخل ہو گئیں۔ ہمارے گھر کے اندر تین تین فٹ پانی تھا۔ ہم نے تمام سامان وہیں چھوڑا اور خود چھت پر پناہ لی۔ اسی طرح چار دن گزر گئے، کیونکہ اس سیلاب نے خوراک کے تمام ذخیروں کو تباہ کر دیا تھا۔ ہم بھوکے پیاسے قدرت کے رحم و کرم پر بیٹھے تھے۔

گاؤں کے تمام کچے مکان گر گئے۔ وہ منظر بڑا دلدوز تھا جب لوگ چیخیں مارتے ہوئے خالی ہاتھ اپنے گھروں سے نکلتے اور حسرت بھری نگاہوں سے مکان کے ملبے کو دیکھتے ہوئے جہاں پناہ ملتی چلے جاتے۔ میں نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے گھروں کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھروں میں لگے ہوئے درختوں پر پناہ لے رکھی تھی۔ ہمارے گاؤں کی بیشتر آبادی ویرانے میں بدل گئی تھی۔ ہم چھتوں پر بیٹھے پانی کی لہروں کی شدت اور غضب کا مشاہدہ کرتے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کئی درختوں کو، کئی لاشوں اور کئی جانوروں کو پانی کی لہروں میں بہتے دیکھا۔ یہ بڑا ہی ہراش منظر تھا۔ وہ انسان [illegible] کسی کے سامنے نہ جھکتا تھا اور جو غرور و تکبر کے تصویر تھا۔ آج عجیب بے بسی اور بیچارگی کے عالم میں تھا۔ یہ منظر کبر و نخوت کے اس پتلے کو انسانیت سکھانے کے لیے کافی تھا۔ مگر میں سوچ رہا تھا کہ یہ چند دن کا معاملہ ہے۔ ہم آج اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اس کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ موت ہمارے سر پر منڈلا رہی ہے۔ جب یہ وقت گزر گیا طغیانی رک گئی اور سیلاب تھم گیا تو کچھ عرصے تک اس کے یادیں باقی رہیں گی۔ آخر انسان سب کچھ بھول جائے گا۔ یہاں تک کہ اپنی حیثیت اور اپنی حقیقت بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔

ایک دن اچانک ایک ہیلی کاپٹر فضا میں نمودار ہوا۔ اس نے کھانے پینے کی چیزیں گرائیں۔ ہم نے کئی دن کے بعد حکومت کی اس امداد کی وجہ سے اپنی بھوک مٹائی۔ بعد میں بہت سی امدادی پارٹیاں آئیں۔ انہوں نے کشتیوں کے ذریعے ہمیں گاؤں سے نکالا اور ایک کیمپ میں پہنچا دیا جو حکومت نے سیلاب زدگان کے لئے قائم کیا تھا۔ وہاں ہمیں ٹیکے لگائے گئے تاکہ وبا نہ پھیل جائے۔ خوراک کا انتظام بھی خاصا معقول تھا۔

دو ہفتے گزرنے کے بعد پانی کا زور ختم ہوا اور ہم اپنے گھروں کو واپس آئے۔ ہمارا سارا ساز و سامان تباہ و برباد ہو چکا تھا اور مکان کو دراڑیں پڑ گئی تھیں اور گاؤں کا کوئی مقام ایسا نہ تھا جو سیلاب سے متاثر نہ ہوا ہو۔

اس سیلاب نے میرے دل پر اتنا اثر کیا کہ مجھے اس دنیا سے، دنیا کے جاہ و جلال سے اور دنیا کے ساز و سامان سے نفرت سی ہو گئی۔ میرے دل میں اللہ کی ہیبت بیٹھ گئی اور مجھے ہر قدم پر اپنی عاجزی اور بیچارگی کا احساس ہونے لگا۔ انسان کس قدر حقیر اور عاجز ہے مگر اس کے باوجود کتنا مغرور اور سرکش ہے۔ یہ قدرتی آفات انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کے لیے اور اس کی سرکشی کو قادر مطلق کے حضور میں زمین بوس کرنے کے لیے آتی ہیں۔ کاش یہ انسان اس سے کچھ سبق لے میرے تصور میں آج بھی سیلاب کے وہ ہولناک لمحے آتے ہیں تو روح کانپ جاتی ہے۔

دریا کے پانیوں کی بغاوت تھی دوستو — سیلاب تو نہیں تھا، قیامت تھی دوستو
پانی بپھر کے جنگ کا طوفان ہو گیا — سیل رواں کے روپ میں آفت تھی دوستو

MDCATBYFUTUREDOCTORSITOUSEEFAHMAD

ایک الوداعی تقریب

ہمارے کالج کے سال دوم کے طلبہ کے داخلے جا چکے تھے۔امتحان کی ڈیٹ شیٹ آ گئی تھی۔سال اول کے طلبہ نے ان کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب ترتیب دینے کا فیصلہ کیا۔انہوں نے تحریری طور پر سال دوم کے تمام طلبہ کو مدعو کیا۔اتوار کا دن تھا اور تقریب کا وقت ۴ بجے شام تھا۔ہم چار بجے کالج پہنچے تو کالج کے ایک خوبصورت پلاٹ میں شامیانہ نصب تھا۔قناتیں لگی ہوئی تھیں اور میزوں پر چائے اور مٹھائی ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔جلسے کا پروگرام کالج ہال میں تھا۔میں نے اپنا رول نمبر دیکھا اور بیٹھ گیا اس طرح دوسرے طلبہ بھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔سال اول کے میزبان طلبہ پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اس جلسے کی صدارت پرنسپل صاحب کو کرنا تھی۔انہیں ساڑھے چار کا وقت دیا گیا تھا۔ساڑھے چار تک کالج کے اساتذہ کرام بھی تشریف لے آئے تھے۔ان کے لیے پہلی دو قطاریں مخصوص تھیں۔جب پرنسپل صاحب تشریف لے آئے تو سال اول کے ایک طالب علم نے جو یونین کے انتخابات میں سال اول کے نمائندوں میں بھی تھے،سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔انہوں نے سب سے پہلے جناب صدر سے التماس کی کہ وہ کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہوں۔چنانچہ پرنسپل صاحب کرسیٔ صدارت پر تشریف فرما ہو گئے۔

تلاوت قرآن حکیم کے لیے کالج کے بہترین قاری طالب علم نوید اختر سے التماس کی گئی۔انہوں نے بڑے دلکش انداز سے قرآن حکیم کی تلاوت کی۔یوں محسوس ہوتا تھا سامعین پر جادو ہو چکا ہے۔مکمل سکوت تھا۔تلاوت قرآن پاک کے بعد سال اول کے ایک طالب علم نے نعت رسولؐ پیش کی۔نعت ظفر علی خاں کی تھی اور اس طالب علم کے ترنم نے نعت کو حاضرین کے دلوں میں اتارنا شروع کر دیا۔سامعین جھوم رہے تھے اور ان کے قلب و نظر عقیدت سے جھکے ہوئے تھے،انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھی تو ہو　　　ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمھی تو ہو

نعت کے بعد ایک طالب علم نے الوداعیہ پیش کیا۔اس نے بڑے دل گداز انداز سے ہمیں الوداع کہا۔ ہمارے لیے دعائیں کیں اور پرخلوص جذبات پیش کیے۔اس طالب علم کے جذبات کی شدت اور خلوص کو ہم نے محسوس کیا۔اور جب وہ وداعیہ الفاظ کہہ رہے تھے ہماری آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ چکی تھیں۔اور خود مقرر کی آواز بھرا گئی تھی۔یہ ایک عجیب منظر تھا کہ وہی کالج جس کے ذرے ذرے سے ہمیں پیار تھا جہاں ہم نے اپنی عمر عزیز کے دو سال گزارے تھے۔آج ہم اس سے جدا ہونے کو تھے اور اس کے در و دیوار کو سلام کرنے آئے تھے۔

الوداعیہ کے بعد سال دوم کے ایک طالب علم اظہر نوید نے جواب دیا۔انہوں نے اپنی تقریر میں کالج میں اپنے قیام کا ذکر کیا۔کالج کی دلچسپیوں کو بیان کیا۔پرنسپل صاحب کی شفقت اور اساتذۂ کرام کی مہربانیوں کا تذکرہ کیا۔غلطیوں اور کوتاہیوں پر معذرت کی اور دعا کی التماس کرتے ہوئے،رخصت ہو گئے۔

آخر میں جناب صدر سے خطاب کرنے کی التماس کی گئی۔انہوں نے بڑی شاندار تقریر کی۔صدر گرامی قدر کی تقریر کے بعد ایک طالب علم نے ایک نظم ترنم کے ساتھ سنائی۔اس نظم نے سب کو متاثر کیا۔مجھے دو شعر یاد رہ گئے ہیں۔

جب جہاں میں گردشِ دوراں ستائے گی ہمیں　　　اور جب نیرنگیاں قسمت دکھائے گی ہمیں
جب کہ بے آرامیاں ہم کو کریں گی بے قرار　　　یاد میں روئیں گے اے مکتب! تری ہم زار زار

اس کے بعد یہ الوداعی تقریب بڑے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ ختم ہوگئی۔بعد میں بڑی پرتکلف چائے سے ہماری تواضع کی گئی۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSKTOUSEEFAHMAD

ایک زلزلے کی روداد

(اِذا زُلزِلَتِ الارضُ زِلزالَھا)

یہ 8 اکتوبر 2005ء کی خوشگوار صبح کا ذکر ہے۔ میں کالج میں حسبِ معمول اپنی ہمجولیوں کے ہمراہ وین میں پہنچی۔ 8:05 پر ہمارا تیسرا پیریڈ چل رہا تھا کہ پورا کلاس روم لرز اٹھا۔ لڑکیاں اپنی کرسیوں پر ڈگمگا گئیں۔ میڈم بلیک بورڈ پر لکھ رہی تھیں کہ ہاتھ اچٹ گیا اور تختہ سیاہ پر چاک سے ایک لمبی سی لکیر کھنچ گئی۔ میڈم نے اللہ اکبر کہا اور ہمیں مخاطب کرتے ہوئے بولیں ''زلزلہ ہے، باہر بھاگو''۔ لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ بستے وہیں چھوڑ، ایک دوسرے پر گرتی پڑتی، باہر لان میں نکل آئیں۔ اِس افراتفری میں میڈم کی آواز ایک بار پھر ابھری۔ کہا ''نیچے زمین پر بیٹھ جاؤ اور آیت الکرسی یا جو کچھ بھی قرآن میں سے یاد ہو پڑھو۔ خود میڈم بھی زمین پر بیٹھ گئیں۔ بعض لڑکیاں بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھ رہی تھیں۔ سب انتہائی خوفزدہ تھیں۔ بعض رو رہی تھیں۔ زلزلے کے جھٹکے تھے کہ تھمنے میں نہیں آ رہے تھے۔ کالج کی پوری عمارت لرز رہی تھی۔ دل سینوں کے اندر لرز رہے تھے۔ ہر طرف اللہ اللہ کی آواز گونج رہی تھی۔ ہر کوئی خوف و دہشت کی گرفت میں تھا۔ کئی منٹ بعد جب زلزلے کے جھٹکے رُکے اور ہم سب نے خود کو اور کالج کی عمارت کو صحیح وسالم پایا تو اِک گونہ اطمینان ہوا۔ چہرے جو فق تھے اور رنگ جو زرد تھے ایک بار پھر خون کی حرارت سے دہکنے لگے۔ لیکن بوڑھی ہوتی ہوئی میڈم نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ ''اگر زلزلے کی شدت کا یہاں یہ حال ہے تو زلزلے کے مرکز کے اردگرد چاروں طرف کیا حال ہوگا؟'' دمکتے چہرے اس خوف سے پُرسوال اور پھر سے سنجیدہ اور گمبھیر ہو گئے۔

اتنے میں کالج کے دونوں ٹیلیفون نمبرز بری طرح مصروف ہو گئے۔ والدین پوچھ رہے تھے ہماری بچیوں کا کیا حال ہے؟ اب کالج کے پرنسپل بروئے کار آئے اور انہوں نے ٹیلیفون اٹنڈنس سے کہا سب کو ایک ہی جواب دو کہ کالج میں چھٹی کر دی گئی ہے آ کر اپنی بچی کو لے جائیں۔ کالج میں واقعی چھٹی کا اعلان کر دیا گیا اور بچیاں ویگنوں، رکشوں اور تانگوں وغیرہ میں گھروں کو روانہ ہوئیں تا کہ والدین سکھ کا سانس لیں۔ ادھر لڑکیوں کو گھر والوں کی خیریت مطلوب تھی۔ ایک بولی ہمارا تو سارا گھر چھتا ہوا ہے کوئی لان یا صحن بھی نہیں، گھر والے بھاگ کر کہاں گئے ہوں گے؟ دوسری نے تشویش بھرے لہجے میں کہا ہمارا گھر تین منزلہ ہے اور دادا جان کے وقتوں کا بنا ہوا ہے۔ دوسری منزل پر میرے چچا رہتے ہیں، چونتیس پینتیس جانوں کا کیا ہوگا؟

اتنے میں بھائی لینے آ گیا۔ میں نے گھبراہٹ میں کئی سوال ایک سانس میں پوچھ لیئے۔ جواباً اُس کے چہرے پر اطمینان کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ بولا ''ہر طرح سے خیریت ہے بلکہ پورا شہر بالکل محفوظ ہے، چڑیا کا بچہ تک زخمی نہیں ہوا۔'' یہ سن کر نہ صرف مجھے اطمینان ہوا بلکہ جس جس نے سنا سب مطمئن ہوئے کہ آفت رسید و لے بخیر گزشت۔ گھر پہنچی تو سب ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے تھے۔ پی ٹی وی کے کیمرے کی آنکھ صرف ایک ہی منظر کو دکھا رہی تھی۔ اسلام آباد کے ایف ٹین میں مارگلہ ٹاور نامی ایک دس منزلہ عمارت گری تھی جس میں کافی لوگ ہلاک ہوئے اور ابھی مزید نہ جانے کتنے ملبے تلے زندہ دبے ہوئے تھے اور حکومت کے پاس صرف کیمرے تھے۔ نہ کرین نہ بُلڈوزر نہ لمبی اونچی سیڑھی نہ کوئی محکمہ جس کے پاس تربیت یافتہ عملہ اور بھاری مشینری ہو۔ سب کچھ اللہ کے سپرد کہ جس نے درد دیا ہے تمہیں دوا دینا۔

لیکن شام تک منظر بدل چکا تھا۔ پی ٹی وی کے سوا دوسرے ملکی اور غیر ملکی چینلز خبر دے رہے تھے کہ آزاد کشمیر پورا اور صوبہ سرحد کا ایک حصہ قبرستان میں تبدیل ہو چکا ہے۔ صبح اخبار میں دیکھا تو رونگٹے کھڑے ہو گئے آزاد کشمیر کا سرحدی شہر باغ، مظفر آباد، صوبہ سرحد کے شہر مانسہرہ، گڑھی حبیب اللہ اور بالاکوٹ تک زلزلے نے وہ تباہی مچائی تھی کہ کوئی اینٹ دوسری اینٹ پر سلامت نہ تھی۔ ہر چھت اپنی دیواروں پر گری پڑی تھی۔ بچے بوڑھے عورتیں اپنے ہی گھروں کے ملبے تلے مر چکے تھے یا سسک رہے تھے۔ مظفر آباد کا ہسپتال اپنے مریضوں، مسیحاؤں اور نرسوں سمیت نیست و

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

نابود۔ مظفر آباد یونیورسٹی کے اڑھائی ہزار طلبہ، طالبات اور اساتذہ اپنی ہی یونیورسٹی کی دیواروں تلے دفن ہو چکے تھے۔ بالاکوٹ میں گرلز سکول کی ساڑھے تین سو بچیاں اینٹوں کے کفن پہنے سو رہی تھیں۔ اور تو اور مظفر آباد کی فوجی بیرکیں گرنے سے تین سو افسر اور جوان شہید ہو چکے تھے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ زلزلہ زدہ پہاڑی علاقے تک پہنچنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ زلزلے کی وجہ سے اتنی لینڈ سلائیڈنگ ہوئی تھی کہ تمام سڑکیں جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں اور پہاڑی ملبے تلے دب چکی تھیں۔ معلوم ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ کس قسم کا اور کتنا نقصان ہوا ہے۔ صرف ہیلی کاپٹر واحد ذریعہ رہ گیا تھا جس کے استعمال سے معلوم ہوا کہ جانی اور مالی نقصانات ہر اندازے سے کہیں زیادہ ہیں اور وہاں پہنچنے کی کوئی سبیل ہے نہ راستہ۔

ایسے میں ہماری فوج ہی بروئے کار آئی کہ پاکستان میں واحد منظم اور باوسیلہ ادارہ ہے اور زیرِ لب ایک حکم سے متحرک ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے انجینئرنگ کور کار آئی اور زلزلہ زدگان تک پہنچنے کے راستے صاف اور مرمت کیے۔ پھر آرمی اور ائیر فورس کے محدود ہیلی کاپٹر خوراک، کپڑے اور طبی سامان لے کر ... پوری دنیا کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے اِس سانحہ عظیم کو کوریج دی اور ہائی لائٹ کیا۔ ادھر صدر پاکستان نے پوری دنیا سے مدد کی اپیل کر ڈالی۔ چو... گھنٹے کے اندر اندر بین الاقوامی مدد پہنچنے لگی۔ ریسکیو ٹیمیں آئیں اور اپنے ہمراہ خوراک اور طبی سامان، تربیت یافتہ نوجوان اور کتے لائیں اور پوری تندہی ... امدادی کام میں جت گئیں لیکن بھاری مشینری نہ ہونے کی وجہ سے گھنٹوں کا کام دنوں میں ہو رہا ہے۔

اِس قیامتِ صغریٰ اور اس المناک سانحہ کا ایک مثبت پہلو بھی ہے جو اپنی نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے نہایت حیرت انگیز اور حوصلہ افزا ہے۔ پاکستانی قوم جسے سیاست دان دانشور اور صحافی مردہ، بے حس اور از کار رفتہ قرار دے چکے تھے اور جس کے بارے عام خیال یہ تھا کہ اس کے غرباء حال مست اور امراء مال مست ہیں۔ ایک بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوئی اور اِسی بے حس قوم نے نے مصیبت زدہ بھائیوں کے لیے اتنی زیادہ امداد مہیا کی اور اتنے زیادہ فنڈز عطیہ کیے کہ اِس امداد کو زلزلہ زدگان تک پہنچانا الگ سے ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ یہ سامان جو کپڑوں، کمبلوں، خیموں، خوراک اور دوائیوں پر مشتمل ہے محدود ٹرانسپورٹیشن کی وجہ سے کئی ہفتوں تک وہاں منتقل ہو سکے گا۔

لیکن اشیا اور فنڈ زکا یہ کام عارضی اور ہنگامی نہیں ہونا چاہیے کہ بس ایک ... آیا اور ختم۔ زلزلہ زدگان کی بحالی کا کام کئی سال تک چلے گا اور لاکھوں بے گھر لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے مسلسل فنڈنگ کی ضرورت ہوگی۔ کیا یہ ایثار پیشہ قوم اس طویل عمل کے لیے تیار اور آمادہ ہے؟ میرا خیال ہے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم سب اِن شاءاللہ کئی سال تک یہ کام کریں گے۔

پاسنگ آؤٹ پریڈ کی روداد

ہیلی کالج آف کامرس کے طلبہ کی پہلی پاسنگ آؤٹ پریڈ 11 مئی 1976ء کو شام پانچ بجے یونیورسٹی گراؤنڈ میں ہوئی۔ یونیورسٹی گراؤنڈ میں قومی پرچم کے ساتھ ہیلی کالج اور بٹالین پرچم بڑی خوبصورتی سے لہرا رہے تھے۔ مختلف رنگوں کی جھنڈیوں سے گراؤنڈ سجائی گئی تھی۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک اور اس کے ترجمے سے ہوا۔ بریگیڈیئر عطا محمد سیکٹر کمانڈر نیشنل گارڈز لاہور مہمان خصوصی تھے۔ جنہوں نے پریڈ کا معائنہ کیا اور سلامی لی۔ اس پریڈ کی نمایاں خصوصیات جواں سال بٹالین کمانڈر پروفیسر اظہر کی کارکردگی تھی۔ جنہوں نے کیڈٹوں کے ساتھ سارا سال ٹریننگ حاصل کی اور پاسنگ آؤٹ پریڈ پر اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے نبھائے۔ اس کے بعد بریگیڈیئر صاحب نے کیڈٹوں سے خطاب کیا۔ انہوں نے نیشنل گارڈز کے تحت نیشنل کیڈٹ کور اور دوسری تنظیموں کے قیام اور مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اور امید ظاہر کی کہ ان تنظیموں کے تحت تربیت پانے والے طلبا وقت آنے پر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

اس کے بعد کالج کے پرنسپل انیس احمد صدیقی نے مہمان خصوصی کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود یہاں تشریف

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

لائے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں توقع ظاہر کی کہ امید ہے اس ٹریننگ کے حاصل کرنے سے طالبات امیدوں پر پورے تاریں گے جوان سے وابستہ کی گئی ہیں آخر میں انہوں نے میجر آفتاب اقبال انچارج ٹریننگ ٹیم دفعدار غلام محی الدین۔ حوالدار نور خاں اور حوالدار احسن رشید کی بھی تعریف کی کہ انہوں نے لگن اور محنت سے طلباء کو ٹریننگ دی۔ بٹالین کمانڈر پروفیسر عبدالرحیم کی خدمات کو سراہا۔ جنہوں نے طلباء کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ نیشنل کیڈٹ کور میں کافی دلچسپی لی اور بڑی محنت اور لگن کے ساتھ ٹریننگ حاصل کی۔ تقریب کے بعد مہمانوں کی تواضع چائے سے کی گئی۔ آخر میں مہمانوں کی کتاب میں اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے بریگیڈیئر عطا محمد نے تحریر کیا کہ آج کی پریڈ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی ہے۔ میں ایک پروفیشنل کالج سے اس اعلیٰ معیار کی پریڈ کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

محفلِ مشاعرہ کی رُوداد

سیالکوٹ ایک ایسا علاقہ ہے جہاں شعروادب کی فصل ہمیشہ اُگتی رہتی ہے۔ علامہ اقبال جیسے عالمی شہرت یافتہ شاعر اور فیض احمد فیض نے اسی خطے میں جنم لیا۔ اس کے علاوہ شعروادب کے فلک پر چمکنے والے بے شمار ستاروں کا تعلق اسی مردم خیز دھرتی سے رہا ہے۔

پچھلے ہفتے تاجروں وصنعت کاروں کے نمائندہ ادارے ایوانِ صنعت وتجارت نے نئے آڈیٹوریم میں ایک محفل مشاعرہ کا انعقاد کیا۔ یہ مشاعرہ عام مشاعروں سے منفرد بھی تھا اور یادگار بھی۔ یہاں ایک بہت بڑی میز رکھی تھی، جس پر پھول ہی پھول تھے۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اندر گلاب مہک رہے تھے۔ ملک کے نامور شعرا جمع تھے۔ خواتین وحضرات کے خوشنما لباس اس مشاعروں کے رنگوں میں اضافہ کر رہے تھے۔ واقعی طلسماتی سا ماحول دکھائی دے رہا تھا۔

نظامت کے فرائض محمد آصف جلی نے ادا کئے۔ یہ محفل چار گھنٹوں تک سامعین کو مہکاتی رہی۔ سیالکوٹ میں بڑے یادگار مشاعرے ہوئے ہیں لیکن یہ مشاعرہ ایک نہایت خوبصورت اضافہ تھا۔ سیالکوٹ کی یہ پہچان ہے کہ یہاں سے کھیلوں کا سامان، سرجری کے آلات اور دیگر اَن گنت مصنوعات بیرون ممالک بھیجی جاتی ہیں، جس سے ملک کو زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ کاروباری حضرات سارا سال لائسنسوں، ٹیکسوں، گوشواروں اور کاروباری دلدل میں پھنسے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں اچھا شعر سننے والے اور اچھی داد دینے والوں کی خاصی تعداد تھی۔

مشاعرے میں قتیل شفائی، منیر نیازی، شہزاد احمد، مرتضیٰ برلاس، امجد اسلام امجد، عطاء الحق قاسمی، جاوید قریشی، شوکت فہمی، سرفراز سید، احسن رضوی، سعود عثمانی، ریحانہ قمر اور عمران نقوی شریک تھے۔ اسلام آباد سے احمد فراز، انور مسعود، جلیل عالی اور خالد اقبال یاسر تھے۔ سٹیج کا انتظام جناب محمد آصف بھلی کے ہاتھ میں تھا۔ آصف بھلی نامور وکیل، شاعر، ادیب، کالم نگار ہونے کے علاوہ تحقیق کے بھی مردِ میدان ہیں۔ تہذیبی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی ایک کتاب ان مشہور شعروں پر ہے، جو اکثر سنے اور پڑھے جاتے ہیں، لیکن ان کے شعروں کا لوگوں کو علم نہیں۔ ایک کتاب اُردو کی تاریخ میں قبولِ عام حاصل کرنے والی غزلیات پر مشتمل ہے۔ کمپیئرنگ کا فن بھی انہیں خوب آتا ہے۔

سٹیج سیکرٹری نے اپنے اشعار سنا کر مشاعرے کا آغاز کیا۔ اس کے بعد عمران نقوی کو دعوتِ کلام دی:

سنسان شاخ پر اب تک ہرا ہوں
خزاں موسم کا پہلا معجزہ ہوں
مجھے سورج کی صورت جاگنا ہے
کسی بے نور لمحے کی دعا ہوں

جاوید قریشی سٹیج پر آئے تو انہیں اس شعر پر داد دی گئی:

حادثہ تھا گزر گیا ہو گا
کس کے جانے کی بات کرتے ہو

شوکت فہمی کے یہ اشعار توجہ سے سنے گئے:

پیڑوں پہ پرندہ کوئی نہیں
کیا شہر میں زندہ کوئی نہیں
یہ ترا شہر بھی ہے شہرِ زلیخا جاناں
وہ پیغمبر ہے جو دامن کو بچا لے جائے

ریحانہ قمر کا نام پکارا گیا تو انہوں نے اپنے اشعار سامعین کے ذوق کی نذر کیے:

مسئلہ دونوں کا ہے طے بھی کریں گے دونوں
تیسرے کو بیچ میں لانے کی ضرورت کیا ہے
یاد آؤں گی تجھے اچھے دنوں کی صورت
میں مکمل تیری تنہائی نہ ہونے دوں گی

مسعود عثمانی کا نام پکارا گیا تو انہوں نے اپنے ان اشعار پر خوب داد سمیٹی:

حسابِ ترکِ تعلق تمام میں نے کیا
شروع اس نے کیا، اختتام میں نے کیا
بہت دنوں میں مرے گھر کی خامشی ٹوٹی
خود اپنے آپ سے اک دن کلام میں نے کیا

سرفراز سید معروف صحافی اور کالم نگار ہیں، ان کا یہ شعر بار بار سنا گیا:

اونچے اداس جنگلوں میں شام کی طرح
اترا دیارِ دل میں وہ الہام کی طرح

ڈاکٹر حسن رضوی کا نام پکارا گیا تو انہوں نے اپنے اس شعر سے سامعین کو چونکا دیا:

اب تو مٹی میں بھی پہلے سی وفا باقی نہیں
کھیت بنجر ہو گئے اور رُت پرانی ہو گئی

جلیل عالی کا نام لیا گیا تو انہوں نے یہ اشعار سنا کر سامعین کے دلوں کو گرما دیا:

شاخِ بے نمو پر بھی عکسِ گلِ رعنا رکھنا
آ گیا ہمیں عالی دل کو شادماں رکھنا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

کاروبار دنیا میں اہلِ درد کی دولت
سُود سب لٹا دیا، پاس ہر زیاں رکھنا

عطاء الحق قاسمی کالم نگار اور طنز و مزاح نگار ہیں۔اس کے علاوہ وہ شاعری کے میدان کے بھی بادِ پیما ہیں۔ان کے یہ اشعار توجہ سے سنے گئے۔

منزلیں بھی، یہ شکستہ بال و پر بھی دیکھنا
تم سفر بھی دیکھنا، رختِ سفر بھی دیکھنا
چند لمحوں کی شناسائی مگر اب عمر بھر
تم شرر بھی دیکھنا، رقصِ شرر بھی دیکھنا

امجد اسلام امجد مشہور ڈرامہ نگار، شاعر اور کالم نگار ہیں۔اس تقریب میں انہیں وارث کے خالق کہہ کہہ کر پکارا گیا۔انہوں نے اپنے ان مشہور اشعار سے محفل پر جادو سا کر دیا:

کہاں آ کے رکنے تھے راستے، کہاں موڑ تھا، اسے بھول جا
وہ جو مل گیا اسے یاد رکھ، جو نہیں ملا، اسے بھول جا
وہ ترے نصیب کی بارشیں، کسی اور کے چھت پر برس گئیں
دل بے خبر! مری بات سن، اسے بھول جا، اسے بھول جا

شہزاد احمد شاعر تو ہیں ہی، مترجم بھی بڑے اعلیٰ پائے کے ہیں۔نفسیات اور فزکس سے انہیں خاص لگاؤ ہے۔تقریبات میں ان کی شرکت باعثِ افتخار سمجھی جاتی ہے۔انہوں نے اپنے یہ اشعار پیش کئے:

شہر کو شہر اگر آئے بھی سمجھانے کو
اس سے کیا فرق پڑے گا ترے دیوانے کو
یہ ہنر وہ ہے جو دل سے کبھی سیکھا نہ گیا
تو نے تو جوڑ لیا توڑ کے پیمانے کو

شہزاد صاحب کے بعد مرتضیٰ برلاس کو کلام کی دعوت دی گئی:

ایسی بستی کو زمیں چاٹ لیا کرتی ہے
ظلم بڑھ جائے جہاں حد سے زیادہ برلاس

کتاب سادہ رہے گی کب تک، کبھی تو آغازِ باب ہوگا
جنہوں نے بستی اُجاڑ ڈالی، کبھی تو ان کا حساب ہوگا

قتیل شفائی نے اپنا کلام پیش کیا تو انہوں خوب داد دی گئی؟

یہ معجزہ بھی محبت کبھی دکھائے مجھے
کہ سنگ تجھ پہ گرے اور زخم آئے مجھے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

وہ مرا دوست ہے، سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے تو شرم آئے مجھے

منیر نیازی کو جب دعوتِ کلام دی گئی تو انہوں نے اپنے خاص انداز میں غزل سنائی:

وہم یہ تجھ کو عجب ہے اے جمالِ کم نما
جیسے سب کچھ ہو مگر تو دید کے قابل نہ ہو
چاہتا ہوں میں منیرؔ اس عمر کے انجام پر
ایک ایسی زندگی جو اس طرح مشکل نہ ہو

بس کے حادثے کا آنکھوں دیکھا حال

ہر روز میں گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر آتا۔ بہت دنوں سے مجھے خود پر کولہو کے بیل کا گمان ہونے لگا تھا۔ ایک جگہ کے پھول، ستارے اور شفق تک سے انسان کبھی کبھار اُکتا جاتا ہے حالانکہ جہاں بھی جائیں، چاند ستارے، آسمان، ہوا، پھول اور موسم وہی ہوتے ہیں صرف انسان کے اندر کا موسم بدلتا ہے۔ اسی دوران مجھے سیالکوٹ سے اپنے ایک دوست کی شادی کا کارڈ موصول ہوا۔ میں نے سوچا کہ دوست کی شادی میں شرکت کرنے سے ایک تو دل بہل جائے گا دوسرے آب و ہوا کی تبدیلی کا بھی احساس ہوگا۔

ہفتے کے روز میں صبح گیارہ بجے سیالکوٹ جانے والی بس میں سوار ہوا۔ سواریاں صندوق، گٹھڑیاں اور دیگر ساز و سامان اٹھائے بس میں داخل ہو رہی تھیں۔ جب بس کے اندر جگہ نہ رہی تو کنڈیکٹر نے آواز بلند کی "اے سی میں سفر کیجئے، جلدی آیئے۔" اس کا مطلب یہ تھا کہ بس کی چھت پر بیٹھئے اور کھلی ہوا کھایئے۔ جی چاہا کہ اتنے رش سے بھاگ جاؤں لیکن اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ خدا خدا کر کے کنڈکٹر نے ڈرائیور کو چلنے کا خاص اشارہ کیا۔ مجھے اس وقت جتنی دعائیں یاد تھیں وہ میں نے ایک ایک کر کے پڑھ ڈالیں۔ ڈرائیور نے جس انداز سے پہلا گیئر لگا کر بس تیز کی، اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ ڈرائیور کی عقابی روح اب بیدار ہو چکی ہے۔ اب اسے اپنی منزل آسمانوں پر نظر آ رہی ہے۔ اسی وقت ڈرائیور نے ٹیپ آن کر دی۔ خدا جانے وہ گانے والی تھی یا گانے والا۔ بہر حال ایک شور برپا تھا۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی والا معاملہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہماری بس بڑی سڑک پر رواں دواں تھی، اچانک پیچھے سے ایک بس آئی، اس نے ہماری بس کے برابر دوڑنا شروع کر دیا۔ اس بس کے ڈرائیور نے ہمارے ڈرائیور کو دیکھ کر طنزیہ اشارہ کیا۔ اب تو ہمارے ڈرائیور نے بس کو جہاز سمجھ لیا۔ ہم نے اسے سمجھایا لیکن اس نے کہا کہ "یہ خود کو سمجھتا کیا ہے؟" دوسرے ڈرائیور نے اپنی بس پوری رفتار پر دوڑانا شروع کر دی۔ کوئی سپیڈ بریکر آتا یا کوئی اونچی نیچی جگہ آتی تو سواریاں اُچھل کر چھت سے ٹکراتیں مگر دونوں بسوں کے ڈرائیوروں کو ایک دوسرے سے آگے گزر جانے کی فکر لاحق تھی۔ دوسری بس کا ڈرائیور شاید غصے کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس نے پھر ہماری بس کو اوور ٹیک کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ اوور ٹیک کر رہا تھا تو مخالف سمت سے ایک تیز رفتار ٹرک آ گیا۔ اسی لمحے زوردار دھماکہ ہوا۔ بس اور ٹرک الٹ گئے۔ سواریوں کی چیخ و پکار نے پورے ماحول کو سوگوار بنا دیا۔

میں نے اپنی زندگی میں ایسا سوگوار منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سواریاں شیشوں میں پھنسی ہوئی تھیں، کسی کی گردن کٹ چکی تھی، کسی کی ٹانگ جسم سے الگ ہو کر دور جا پڑی تھی۔ میں اور ہماری بس کی بہت سی سواریاں اس بدقسمت بس سے زخمیوں کو باہر نکالنے میں مصروف ہو گئے۔

اتنے میں قریبی تھانے سے پولیس کی گاڑیاں پہنچ گئیں۔ سب سے پہلے انہوں نے زخمیوں کو نکال کر قریبی شہر کے ہسپتال میں پہنچایا۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

یہ تو ایک ایسا حادثہ تھا، جو ڈرائیور صاحبان کی بے وقوفی سے ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بھی حادثات ہوتے ہیں۔ پچھلے سال عید کی رات کو میں بس سٹینڈ پر کھڑا تھا۔ ایک بس اڈے میں داخل ہوئی۔ چند ثانیے بعد اس بس کا ڈرائیور سرخ سرخ آنکھیں گھماتا ہوا نیچے اترا۔ اس کی چال میں ڈگمگاہٹ تھی۔ اڈے پر سواریاں تھیں۔ ڈرائیور بس کے مالک کے پاس جا پہنچا۔ بس کا مالک کہنے لگا "یہ آخری پھیرا ہے، لگا لو۔" ڈرائیور نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔ "میں تین دن سے جاگ رہا ہوں۔ اب مجھے میں مزید جاگنے کی ہمت نہیں۔ میں یہ پھیرا لگا کر سواریوں کو موت کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہتا۔" بس کا مالک اس کی منت سماجت کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس پھیرے کے بعد جتنا چاہے سونا۔" ڈرائیور نے کہا کہ "وہ تو میں کہہ رہا ہوں کہ اس پھیرے کے بعد میں ابدی نیند سو جاؤں گا۔"

دیکھنے کو یہ ایک حادثہ تھا لیکن اس حادثے سے کتنے خاندان متاثر ہوئے ہوں گے؟ کس کس پر قیامت ٹوٹی ہوگی؟ کس کس کا کلیجہ منہ کو آیا ہوگا؟ کاش ہم ایسے نقصانات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کاش ہمارے ڈرائیور بھائی تیز رفتاری کے جنون سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

کالج میں منعقد ہونے والے جلسہ سیرت النبی ﷺ کی روداد

دیگر عنوانات:

۱۔ کالج میں منعقد ہونے والے جشن عید میلاد النبی ﷺ کی روداد
۲۔ کالج میں منعقد ہونے والی مذہبی تقریب کی روداد
۳۔ کالج میں منعقد ہونے والی ایک تقریب کی روداد

گذشتہ دنوں ہمارے کالج کے ہال میں "اسلامک سوسائٹی" کے زیر اہتمام جلسہ سیرت النبی ﷺ منعقد ہوا۔ ہال رنگا رنگ جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی ہمارے شہر کے ایک مشہور عالم دین مولانا عبدالغفور صاحب تھے۔ جب کہ تقریب کی صدارت ہمارے کالج کے پرنسپل صاحب نے کی۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ہمارے کالج کے اسلامیات کے پروفیسر عبدالعزیز صاحب نے سرانجام دیئے۔ تقریب کی کاروائی کا آغاز سالِ اوّل کے طالب علم امان اللہ نے اپنی پر تاثیر آواز میں تلاوتِ کلام پاک سے کیا۔ بعد میں انہوں نے نعتِ رسول مقبول ﷺ پڑھ کر سامعین کے دلوں کو گرمایا۔

تلاوتِ کلام پاک کے بعد اسٹیج سیکرٹری نے مختصر الفاظ میں اس تقریب کی غرض و غایت بیان کی۔ اس کے بعد سال دوم کے طالب علم صلاح الدین سے کہا گیا کہ وہ اسٹیج پر آ کر رسولِ پاک ﷺ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالے جس نے اپنی تقریر کا آغاز یوں کیا۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سارا قرآنِ پاک سرورِ کائنات ﷺ کی خوبیوں اور اوصاف سے بھرا پڑا ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ موجب تخلیق کائنات ہیں۔ اگر آپ ﷺ پیدا نہ ہوتے تو پھر نہ یہ کشادہ زمین ہوتی نہ بلند و بالا آسمان، نہ صحرا ہوتے اور نہ ریگستان، نہ یہ زندگی، نہ موت۔ آپ ﷺ دراصل مقصودِ کائنات ہیں اور انبیاء کے سردار۔ آپ ﷺ رسولوں کے سرتاج ہیں اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے۔

اس کے بعد سالِ اوّل کے طالب علم محمد آصف کو دعوت دی گئی جس نے سیرت طیبہ ﷺ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا خدائے بزرگ و برتر نے سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کے نور کو پیدا کیا اور عالم ارواح میں بھی آپ ﷺ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت آدمؑ نے آپ کا اسم مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ اس سے آپ سرورِ کائنات ﷺ کی عظمت اور بزرگی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس کے بعد سالِ دوم کے طالب علم عمران خان نے اپنی پر تاثیر اور پر درد آواز میں نعتِ رسول مقبول ﷺ پڑھ کر آنحضرت ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے کالج کے کئی شعلہ بیان اور بہترین مقررین طلباء کو تقاریر کی دعوت دی گئی جس کے بعد اسٹیج سیکرٹری نے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

پرنسپل صاحب کو سیرتِ رسول مقبول ﷺ پر روشنی ڈالنے کی دعوت دی، جنہوں نے فرمایا جس مادی آفتاب کی ضیا پاشی سے ہر ذرہ درخشندہ و تابناک ہوتا ہے، اسی طرح ماہِ ہدایت کی روشنی کائنات کے ہر ذرے پر ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی رحمت کا دامن ہر ذی روح پر پوری طرح سے چھایا ہوا ہے۔ رحمت محبت سے پیدا ہوتی ہے اور محبت رحمت چاہتی ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہمارا ایمان اس وقت تک نامکمل ہے جب تک حضور ﷺ کی محبت رگ و پے میں جاری و ساری نہ ہو۔ موت جو اس محبوب کے قدموں میں آئے ہزار زندگیوں سے بہتر ہے۔

اس کے بعد اسٹیج سیکرٹری نے مہمان خصوصی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا: موصوف کا تعلق اور واسطہ ہمارے ہی شہر سے ہے۔ آپ ایک باعمل عالم دین اور حافظ قرآن ہیں۔ عوام آپ کو بڑے قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ پھر انہیں دعوت دی گئی کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سیرت پر روشنی ڈالنے کے لئے تشریف لائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضورِ اکرم ﷺ ایک چمکتے ہوئے آفتاب ہیں، جس طرح آفتاب چمک رہا ہو تو اس سے کئی چیزیں وجود میں آتی ہیں اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ کے فیض سے تمدن، اخلاق اور روحانیت وجود میں آتی ہے۔ آپ کی عظمت کو سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ آپ ﷺ کی عظمت یہ ہے کہ جبریل امین آپ ﷺ کو عرشِ معلیٰ لے جانے کے لئے آتے ہیں جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود کوہِ طور پر جا کر ملاقات کی درخواست کرتے ہیں۔ مسلمان تمام اقوام عالم اور مذاہبِ عالم میں ایک بلند مقام اور رتبہ رکھتے ہیں اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے نام لیوا نوعِ انسانی کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اگر ہم اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں تو انشاء اللہ کامیابی ہر میدان میں ہمارے قدم چومے گی۔

اس کے بعد مہمان خصوصی نے پوزیشن حاصل کرنے والے مقررین میں اپنے دستِ مبارک سے انعامات تقسیم کئے۔ باقی مقررین کو بھی حوصلہ افزائی کے لئے انعامات دیئے گئے۔ آخر میں پرنسپل صاحب نے مہمان خصوصی کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے سیرت پاک ﷺ کی تقریب میں شرکت کر کے ہمارے دلوں کو بڑھایا۔ بلاشبہ سیرتِ پاک ﷺ کی تقریب میں شرکت کرنا باعث سعادت ہے۔ اس طرح یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

آتش زدگی کے واقعہ کا آنکھوں دیکھا حال

اکثر اخبارات میں آتشزدگی اور اس سے ہونے والے جانی و مالی نقصانات کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ ہولناک خبریں پڑھ کر ہر دردمند شہری کا دل دھک سے رہ جاتا ہے، مگر کبھی ہم نے یہ بھی سوچا ہے کہ آئے دن آتشزدگی کے یہ ہولناک حادثات کیوں رونما ہوتے ہیں؟ اگر اس نکتے پر غور کیا جائے تو بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ ہر آتشزدگی کی وجہ انسانی لاپرواہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم معمولاتِ زندگی میں احتیاط سے کام لیں تو پھر ایسے حادثات اور جانی و مالی نقصانات کی روک تھام کی جا سکتی ہے۔ میں ایسے ہی آتشزدگی کے ایک واقعے کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کر رہا ہوں۔

بڑی مشکل سے ابھی نصف شب ہی گزری ہوگی۔ گلی میں بالکل خاموشی تھی۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ مجھے ابھی نیند نہیں آئی تھی کہ ایک دم شور مچ گیا ”آگ لگ گئی“۔ میرے کانوں میں یہ آواز پہنچی تو ایک دم گھبرا کر اٹھا اور نیچے اتر آیا۔ شور سن کر ہر شخص موقع پر پہنچا۔ چاروں طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ بچاؤ بچاؤ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک دو منزلہ مکان کو آگ لگی ہوئی تھی۔ شعلوں نے مکان کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ گھر کے مکینوں کی چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کوئی بچا ہوا سامان باہر پھینک رہا تھا، کوئی پانی لینے ادھر ادھر بھاگ رہا تھا، کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ ہوا تیز تھی، خطرہ یہ پیدا ہو گیا کہ شعلے سارے محلے کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لیں۔

ہر شخص کے دل میں یہی خوف تھا کہ یہ آگ کہیں سارے محلے کے مکانوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر نہ بنا دے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر شخص آگ بجھانے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا۔ ساتھ والے ایک بالٹی اس مکان پر ڈالتے اور ایک بالٹی اپنے مکان پر ڈال رہے تھے تا کہ آگ آگے بڑھنے نہ پائے۔ بالٹیوں پر بالٹیاں چل رہی تھیں لیکن آگ خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

لوگوں کا خیال تھا کہ گھر کے تمام افراد نکل آئے ہیں مگر ایک عورت کی آواز آ رہی تھی کہ ”میرا بچہ اوپر کی منزل پر پہلے کمرے میں جھولے میں پڑا ہوا ہے۔ اسے بچاؤ۔“ وہ چیخیں مار مار کر یہی بار بار کہہ رہی تھی۔ لوگ سن بھی رہے تھے مگر کسی کو جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ ایسے میں آگ

میں چھلانگ لگا کر اس کے بچے کی جان بچا سکے۔ میں نے اس خاتون سے پوچھا! کون رہ گیا اور کہاں رہ گیا؟ اس نے اوپر کی منزل کے ایک کمرے کی جانب ہاتھ سے اشارہ کر کے روتے چیختے ہوئے کہا کہ میرا ایک سال کا بچہ اس کمرے میں جھولے میں پڑا ہوا ہے۔ خدارا! کوئی اسے بچاؤ۔ وہ وہاں سویا ہوا تھا۔ میں تین بچوں کو اٹھا کر نیچے لے آئی مگر آگ کے شعلے بڑھ جانے اور دھوئیں کے باعث کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں بے بس ہو گئی ہوں۔ خدا کے لئے میرے بچے کو بچاؤ۔

اتفاق سے اس گھر کے دونوں مرد اپنے ایک عزیز کی شادی میں شرکت کی غرض سے قریبی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ آگ اس قدر زیادہ بھڑک اٹھی تھی کہ کوئی تدبیر کام نہیں کر رہی تھی۔ اسی دوران ایک نوجوان چلا اٹھا کہ مجھے کمبل دے دو، میں بچے کو بچا کر لاؤں گا۔ ایک ہمسایہ نے اسے گھر سے کمبل لا کر دے دیا۔ اس نے کمبل اٹھا کر اسے پانی کے ٹب میں ڈال کر اچھی طرح بھگو لیا اور اپنے گرد لپیٹ کر مکان کے اندر جانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اللہ سے دعا مانگی کہ ''بارِ الٰہی! تو مجھے توفیق اور ہمت دے کہ میں ایک ماں کی گود کو ویران ہونے سے بچا سکوں۔''

وہ اللہ کا نام لے کر شعلوں میں داخل ہوا۔ اوپر کی منزل ابھی پوری طرح آگ کی لپیٹ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے جلدی سے بچے کو اٹھایا اور اسی بھیگے ہوئے کمبل میں لپیٹا۔ اب نیچے کی منزل پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ لکڑی کی سیڑھی بھی اس لپیٹ میں آ چکی تھی ساتھ ہی دھواں اس قدر زیادہ تھا کہ دم گھٹا جا رہا تھا مگر اس نوجوان نے اپنے ہوش وحواس قائم رکھے اور خیریت اس میں سمجھی کہ نیچے اترنے کی بجائے ساتھ والے مکان کی چھت پر چھلانگ لگا دے جو بالکل محفوظ تھی۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ یہ چھت دس فٹ نیچی تھی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر چھلانگ لگائی۔ اسے چوٹ تو ضرور لگی مگر بچہ بالکل صحیح سلامت رہا۔

اسی اثناء میں فائر بریگیڈ کی دو گاڑیاں پہنچ گئیں۔ انہوں نے پائپ لگا دیئے اور پانی کی دو موٹی موٹی دھاریں مکان کی آگ پر حملہ آور ہوئیں۔ پانی اتنے زور سے نکلتا تھا کہ اوپر کی منزل تک پہنچ رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں آگ پر قابو پا لیا گیا۔ سامان تو سارا جل گیا، مکان بھی تباہ ہو چکا تھا مگر اللہ کا شکر ہے کہ کوئی جانی نقصان نہ ہوا اور قریبی مکانات بھی محفوظ رہے۔

ایک مباحثے کی روداد

کالجوں میں مباحثوں کا انعقاد ایک زندہ روایت ہے۔ چنانچہ اچھے کالجوں میں اکثر و بیشتر پنجابی، اُردو اور انگریزی زبانوں میں مباحثے منعقد ہوتے رہتے ہیں اور طلباء وطالبات اُن میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان دنوں کالجوں میں خوب رونق اور گہما گہمی ہوتی ہے۔

ایسا ہی ایک اُردو مباحثہ ہمارے کالج میں ۲۵ نومبر کو منعقد ہوا۔ مباحثہ کی قرارداد یہ تھی۔ ''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ''

اس مباحثے کے صدارت سٹوڈنٹس یونین کے صدر محمد عائز نے کی۔ مباحثہ ٹھیک دس بجے کالج کے ہال میں شروع ہوا۔ سب سے پہلے قاری محمد یوسف نے تلاوت کلام پاک کی پھر صاحب صدر نے مباحثے کے قواعد وضوابط پڑھ کر سنائے اور مقررین طلباء کو بتایا کہ ہر مقرر کو پانچ منٹ دیئے جائیں گے۔ ان پانچ منٹوں میں وہ اپنے خیالات ودلائل مہذب انداز میں پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ اطلاع کے لئے پہلی گھنٹی تین منٹ پر بجے گی جب کہ دوسری گھنٹی پورے پانچ منٹ پر بجائی جائے گی۔ دوسری گھنٹی پر مقرر کو اپنی تقریر ختم کر کے اسٹیج پر سے جانا ہوگا۔ اگر وہ وقت کی پابندی کا خیال نہیں رکھے گا تو اُسے مقابلہ سے خارج کر دیا جائے گا۔ زبان شگفتہ اور مہذب استعمال کی جائے۔ کسی پر ذاتی حملہ کرنے، مذاق اڑانے سے اجتناب برتا جائے۔ آج کے اس مباحثے کے منصفین کرام اس کالج کے تین معزز صاحبان ہیں۔ ان کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوگا۔ اس کالج کے طلباء اگر مباحثہ میں حصہ لیں گے تو وہ مقابلے میں شریک تصور نہیں کئے جائیں گے اور نہ ہی وہ کسی انعام کے مستحق ہوں گے۔

صدر کی ابتدائی تقریر کے بعد ہمارے کالج کے ہونہار طالبعلم علی عباس نے سب سے پہلے گذشتہ اجلاس کی کاروائی پڑھ کر سنائی، پھر اعتراضات طلب کئے۔ سب حاضرین نے کاروائی سے صاد کیا تو صدر نے اس پر دستخط ثبت کر دیئے۔

اس کے بعد قائد ایوان کو دعوت دی گئی۔ وہ اُس راسٹرم پر کھڑے ہوئے جس پر موافق کے الفاظ جلی حروف میں لکھے ہوئے تھے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD

انہوں نے قرارداد کے حق میں نہایت دھواں دھار تقریر کی اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عورت کی وجہ سے ہی اس کائنات میں رونق اور حسن ہے ورنہ یہ کائنات بے کیف اور بے رنگ ہوتی۔

اُن کے بعد مخالف طرف سے بھی ہمارے کالج کے ایک طالبعلم حیدر علی نے جوابات دیئے۔ انہوں نے مختلف دلائل سے ثابت کرنے کی سعی کی کہ مرد ہی ایک اس کائنات کی سجاوٹ، حسن اور نکھار کا ضامن ہے۔ عورت نے تو اس دھرتی پر فتنہ وفساد برپا کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ عورت کا وجود اگر نہ ہوتا تو یہ کائنات زیادہ خوبصورت، دلچسپ اور حسین ہوتی۔ حیدر علی کے جانے کے بعد مختلف کالجوں سے آئے ہوئے طلباء نے پُرجوش تقاریر کیں۔ مخالف وموافق کی طرف سے بڑے بڑے دلائل دیئے گئے۔ خوبصورت لفاظی اور پُرزور لہجے کی بنا پر تقاریر کو موثر بنانے کی کوشش کی گئی جن کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

قرارداد کے حق میں بولنے والوں نے کہا۔

۱۔ عورت سلیقہ، قرینہ و ترتیب کی علامت ہے۔
۲۔ عورت حسن ہے، تخلیق نسل کا باعث ہے۔
۳۔ عورت ہی مرد کی دلچسپیوں کا محور اور اس کی فتوحات کا سبب ہے۔
۴۔ عورت ہی اس کائنات کے خاکے میں رنگ بھرتی ہے۔
۵۔ عورت ایک پھول ہے جہاں میں۔
۶۔ عورت زندگی ہے، بیٹی ہے، ماں ہے، بیوی ہے اور بہن ہے۔

قرارداد کے مخالف بولنے والوں نے کہا۔

۱۔ عورت فریب، دھوکہ، مکاری اور عیاری کا نام ہے۔
۲۔ اگر عورت نہ ہوتی تو ہم جنت میں زندگی کا مزہ لے رہے ہوتے، جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکلوایا اماں حوا نے اور اماں حوا ایک عورت تھی۔
۳۔ نپولین بونا پارٹ کی شکست کا سبب جوزافائن تھی اور جوزافائن ایک عورت تھی۔
۴۔ حضرت یوسفؑ کو جیل بھجوانے والی زلیخا تھی اور زلیخا ایک عورت تھی۔
۵۔ عورت ہی اس کائنات میں فتنہ وفساد کا سبب ہے۔
۶۔ وارث شاہ نے کہا

''رن، فقیر، تلوار، گھوڑا چاروں تھوک کسے دے یار نہ ہیں''

ہر مقرر کی تقریر نہایت جامع اور پرزور تھی۔ قرارداد کے حق میں چند ایک طالبات نے بھی تقریریں کیں۔ اُن کی تقریروں کو خوب سراہا گیا اور ہر ایک مقرر تالیوں کے شور میں اسٹیج پر سے رخصت ہوا۔ اکثر مرتبہ صاحب صدر نے حاضرین کو خاموش رہنے کی درخواست کی مگر طلباء جوش وخروش کی وجہ سے نعرے لگا رہے تھے اور مخالفین کو ہوٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

آخر میں دونوں قائدین نے ایک بار پھر بحث میں حصہ لیتے ہوئے بحث کے دوران اٹھائے گئے بعض نکات کی وضاحت کی۔ اُنہوں نے مزاحیہ انداز میں بعض مقررین کے خیالات واسالیب پر طنزیہ فقرے بھی چست کئے۔

اس کے بعد صاحب صدر محمد عائز نے قرارداد استصواب رائے کے لئے صدر ایوان کے سامنے پیش کی۔ ایوان نے متفقہ طور پر قرارداد منظور کی۔ ایک بار پھر ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ منصفین کرام اپنا فیصلہ مرتب کر رہے تھے۔ اس لئے صدر صاحب نے کالج کے نعت خواں محمد شریف کو نعت سنانے کے لئے درخواست کی۔ محمد شریف نے پرسوز لہجے میں نعت سنائی اور سامعین کے دل موہ لیے۔ اسی اثنا میں منصفین کرام نے فیصلہ مرتب کر لیا جس کا اعلان پروفیسر جعفری نے کیا اور مباحثہ میں اوّل، دوم اور سوم آنے والے مقررین کو کتابوں کی صورت میں انعامات دیئے اور اُنہوں نے جامع انداز میں قرارداد کے حق میں تقریر بھی کی۔ اس طرح ہمارے کالج کا یہ اُردو مباحثہ انجام کو پہنچا۔

OOOOO

درخواست نویسی

1- **پرنسپل کے نام بیماری کی وجہ سے طویل رخصت کی درخواست**

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، اسلام آباد

عنوان: بیماری کی وجہ سے طویل رخصت کے لیے درخواست

جنابِ عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں آپ کے کالج میں سالِ اول پری میڈیکل کا طالب علم ہوں۔ گزشتہ کئی روز سے میری طبیعت بے حد ناساز ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح طور پر کہا ہے کہ میری بیماری کی نوعیت ایسی ہے کہ مجھے مکمل آرام کی ضرورت ہے اور انھوں نے کم از کم ایک ماہ آرام کی ہدایت کی ہے۔ ان کی ہدایات اور میڈیکل سرٹیفکیٹ ساتھ منسلک ہے۔ گزارش ہے کہ آپ مجھے طبی بنیاد پر ایک ماہ کی رخصت عنایت فرمائیں جس کے لیے میں آپ کا بے حد شکرگزار رہوں گا۔

12 اکتوبر 2018ء

العارض

آپ کا تابع فرمان

ا۔ب۔ج

2- **پرنسپل کے نام فیس معافی کے لیے درخواست**

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، راولپنڈی

عنوان: فیس معافی کے لیے درخواست

جنابِ عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں آپ کے ادارے میں سالِ اول کا طالب علم ہوں۔ میٹرک میں میری فرسٹ ڈویژن تھی۔ کالج میں بھی اساتذہ کرام کی رائے بہت اچھی ہے۔ گزشتہ ٹیسٹ میں بھی میری پہلی پوزیشن تھی۔

میں ایک شریف اور معزز خاندان کا فرد ہوں۔ والد صاحب گزشتہ چھ ماہ سے بے کار ہیں۔ پہلے وہ محنت مزدوری کر لیتے تھے مگر اب بیماری نے انہیں بے بس کر دیا ہے۔ ہم گیارہ افرادِ خانہ انتہائی تکلیف اور کسمپرسی کے عالم میں وقت گزار رہے ہیں۔ ان حالات میں اگر میری فیس معاف ہو جاتی ہے تو یہ میرے لیے ایک بہت بڑی مدد ہوگی۔ بصورتِ دیگر ہو سکتا ہے کہ میرا یہ تعلیمی سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اس مہربانی کے لیے میں آپ کا بے حد شکرگزار رہوں گا۔

20 اپریل 2018ء

العارض

آپ کا تابع فرمان

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

3۔ پرنسپل کے نام کیریکٹر سرٹیفکیٹ کے حصول کے لیے درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، ایبٹ آباد

عنوان: کریکٹر سرٹیفکیٹ کے حصول کے لیے درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ میں آپ کے ادارے میں دو برس تک ایف ایس سی، پری انجینئرنگ کا طالب علم رہا ہوں۔ میں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا ہے۔ اس کے علاوہ کالج میں ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی پیش پیش رہا ہوں۔ اب مجھے یونیورسٹی میں داخلے کے لیے کریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے جس کے لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ بصد احترام گزارش ہے کہ مجھے کریکٹر سرٹیفکیٹ عنایت فرمائیں تاکہ میں اپنی تعلیم کا سلسلہ بہ حسن وخوبی جاری رکھ سکوں۔ اس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔

16 اگست 2018ء

العارض

آپ کا تابع فرمان شاگرد

ا۔ب۔ج

★★★★★

4۔ پرنسپل کے نام حج پر جانے کے لیے رخصت کی درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، اسلام آباد

عنوان: حج پر جانے کے لیے رخصت کی درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ میرے والدین اس سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ اس بابرکت موقع کو غنیمت جانتے ہوئے، وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھ میری درخواست بھی جمع کروائی تھی۔ ہماری درخواستیں منظور ہو چکی ہیں اور ہم ان شاء اللہ یہاں سے 10 جنوری کو روانہ ہوں گے۔ اس لیے آپ سے التماس ہے کہ آپ مجھے 10 جنوری سے 20 فروری تک چالیس دن کی رخصت عنایت فرمائیں۔ اس کرم نوازی کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔

3 جنوری 2017ء

العارض

آپ کا تابع فرمان

ا۔ب۔ج

UPLOADED BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

5- پرنسپل کے نام کالج میں دوبارہ داخلے کے لیے درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، اسلام آباد

عنوان: دوبارہ داخلے کے لیے درخواست

جناب عالی!

گذارش ہے کہ میں آپ کے ادارے میں سال دوم کا طالب علم ہوں۔ میں ٹائیفائڈ کی وجہ سے مسلسل پچیس دن کالج نہیں آسکا۔ میرے والد ضعیف ہیں اور ان کے علاوہ کوئی کالج اطلاع دینے والا بھی نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے اس امر کی اطلاع بھی نہیں دے سکا اور میرا نام کالج سے خارج کر دیا گیا۔ اب میں اپنی بیماری کا سرٹیفکیٹ اس درخواست کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ اور آپ سے مؤدبانہ التماس کرتا ہوں کہ مجھے کالج میں دوبارہ داخلے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تا کہ میں اپنی تعلیم با قاعدگی سے جاری رکھ سکوں۔ اس کرم کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔

28 مئی 2018ء

العارض

آپ کا تابع فرماں

ا۔ب۔ج

★★★★★

6- پرنسپل کے نام بورڈ کا داخلہ بھجوانے کی درخواست

بخدمت جناب پرنسپل، گورنمنٹ کالج، ٹیکسلا

عنوان: بورڈ کا داخلہ بھجوانے کے لیے درخواست

جناب عالی!

گذارش ہے کہ میں آپ کے زیر سایہ پری میڈیکل سال دوم کا طالب علم ہوں۔ میرا پچھلا تعلیمی ریکارڈ انتہائی شاندار ہے۔ مگر بدقسمتی سے میں اس دسمبر ٹیسٹ میں موٹر سائیکل کے حادثے کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکا۔ اس حادثے میں میرے دائیں بازو پر سخت زخم آئے تھے جس کی بنا پر امتحان میں شرکت کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس امر کا میڈیکل سرٹیفکیٹ اس درخواست کے ساتھ منسلک ہے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ آپ مجھ پر مہربانی فرما کر بورڈ کا داخلہ بھیجنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے اور میرے اس عذر کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ جس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔

13 جنوری 2018ء

العارض

آپ کا تابع فرمان

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

7۔ پرنسپل کے نام مضمون تبدیل کروانے کے لیے درخواست

بخدمت جناب پرنسپل ، گورنمنٹ کالج ، اسلام آباد

عنوان: مضمون تبدیل کروانے کے لیے درخواست

جناب عالی!

مؤدبانہ التماس ہے کہ میں نے کالج کے داخلہ فارم میں پری میڈیکل کے مضامین پڑھنے کے لیے منتخب کئے تھے۔ مگر جب تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور سائنس کے سارے مضامین انگلش میں پڑھائے جانے لگے تو میں نے محسوس کیا کہ پری میڈیکل کے مضامین میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آرٹس کے مضامین رکھ کر ایف۔ اے کے امتحان میں شرکت کروں۔ براہِ کرم مجھے فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی کی جگہ اسلامیات، سوکس اور پنجابی کے مضامین رکھنے کی اجازت دی جائے تا کہ میں اپنی تعلیم بہتر انداز میں جاری رکھ سکوں۔ میں آپ کی اس نوازش کے لیے ہمیشہ ممنون رہوں گا۔

25 اکتوبر 2018ء

العارض

آپ کا تابع فرمان

ا۔ب۔ج

★★★★★

8۔ پرنسپل کے نام تفریحی اور مطالعاتی دورے پر جانے کے لیے درخواست

بخدمت جناب پرنسپل ، گورنمنٹ کالج ، راولپنڈی

عنوان: تفریحی اور مطالعاتی دورے پر جانے کے لیے درخواست

جناب عالی!

بصد احترام گذارش ہے کہ ہم سائنس سوسائٹی، سالِ دوم کے طلبہ نے کھیوڑہ میں موجود نمک کی کان کے ایک تفریحی اور مطالعاتی دورے کا پروگرام بنایا ہے۔ جو پروفیسر جناب نعیم اکرم کی سرپرستی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جس کے لیے ہم 18 اکتوبر کو راولپنڈی سے کھیوڑہ جانا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ سے التماس ہے کہ آپ ہمیں اس تفریحی اور مطالعاتی دورے پر جانے کی اجازت مرحمت فرما کر ہمارے ذوقِ سیاحت اور مطالعہ کی سرپرستی فرمائیں۔ اس نوازش کے لیے ہم آپ کے بے حد شکر گزار رہیں گے۔

10 اکتوبر 2018ء

العارض

آپ کے تابع فرمان

جملہ ممبران سائنس سوسائٹی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

9۔ صوبائی وزیر تعلیم کے نام اپنے علاقے میں گرلز ہائی سکول کے قیام کے لیے درخواست

جناب وزیر تعلیم، صوبہ خیبر پختونخواہ، لاہور

عنوان: گرلز ہائی سکول کے قیام کے لیے درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ میں ضلع ایبٹ آباد کے ایک گاؤں کا رہائشی ہوں جہاں لڑکیوں کے لیے ایک مڈل سکول قائم ہے۔ مگر انھیں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہاں سے دوسرے گاؤں کے ہائی سکول میں جانا پڑتا ہے۔ ذرائع آمدورفت نہ ہونے کی بنا پر تعلیم کی خواہش مند لڑکیوں کو پیدل آنا جانا پڑتا ہے جس سے کئی قسم کی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ہمارے گاؤں کے مڈل سکول کو ہائی سکول کا درجہ دے کر ایک دیرینہ مطالبے کو شرف قبولیت بخشیں۔ تاکہ اس گاؤں کی بہت سی لڑکیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر ملک وقوم کی خدمت میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔ اس نوازش کے لیے گاؤں کے تمام لوگ آپ کے بے حد شکر گزار رہیں گے اور آپ کے اقبال کے لیے دعا گو رہیں گے۔

26جنوری2018ء

درخواست گزار

آپ کی توجہ کا طالب

ا۔ب۔ج

10۔ ایس پی کے نام تھانے دار کے ناشائستہ رویے کے بارے میں درخواست

بخدمت جناب ایس پی، ضلع مانسہرہ

عنوان: تھانے دار کے ناشائستہ رویے کے خلاف درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ میں مانسہرہ سٹی کا رہائشی اور اس ملک کا ایک معزز شہری ہوں۔ مگر مجھے انتہائی دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ کل جب مجھے اپنی موٹر سائیکل کی چوری کی رپورٹ درج کرانے کے لیے تھانے جانا پڑا۔ ایک تو تھانے دار صاحب نے رپورٹ درج نہیں کی دوسرا انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے برا بھلا بھی کہا اور گالم گلوچ پر بھی اتر آئے جس کا مجھے انتہائی دکھ ہے۔ جناب عالی! اس صورت حال میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ آپ متعلقہ تھانے دار صاحب کو اپنا رویہ درست کرنے کے لیے تنبیہ بھی کریں اور موٹر سائیکل کی چوری کی رپورٹ درج کرنے کا حکم بھی دیں۔ ورنہ اس طرح کے رویے عوام کا اداروں پر اعتماد ختم کر دیں گے۔ اس نظرِ کرم کے لیے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

23جنوری2018ء

العارض

آپ کا مخلص

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

11۔ ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر کے نام اپنے علاقے میں وبا پھیلنے کے حوالے سے درخواست

بخدمت ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر، مردان

عنوان: وبا کے پھیلنے حوالے سے درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ میں مردان کے ایک ذیلی گاؤں کا رہائشی ہوں اور بڑے افسوس کے ساتھ آپ کو مطلع کر رہا ہوں کہ برسات کے بعد ہمارے گاؤں میں ہیضہ پھوٹ پڑا ہے۔ دو دن میں چھ آدمی اس کی لپیٹ میں آ چکے ہیں اور دو کے لیے یہ وبا جان لیوا ثابت ہو چکی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں صفائی کی صورتحال انتہائی ناقص ہے۔ گندے پانی کے نکاس کا کوئی بندوبست نہیں۔ گاؤں کے اردگرد جوہڑ ہیں جو ہر وقت گندے پانی سے لبریز رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر سال کوئی نہ کوئی بیماری گاؤں میں پھوٹ پڑتی ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ اس ناگہانی مصیبت سے بچاؤ کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں ورنہ بصورتِ دیگر کئی گھروں کے چراغ بجھ جائیں گے۔

25 اگست 2018ء

العارض

اہلِ علاقہ

ا۔ب۔ج

12۔ میئر کارپوریشن کے نام علاقے کی متعفن صورت حال کے بارے میں درخواست

بخدمت جناب میئر، میونسپل کارپوریشن، راولپنڈی

عنوان: علاقے کی متعفن صورت حال کے بارے میں درخواست

جناب عالی!

گزارش ہے کہ میں سیٹلائٹ ٹاؤن کا رہائشی ہوں۔ اس میں واقع کالج روڈ کا زیادہ تر حصہ انتہائی خراب حالت میں ہے۔ یہ سڑک بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور جا بجا گڑھے پڑے ہوئے ہیں۔ عام حالات میں بھی اس سڑک سے گزرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ جب کہ برسات کے موسم میں ایک دفعہ بارش ہو جائے تو اس سڑک پر ہفتوں پانی کھڑا رہتا ہے اس پانی میں تعفن اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ معلوم کہ مچھر بکثرت پرورش پاتے ہیں اور مکینوں کے لیے رات کاٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وبائی امراض کا خدشہ سر پر سوار رہتا ہے۔ بارش کے دنوں میں طالبات کے لیے یہاں سے گزرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اور انہیں اس مختصر راستے کو چھوڑ کر دوسرا طویل راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

اسی لیے میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ ذاتی دلچسپی لے کر اس سڑک کو درست کرنے کی کوئی عملی تدبیر فرمائیں۔ جس کے لیے ہم اہلِ علاقہ آپ کے احسان مند رہیں گے۔

25 اکتوبر 2018ء

العارض

اہلِ علاقہ

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

پوسٹ ماسٹر کے نام ایک پارسل کی گمشدگی کے حوالے سے درخواست

13۔

بخدمت جناب پوسٹ ماسٹر جنرل، خیبر پختونخواہ، پشاور

عنوان: پارسل کی گمشدگی کے حوالے سے درخواست

جنابِ عالی!

آج سے تقریباً تین ماہ قبل میرے ایک عزیز ارشاد علی نے راولپنڈی سے میرے لیے کتابوں کا ایک پارسل بذریعہ ڈاک بھیجا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ پارسل ابھی تک مجھے نہیں ملا۔ اس پارسل کی رسید جو ڈاک خانے نے جاری کی تھی، اس درخواست کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ پارسل میں جو کتابیں تھیں وہ انتہائی قیمتی اور نایاب تھیں۔ مجھے آپ سے بجا طور پر توقع ہے کہ آپ اس الجھن کو فوری طور پر حل کرنے کی سعی فرمائیں گے۔ اس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔

9 اپریل 2018ء

العارض

عرض گزار

ا۔ب۔ج

14۔ ہیلتھ آفیسر کے نام قصبے میں ڈسپنسری کے قیام کے لیے درخواست

بخدمت جناب ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر، ایبٹ آباد

عنوان: ڈسپنسری کے قیام کے لیے درخواست

جنابِ عالیٰ!

گزارش ہے کہ ہمارا قصبہ ایبٹ آباد سے تقریباً پندرہ میل کی دوری پر واقع ہے۔ یہ قصبہ آبادی کے لحاظ سے ضلع بھر میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک ایسا مرکزی مقام ہے جہاں بیسیوں چھوٹے چھوٹے گاؤں اپنی ضروریات کے لیے کھنچے آتے ہیں۔

اس قصبے میں تین چار ڈاکٹروں کی نجی دکانیں ہیں جو غیر تربیت یافتہ ہیں اور لوگ اَتھائیوں سے رجوع کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ لوگ وحشیانہ انداز سے مجبور اور بیمار انسانیت کو لوٹتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قصبے میں ایک گورنمنٹ ڈسپنسری کھولی جائے تاکہ اہلِ قصبہ اور مضافات میں رہنے والے لوگ علاج معالجے کی سہولت سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اہلِ قصبہ اس کرم فرمائی کے لیے آپ کے شکر گزار رہیں گے۔

7 جنوری 2018ء

عرض گزار

اہلِ قصبہ

ا۔ب۔ج

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

15- چیئرمین بورڈ کے نام سند جاری کرنے کی درخواست

بخدمت جناب چیئرمین، بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، راولپنڈی

عنوان: سند کے حصول کے لیے درخواست

جناب عالی!

مودبانہ گزارش ہے کہ میں نے ایف ایس سی سالِ دوم کا امتحان، بہار 2016ء میں رول نمبر 12345 کے ساتھ پاس کیا تھا۔ دوسال گزرنے کے باوجود مجھے ابھی تک سند نہیں ملی جب کہ میرے دیگر ہم جماعت اپنی اسناد وصول کر چکے ہیں۔ اور اسی سال مجھے انجینئرنگ یونیورسٹی میں گریجوایشن کے داخلے کے لیے اصل سند کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں آپ سے نہایت ادب سے التماس کرتا ہوں کہ مجھے میری سند جلد از جلد ارسال کی جائے تاکہ میں اپنا داخلہ بھجوا سکوں۔ اس مہربانی کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔

12 اگست 2018ء

العارض

آپ کا مخلص

ا۔ب۔ج

16- چیئرمین بورڈ کے نام پرچے کی پڑتال کی درخواست

بخدمت جناب چیئرمین، بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن، ایبٹ آباد

عنوان: فزکس کے پرچے کے لیے پڑتال کی درخواست

جناب عالی!

مودبانہ گزارش ہے کہ میں نے ایف ایس سی سال دوم کا امتحان بہار 2018ء میں رول نمبر 12345 کے ساتھ دیا تھا۔ جس کا نتیجہ دو دن قبل سامنے آیا ہے۔ تمام مضامین کا نتیجہ میری توقع کے عین مطابق ہے لیکن فزکس کے پرچے میں صرف 40 نمبر ہیں۔ جب کہ میں نے پورا پرچہ حل کیا تھا۔

جناب عالی! میٹرک کے امتحان میں میرے فزکس کے پرچے میں 80 نمبر تھے اور مجھے یقین تھا کہ ان شاء اللہ ایف ایس سی میں بھی بہتر نمبر حاصل کروں گا۔ اس لیے گزارش ہے کہ میرے فزکس کے پرچے کی پڑتال کی جائے تاکہ میری اس الجھن کا کوئی حل نکل سکے۔ اس کے لیے میں آپ کا بے حد ممنون رہوں گا۔

12 ستمبر 2013ء

العارض

آپ کا مخلص

ا۔ب۔ج

ooooo

MDCATBYFUTUREDOCTORSBYTOUSEEFAHMAD

خطوط نویسی

خط ایک ایسی نجی تحریر ہے جس میں آپ اپنے جذبات، احساسات اور خیالات بے ساختہ انداز میں دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں۔ یہ نثر کی واحد صنف ہے جس میں خط لکھنے والا اپنے مکتوب الیہ سے شخصی سطح پر ہم کلام ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خط کو نصف ملاقات بھی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے ای میل، ایس ایم ایس اور سوشل میڈیا کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ تاہم روزمرہ زندگی میں خط کئی انداز سے ابھی بھی اپنی اہمیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جس طرح زندگی میں آئے دن وسعت اور پیچیدگی آتی جا رہی ہے اُسی طرح خطوط بھی اپنی نوعیت میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم خطوط کو مندرجہ ذیل اقسام میں تبدیل کر سکتے ہیں:

خط کی اقسام

1۔ شخصی یا نجی خطوط

ان خطوط کی نوعیت سراسر ذاتی ہوتی ہے۔ ان میں مکتوب الیہ عموماً کوئی دوست، استاد، والد یا والدہ، بہن بھائی، چچا چچی، یا کوئی دیرینہ تعلق دار ہو سکتا ہے۔ ایسے خطوط میں وہ انداز نہیں اپنائیں گے جو کسی اخبار کے ایڈیٹر وغیرہ کے نام خط میں اپناتے ہیں۔ تاہم ان خطوط میں آپ کا مخاطب کرنے کا انداز تعلق کی نوعیت کے حوالے سے بدلتا ہے۔

عمومی خطوط

ایسے خطوط اگرچہ کسی ایک شخص کے نام ہی لکھے جاتے ہیں مگر چوں کہ ان میں کسی ایسے مسئلے یا معاملے کی نشاندہی کی جاتی ہے جو کسی خاص فرد یا خاص شخص سے متعلق نہیں ہوتا بل کہ اس کی نوعیت عمومی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایسے خطوط میں کسی اجتماعی معاشرتی مسئلے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ایسے خطوط کا مخاطب کوئی ایک شخص نہیں ہوتا بل کہ پورا معاشرہ ہی ہوتا ہے۔ ایسے خطوط عموماً کسی اخبار کے ایڈیٹر کے نام، یا کسی انتظامی محکمے کے منتظم کے نام یا کسی سیاسی شخصیت کے نام ہوتے ہیں۔

رسمی خطوط

یہ خطوط بھی عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ انہیں رسمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا نفسِ مضمون رسمی ہوتا ہے۔ ایسے خطوط میں شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے دعوت نامے شامل ہوتے ہیں کیوں کہ ان میں ہر ایک کے لیے حفظِ مراتب اور طرزِ تخاطب ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ ایسے دعوت نامے ایک فرد کے نام بھی ہو سکتے ہیں اور زیادہ افراد کے نام بھی ہو سکتے ہیں۔

سرکاری یا دفتری خطوط

خطوط کی اس قسم میں ایسے خطوط آ جاتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے حکومت یا حکومتی ادارے سے ہوتا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کے حوالے سے دیگر خطوط سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کی شکل بھی دوسرے تمام خطوط سے مختلف ہوتی ہے۔ تاہم اپنے موضوع اور مافیہا کے حوالے سے خطوط کو اور بھی کئی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

خط کے مختلف حصے

خط کسی بھی قسم یا نوعیت کا ہو اُس کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے

1-پیشانی

خط کا ابتدائی حصہ ہے جس میں دو چیزوں کا بیان کرنا انتہائی ضروری ہے: **الف: مقام** **ب: تاریخ**

مقام

یہاں اُس جگہ کا ذکر ہوتا ہے جہاں سے خط لکھا جا رہا ہے۔ خط لکھنے والا کاغذ کے اوپر دائیں جانب اپنا پورا پتا تحریر کرتا ہے۔ تاہم یہاں شہر کا نام لکھ دینا ہی کافی ہوتا ہے۔ امتحانی پرچے میں یہاں ''امتحانی مرکز'' لکھ دینا ہی کافی ہے۔

تاریخ

جس دن خط لکھا جا رہا ہے، وہ تاریخ پتے کے نیچے درج کی جاتی ہے۔ بورڈ کے پرچے میں تاریخ لکھنے کے مندرجہ ذیل دو طریقے قابلِ قبول ہیں:

۲۳ اگست ۲۰۱۷ء

23 اگست 2017ء

2-القاب و آداب

خط کی پیشانی سے قدرے نیچے صفحے کے درمیان میں جس کے نام خط لکھا جانا ہے اُس کے لیے مناسب القاب لکھ کر آداب لکھے جاتے ہیں۔ ان کی نوعیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ خط کس کو لکھا جا رہا ہے۔ بڑوں کو خط لکھنے کے لیے محترم، محترمی، مکرم یا مکرمی، محترمہ وغیرہ استعمال کیا جاتا ہے جب کہ چھوٹوں کو خط لکھنے کے لیے عزیزم، پیارے، میرے عزیز، برخوردار وغیرہ جیسے القاب لکھے جاتے ہیں۔ آداب میں درج ذیل الفاظ لکھے جا سکتے ہیں:

السلام علیکم!، سلام مسنون!، آداب!، سلام و رحمت!۔۔۔۔۔۔لیکن ہمارے ہاں ''السلام علیکم'' کا رواج زیادہ ہے۔

3-خط کا مضمون یا متن

آغاز

خط کا آغاز چند تمہیدی کلمات سے کیا جاتا ہے۔ ان تمہیدی کلمات میں مکتوب الیہ (جس کے نام خط لکھا جا رہا ہے) کی خیریت وغیرہ پوچھی جاتی ہے۔ خط کا آغاز مندرجہ ذیل تمہیدی کلمات سے کیا جا سکتا ہے:

''الحمد للہ! یہاں ہر طرح سے خیریت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''آپ کا عنایت نامہ ملا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''آپ کا تفصیلی خط مجھے کل ہی موصول ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

MDCATBYFUTUREDOC FOR (TOUSEEF AHMAD)

عمومی یا دفتری خطوط کے لیے

''آپ کے موقر جریدے کی وساطت سے معلوم ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''آپ کی توجہ اس امر کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''میں آپ کے اخبار کی وساطت سے ایک انتہائی اہم مسئلہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

4۔ اصل مدعا یا عبارت

تمہیدی سطور کے بعد خط میں اصل مدعا یا مطلب لکھا جاتا ہے۔ اصل مدعا لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ نیا پیراگراف شروع کیا جائے۔ مدعا کو نفسِ مضمون کے حساب سے مناسب طوالت دی جانی چاہیے۔ بعض اوقات مدعا چند لائنوں کے پیراگراف میں پوری طرح بیان ہو جاتا ہے جب کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مدعا کو بیان کرنے کے لیے ایک صفحے سے زیادہ لگ سکتے ہیں۔

4۔ خاتمہ

خط کا اختتام ہمیشہ دعائیہ الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ دعائیہ کلمات خط کے آخری پیرے کا آخری فقرہ ہو سکتا ہے۔ یہ دعائیہ کلمات درج ذیل نوعیت کے ہو سکتے ہیں:

''دعاؤں کا طلب گار۔''

''میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔''

''مثبت جواب کا منتظر۔''

خط کا باقاعدہ خاتمہ مکتوب الیہ کے مقام و مرتبے کے مطابق الفاظ ادا کرنے پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ یا الفاظ خط کے ختم ہونے پر آخری سطر کے نیچے قدرے بائیں جانب لکھتے ہیں۔ ''والسلام'' کے بعد اختتام مندرجہ ذیل الفاظ پر ہوتا ہے:

''آپ کا مخلص۔''

''دعا گو''

''نیاز مند''

اگر ہم خط کا ایک خاکہ بنائیں تو یہ کچھ یوں ہوگا:

امتحانی مرکز

۱۰ اگست ۲۰۱۰

محترم اباجان!

السلام علیکم!

خدا کا شکر ہے کہ آپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیے گا!

والسلام

آپ کا بیٹا

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

دوست کے نام، مدینہ منورہ سے قلم کا تحفہ موصول ہونے پر

امتحانی مرکز

10 مارچ 2017ء

مکرمی انجم صاحب!

السلام علیکم!

گزشتہ دنوں آپ کی طرف سے ''پارکر قلم'' کا تحفہ موصول ہوا۔ میں آپ کی اس بے پایاں محبت کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ تحفے کا ملنا تو ویسے ہی خوشی کا باعث ہے۔ اور پھر اگر تحفہ شہرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہو تو خوشی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اُسی نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ تحفے دیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ پچھلے دنوں میں پاکستان سنٹر گیا تھا۔ مجھے دراصل اسی معیار کا ایک عمدہ قلم درکار تھا جسے میں اپنے روزمرہ استعمال میں لا سکوں۔ لیکن ہوا یہ کہ وہاں کوئی بھی قلم بھی مجھے پسند نہ آسکا جس کا مجھے افسوس تھا کیوں کہ مجھے اُمید تھی کہ کوئی اچھا قلم مل جائے گا اور میری لکھنے کی عادت کے ساتھ ساتھ عمدہ ذوق کی تسکین بھی ہو سکے گی لیکن مجھے وہاں سے خالی ہاتھ واپس آنا پڑا۔ لیکن چند دن پہلے جب آپ کی طرف سے ڈاک ملی اور اس میں سے یہ خوب صورت قلم نکلا تو بے ساختہ میرے منہ سے الحمدللہ نکلا۔ اور دل سے آپ کے لیے دعائیں نکلیں۔ بقول عامر عثمانی:

چند الفاظ کے موتی ہیں مرے دامن میں ہے مگر تیری محبت کا تقاضا کچھ اور

میری یہ دلی آرزو ہے کہ میں آپ کے بھیجے ہوئے اس قلم سے جو بھی لکھوں، وہ خیر کا ذریعہ ہو۔ آپ براہ کرم مسجد نبوی میں میرے لئے دعا کیجیے گا۔

آخر میں ایک بار پھر ہدیہ تشکر۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اس تحفے کی قدر کرنے کی توفیق دے اور اسے حق لکھنے کا ذریعہ بنائے۔ آپ جب واپس پاکستان آئیں تو اطلاع ضرور دیجیے گا۔ آپ کے ساتھ مل بیٹھنا میری خوش نصیبی ہوگی۔ اپنے گھر والوں کو میری طرف سے دعائے خیر دیجیے گا۔ اللہ پاک آپ سب کے علم، عمل اور رزق میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

محتاج دعا

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

چھوٹے بھائی کے نام، بزم ادب میں حصہ لینے کی ترغیب

امتحانی مرکز

11مارچ2017ء

پیارے ارشد!

السلام علیکم!

کل آپ کا خط ملا، جس سے گھر کے حالات معلوم ہوئے، اطمینان ہوا کہ آپ سب خیریت سے ہیں۔ مجھے یہ پڑھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ آپ نے سکول کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی ہے۔ آپ کے ساتھ ہماری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور ہماری یہ دلی دعا ہے کہ اللہ آپ کو دنیا و آخرت کی بھلائی دے، آمین۔

دوسرا میں آپ سے کہوں گا کہ ہمارے ہاں اکثر سکولوں اور کالجوں میں بزم ادب کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ جس کا مقصد طلبہ میں اظہار و بیان کی جھجک دور کرنا اور انھیں اس قابل بنانا ہوتا ہے کہ وہ عملی زندگی میں اپنے خیالات اور احساسات کو موزوں انداز میں بیان کر سکیں۔
یاد رکھیں کہ یہ خوبیاں زندگی میں بہت کام آتی ہیں۔ جو انسان اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کو موزوں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا، وہ دوسروں کی رہنمائی بھی نہیں کر سکتا اور آگے بڑھنے کے مواقع بھی کھو دیتا ہے۔ اللہ کا کلام احسن البیان ہے اور سید ھا دل میں اُتر جاتا ہے۔ یہی خوبی اللہ سبحان و تعالی نے اپنے بندوں کو بھی دی ہے۔ بس کسی میں یہ خوبی زیادہ اور کسی میں کم ہے۔ لیکن محض خوبی ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اسے مشق کے ذریعے نکھارنا ہماری محنت پر منحصر ہے۔ اور بزم ادب ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم اپنی ان صلاحیتوں کو سنوار اور نکھار سکیں۔ یاد رکھیں:

مشقت کی ذلت جنھوں نے اُٹھائی   جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی

مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کو تقریر کرنے میں دلچسپی ہے۔ اس حوالے سے کچھ باتیں ذہن میں رکھیے۔ تقریر کے لئے تیاری ضروری ہے۔ بغیر تیاری کے تقریر ایک ایسی تلوار ہے جس کی دھار نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم بغیر تیاری کے تقریر کرتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں۔ تقریر کے لئے خیالات کی ترتیب، الفاظ کی سادگی اور جسمانی حرکات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ خیالات کے مطابق الفاظ اور انداز میں اتار چڑھاؤ اس کا حسن ہے۔ یہ صرف چند ہدایات ہیں۔ امید ہے کہ آپ انھیں مدنظر رکھیں گے۔ پھر کبھی تفصیل کے ساتھ بتاؤں گا کہ وہ کون سے امور ہوتے ہیں جن سے تقریر میں تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اپنا خیال رکھیے گا اور میری طرف سے گھر والوں کو سلام اور ننھے حامد محمود کو پیار دیجیے گا۔

والسلام

خیر طلب

ا۔ب۔ج

والد کے نام، لاہور کی تاریخی عمارات کی سیر کا ذکر

امتحانی مرکز

12 مارچ 2017ء

محترم ابا جان!

السلام علیکم!

الحمد للہ! میں بالکل خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں۔ عرض یہ ہے کہ مجھے آپ کا خط مل گیا تھا لیکن کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر میں جلدی جواب نہیں دے سکا۔ جس کے لیے میں بے حد معذرت خواہ ہوں۔ مجھے آپ کی طبیعت کا اندازہ ہے کہ میرا خط نہ آنے سے آپ کس قدر پریشان ہو جایا کرتے ہیں۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ میں آپ کو وہ وجہ ذرا تفصیل سے بتا دوں۔

دراصل میں کالج کی ہسٹاریکل سوسائٹی کے ساتھ لاہور گیا ہوا تھا جہاں ہم نے وہاں کے تاریخی مقامات کی سیر کی۔ سب سے پہلے ہم جہانگیر کے مقبرے پر گئے جو شاہدرہ کے قریب ہے۔ اگرچہ عمارت شاندار ہے لیکن اس کی سیر کے دوران مجھ دنیا کی بے ثباتی کا احساس شدت سے ہوتا رہا۔ پھر ہم سب شاہی مسجد گئے جس کے بالکل سامنے مغلوں کا بنایا ہوا قلعہ بھی موجود ہے۔ یہ دونوں عمارتیں عالمی شہرت کی حامل ہیں۔

جب ہم علامہ اقبال کے مزار پر پہنچے تو آنکھیں اشک بار ہو گئیں کہ اس تربت میں وہ انسان محوِ خواب ہے جو پاکستان کا اولین مفکر ہے۔ لیکن مجھے ایک چیز کا بہت افسوس ہوا کہ جس پاکستان کا خواب انھوں نے دیکھا تھا، وہ آج تک حقیقت نہیں بن سکا۔ ایسا پاکستان جہاں اسلام کے سنہری اصولوں کو نافذ کیا جا سکے۔

یہاں سے نکل کر ہم سب مینارِ پاکستان اور گریٹر اقبال پارک کی طرف چلے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب آپ کے ساتھ یہاں آیا تھا تو ہم مینار کی اوپر والی منزل میں بھی گئے تھے لیکن اب یہاں داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ اسی مینار کے سامنے جب ہم گھاس کے قطعے پر بیٹھے تھے تو مجھے جناب مختار مسعود کا وہ اقتباس بری طرح یاد آیا جو انھوں نے مینارِ پاکستان اور شاہی مسجد کے میناروں کی نسبت سے لکھا تھا۔

"جب مسجدیں بے رونق اور مدرسے بے چراغ ہو جائیں، جب حق کی جگہ حکایت اور جہاد کی جگہ جمود لے لے، جب ملک کی بجائے مفاد اور ملت کی بجائے مصلحت عزیز ہو، اور جب مسلمانوں کو موت سے خوف آئے اور زندگی سے محبت ہو جائے، تو صدیاں یونہی گم ہو جایا کرتی ہیں۔"

بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اس تاریخی سیر سے بہت سی باتیں سیکھیں ہیں اور اس کا تاثر ایک مدت تک ہمارے ذہنوں میں موجود رہے گا۔ تو یہ وہ اصل وجہ تھی کہ میں آپ کو جلدی جواب نہ لکھ سکا۔ خیر آپ اپنا خیال رکھیے گا اور والدہ صاحبہ کو سلام اور بہنوں کو دعا دیجیے گا۔ میں ان شاء اللہ جلد گھر واپس آنے کی کوشش کروں گا۔

والسلام

آپ کا بیٹا

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

چھوٹے بھائی کے نام، استاد کے احترام کے بارے میں

امتحانی مرکز

14مارچ2017ء

عزیزم!

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ گزشتہ دنوں والد صاحب کے ایک خط سے پتا چلا کہ آپ نے سکول میں کسی استاد کی توہین کی ہے، جس کی وجہ سے آپ کو جرمانہ ہوا ہے اور والد صاحب کو اس کی اطلاع سکول کی طرف سے تحریری طور پر موصول ہوئی ہے۔ مجھے یہ سب جان کر بے حد دکھ ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اس دکھ اور غم کو بیان نہیں کر سکتا جو آپ کے رویے سے مجھے پہنچا ہے۔ یاد رکھیے: ”باادب بامراد اور بے ادب بے مراد ہوتا ہے۔“

آپ کو علم ہے کہ ہمارا خاندان ایک علمی خاندان ہے۔ ہمارے خاندان کے اکثر افراد معلم ہیں۔ علم کا شوق اور معلم کا احترام ہماری خاندانی روایات ہیں۔ آپ کو ان روایات کا پاس کرنا چاہیے۔ اور اگر ایسا کچھ نہ بھی ہوتا تو استاد کا ادب اور احترام ہم سب پر فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق انسان کا ایک باپ وہ ہے جو اسے دنیا میں لایا، ایک وہ ہے جس نے اسے بیٹی دی اور ایک وہ ہے جس نے اسے علم سکھایا، اور بلاشبہ ان میں سے سب سے افضل وہ ہے، جس نے اسے علم دیا۔ بقول اکبر الہ آبادی:

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں　　آدمی، آدمی بناتے ہیں

میں آپ کو ہدایت کرتا ہوں کہ آپ، والد صاحب کو ساتھ لے کر استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے رویے کی معافی مانگیں۔ ان کے پاؤں پر گریں کہ وہ دل سے معاف کر دیں۔ کیوں کہ دینی اور دنیاوی سعادت کا یہی ایک راستہ ہے۔ آئندہ آپ کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنا چاہیے تا کہ کسی استاد کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا کہ آپ نے میری تشویش کو کہاں تک محسوس کیا ہے اور میری ہدایت پر کس حد تک عمل کیا ہے۔ گھر میں سلام، والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

والسلام

خیر اندیش

ا۔ب۔ج

دوست کے نام، امتحان میں اس کی ناکامی پر

امتحانی مرکز

17مارچ2017ء

پیارے دوست!

السلام علیکم!

گزشتہ دنوں جب اخبار میں انٹرمیڈیٹ کے نتیجے کا اعلان ہوا تو میں نے بورڈ کے طرف سے شائع ہونے والا گزٹ خصوصی طور پر دیکھا جس سے پتا چلا کہ تم فزکس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جہاں تک مجھے علم ہے تم نے تمام مضامین کا امتحان دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس مضمون کی صحیح تیاری نہ ہو سکی ہو۔ ان دنوں یہ بات بھی اخبار میں آئی تھی کہ فزکس کا پرچہ مشکل بھی تھا اور اس کے کچھ سوالات نصاب سے باہر بھی تھے۔ بہر حال بعض امور مقدر ہوتے ہیں جن کا سامنا بلند ہمتی کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہر مقام پر توفیق اور برکت کی دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔

وقتی ناکامیوں سے دل برداشتہ ہو جانے والے لوگ وقت کو ہاتھ سے گنوا بیٹھتے ہیں۔ مایوسی انہیں کامیابی سے دور لے جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے حوصلوں کو بلند رکھتے ہیں۔ ان کے لئے ناکامیاں، کامیابیوں کا آغاز بن جاتی ہیں۔ میں تمھارے اس غم میں شریک ہوں لیکن ایک نصیحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فوراً محنت شروع کر دو۔ غم کی عارضی دھند خود بخود ختم ہو جائے گی اور اس کی جگہ امید کا اجالا لے لے گا۔ یہ ہار جیت زندگی کا حصہ ہے۔

یاد رکھو زندگی کے میدان میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو محنت کو اپنا مستقل شعار بنا لیتے ہیں۔ زندگی حرکت اور عمل کا نام ہے۔ اس میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچی نیت کے ساتھ مستقل محنت کریں۔ جس کے بغیر ہماری زندگی کا ہر ارادہ نامکمل رہتا ہے۔

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

اپنا خیال رکھنا اور خوب جی بھر کے محنت کرنا اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس صرف منکر ہی ہوتے ہیں۔ اللہ کی رحمت تمھارے شامل حال رہے اور بہترین کامیابیاں تمھارے قدم چومیں۔

والسلام

آپ کا دوست

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

استاد کے نام، ڈاکٹر بن جانے کے بعد شکر گزاری کا خط

امتحانی مرکز

19 مارچ 2017ء

استادِ محترم!

السلام علیکم!

امید کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ میں آپ کو یاد نہ ہوں کہ ہر سال میرے جیسے سیکڑوں طالب علم آپ کی شفقت اور توجہ کے طلب گار رہتے ہیں۔ لیکن میں بتاتا چلوں کہ میں نے ایف ایس سی میں آپ سے اردو پڑھی تھی۔ یہ آج سے قریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ آج میرے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس فائنل کا نتیجہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم اور آپ کی دعاؤں سے میں نے شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری یہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد اساتذہ کرام کی پرخلوص محنت اور تربیت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے میں جہاں انتہائی خوش ہوں، وہیں اپنے جملہ اساتذہ کے لئے بالعموم اور آپ کے لئے بالخصوص دعا گو ہوں کہ اگر آپ کی مشفقانہ رہنمائی میرے شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید زندگی کا یہ مسرت بھرا لمحہ مجھے کبھی نصیب نہ ہوتا۔

مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہیں کہ جب میٹرک میں اچھے نمبر نہ آنے کی وجہ سے میں از حد افسردہ رہا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سالِ اول میں داخلہ لے لینے کے باوجود میرا دل پڑھائی میں نہیں لگتا تھا۔ یہ چیز آپ نے کچھ ہی دنوں میں محسوس کر لی تھی۔ اور پھر آپ نے مجھے کلاس کے بعد اپنے پاس بٹھا کر سمجھایا تھا۔ آپ سے گفتگو کرنے کے بعد میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ مایوسی نما افسردگی تھی جسے آپ نے امید کی کلی میں بدل دیا تھا۔ اور پھر بعد میں یہ آپ کی محبت آمیز توجہ ہی کا نتیجہ تھا کہ یہ کلی کھل کر کامیابی کا پھول بن گئی۔ امید کے موضوع پر آپ ہی کا شعر مجھے آج بھی یاد ہے:

رات جتنی کالی ہے   صبح ہونے والی ہے

آپ کا مضمون دوسرے مضامین کی نسبت مختلف تھا۔ آپ بات سے بات نکال کر اخلاقی اور دینی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ گویا آپ تدریس کے ساتھ ساتھ تربیت بھی فرماتے تھے۔ آپ کی نصیحتیں، آپ کی یادیں اور آپ کی شفقتیں میری زندگی کی متاعِ عزیز ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں گے۔ ایک شاگرد کے لئے ایک مشفق استاد کی دعائیں یقیناً بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتی ہیں۔

خدا کرے کہ یہ چند سطور آپ کو سکون اور صحت کی بہترین کیفیتوں میں پائیں۔

والسلام

آپ کا احسان مند

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

دوست کے نام، والدہ محترمہ کی وفات پر اظہارِ تعزیت

امتحانی مرکز

21مارچ2017ء

عزیز از جان!

السلام علیکم!

کل آپ کی والدہ کے انتقال کی خبر سنی، بے حد دکھ ہوا۔ موت تو زندگی کی محافظ ہے اسی لیے وہ ہر لمحہ ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن یوں واضح کرتا ہے: ”ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔“ گویا ہر کسی کو اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر ایک دن رخصت ہو جانا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے   آج وہ، کل ہماری باری ہے

جانا تو بہر حال ہر ایک نے ہے، بات دیر اور سویر کی ہے مگر ماں ایسی شفیق ہستی کے جانے سے ایک ایسا روحانی سایہ چھن جاتا ہے کہ جس کی ٹھنڈک کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اسی محترم ہستی کے پاؤں تلے جنت کی بہاریں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں کا وجود ایک بیش بہا نعمت سے کم نہیں جس کی دعا کبھی ناکام نہیں لوٹتی۔ الغرض وہ ایک ایسی ہستی ہے کہ جس کے جانے کے بعد ہر سو ویرانے ہی نظر آتے ہیں۔

قیامت کی یہی وہ گھڑی ہے جب مذہب ایک نفسیاتی سکون بن کر ابھرتا ہے۔ اگرچہ ماں کے جانے کے بعد انسان کو ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ شجر جس کے پھل میٹھا تھا، کٹ چکا ہے۔ وہ دیوار جس کی چھاؤں ٹھنڈی تھی، کہیں گر چکی ہے۔ لیکن عزیز از جان! اس بے سرو سامانی کے باوجود صبر ہی وہ ڈھال ہے جو ہمیں زندگی کی تپتی ہوئی دھوپ اور تیز ہواؤں سے بچا سکتی ہے۔ آپ گھر میں سب سے بڑے ہیں۔ آپ کا حوصلہ مند رہنا جس قدر ضروری ہے، وہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ آپ کے چھوٹے بہن بھائی یقیناً آپ کی طرف دیکھتے ہوں گے اور آپ کی توجہ کے طالب ہوں گے۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر اور مرحومہ کو اپنی رحمت سے نوازے اور ان کی قبر کو جنت کا ٹکڑا بنا دے، آمین۔

والسلام

شریکِ غم

ا۔ب۔ج

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

والد کے نام، اپنی زندگی کے نصب العین کے بارے میں

امتحانی مرکز

23 مارچ 2017ء

محترم ابا جان!

السلام علیکم!

ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ آپ کی خیر و عافیت کا پڑھ کر دل کو سکون ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یوں ہی اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آپ نے اپنے خط میں مجھ سے پوچھا تھا کہ میں زندگی میں کیا بننا چاہتا ہوں؟ ارادوں کی تکمیل تو بہر حال اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر اقبالؒ نے جو کہا تھا کہ "تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے"۔ تو اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ انسان سچے دل اور خلوص نیت کے ساتھ، مقصد کے حصول کے لیے محنت کرے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔

آپ کو علم ہے کہ میں نے انٹر میڈیٹ میں بائیولوجی کا مضمون لے رکھا ہے۔ مضامین کا یہ انتخاب خود بتاتا ہے کہ میری نیت کیا ہے؟ میں اس نیت کے پیش نظر رات دن محنت کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کر رہا ہوں کہ وہ میری اس محنت کو قبول فرمائے۔ ڈاکٹر بننا تو سبھی چاہتے ہیں مگر ڈاکٹر بن کر اس عظیم پیشے کی عظمت کو قائم رکھنا، غالباً ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ ڈاکٹروں کی اکثریت اپنے پیشے سے مخلص نہیں ہے۔ دولت کمانا ایک بنیادی مقصد بن گیا ہے۔ ہمدردی اور خلوص کا وہ رشتہ جو ایک بیمار اور ڈاکٹر کے درمیان ہوتا ہے، ختم ہو چکا ہے۔ کیونکہ دولت کی چمک سے آنکھیں بھی چندھیا جاتی ہیں اور دل بھی بیمار ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگ اس پیشے کی عظمت پر سیاہ داغ ہیں۔ لیکن میں اس عظیم پیشے کو اس کی عظمت کے پیش نظر اپنانا چاہتا ہوں۔ مالی آسودگی تو بہر حال ملے گی لیکن میرے نزدیک وہ اضافی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل حیثیت تڑپتے ہوئے دلوں کو سکون کا مرہم عطا کرنا ہے اور یہی بہترین عبادت ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کم نہ تھے کرّ و بیاں

اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں اس نصب العین کو حاصل کر سکوں۔ آپ بھی دعا فرمائیں۔ گھر میں والدہ صاحبہ کو سلام اور چھوٹے بہن بھائیوں کو پیار دیجیے گا۔

والسلام

مخلص

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

چھوٹے بھائی کے نام، پڑھائی کے ساتھ جسمانی ورزش کی اہمیت کے بارے میں

امتحانی مرکز

26مارچ 2017ء

برادرِ عزیز!

السلام علیکم!

تمھارا خیریت نامہ ملا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تم آج کل خوب پڑھ رہے ہو اور وقت سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہو۔ کالج میں ہونے والے ٹیسٹ کا نتیجہ بھی تمھاری محنت کا ایک واضح ثبوت ہے۔ میری آرزو ہے کہ تم اسی طرح محنت کرتے رہو اور اسی طرح شاندار کامیابیاں تمھارے قدم چومتی رہیں۔

ایک بات جس کی طرف میں تمھاری توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ زندگی کا سارا حسن اعتدال میں پوشیدہ ہے۔ محنت زندگی کا حسن ہے مگر اس حسن میں نکھار بھی اعتدال سے آتا ہے۔ محنت ضرور کرو کیونکہ اسی سے انسان ترقی کرتا اور عزت وعظمت کی بلندیوں تک پہنچتا ہے۔ مگر اتنی محنت کی بھی ضرورت نہیں جس سے جان ہلکان ہو جائے اور انسان بیمار ہو کر کسی بھی کام کے قابل ہی نہ رہے۔ لازم ہے کہ تم اپنا ایک ٹائم ٹیبل بناؤ اور اس کے مطابق محنت کرو۔ یاد رکھو کہ انسانی جسم بھی ایک مشین کی طرح ہے۔ جس طرح ایک مشین دیکھ بھال نہ ہونے سے خراب ہو جاتی ہے، اسی طرح انسانی جسم بھی خرابیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

سب سے اہم بات کہ تم اپنے ٹائم ٹیبل میں صبح کی سیر اور سہ پہر کے وقت کوئی کھیل بھی شامل کرو۔ سیر صحت کے لیے مفید ہے۔ اس سے جسم اور روح دونوں تروتازہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی ہلکی پھلکی ورزش بھی ہے۔ اسی طرح سہ پہر میں کسی ایسے کھیل کا انتخاب کر لو جو تمھارے ذوق کے مطابق ہو۔ بات وہی ہے کہ ہر کام میں باقاعدگی اور اعتدال ہونا چاہیے۔ ہر وقت پڑھتے رہنا بھی غلط ہے اور ہر وقت کھیل کود بھی بیکار ہے ہر کام اپنے اپنے وقت پر باقاعدگی اور اعتدال کے ساتھ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ تمھیں علم کی بہترین فضیلتوں اور صحت کی بہترین کیفیتوں سے نوازے، آمین۔ تمھارے جواب کا انتظار رہے گا۔

والسلام

خیر طلب

ا۔ب۔ج

والد کے نام، اپنی تعلیمی کارکردگی کی اطلاع

امتحانی مرکز

01 اپریل 2017ء

مکرمی والد صاحب!

السلام علیکم!

آپ کا خط ملا اور تمام افرادِ خانہ کی خیریت کا علم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ سب خیریت سے ہیں۔ آپ نے اپنی اور والدہ محترمہ کی صحت کے بارے میں نہیں لکھا، براہِ کرم جلد اطلاع دیں تا کہ اطمینان ہو۔ میں الحمدللہ! یہاں ٹھیک ہوں۔ اور جہاں تک کالج میں میری تعلیمی کارکردگی کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اطمینان بخش ہے۔ دسمبر ٹیسٹ کے نتائج آج ہی مکمل ہوئے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:-

انگریزی 100/70، اردو 100/80، فزکس 100/73، کیمسٹری 100/85، ریاضی 100/76۔

ریاضی میں نمبر توقع سے کم آئے ہیں مگر اس کا ذمہ دار میں خود ہوں کہ اس مضمون کی طرف وہ توجہ نہیں دے سکا جو دینی چاہیے تھی۔ اب میں اس میں زیادہ محنت کروں گا اور اس احساس اور یقین کے ساتھ محنت کروں گا کہ یہ مضمون ڈویژن بنانے والا ہے۔ ہمارے ریاضی کے پروفیسر صاحب انتہائی شفیق ہیں۔ وہ ٹیوشن نہیں پڑھاتے بلکہ ٹیوشن کو استاد کی عظمت کے منافی خیال کرتے ہیں۔ ان کے گھر کے دروازے ہمارے لیے ہر وقت کھلے ہیں اور ہم کسی بھی وقت بغیر کسی جھجک کے ان سے مل کر اپنی مشکلات حل کر سکتے ہیں۔

اردو کے استاد بہت محنت کرواتے ہیں۔ ایک ایک سوال کرنے کا طریقہ سمجھاتے ہیں۔ یہ انھیں کی محنت کا نتیجہ ہے کہ کلاس میں اکثر بچوں کے نمبر 80 سے زیادہ ہیں۔ انگریزی کا معاملہ ذرا مشکل ہے۔ چوں کہ یہ ہماری زبان نہیں اس لیے ہر چیز کو رٹا لگانا پڑتا ہے لیکن آخر میں انسان پھر بھی کچھ نہ کچھ بھول جاتا ہے۔ بہر حال شکر ہے کہ میں فیل نہیں ہوا۔

فزکس اور کیمسٹری کے اساتذہ بھی بہت شفیق ہیں۔ اور الحمدللہ! اپنے اپنے مضمون میں خوب محنت کرواتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ فائنل امتحان آتے آتے جو میری طرف سے کمی کوتاہی رہ گئی ہے، وہ بھی دور ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ میں ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا ہوں۔ پچھلے دنوں کالج میں ایک تقریری مقابلہ ہوا تھا جس میں مجھے دوسرا انعام ملا تھا۔

آپ سے اور والدہ محترمہ سے گزارش ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد آپ کی دعائیں میری زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہیں۔ گھر میں سب کی خدمت میں سلام۔

والسلام

محتاج دعا

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

بھائی کے نام، امتحان کی تیاری کے سلسلے میں مشورے

امتحانی مرکز

03 اپریل 2017ء

پیارے بھائی!

السلام علیکم!

ایک عرصے سے تمھارا خیریت نامہ نہیں ملا۔ فکر مند ہوں، اللہ کرے کہ تم خیریت سے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ تم اپنے امتحانات کی تیاری میں مصروف ہو جس میں اب صرف ایک ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں شاندار کامیابیوں سے نوازے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہو۔ جہاں تک امتحان کی تیاری کا تعلق ہے۔ اندھا دھند محنت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ہر کام میں ایک ترتیب اور نظم وضبط پیش نظر رہنا چاہئے۔ اسی میں آسانی بھی ہے اور نتیجے کا حسن بھی پوشیدہ ہے۔

تم محنت ضرور کرو مگر صبح کی سیر، نماز کی پابندی اور ہلکی پھلکی ذہنی تفریح کو ترک نہ کرو۔ نماز تو خیر فرض ہے لیکن امتحان کے نزدیک اکثر طلبہ ضرورت سے زیادہ محنت میں لگ جاتے ہیں اور سیر یا ورزش وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوران امتحان میں بیمار اور کمزور پڑ جاتے ہیں اور یوں سال بھر کی محنت ضائع جاتی ہے۔ اپنی صحت کا خیال رکھو کہ اس کا بہتر ہونا امتحان کے لیے اشد ضروری ہے۔ آج کل بھی اور امتحانات کے دوران بھی، نیند کے اوقات کا خاص طور پر خیال رکھو۔ نیند پوری ہونی چاہیے۔ اگر نیند پوری نہ ہو تو پورا دن تھکاوٹ اور سستی میں گزر جاتا ہے اور کوئی کام بھی ڈھب سے نہیں ہو پاتا۔

ہر مضمون کو یکساں وقت دیں کیوں کہ سبھی مضامین اہم ہیں۔ صرف سائنس کے مضامین کو وقت دینے سے اُردو، اسلامیات اور مطالعہ پاکستان نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ نیز گزشتہ پانچ سالوں کے پرچے بھی دیکھو۔ بعض اوقات اکثر سوال انھی میں سے آجایا کرتے ہیں۔ سوال نہ بھی آئیں، پرچے کا انداز اور اسلوب تو پیش نظر ہونا چاہیے۔

اصل چیز تمھاری لگن، خلوص اور محنت ہے۔ میں تمھاری شاندار کامیابی کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں۔ اگر کوئی بھی مشکل ہو تو مجھے سے مشورہ کر لینا۔ اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بڑا بھائی

ا۔ب۔ج

MDCAT BY FUTURE DOCTORS(YOUSEEF AHMAD)

اخبار کے مدیر کے نام، اُردو کی موجودہ اہمیت اور حیثیت کے بارے میں

امتحانی مرکز

10 اپریل 2017ء

بخدمت مدیر! روزنامہ دنیا لاہور

السلام علیکم!

میں آپ کے موقر روزنامے کی وسیلے سے اربابِ اختیار کی توجہ اردو کی موجودہ اہمیت اور حیثیت کی جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ میں اردو ایک لازمی مضمون کے حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈگری میں بھی اردو کو لازم قرار دیا جائے۔ فنی، تکنیکی اور سائنسی مضامین میں بھی اسے ذریعہ اظہار ہونا چاہیے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ آزادی کے کئی سال بعد بھی ہم اپنی قومی زبان کو تعلیمی اور دفتری زبان نہیں بنا سکے۔

یہ ہمارے دینی سرمائے کی بھی امین ہے۔ وہ قومیں جو اپنی زبان اور روایات کی تحقیر کرتی ہیں، تاریخ کے چوراہے میں عبرت کا نشان بن جاتی ہیں۔ اردو کے نصاب کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ضروری ہے کہ اردو میں ایسے مضامین شامل کئے جائیں جن سے نظریۂ پاکستان اور اسلامی افکار ذہن و دل کا حصہ بن جائیں۔ ضرورت ایک ایسے پاکیزہ نصاب کی ہے جو ہماری ملی قدروں سے ہم آہنگ ہو۔ اور جس سے نوجوانوں کی اخلاقی تربیت کا سامان بھی ہو۔ جہاں تک زبان کا معاملہ ہے تو یہ ایک گروہ کو معاشرہ اور قوم بناتی ہے اس لیے اس پر خوب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اُردو ہماری تہذیبی اور ثقافتی زبان ہے، اسے اس کا حق ملنا چاہیے۔ داغ دہلوی نے اُردو زبان کے بارے میں کہا تھا:

اُردو ہے جس کا نام، ہمیں جانتے ہیں داغ   سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

میں آپ کے اخبار کی معرفت سے اربابِ اختیار سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اردو کو صحیح معنوں میں قومی زبان بنانے کے لیے اقدامات کریں۔

والسلام

نیازمند

ا۔ب۔ج

MBCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

اخبار کے ایڈیٹر کے نام، ٹریفک کی تیز رفتاری کے حوالے سے

امتحانی مرکز

15 اپریل 2017ء

جنابِ مدیر، ''روزنامہ ایکسپریس''!

السلام علیکم!

میں آپ کے موقر روزنامے کی وساطت سے متعلقہ حکام اور اپنے ہم وطن بھائیوں کی توجہ دورِ حاضر کی تیز رفتار ٹریفک اور ان کے نتائج کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے ہماری شاہراہوں کو قتل گاہ بنا دیا ہے اور انسانی خون پانی سے بھی ارزاں ہو گیا ہے۔

آج کل سڑکوں پر جس رفتار سے انسانی جانیں ضائع ہو رہی ہیں، وہ بے حد قابلِ افسوس ہے۔ اخبارات کے صفحات ایسی خبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ ان کے اسباب بے شمار ہیں لیکن ایک سبب جس پر سبھی کو اتفاق ہے، وہ تیز رفتاری ہے۔ بسوں کے ڈرائیور سواریوں کے لالچ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ نوجوان موٹر سائیکل یوں چلاتے ہیں جیسے موت کے کنویں میں چلا رہے ہوں۔ ان تمام چیزوں کا نتیجہ معلوم کہ حادثات کی وجہ سے سفر اور زندگی دونوں ہی بے حد غیر محفوظ ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں چند تجاویز ہیں۔

☆ اکثر ڈرائیور غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں ان کی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

☆ ملک میں ڈرائیونگ کی تربیت کا ایک ادارہ ہونا چاہیے جس کی سند ہر ڈرائیور کے لیے ضروری ہو۔

☆ سکوٹر اور سائیکل چلانے کی اجازت کے لیے بھی عمر کی ایک خاص حد مقرر کرنی چاہیے۔ آج کل چھوٹے چھوٹے بچے بھی سوار نظر آتے ہیں۔ نتیجہ حادثوں کی شکل میں نظر آتا ہے۔

☆ پولیس کی چیک پوسٹیں تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر ہونی چاہیں۔

☆ غیر محتاط ڈرائیوروں کے لائسنس منسوخ کر دینے چاہیں۔

☆ غیر تربیت یافتہ ڈرائیور رکھنے والی کمپنی کو بھاری جرمانہ کرنا چاہیے۔

☆ حادثوں کی صورت میں قصوروار کو سزا اور حادثات کا شکار ہونے والوں کو معاوضہ جلد از جلد دیا جانا چاہیے۔

یہ وہ امور ہیں جن پر حکومت کو توجہ دینی چاہیے لیکن ان کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر ہمیں بھی ٹریفک کے اصولوں کا پاس کرنا چاہیے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اس خط کو اپنے روزنامے میں جگہ دیں گے تاکہ لوگوں کو اس مسئلے سے صحیح طور پر آگاہی ہو سکے۔

والسلام

نیاز مند

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

میونسپل ایڈمنسٹریٹر کے نام، شاپنگ بیگ کے نقصانات

امتحانی مرکز

24 اکتوبر 2018ء

جناب ایڈمنسٹریٹر، میونسپل کارپوریشن!

السلام علیکم!

میں فلاں سیٹلائیٹ ٹاؤن کا رہائشی ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ کوڑا کرکٹ میں موجود پلاسٹک کے شاپنگ بیگ سیوریج کی نالیوں، کھیتوں اور راہ گزر میں بکھرے پڑے رہتے ہیں۔ اسی حوالے سے میں آپ کی توجہ ایک بڑے ہی اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ اب یہ بات عالمی طور پر مانی جاتی ہے کہ پلاسٹک کے شاپنگ بیگ انسانی زندگی اور صحت کے لیے سخت نقصان دہ ہیں۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1- یہ سیوریج سسٹم میں شامل ہو کر گندے پانی کے نکاس میں رکاوٹ بنتے ہیں جس سے سیوریج کا گندا پانی گلیوں اور سڑکوں میں بہ نکلتا ہے اور پھر تعفن اور بدبو کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ بہت سی بیماریاں پھیلانے کا بھی سبب بنتا ہے۔

2- اس کے علاوہ یہ شاپنگ بیگ جس میٹریل سے بنائے جاتے ہیں وہ کسی طرح بھی گلتا نہیں ہے اور یہ زمین میں شامل ہو کر اس کی زرخیزی کو ختم کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ جس سے انسانی آبادی کی ضروریات کے لیے اناج میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

3- یہ پلاسٹک بیگ انسانی صحت کے لیے انتہائی مظہر ہیں۔ ان میں کھانے پینے کی اشیا کا بڑھتا ہوا استعمال کینسر اور دوسرے موذی امراض کا سبب بن رہا ہے۔

4- ان پلاسٹک بیگ کا پانی کے ذخائر میں شامل ہونا بھی صحت نقصان دہ ہے۔ یہ آبی مخلوق کی بقا کے لیے ایک چیلنج بنتے جا رہے ہیں۔

اس سلسلے میں انھیں تلف کرنے کے لیے چند تجاویز دینا چاہتا ہوں۔ اول عالمی معیار کے مطابق ان کے بنانے اور استعمال پر پابندی ہونی چاہیے۔ دوم شہریوں کو اس کے خطرناک اثرات کے حوالے سے تعلیم اور تربیت دینے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ سوم جب تک ان پر پابندی نہیں لگائی جاتی، انھیں تلف کرنے کے لیے لوگوں کی سوچ کو مثبت بنانا چاہیے۔ یعنی انھیں ٹھکانے لگانے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔ چہارم ان میں سے بھی خصوصاً کالے شاپنگ بیگ کے استعمال کو فوراً ترک کر دینا چاہیے اور آخر میں میں یہی کہوں گا کہ لوگوں میں ان شاپنگ بیگ کی بجائے کپڑے یا کاغذ کی تھیلیاں استعمال کرنے کا شعور بیدار کیا جائے۔

والسلام

نیازمند

ا-ب-ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

دوست کے نام، اپنے علاقے / ملک کے حالات کے متعلق آگاہی

امتحانی مرکز

20 مئی، 2014ء

میرے پیارے دوست!

السلام علیکم!

امید ہے کہ تم خیریت سے ہو گے۔ پچھلے دنوں تمھارا خط موصول ہوا تو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ تمھارے دو سمسٹر مکمل ہو گئے ہیں اور تمھارا جی پی اے بھی بہت اچھا رہا ہے۔ اللہ تمھیں اسی طرح دنیا اور آخرت کی کامیابیاں عطا کرے۔ اور اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی زندگی اس کی مرضی کے مطابق گزار کر سرخرو ہو سکیں۔

میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے بالکل ٹھیک ہوں۔ الحمدللہ میرے مڈٹرم کا رزلٹ بھی بہت اچھا رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمیں امتحان کی تیاری انتہائی برے حالات میں کرنا پڑی۔ لوڈشیڈنگ اور مہنگائی نے کمر توڑ رکھی ہے۔ یقین جانو! ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم پتھر کے دور میں جی رہے ہیں۔ تم کہو گے کہ میں کہاں کی باتیں لے کر بیٹھ گیا ہوں۔ لیکن کیا کروں، دل اس قوم کی اس حالتِ زار دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہے۔ یہ قوم ذہانت اور یہ خطہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہم کسی انتہائی بنجر اور آسیب زدہ علاقے میں رہ رہے ہیں۔ اسی حالت کو دیکھ کر شاید منیر نیازی نے کہا تھا:

منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

یقین کرو یہ سب ہوائی باتیں نہیں ہیں جنھیں میں گھڑ کر بتا رہا ہوں۔ یہ سب ملکی حکمرانوں کی ناقص پالیسیوں کا نتیجہ ہے کہ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں بھی دنیا کی دوسری اقوام سے پیچھے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ملک کو ایسے مخلص حکمران ملیں جو ایمانداری کے ساتھ حکمرانی کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے، اسلام کی بنیاد پر لوگوں کے مسائل کو حل کریں۔ دنیا پہلے ہی سرمایہ دارانہ نظام کے بداثرات کو بھگت رہی ہے۔ اس لیے ہمیں ان کے پیچھے چلتے ہوئے اندھے کنویں میں گرنے کی بجائے، اپنے دین کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اسلام ہی دنیا اور آخرت کی فلاح کا راستہ ہے۔ جسے آج ہم نے بھلا رکھا ہے۔ خیر باتیں تو بہت سی ہیں، اپنا خیال رکھنا۔ جب پاکستان آؤ تو اطلاع ضرور کرنا۔ ان شاءاللہ مل کر پرانی یادیں تازہ کریں گے۔

والسلام

تمھارا دوست

ا۔ب۔ج

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تلخیص

تلخیص نگاری کیا ہے؟

فرض کیجیے کہ آپ کسی دن کالج حاضر نہیں ہو پاتے۔ اگلے دن آپ اپنے کسی ہم جماعت سے پوچھتے ہیں کہ کل پروفیسر صاحب نے لیکچر میں کیا پڑھایا تھا تو وہ یعنی آپ کا دوست پینتالیس منٹ کے لیکچر کو مختصرا، اپنے الفاظ میں اور ترتیب سے بیان کر دیتا ہے۔ گویا وہ پینتالیس منٹ کے لیکچر کو اپنے الفاظ میں محض پانچ سے دس منٹ کے اندر اندر بیان کر دیتا ہے، اسی کو ہم تلخیص یا خلاصہ کہتے ہیں۔ آسان لفظوں میں ہم کہ سکتے ہیں کہ تلخیص یا خلاصہ کسی تحریر یا واقعے کو مختصراً اپنے الفاظ میں اور ترتیب سے بیان کرنے کا نام ہے۔ نصابی لحاظ سے خلاصے اور تلخیص میں یہ فرق ہے کہ خلاصہ کسی پڑھے ہوئے سبق یا نظم کا لکھا جاتا ہے جبکہ تلخیص کسی ان دیکھے پیراگراف کی لکھی جاتی ہے جو ہمیں امتحانی پرچے میں دیا جاتا ہے۔

ہدایات:

۱۔ تلخیص کا مطلب ہے کہ کسی عبارت کو مختصرا، اپنے الفاظ میں اور ترتیب سے بیان کرنا۔ عام طور پر مختصر کرنے کے لیے ہم اصل عبارت کا تیسرا حصہ لکھتے ہیں۔ مثلاً اگر اصل عبارت 150 الفاظ پر مشتمل ہے تو ہم اس کی تلخیص قریباً 50 الفاظ میں کریں گے یا اگر اصل عبارت 300 الفاظ پر مشتمل ہے تو ہم اسے قریباً 100 الفاظ تک مختصر کریں گے۔ مختصر کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم عبارت میں سے کچھ چیزیں چھوڑ دیں اور باقی لکھ لیں بلکہ ساری عبارت کے خیال کو یا اہم نکات کو اپنے الفاظ میں لکھنا ہے۔

۲۔ تلخیص کے لیے ضروری ہے کہ ساری عبارت کو کم از کم دو دفعہ پڑھیں۔

۳۔ اہم خیالات پر نشان لگائیں اور انہیں اپنے الفاظ میں لکھیں یا عبارت کو موضوع کے لحاظ سے دو سے تین حصوں میں تقسیم کر لیں اور پھر ہر حصے کو اپنے الفاظ میں لکھیں۔ یہ طریقہ پوری عبارت کو ایک ہی دفعہ مختصر کرنے سے بہتر ہے۔

۴۔ خیالات کی ترتیب مت بدلیں۔

۵۔ غیر ضروری تفاصیل، توضیحات، تشبیہات واستعارات، محاورات ومرکبات چھوڑ دیں۔

۶۔ تلخیص ایک پیراگراف میں ہو اور اصل عبارت کا تقریباً ایک تہائی ہو۔ اگر عبارت ایک سے زیادہ پیراگرافوں پر مشتمل ہو تو تلخیص پیراگرافوں میں نہیں بلکہ ایک ہی پیراگراف میں ہونی چاہیے۔

۷۔ ندائیہ اور سوالیہ فقرات کو سادہ کریں۔

۸۔ اگر دی ہوئی عبارت مکالمے کی صورت میں ہو تو مکالمے کی تلخیص کرتے وقت یہ تصور کرنا چاہیئے کہ راقم ایک تیسرے شخص کی حیثیت سے واقعات بیان کر رہا ہے۔

۹۔ زبان سادہ ہو۔ اصل عبارت کے فقرات کو نقل نہ کیا جائے۔ بعض ضروری نوعیت کے الفاظ اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں یاد رہے کہ تلخیص کا مقصد اختصار مطالب ہے اس سے لفظوں میں کمی آئے گی اور انداز میں بھی تبدیلی ہوگی اس لیے حتی الوسع لفظ اور انداز بیان خلاصہ نگار کا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اپنا ہونا چاہیے۔

۱۰۔ اصل عبارت میں دیئے گئے کسی اہم نکتے کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

۱۱۔ خلاصے میں ربط و تسلسل ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسے خیالات کے تسلسل کے اعتبار سے ایک مختصر مگر مکمل نثر پارہ ہونا چاہیے۔

۱۲۔ اپنی طرف سے نہ تنقید کریں، نہ تبصرہ۔

۱۳۔ کوئی موزوں عنوان بھی تجویز کریں۔ عنوان میں اس قدر جامعیت ہونی چاہیے کہ پوری عبارت کا مفہوم اس میں سمٹ کر رہ جائے۔ عنوان کا نادر ہونا اتنا ضروری نہیں، جتنا واضح ہونا ضروری ہے۔ یاد رہے کہ عنوان کے الفاظ تلخیص کے متن کا جز نہیں ہوتے۔ عبارت پڑھتے وقت کئی عنوان سوجھ سکتے ہیں۔ وہ سب لکھ لیجئے اور ان میں سے کوئی موزوں سا عنوان چن لیجئے۔ عنوان کا انتخاب تلخیص کرنے کے بعد کیا جائے تو بہتر ہے۔

۱۴۔ تلخیص میں قواعد کی غلطیاں نہیں ہونی چاہئیں۔

۱۵۔ لکھنے کے بعد تلخیص کو ایک بار پڑھ لیں کہ کہیں کوئی اہم خیال نظر انداز تو نہیں ہو گیا۔ کیونکہ تلخیص کو بھی اپنے طور پر مکمل ہونا چاہیے۔ خیالات میں ربط، ترتیب میں نظم اور انداز میں سادگی ضروری ہے۔

۱۶۔ اگر کوئی عبارت کہانی نما ہو، تو کہانی کو خلاصے میں جگہ نہیں ملنی چاہیے بلکہ اس سے جو نتیجہ اور سبق ملتا ہو اس سے سروکار رکھنا چاہیے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

مشقی کام

تلخیص میں مہارت حاصل کرنے کے لیے پہلے کچھ مشقیں ضروری ہیں۔ سب سے پہلے ہم ایک یا دو جملوں کی تلخیص سے آغاز کریں گے۔

1- وہ مشکلات اور حوادث میں گھبراتا نہیں بلکہ تن دہی سے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔

تلخیص: وہ محنتی اور مستقل مزاج ہے۔

2- وہ عیش و عشرت کا عادی اور رقص و سرود کا رسیا ہے۔ اسے علم نہیں کہ اس کی ان حرکتوں کا انجام کیا ہوگا۔

تلخیص: وہ عیاش اور اپنا انجام بھولا ہوا ہے۔

3- شراب، چرس، افیون اور سگریٹ سے صحت کی دیوار جلد گر جاتی ہے۔

تلخیص: منشیات صحت کے لیے مضر ہیں۔

4- اگر تم میرے علم سے فائدہ اٹھاؤ تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔

تلخیص: میرا علم تمھارے لیے فائدہ مند ہے۔

5- دنیا ایک میدان کارزار ہے اور جس چیز کو تم عمل کہتے ہو وہ دراصل یہ ایک حریفانہ کشمکش اور مقابلہ ہے۔

تلخیص: دنیا میں عمل دراصل ایک مقابلے کی صورت ہے۔

6- جس طرح جنگ میں رہنے والے سپاہیوں کو فتح و شکست سے چارہ نہیں۔ وہ کبھی زخمی کرتے ہیں اور کبھی خود زخمی ہو جاتے ہیں اور اسی طرح دنیا میں جو مخلوق بستی ہے اسے کامیابی و ناکامی اور فیروز مندی و نامرادی سے چارہ نہیں۔

تلخیص: جس طرح جنگ میں سپاہی جیتتے یا ہارتے ہیں، اسی طرح انسان بھی شکست اور فتح سے دوچار ہوتا ہے۔

7- چلو گے تو ٹھوکر کھاؤ گے اور لڑو گے تو زخم سے چارہ نہیں۔ پس اگر ٹھوکر لگی ہے تو آنکھیں کھولو اور بیٹھ کر رونے کی جگہ تیزی سے چلو۔ کیونکہ جتنی دیر بیٹھ کر تم نے اپنا گھٹنا سہلایا، اتنی دیر میں قافلہ دور نکل گیا۔

تلخیص: چلنے میں ٹھوکر کا لگنا ضروری ہے، پس بیٹھ کر رونے کی بجائے تیز چلتے رہو ورنہ پیچھے رہ جاؤ گے۔

8- یوں کہنا چاہیے کہ زندہ قوموں کے لیے مایوسی کے اسباب ہی میں امید کا پیغام ہوتا ہے۔ اور مصیبتیں ان کو مایوس نہیں کرتیں۔ بلکہ غفلت سے ہوشیار کر دیتی ہیں اور عبرت و تنبیہ کی صورت میں ان کے سامنے آجاتی ہیں۔ وہ مصائب کے سیلاب کو دیکھ کر بھاگتے نہیں۔ بلکہ اس راہ کو ڈھونڈ کر بند کرنا چاہتے ہیں جہاں سے نکل کر اس نے بہنے کی راہ نکالی ہے۔

تلخیص: زندہ قوموں کے لیے مصیبت امید کا پیغام بن جاتی ہے، انھیں غفلت سے نکال کر ہوشیار کر دیتی ہے۔ وہ مصیبت سے بھاگتے نہیں بلکہ اس کا سامنا کرتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

مذکورہ بالا مثالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان جملوں کی تلخیص کی مشق کیجیے۔

مشق ۱

1- سپاہی کو زخم پر زخم کھا کر بھی اف نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس کی جگہ بستر نہیں بلکہ میدان جنگ ہے۔

تلخیص:

2- تین چیزوں کے بغیر تم ایک مطمئن اور خوشحال زندگی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں سکون، مؤدت اور رحمت۔

تلخیص:

3- سکون عربی میں ٹھہراؤ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ پیدا ہو جائے کہ زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں اُسے ہلا نہ سکیں۔

تلخیص:

4- وہ لوگ کامیابی اور فیروز مندی کے تحت پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ غم واندوہ کی سوزش و تپش کا انہیں احساس تک نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اللہ کے رحمت سے مایوس نہیں ہوتے تھے۔ پس آج انہیں بھی مایوس نہیں کیا جائے گا۔

تلخیص:

5- جس طرح آفتاب نکلتا ہے تو ہر شے روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ روحانیت کی دنیا کا ایک ایسا آفتاب ہیں جو طلوع ہوا تو ساری دنیا کی تاریکیاں نور میں بدل گئیں۔ آپؐ نگاہوں میں نور بن کر تشریف لائے اور دلوں میں سرور بن کر اتر گئے۔

تلخیص:

6- پس مصائب ان کے لیے رحمت ہو جاتے ہیں اور نامرادی ان کے لیے کامیابی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ وہ جس قدر کھوتے ہیں، اتنا ہی زیادہ پاتے ہیں اور جس قدر گرتے ہیں اتنا ہی مستعدی سے اٹھتے ہیں۔

تلخیص:

7- آپؐ وہ عظیم الشان انسان ہیں جن سے زیادہ کسی کی تعریف نہیں کی گئی اور جن سے زیادہ کسی نے اپنے خالق کی تعریف نہیں کی خود خدا جس کا نعت خواں، اور قرآن جس کی کتاب نعت ہو۔ کون ہے جو اس کی حقیقی تعریف کا حق ادا کر سکتا ہے۔

تلخیص:

8- رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کا گنبد سامنے ہو تو ہر نظر ضیائے روضہ سے منور ہو کر لوٹتی ہے۔ گنبد خضرا کا مسلسل نگاہوں کے سامنے رہنا ایک عجیب کیف پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی دید سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور انؐ کے حضور میں حاضری کا احساس ہوتا ہے۔

تلخیص:

MDCATBY(FUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD)

اب ہم ایک پیراگراف کی تلخیص کا طریقہ سیکھیں گے۔ اس طریقے میں ہم ایک پیراگراف کو دو سے تین حصوں میں تقسیم کرنا اور پھر ہر حصے کی الگ الگ تلخیص کرنا سیکھیں گے۔

عبارت 1:

ایک ادیب معاشرے کا فرد ہوتا ہے وہ اپنی تخلیقات کے لیے مواد اپنے گرد و پیش سے چنتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق میں کوئی قومی روح اور کوئی ملی جذبہ نہیں تو وہ تحریر اس کی اپنی ذات کی ترجمان تو ہو سکتی ہے مگر ہمہ گیریت اور آفاقیت سے محروم رہتی ہے۔ وہ ادب جو صرف تفریح کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اس کی کوئی مقصدی اور افادی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ شعلۂ مستعجل ہے جو بجھ تو سکتا ہے مگر گرد و پیش کی ظلمتوں کو اجال نہیں سکتا وہی ادب زندہ رہتا ہے جو زندگی آمیز بھی ہو، اور زندگی آموز بھی۔ وہ ادیب خام ہے۔ جسے اگر دو پیش کی سسکتی اور چیختی انسانیت جھنجوڑ نہ سکے۔ وہ ادیب دیدۂ بینائے قوم نہیں، جسے حالات کی تلخیاں، واقعات کے سنگینیاں اور ظالموں کے چیرہ دستیاں بیدار نہ کرسکیں۔

☆ تلخیص کرنے سے پہلے دی گئی عبارت کو کم از کم دو بار ضرور غور سے پڑھیں۔

☆ اب دی گئی عبارت کو دو سے تین حصوں میں تقسیم کرلیں۔ اس کے لیے آپ پیراگراف میں نشان بھی لگا سکتے ہیں۔ اس طرح تلخیص کرنا آسان ہو جائے گا۔

☆ اب ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ تلخیص یعنی مختصر کریں۔ اس کے لیے آپ رف عمل بھی کر سکتے ہیں۔

پہلا حصہ:	ایک ادیب معاشرے کا فرد ہوتا ہے وہ اپنی تخلیقات کے لیے مواد اپنے گرد و پیش سے چنتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق میں کوئی قومی روح اور کوئی ملی جذبہ نہیں تو وہ تحریر اس کی اپنی ذات کی ترجمان تو ہو سکتی ہے مگر ہمہ گیریت اور آفاقیت سے محروم رہتی ہے۔
تلخیص:	اگر ایک ادیب کا موضوع معاشرہ نہیں ہے تو اس کی تحریر اپنی ذات تک محدود ہوگی۔
دوسرا حصہ:	وہ ادب جو صرف تفریح کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اس کی کوئی مقصدی اور افادی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ شعلۂ مستعجل ہے جو بجھ تو سکتا ہے مگر گرد و پیش کی ظلمتوں کو اجال نہیں سکتا وہی ادب زندہ رہتا ہے جو زندگی آمیز بھی ہو، اور زندگی آموز بھی۔
تلخیص:	تفریحی ادب کا کوئی مقصد نہیں اس لیے وہ زندگی کو متاثر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا
تیسرا حصہ:	وہ ادیب خام ہے۔ جسے اگر دو پیش کی سسکتی اور چیختی انسانیت جھنجوڑ نہ سکے۔ وہ ادیب دیدۂ بینائے قوم نہیں، جسے حالات کی تلخیاں، واقعات کے سنگینیاں اور ظالموں کے چیرہ دستیاں بیدار نہ کرسکیں۔
تلخیص:	وہ ادیب ہی نہیں ہے جو بے حس ہے اور ظلم کے خلاف آواز نہیں اُٹھاتا۔

اب مذکورہ بالا اقتباس کی مکمل تلخیص دیکھیے:

عنوان: ادب میں مقصدیت

اگر ایک ادیب کا موضوع معاشرہ نہیں ہے تو اس کی تحریر صرف اپنی ذات تک محدود ہوگی۔ اسی طرح تفریحی ادب کا کوئی مقصد نہیں اس لیے وہ زندگی کو متاثر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ ادیب ہی نہیں ہے جو بے حس ہے اور ظلم کے خلاف آواز نہیں اُٹھاتا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

عبارت 2:

جب نئی نسل کے دل میں یہ بات حقیقت بن کر بیٹھ جائے گی کہ وہ ایک بہترین امت ہے اور تمام دنیا کے رہنمائی کے لیے پیدا کی گئی ہے تو وہ خود اس عظیم منصب کا اہل بننے کی سعی کرے گی اور اپنے اسلاف کے نقوش پا سے روشنی لے کر جب وہ میدان عمل میں آئے گی تو بالکل اسی طرح تاریخ اس کے حضور میں جھک جائے گی جس طرح ہمارے اسلاف بے سروسامانی کے عالم میں عرب کے ریگستان سے نکلے تھے تو وقت کی عظیم ترین حکومتیں ان کے قدموں میں جھک گئی تھیں۔ ضرورت ایک ایسے نظام تعلیم کی ہے جو آج کے نوجوان مسلمان کو اس کی شوکت رفتہ کا احساس دلا سکے کیونکہ ماضی کے بغیر حال کی تعمیر نہیں ہوسکتی اور حال سے بیگانہ لوگ کسی مستقبل کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

☆ تلخیص کرنے سے پہلے دی گئی عبارت کو کم از کم دو بار ضرور غور سے پڑھیں۔

☆ اب دی گئی عبارت کو دو سے تین حصوں میں تقسیم کرلیں۔ اس کے لیے آپ پیراگراف میں نشان بھی لگا سکتے ہیں۔ اس طرح تلخیص کرنا آسان ہوجائے گا۔

☆ اب ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ تلخیص یعنی مختصر کریں۔ اس کے لیے آپ رف عمل بھی کر سکتے ہیں۔

پہلا حصہ:	جب نئی نسل کے دل میں یہ بات حقیقت بن کر بیٹھ جائے گی کہ وہ ایک بہترین امت ہے اور تمام دنیا کے رہنمائی کے لیے پیدا کی گئی ہے تو وہ خود اس عظیم منصب کا اہل بننے کی سعی کرے گی۔
تلخیص:	جب نئی نسل یہ جان لے گی کہ وہ رہنما امت ہے تو وہ اس کے لیے کوشش بھی کرے گی۔
دوسرا حصہ:	اور اپنے اسلاف کے نقوش پا سے روشنی لے کر جب وہ میدان عمل میں آئے گی تو بالکل اسی طرح تاریخ اس کے حضور میں جھک جائے گی جس طرح ہمارے اسلاف بے سروسامانی کے عالم میں عرب کے ریگستان سے نکلے تھے تو وقت کی عظیم ترین حکومتیں ان کے قدموں میں جھک گئی تھیں۔
تلخیص:	جب وہ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلے گی، تو دنیا ان کے سامنے جھک جائے گی۔
تیسرا حصہ:	ضرورت ایک ایسے نظام تعلیم کی ہے جو آج کے نوجوان مسلمان کو اس کی شوکت رفتہ کا احساس دلا سکے کیونکہ ماضی کے بغیر حال کی تعمیر نہیں ہوسکتی اور حال سے بیگانہ لوگ کسی مستقبل کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔
تلخیص:	ضرورت ایک ایسے تعلیمی نظام کی ہے جو ماضی اور حال کو مستقبل سے جوڑ سکے۔

اب مذکورہ بالا اقتباس کی مکمل تلخیص دیکھیے:

عنوان: مسلمانوں کا ماضی، حال اور مستقبل

جب نئی نسل یہ جان لے گی کہ وہ رہنما امت ہے تو وہ اس کے لیے کوشش بھی کرے گی۔ جب وہ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلے گی، تو دنیا ان کے سامنے جھک جائے گی۔ ضرورت ایک ایسے تعلیمی نظام کی ہے جو ماضی اور حال کو مستقبل سے جوڑ سکے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مشق ۲

اب مذکورہ بالا مثالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دیے گئے اقتباس کی تلخیص کیجیے۔

اقبال مسلمان کو خودی کی تعلیم دیتے ہیں، خودی ان کے کلام میں ایک اہم اصطلاح ہے۔ خودی انسان کی ذات اور شخصیت کو کہتے ہیں۔ انسان اپنی ذات کو پہچانے، اپنی حقیقت تک پہنچے، اپنے اور خدا کے تعلق کو سمجھے۔ اگر وہ خود کو سمجھ گیا تو خدا کا سراغ پا لینا مشکل نہیں ہے۔ اقبال مسلمان میں خودی کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ عجز، کمزوری اور بزدلی کو دور کر کے انسان کو اس کے اصل مقام سے آشنا کرنا چاہتے ہیں اور ایسے ہی مسلمان کو جس کی خودی بیدار ہو گئی ہو، وہ مومن کہتے ہیں۔

☆ تلخیص کرنے سے پہلے دی گئی عبارت کو کم از کم دو بار ضرور غور سے پڑھیں۔

☆ اب دی گئی عبارت کو دو یا تین حصوں میں تقسیم کر لیں۔ اس کے لیے آپ پیراگراف میں نشان بھی لگا سکتے ہیں۔ اس طرح تلخیص کرنا آسان ہو جائے گا۔

☆ اب ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ تلخیص یعنی مختصر کریں۔ اس کے لیے آپ رف عمل بھی کر سکتے ہیں۔

پہلا حصہ: اقبال مسلمان کو خودی کی تعلیم دیتے ہیں، خودی ان کے کلام میں ایک اہم اصطلاح ہے۔ خودی انسان کی ذات اور شخصیت کو کہتے ہیں۔
تلخیص:
دوسرا حصہ: انسان اپنی ذات کو پہچانے، اپنی حقیقت تک پہنچے، اپنے اور خدا کے تعلق کو سمجھے۔ اگر وہ خود کو سمجھ گیا تو خدا کا سراغ پا لینا مشکل نہیں ہے۔
تلخیص:
تیسرا حصہ: اقبال مسلمان میں خودی کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ عجز، کمزوری اور بزدلی کو دور کر کے انسان کو اس کے اصل مقام سے آشنا کرنا چاہتے ہیں اور ایسے ہی مسلمان کو جس کی خودی بیدار ہو گئی ہو، وہ مومن کہتے ہیں۔
تلخیص:

اب مذکورہ بالا اقتباس کی مکمل تلخیص کیجیے اور ایک مکمل پیراگراف کی صورت میں لکھیے۔

عنوان: ------------------

تلخیص: --

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

مشق ۳

انسان کو ہر وقت اسی چیز کی فکر کرنی چاہیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اور جو چیز اس کو حقیقت میں کام آنے والی ہے وہ آخرت کی فکر، خدا کی مرضی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ چیز نہیں ہے تو خواہ وہ بڑے سے بڑا ادیب ہو یا بہت بڑا مفسر اور فقیہ ہو، وہ اس دولت سے محروم رہے گا یہ ممکن ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے کچھ ناموری حاصل کر لے۔ مگر آگے اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ حقیقت میں جو چیز کام آنے والی ہے وہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے۔ وہ اللہ کی مرضی کی تلاش ہے اور ہر حال میں اس کی رضا کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔

☆ تلخیص کرنے سے پہلے دی گئی عبارت کو کم از کم دو بار ضرور غور سے پڑھیں۔

☆ اب دی گئی عبارت کو دھیان سے تین حصوں میں تقسیم کرلیں۔ اس کے لیے آپ پیراگراف میں نشان بھی لگا سکتے ہیں۔ اس طرح تلخیص کرنا آسان ہو جائے گا۔

☆ اب ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ تلخیص یعنی مختصر کریں۔ اس کے لیے آپ رف عمل بھی کر سکتے ہیں۔

پہلا حصہ: انسان کو ہر وقت اسی چیز کی فکر کرنی چاہیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اور جو چیز اس کو حقیقت میں کام آنے والی ہے وہ آخرت کی فکر، خدا کی مرضی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ ہے۔

تلخیص:

دوسرا حصہ: اگر انسان کے اندر یہ چیز نہیں ہے تو خواہ وہ بڑے سے بڑا ادیب ہو یا بہت بڑا مفسر اور فقیہ ہو، وہ اس دولت سے محروم رہے گا یہ ممکن ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے کچھ ناموری حاصل کر لے۔ مگر آگے اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔

تلخیص:

تیسرا حصہ: حقیقت میں جو چیز کام آنے والی ہے وہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے۔ وہ اللہ کی مرضی کی تلاش ہے اور ہر حال میں اس کی رضا کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔

تلخیص:

اب مذکورہ بالا اقتباس کی مکمل تلخیص کیجیے اور ایک مکمل پیراگراف کی صورت میں لکھیے۔

عنوان: ------------------

تلخیص: --

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (YOUSEEF AHMAD)

مشق ۴

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کا گنبد سامنے ہوتو ہر نظر ضیائے روضہ سے منور ہو کر لوٹتی ہے۔ گنبد خضرا کا مسلسل نگاہوں کے سامنے رہنا ایک عجیب کیف پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی دید سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور انؐ کے حضور میں حاضری کا احساس ہوتا ہے اور زندگی کی ہر ادا آداب واحترام کے سانچے میں ڈھلی رہتی ہے۔ اپنے گناہوں پر ندامت کا رنگ مسلسل گریہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس زیارت سے ایک موج کیف دل ونگاہ پر چھا جاتی ہے۔ مسجد نبویؐ میں آپ کو زہد کی تصویریں، پرہیز گاری کے پیکر اور روحانیت کی تفسیریں نظر آئیں گی۔ اگر چشم بصیرت ہوتو ان سے فیض حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ماحول نصیب ہوتو آنسو دلوں کی سیاہی کو دھو دیا کرتے ہیں۔

☆ تلخیص کرنے سے پہلے دی گئی عبارت کو کم از کم دو بار ضرور غور سے پڑھیں۔

☆ اب دی گئی عبارت کو بغور سے تین حصوں میں تقسیم کر لیں۔ اس کے لیے آپ پیراگراف میں نشان بھی لگا سکتے ہیں۔ اس طرح تلخیص کرنا آسان ہو جائے گا۔

☆ اب ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ تلخیص یعنی مختصر کریں۔ اس کے لیے آپ رف عمل بھی کر سکتے ہیں۔

پہلا حصہ:
تلخیص:
دوسرا حصہ:
تلخیص:
تیسرا حصہ:
تلخیص:

اب مذکورہ بالا اقتباس کی مکمل تلخیص کیجیے اور ایک مکمل پیراگراف کی صورت میں لکھیے۔

عنوان: --------------------

تلخیص: --

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اہم ہدایت: امتحانی پرچے میں تلخیص کا سوال حل کرنے کے لیے مثالی خاکہ دیکھیں۔

نمونے کی عبارتیں

عبارت (۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں۔ جن میں ایک نے اپنے باپ دادا کو درجۂ کمال پر پہنچا ہوا اور ناقابل سہو و خطا سمجھ کر ان کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا، اور اس کی پیروی پر جمی رہی۔ اور اس کی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اخذ و ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم و فنون اور طریق معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتی رہی۔ اب دیکھو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور کون تنزلی اور کون ترقی کی حالت میں ہے۔

عنوان: جامد اور متحرک اقوام

تلخیص: قوموں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جنھوں نے باپ دادا کو کامل سمجھا اور تقلید پر قائم رہیں۔ دوسری وہ جو نئے نئے راستے دریافت کرتی رہیں اور ان پر چلتی رہیں۔ آج ان دونوں میں فرق صاف ظاہر ہے۔

عبارت (۲)

عشق کا ایک اور خاصہ پیہم آرزو ہے۔ اقبال کے عشق کا تصور ہمارے دوسرے شعرا کے نام نہاد عشق سے مختلف ہے۔ اس کے ہاں وہ زندگی کا ایک زبردست محرک عمل ہے۔ اقبال عشق سے تسخیر فطرت کا کام بھی لیتا ہے۔ اور اس کے ذریعے اپنے دل کو کائنات سے متحد کرتا ہے۔ اس کی بدولت انسان کی نظر اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی ہمت مردانہ کے سامنے جبریل کو صید زبوں سمجھنے لگتا ہے۔ اور اپنے وجدان کی کمند سے ذات یزداں پر قابو پانے کے منصوبے سوچتا ہے۔ یہ ایک وجدانی کیفیت ہے جس کا خاصہ مستی، انہماک اور جذب کلی ہے۔

عنوان: اقبال کا تصور عشق

تلخیص: اقبال کے ہاں عشق عمل کی قوت پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اس کے ذریعے کائنات کو تسخیر کرتا ہے اور اپنی ہمت سے بلند ترین مقام تک جا پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا سے قریب تر ہو جاتا ہے

عبارت (۳)

جانتے ہو، جس چیز نے شہنشاہوں کے ارادوں کو کمزور بنا دیا۔ ان کی حکومت کے تختے کو الٹ دیا۔ ان کے عالی شان محلوں کو خاک میں ملا دیا۔ وہ کیا شے ہے؟ بزدلی اور محض بزدلی۔ یاد رکھو کہ جو شخص ایک بار بھی بزدلی کا شکار ہو گیا۔ اس پر خدا کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے۔ اسکی آنکھوں پر پردے پڑ گئے۔ نور کی جگہ ظلمت، ہدایت کی جگہ ضلالت اس کے حصے میں آئی۔ یہ بزدلی ہی کا کرشمہ ہے کہ ہم ہر طرح کی توہین، خواری اور بے عزتی کا بوجھ خوشی خوشی اٹھانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر خوشی سے انہیں نہ جھیلیں تو بھی صبر کے ساتھ انہیں برداشت کرنا، بہادری تصور کرنے لگتے ہیں، بزدل کو ہر طرف دشمن نظر آتے ہیں، لیکن وہ جن کے ارادے بلند، جن کے عزم مستحکم ہیں۔ جن کی رگوں میں شجاعت کا خون ٹھنڈا نہیں پڑا ہے۔ جو دنیا میں ذلت کی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتے ہیں۔ وہی ہیں جو دنیا میں سرخرو اور کامران ہیں۔ موت کا سرخ لباس تلواروں کی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

چھاؤں میں انہیں صرف ایک بار ہے پہننا پڑتا ہے۔ لیکن ان کی یاد جیتی دنیا تک باقی رہتی ہے۔

عنوان: بزدلی

تلخیص: بزدلی ذلت کا پیش خیمہ ہے۔ یہ روحانی اور جسمانی صلاحیتوں کی موت ہے۔ اسی سے پست ہمتی ابھرتی ہے اور انسان ہر ذلت کو صبر سمجھ کر برداشت کرتا ہے۔ یوں وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ جب کہ بہادری ارادوں کو استقلال بخشتی اور موت سے ٹکرانا سکھاتی ہے۔ نتیجہ معلوم کہ بہادر مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔

عبارت (۴)

اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں۔ وہ فلسفی بھی ہیں اور شاعر بھی، اور سیاست دان بھی۔ انہوں نے راہ راست سے بھٹکی ہوئی مسلمان قوم کو سیدھا راستہ دکھایا۔ انہیں حالی کی پستیوں کا احساس دلاتے ہوئے اور ماضی کا روشن آئینہ دکھاتے ہوئے ایک تابندہ مستقبل کی تعمیر پر آمادہ کیا۔ نتیجہ معلوم کہ ان کا کلام ہمارے دلوں میں اتر گیا۔ اقبال ایک ایسے عظیم انسان تھے۔ جو صدیوں کی گردش کے بعد جنم لیتے ہیں اور جن کی عظمت کو نہ گردش زمانہ دھندلا سکتی ہے۔ اور نہ قبر کی تاریکی۔

مرگ وزیست کا سلسلہ پہلو بہ پہلو چلتا ہے۔ انسان پیدا ہوتے اور ختم ہو جاتے ہیں۔ ستارے ابھرتے اور مٹ جاتے ہیں۔ چاند نکلتا اور غروب ہو جاتا ہے۔ یہ کائنات کا نظام ہے۔ بعض انسانوں کو موت ہمیشہ کے لیے سلا دیتی ہے۔ لیکن بعض انسانوں کے لیے موت شہرت وعظمت کی تمہید بن جاتی ہے اور وہ انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔

عنوان: اقبال کی عظمت

تلخیص: اقبال ایک فلسفی شاعر اور عظیم رہنما ہیں۔ ان کے کلام نے مسلمانوں کو ایک روشن مستقبل کی تعمیر پر ابھارا۔ ایسے عظیم لوگ صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور ان کی عظمت کو موت بھی نہیں دھندلا سکتی۔ وہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔

عبارت (۵)

زبان ایک جادوگر ہے۔ جو کہ طلسمات کے کارخانے الفاظ کے منتروں سے تیار کر دیتا ہے اور جو اپنے مقاصد چاہتا ہے ان سے حاصل کر لیتا ہے۔ ایک نادر مرصع کار ہے کہ جس کی دستکاری کے نمونے کبھی شاہوں کے تاج اور کبھی شہزادیوں کے نو لکھے ہار ہوتے ہیں۔ کبھی علوم کے خزانوں سے زروجواہر اس کی قوم کو مالا مال کر دیتے ہیں۔ وہ ایک چالاک عیار ہے جو ہوا پر گرہ لگاتا ہے اور دلوں کے قفل کھولتا اور بند کرتا ہے یا مصور ہے کہ نظر کے میدان میں مرقع کھینچتا ہے یا ہوا میں گلزار کھلاتا ہے۔ اور اسے پھول گل، طوطی، بلبل سے سجا کر تیار کر دیتا ہے۔ اس نادر دستکار کے پاس مانی و بہزاد کی طرح موئے قلم اور رنگوں کی پیالیاں دھری نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کے استعاروں اور تشبیہوں کے رنگ ایسے خوشنما ہیں کہ ایک بات میں مضمون کو شوخ اور رنگین بنا دیتا ہے۔

عنوان: الفاظ کا جادو

تلخیص: زبان ایک جادوگر ہے جو الفاظ سے اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنی کاری گری سے بادشاہوں کے تاج بناتا ہے۔ وہ ایسا عیار ہے کے بند دلوں کو کھول دیتا ہے۔ وہ استعاروں اور تشبیہوں سے اپنی بات کو رنگین بناتا ہے۔

عبارت (۶)

دنیا میں جو کچھ رونق اور چہل پہل ہے وہ جذبات کی بدولت ہے۔ اگر خوشی، غم، محبت، عداوت، نفرت، خوف، ہمدردی وغیرہ یہ سب

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

جذبے ناپید ہو جائیں تو دنیا میں سناٹا چھا جائے۔ گلاب کے چمن سے فرحت ہو، نہ بن سے وحشت نہ شاما کے سحری نغموں سے روح بیدار ہو، نہ کوے کی بے ہنگام صدا کانوں پر بار ہو نہ کسی سے چھٹنا شاق ہو۔ ایک بے امتیازی اور بے تکلفی کا عالم پیدا ہو جائے جس میں نہ ماں کو بیٹے سے محبت ہو، نہ بھائی کو بھائی سے الفت، نہ بچپن کے دوست اور نہ کسی اجنبی میں کچھ امتیاز رہے۔ نہ اپنے بچے کی دلکش آواز اور نہ کسی ماں کے جگر خراش بین میں کوئی فرق معلوم ہو۔ مختصر یہ کہ اگر جذبات فنا ہو جائیں تو رشتے ٹوٹ جائیں، تعلق چھوٹ جائیں۔ زندگی کی دلچسپیاں مٹ جائیں۔ سوسائٹی کی بنیادیں ہل جائیں اور انسانیت و حیوانیت کے درمیان ایک دھندلا سا فرق باقی رہ جائے۔ انسان کو حیوان پر جو فضیلت ہے وہ صرف عقل ہی کی بنیاد پر نہیں جذبات بھی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہیں۔ یہی جذبات جب لفظوں کا لباس پہن لیتے ہیں تو شاعری کہلاتے ہیں۔

عنوان: شاعری۔ جذبات کا منظم اظہار

تلخیص: جذبات زندگی کی اساس ہیں۔ نفرت، محبت، خوشی، غم ہی سے زندگی عبارت ہے۔ جذبات کے بغیر کائنات ویرانہ اور انسان ایک سایہ ہے۔ جذبات ہی انسان کو حیوان سے ممتاز کرتے ہیں اور یہی جذبات موزوں لفظوں میں ڈھل کر شعر بن جاتے ہیں۔

عبارت (۷)

اس کارزارِ حیات میں وہی کامران ہیں جو باہمت اور پرامید ہیں۔ شکست سے بے حوصلہ نہیں ہوتے جو زخم کھاتے بھی ہیں اور لگاتے بھی۔ ٹھوکریں انہیں اور تیز کرتی ہیں اور وہ مسکراتے ہوئے موجِ حوادث سے گزر جاتے ہیں۔ مایوسیاں زندہ اقوام کے لیے امید کا پیغام اور ناکامیاں کامیابیوں کا زینہ بن جاتی ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ ان کی شکست فتح میں بدل جاتی ہے اور رحمت خداوندی انہیں اخروی فیروزمندیوں سے سرفراز فرماتی ہے اور قرآن پاک ایسے ہی مستعد، بہادر اور باعمل لوگوں کو کامیابی کی نوید دیتا ہے۔

عنوان: امید۔۔۔کامیابی کا راستہ

تلخیص: اس دنیا میں وہی کامیاب ہیں جو پُر امید رہتے ہیں اور مصیبتوں میں سے مسکراتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ امید کامیابی اور ناامیدی شکست کا ذریعہ ہے۔ قرآن ایسے ہی لوگوں کو کامیاب قرار دیتا ہے۔

عبارت (۸)

موجودہ دور میں یوں تو ہزارہا مسائل ایسے ہیں جن کا تسلی بخش اور کارآمد حل تلاش نہیں کیا جا سکا۔ لیکن دو مسائل ایسے ہیں جو دنیا بھر کے سائنسدانوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ پہلا مسئلہ خلا کی تحقیق اور دوسرے سیاروں تک پہنچنے کی کوشش کا ہے۔ انسان جاننا چاہتا ہے کہ ہماری اس زمین سے پرے کون کون سی دنیائیں آباد یا غیر آباد ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو انسان زمین کو چھوڑ کر کس دنیا میں آسانی سے پناہ لے سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ قطعی داخلی نوعیت کا ہے یعنی کرہ ارض پر رہتے ہوئے ہم اپنے لیے کس قدر مزید آسانیاں بہم پہنچا سکتے ہیں دنیا سے بھوک، جہالت، افلاس اور امراض کا خاتمہ کرنے کے لیے ابھی ہمیں کون کونسے مراحل سے گزرنا ہے اور وہ کون سے طریقے ہیں جن کی مدد سے انسان خوشگوار، محفوظ اور آرام دہ زندگی گزار سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کرہ ارض کا داخلی مسئلہ خارجی مسئلے کی نسبت کہیں زیادہ مشکل اور اہم ہے۔ چاند یا مشتری پر کوئی سٹیشن قائم کرنا آسان ہے۔ لیکن دنیا سے افلاس اور امراض کا خاتمہ کرنا سخت دشوار ہے۔

عنوان: دنیا سے جہالت اور غربت کا خاتمہ

تلخیص: جدید دور میں دو مسائل سب سے زیادہ اہم ہیں۔ پہلا مسئلہ خلائی تحقیق اور دوسرے سیاروں تک پہنچنا ہے۔ جبکہ دوسرا مسئلہ اس زمین پر رہتے ہوئے بھوک، جہالت اور بیماریوں کو ختم کرنا ہے۔ حقیقت میں دوسرا مسئلے کو حل کرنا زیادہ اہم لیکن مشکل ترین ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS (YOUSEFAHMAD)

مشقی عبارتیں

درج ذیل عبارات کو مختصر کیجئے۔ تلخیص ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ عنوان بھی دیجئے۔ اپنی طرف سے کسی خیال یا نکتے کا اضافہ نہ کریں۔

(۱)

اقبال اخلاق کا ایک عمدہ نمونہ تھے۔ خلیق اور ملنسار تھے۔ ہم نے کبھی آپ کو غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ کوئی ناگواری ہوتی تو آپ ضبط کرتے۔ تحمل اور ضبطِ نفس بغایت تھا۔ عزم، حوصلہ، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے مالک تھے۔ جس کام کی نیت فرماتے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے بغیر نہ رہتے۔ جھوٹ سے انتہائی نفرت تھی۔ صداقت اور حق گوئی کو پسند فرماتے تھے۔ تکبر، جاہ پسندی اور ہوسِ دنیا نام کو بھی آپ میں نہ تھی۔ تواضع اور انکسار آپ کی خو تھی۔

عنوان: ----------------

تلخیص: --

----

(۲)

انسان کو اپنی زندگی میں کسی نہ کسی مرحلے پر غم سے ضرور سابقہ پڑتا ہے۔ وہ اگر غور کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں دو وقت ایسے ہیں جن میں غم اپنی پوری شدت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے ایک صبح کا وقت جب وہ خوابوں کی خیالی دنیا سے نکل کر واقعات کی دنیا میں واپس آجاتا ہے اور غم کی وہ مکروہ حقیقت جو سوتے میں اس سے عارضی طور پر اوجھل رہی تھی پھر ایک دھماکے کے ساتھ اس کے سامنے آموجود ہوتی ہے۔ اس کے دل کو وہی پہلے کا سا دھچکا لگتا ہے اور بچھڑے ہوؤں کی یاد اس کے دل و دماغ میں سما جاتی ہے اور دوسرے غروب آفتاب کا وقت جس میں حزن و ملال کی شدت میں اضافہ ہونے کی وجہ بالکل طبعی اور فطری ہے اور وہ یوں کہ شام کا وقت عبارت ہے اجالے کے اختتام اور تاریکی کی ابتدا سے۔ اجالا، خوشی اور اُمید ہے اور تاریکی غم، سوگواری اور مایوسی کی علامت ہے۔

عنوان: ----------------

تلخیص: --

INDUCATEDBY FUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۳)

استاد کی بارگاہ اُس عہد کا ایک ایسا دبستانِ شعروادب تھا جس سے استفادہ کرنے والے ادبی اور فنی نکات سیکھتے تھے۔ شعر کے حسن وقبح سے آگاہ ہوتے تھے۔ خیال، جذبے، تجربے اور زبان کی لطافتوں اور نزاکتوں کی پہچان کرتے تھے۔ استاد بالعموم اپنے چھوٹے سے گھر کی چھوٹی سی انگنائی میں کُھری چارپائی پر بیٹھے حقہ گڑگڑاتے رہتے تھے۔ کتاب دیکھتے رہتے تھے، اشعار لکھتے رہتے تھے، شاگردوں کے کلام پر اصلاح دیتے رہتے تھے۔ شام کو گھر سے باہر تیس ہزاری باغ یا نہر کے کنارے گھنٹوں ٹہلتے رہتے تھے۔

عنوان: ------------------------

تلخیص: --

----

(۴)

ہمارا مذہب اسلام ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ ایک ہے جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ بتوں کی پرستش شرک ہے۔ قیامت کا ایک دن مقرر ہے جب کہ عمل کا حساب ہوگا۔ یہ باتیں ہمیں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں جو اللہ کے برگزیدہ بندے بھی ہیں اور نبی بھی۔ انہوں نے آج سے کئی سو سال پہلے مکہ میں جنم لیا۔ آپ کی زندگی شروع سے لے کر آخر تک ہدایت کی ایک ایسی مشعل ہے۔ جس نے دنیا کی ہر تاریکی کو اجالا بخشا ہے۔ آپ سے قبل عرب بت پرست تھے۔ اللہ کا گھر (خانہ کعبہ) بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ منوں وزنی بت خدا بنے ہوئے تھے۔ حالانکہ وہ نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتے تھے اور نہ کوئی فائدہ۔ پوری انسانیت گناہوں میں لتھڑی ہوئی تھی۔ عورت رسوا ہو چکی تھی۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اس ماحول کو دیکھا تو وہ سوچتے تھے کہ انسان کدھر جا رہا ہے۔ آپؐ ایک غار میں اکثر تشریف لے جاتے۔ وہاں سوچتے، غور فرماتے اور عبادت فرماتے تھے آپؐ کے دل کی آرزوئیں بر آئیں۔ وہیں جبریل امین آپؐ پر وحی لے کر آئے۔ آپؐ کو اللہ نے اپنا رسول بنا کر گمراہ انسانیت کو راہ راست دکھانے کے لیے مقرر فرمایا۔

عنوان: ------------------------

تلخیص: --

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۵)

الٰہی! تو سب کچھ دے مگر ایک مفلسی نہ دے، بیماری ہوگی اسے بھگت لیں گے، بے علمی ہوگی اسے سمجھ لیں گے، کمزوری بھی اٹھا سکتے ہیں، تلواریں بھی کھا سکتے ہیں، ایک تنگ دستی نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ کلموئی جس گھر میں جاتی ہے سو سوروپ لاتی ہے، بھوکا یہ سلائے، پیاسا یہ پچھڑ کائے، معصوم بچوں پر ترس یہ نہ کھائے، بوڑھے اپاہجوں پر رحم اسے نہ آئے، جیتے جی یہ مارے، بھلے چنگے کو بیمار یہ کر ڈالے، شاہ کو چور یہ بنا دے۔ حکمت میں لقمان ہو اور گرہ میں کچھ نہ ہو تو کوئی منہ نہیں لگاتا۔ مرتبہ میں ولی ہو اور کچھ فیض نہ پہنچائے تو کوئی اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔

عنوان: ------------------

تلخیص: --

----

(۶)

نشتریت غزل کی خاص خوبی ہے۔ اس نشتریت کو تشبیہات واستعارات تیز تر کرتے ہیں، تشبیہ اور استعارہ شعر کو صوری اور معنوی طور پر جلا دیتے ہیں ان سے شعر حسین اور خیال لطیف بن جاتا ہے اور ایمائیت، رمزیت اور نشتریت میں غزل کا راز پوشیدہ ہے۔ غزل زندگی کے ہر پہلو کی ترجمان ہے۔ غزل کو جس طرح لب ورخ تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اس کے تذکرہ سے مفر بھی نہیں اور بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قدیم دور میں بھی غم دوراں موجود تھا، اور ان غموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو محبت کے علاوہ ہیں۔

عنوان: ------------------

تلخیص: --

----

(۷)

آج دنیا بھر میں زبان، نسل اور رنگ کے اختلافات نے فساد برپا کر رکھا ہے ان بے معنی لیکن فتنہ انگیز امتیازات کی وجہ سے انسانی دنیا باہم، بر سر جنگ گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے لیکن اس کے برعکس اسلام ایک ایسا دینِ فطرت ہے جس میں ان اختلافات کا کوئی تصور موجود نہیں وہ تمام انسانوں کو اولادِ آدم ہی کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور ایک کلمہ توحید پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے اسی دینِ برحق کا تقاضا یہ ہے کہ کم از کم اس کے ماننے والے آپس میں اس طرح متحد و مربوط ہوں کہ اگر زمین کے ایک کونے پر بسنے والے کسی مسلمان کو کوئی گزند پہنچے تو اس کا درد روئے زمین کے تمام مسلمان محسوس کریں۔

عنوان: ------------------

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تلخیص:۔

(۸)

دوست ہمیشہ دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو۔ اس لیے ہمیں اپنے دشمن کا زیادہ احسان مند ہونا چاہیے کہ ہم کو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے اگر ہم نے اس کے طعنوں کے سبب اس عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہمیں وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق استاد سے ملتا ہے۔ دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے ہمارے فائدے سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہو جاتے ہیں اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں۔ دشمن جو ہم کو بدنام کرتے ہیں اس سے ہم کو ہماری برائیاں معلوم ہوتی ہیں۔

عنوان:

تلخیص:۔

(۹)

پاکستان کے قیام سے نہ صرف ہندوستان کے برعظیم اور ایشیا میں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں ایک ایسا قوت آفریں تغیر رونما ہو گیا ہے جس کے غیر معمولی نتائج کا دنیا ابھی صحیح اندازہ نہیں کر سکتی۔ ادھر یہ امر پاکستان کی ملتِ اسلامیہ پر روز بروز واضح ہو رہا ہے کہ اگر اسے اپنی اور دنیا کی طرف اپنا اسلامی اور انسانی فرض ادا کرنا ہے تو پاکستان کی حکومت لازمی طور پر اسلامی جمہوریت کے ترقی پرور اصولوں پر قائم ہو گی۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں سے مساوی سلوک کیا جائے گا۔ جس میں عورت کے حقوق اور اس کی شخصیت محفوظ ہو گی، جس میں دولت ادھر تمام لوگوں میں مناسب طور پر تقسیم ہو کر اور اُدھر بیت المال میں جمع ہو کر عوام الناس کا معیارِ زندگی بڑھانے کے کام آئے گی۔

عنوان:

تلخیص:۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۱۰)

فرحان کی زندگی کا مقصد اپنے جیسے انسانوں کی مدد کرنا ہے۔ ایک اچھے مسلمان کے لیے حقوق اللہ یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ فرض ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر کوئی حقوق اللہ ادا کرتا ہے تو یہ اس نے فرائض ادا کیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر انسانوں کے جو حقوق ہیں وہ کسی صورت معاف نہیں کیے جا سکتے۔ ایک اچھا مسلمان حقوق اللہ کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی ادا کرتا ہے۔ کامیاب لوگوں کو یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کی خدمت کو اپنی زندگی کا لازمی جزو بنا لیتے ہیں۔ دنیا انہی قسم کے لوگوں سے خوبصورت بن سکتی ہے۔

عنوان: ------------------------

تلخیص: --

----

(۱۱)

لوگ وقت کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے۔ انھیں اندازہ ہی نہیں کہ انسان کے ہاتھ میں اصل دولت وقت ہی ہے۔ جس نے وقت ضائع کر دیا اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔ قدرت نے انسان کے ہر لمحہ زندگی کے ساتھ ایک اہم فرض باندھ رکھا ہے جس کی ادائیگی میں اس کی زندگی کی ساری عظمتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی کے کسی لمحے میں فرض کو پہچاننے یا ادا کرنے میں کوتاہی کر جائے جو اسی لمحے کے لیے مخصوص ہے تو اس فرض کا وقت زندگی میں کبھی نہیں آتا کیوں کہ اس کے بعد کی اس کی زندگی کے جو لمحات بھی آتے ہیں وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ساتھ لاتے ہیں۔ اس لیے جو فرض رہ گیا سو رہ گیا۔ اگر اس فرض کو اس کے اصلی وقت کے بعد پورا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ اس کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ کسی دوسرے اہم فرض کو اس کی خاصر نظر انداز کیا جائے۔

عنوان: ------------------------

تلخیص: --

----

(۱۲)

ہماری سوسائٹی میں جو ایک عام دستور ہے کہ جو شخص اپنا کلام سناتا ہے اس کے ہر شعر پر خواہ اچھا ہو یا برا، برابر تحسین و آفرین کی جاتی ہے اور اچھے برے شعر میں کچھ تمیز نہیں کی جاتی۔ مرزا غالب کی عادت بالکل اس کے برخلاف تھی۔ کوئی کیسا ہی معزز و محترم آدمی ہو، جب تک اُس کا کوئی شعر فی الواقع مرزا کو پسند نہ آتا تھا۔ وہ ہرگز اس کی تعریف نہ کرتے تھے لیکن جو شعر ان کے دل میں چبھ جاتا تھا اس کی تعریف بھی ایسی کرتے

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

تھے، جو مبالغے کی حد کو پہنچ جاتی تھی۔ وہ درحقیقت کسی کو خوش کرنے کے لیے ایسا نہیں کرتے تھے، بلکہ ذوق و فن اُن کو بے اختیار کر دیتا تھا۔

عنوان: ----------------------

تلخیص: --

----

(۱۳)

ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ پہلے ایک فقیر بے نوا آتا تھا اور پورے ملک کو اپنے دل کی حرارت اور اپنے ایمان کے نور سے بھر دیتا تھا۔ آج ہماری دنیا روح سے خالی اور اس نور سے محروم ہے جو لوگوں کو نئے سرے سے سوچنے اور بدل جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ زمانہ بڑا حقیقت شناس ہے۔ وہ صرف بلندی کے سامنے جھکتا ہے۔ دماغ، بلند دماغ کے سامنے جھکتے ہیں اور سرد دل، معمور، پرنور اور گرم دلوں کا لوہا مانتے ہیں۔ ہماری موجودہ دنیا میں دماغی زوال روز بروز بڑھتا اور قلبی افسردگی ہر لمحہ ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ معلمین، مقررین اور واعظین کی اب بھی کمی نہیں مگر۔

عنوان: ----------------------

تلخیص: --

----

(۱۴)

اتفاق کی خوبیاں لوگوں نے بہت بیان کی ہیں اور وہ ایسی ظاہر ہیں کہ کوئی شخص اتفاق سے بھی ان کو بھول نہیں سکتا۔ بہت بڑے بڑے واقعات دنیا میں گزرے ہیں۔ جن کو پرانی تاریخیں یاد دلاتی ہیں اور جن کی یاد سے ایک عجیب اثر ہمارے دلوں پر ہوتا ہے اور وہ سب باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے۔ ایک ناچیز ریشۂ گیاہ، جو نہایت کمزور ہوتا ہے۔ باہمی اتفاق سے ایسا قوی اور زبردست ہو جاتا ہے کہ بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس وقت تعلیم یافتہ دنیا میں جو کچھ ترقی ہے یا مہذب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے وہ سب اتفاق کی بدولت ہے۔

عنوان: ----------------------

تلخیص: --

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

(۱۵)

لوگ وقت کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے۔ انھیں یہ پتا نہیں ہے کہ انسان کے ہاتھ میں اصل دولت وقت ہی ہے۔ جس نے وقت ضائع کر دیا اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔ قدرت نے انسان کے ہر لمحہء زندگی کے ساتھ ایک اہم فرض باندھ رکھا ہے جس کی ادائیگی میں اس کی زندگی کی ساری عظمتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی کے کسی لمحے میں بھی فرض کو پہچاننے یا ادا کرنے میں کوتاہی کر جائے جو اسی لمحے کے ساتھ مخصوص ہے تو پھر اس فرض کا وقت زندگی میں کبھی نہیں آتا کیوں کہ اس کے بعد اس کی زندگی کے جو لمحات بھی میسر ہوتے ہیں وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ساتھ لاتے ہیں۔ اس وجہ سے جو فرض رہ گیا سو رہ گیا۔ وہ گویا ہمیشہ کے لیے رہ گیا۔

عنوان: ------------------------

تلخیص: --

----

(۱۶)

ایک بلند پایہ قوم کے اعلیٰ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے روزانہ کے کاروبار اور معاشرت میں یک رنگی اور ضبط کا ثبوت دیجیے۔ بازاروں میں چلتے وقت اپنے مقررہ راستوں کا خیال رکھیے۔ پُر ہجوم گلیوں سے گزرنے کے لیے بھیڑ چھٹ جانے کا انتظار کیجیے۔ ریلوے اسٹیشن یا بس اسٹینڈ سے ٹکٹیں خریدتے وقت، دفاتر سے معلومات یا کاغذات کے لین دین کے موقع پر اور دوسری اجتماعی تقاریب میں نظم و ضبط کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیے اور یوں اپنے رفیقوں اور متعلقہ کارکنوں کے لیے اطمینان اور سہولت کی فضا پیدا کیجیے۔

عنوان: ------------------------

تلخیص: --

----

(۱۷)

قدرتی وسائل کے بے تحاشا استعمال کے ساتھ ساتھ، ماحولیاتی آلودگی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جو انسانی زندگی کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔ اس میں فضائی، آبی اور زمینی آلودگی سب شامل ہیں۔ سائنسی تحقیق کے مطابق بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی مستقبل کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ بڑے شہروں میں فضائی آلودگی کے مسئلے کا حل ضروری ہے۔ اس کی اصل وجہ فضا میں مختلف قسم کی مہلک گیسوں کی زیادتی ہے جو موٹر گاڑیوں اور کارخانوں کے دھوئیں کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ یوں مہلک بیماریاں بڑھ رہی ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

عنوان: --------------------

تلخیص: --

----

(۱۸)

کوئی گروہ یا جماعت، کوئی قوم یا ملک اس وقت تک دنیا میں آبرومندانہ زندگی بسر نہیں کرسکتا جب تک اس کے افراد کے مابین یکجہتی نہ ہو۔ کسی نصب العین کو انسان اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس کے تمام اعضاء متحد ہو کر اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کریں۔ اسی طرح قومی ترقی اور فلاح و بہبود اس وقت تک ایک خیالِ خام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، جب تک اس قوم کے تمام افراد کے جسم میں ایک روح نہ دوڑ رہی ہو۔ اقبال نے اسی اجتماعی روح کے تصور کو اپنے ذہن میں رکھ کر متحد ہو کر زندگی بسر کرنے کو کہا ہے۔

عنوان: --------------------

تلخیص: --

----

(۱۹)

وینس کا حسن دن کی نسبت رات کو کسی قدر نکھر آتا ہے۔ اس وقت اس میں بے پناہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے سامنے باہر سے آنے والے مسافر اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔ اس حسن کا تعلق برقی قمقموں یا تیز روشنی سے نہیں بلکہ اس تاریکی سے ہے جو شام کے دھندلکے کے ساتھ ہی وینس کی لہروں میں اُترنا شروع ہو جاتی ہے اور جوں جوں شام گزرتی ہے اس تاریکی کی گہرائی خود وینس کے حسین چہرے کو اس طرح پرکشش بنا دیتی ہے۔ جس طرح سے بعض اوقات سیاہ پلکوں میں لپٹی ہوئی شفاف آنکھوں کا حسن کاجل کی سیاہی سے اُبھر آتا ہے۔

عنوان: --------------------

تلخیص: --

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

(۲۰)

ہر ایک سے ادب سے ملنا چاہیے۔ محفل میں تھوکنا نہیں چاہیے۔ جماہی یا چھینک آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیے۔ آواز پست رکھ کر گفتگو کرنا چاہیے۔ کسی کی طرف پشت نہیں کرنا چاہیے۔ کسی کی طرف پاؤں بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ دے کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ انگلیاں نہیں چٹخانا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو خود کلام شروع نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرا شخص بات کرے تو خوب توجہ سے سُننا چاہیے۔ بیچ میں نہیں بولنا چاہیے۔ البتہ گناہ کی بات ہو تو اُسے منع کر دینا چاہیے۔

عنوان: ----------------

تلخیص: --

----

(۲۱)

سرسید نے قدامت پسند مسلمانوں کو نئے زمانے کی ضروریات اسے آگاہ کیا اور ہزار قتوں سے ان کو نئے علوم کے حصول اور نئی حکومت سے تعاون پر آمادہ کیا۔ اپنی مذہبی تصانیف اور رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے اجراء سے انہوں نے ثابت کر دکھایا کہ اسلام عقل کے اصولوں پر مبنی ہے۔ 1884ء میں سرسید نے پنجاب کا دورہ کیا جہاں "زندہ دِلانِ پنجاب کی قدردانی سے ان کو بڑی تقویت پہنچی۔ پنجاب کے مسلمان، سرسید کی منادی پر اس طرح دوڑے جس طرح پیاسا پانی پر دوڑتا ہے۔ ایک طرف وہ علی گڑھ سے وابستہ ہوئے۔ دوسری طرف انہوں نے لاہور میں انجمن حمایت اسلام کا ادارہ قائم کیا۔ 1867ء میں بنارس کے بعض ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُردو کو موقوف کر کے ملک میں بھاشا زبان رائج کی جائے۔ سرسید کہتے تھے "یہ پہلا موقع تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا محال ہے اور وہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔

عنوان: ----------------

تلخیص: --

----

(۲۲)

یاد رکھو جو کوئی خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو خدا خود اپنے مظلوم بندوں کی طرف سے ظالم کا حریف بن جاتا ہے اور معلوم ہے خدا جس کا حریف بن جائے اس کی حجت باطل ہو جاتی ہے۔ وہ خدا ہے اسے لڑائی ٹھاننے کا مجرم ہوتا ہے یہاں تک کہ باز آ جائے اور توبہ کر لے۔ خدا کی نعمت کو اس سے بڑھ کر بدلنے والی اور خدا کی عقوبت کو اس سے زیادہ بلانے والی اور کوئی چیز نہیں کہ آدمی ظلم اختیار کر لے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

عنوان: ------------------

تلخیص: ------------------

----

(۲۳)

طالب علمی کا زمانہ خوشیوں اور امنگوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ طالب علم اپنے والدین کے سایہ شفقت میں فکر معاش اور ہر قسم کی خاندانی الجھنوں سے آزادرہ کر اپنے تعلیمی سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ طالب علمی کے دور میں طلبہ کو بعض ایسی خوشیاں بھی حاصل ہوتی ہیں جو حصول کا زمانہ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہیں، مثلاً فرصت کے اوقات میں اپنے ہم جماعتوں کی صحبتیں، اس دور کے بے لوث یارانے، کھیل کے میدان اور تعلیمی اداروں کی تقریبات میں شمولیت کے موقعوں پر آپس کی خوش گپیاں اور چھیڑ چھاڑ وغیرہ۔ یہ سنہری دور ساری عمر یاد رہتا ہے۔

عنوان: ------------------

تلخیص: ------------------

----

(۲۴)

بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، قاضی ہو یا گواہ، افسر ہو یا سپاہی، استاد ہو یا شاگرد، عابد و زاہد ہو یا کاروباری، غازی ہو یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رو، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی ہو، جہاں بھی ہو، یہ فیضانِ حق سب میں یکساں اور برابر تھا۔ راستوں، رنگوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا رسول ایک تھا اور قبلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور ان کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

عنوان: ------------------

تلخیص: ------------------

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

(۲۵)

قیامِ پاکستان کا اصل مقصد مسلمانوں کے مذہب اور ان کے قومی وجود کا تحفظ تھا۔ مسلمانوں نے یہ خطہ زمین اس مقصد کے لیے حاصل کیا تھا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے مطابق گزار سکیں۔ یہاں اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم کر سکیں۔ مسلمان اپنا معاشی مسئلہ بہتر طور پر حل کر سکیں۔ وہ اپنی تہذیب کی حفاظت کر سکیں۔ ان کا اپنا نظامِ تعلیم ہو۔ انکی اپنی زبان ہو اور پاکستان اتحادِ عالمِ اسلام کی بنیاد بن سکے۔ جیسا کہ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ "ہم نے پاکستان اس لیے قائم کیا کہ اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنا سکیں" اور یہ کہ "پاکستان اتحادِ عالمِ اسلام کی کنجی ہے"

عنوان: ----------------

تلخیص: --

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(۲۶)

دراصل دنیا ایک عمل گاہ ہے جہاں انسان کا ایک ایک لمحہ قدرت کے زیرِ نظر ہے اور وہ دیکھتی رہتی ہے کہ انسان نے کیا سیکھا اور کیا فراموش کیا۔ انسان کی قدر صرف عمل کے حسن کی وجہ سے ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنا قیمتی وقت کو ضایع نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت میں سعی اور کوشش کر کے اپنی دنیا و آخرت سنواریں۔ جو انسان محنت کو اپنا نصب العین بناتا اور سعی کوشش ترک کر کے تن آسانی کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے اور تیغ وسناں کو چھوڑ کر طاؤس و رباب کو اپنی زندگی بنا لیتا ہے اور ہر وقت مصرف رہتا ہے ایسا انسان شیطان کا آلہ کار بن جاتا ہے اور وہ کسی بھی طرح فتنوں کی یلغار کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔

عنوان: ----------------

تلخیص: --

----

(۲۷)

پست معیارِ تعلیم کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے بڑی وجہ ناقص منصوبہ بندی ہے۔ نام نہاد ترقی پسندی کے سبب ہر تحصیل اور قصبہ میں کالج تو کھل گیا۔ لیکن کالج بے مشار مسائل سے دو چار ہیں۔ مثلاً عمارت کا فقدان، اساتذہ کی کمی، رہائش کے مسائل، تجربہ گاہوں کی کمی، ہال اور ہوسٹل سے محرومی وغیرہ۔ مذکورہ مسائل کے سبب نوجوان نسل کا نقصان ہو رہا ہے اور تعلیمی معیار بھی گرتا چلا جا رہا ہے۔

عنوان: -------------------

تلخیص: --

----

(۲۸)

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی عزت، شخصی ایمانداری، شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شخصی خودغرضی کا اور شخصی برائیوں کا۔ ناتہذیبی و بدچلنی جو اخلاقی و تمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے درحقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان برائیوں کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالیں تو یہ ناممکن ہے۔ ہمیں خود ہی ان پر قابو پانا ہے۔

عنوان: -------------------

تلخیص: --

----

(۲۹)

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ قومی زندگی میں صحیح اور جائز مقام حاصل ہوئے بغیر ملکی یگانگت پیدا نہیں ہوسکتی، نہ قوم کے دماغوں سے احساس کمتری دور ہوسکتا ہے نہ خود اعتمادی پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ملک وقوم مستحکم اور مضبوط ہوسکتے ہیں۔ زبان محض اظہار جذبات و احساسات کا ذریعہ ہی نہیں ہوتی بلکہ کسی قوم کی تمام تہذیبی روایات کی حامل ہوتی ہے اور اس کے بولنے والوں کے درمیان ایک گہرا تعلق قائم ہوتا ہے، اس لیے قومی وحدت اور یگانگت پیدا کرنے کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ قوم زبان کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا جائے تاکہ ایک دوسرے سے محبت کا جذبہ پیدا ہو۔

عنوان: -------------------

تلخیص: --

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

ادبی اصطلاحات

علم بیان

علم بیان سے مراد وہ علم ہے جو کسی بات کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کے انداز سے بحث کرتا ہے تاکہ جو بات کی جارہی ہے، اس میں زور اور اثر پیدا ہو سکے۔ اس کا مقصد معنی میں خوب صورتی پیدا کرنا ہے۔ اس میں چار چیزوں سے بحث کی جاتی ہے:

1۔تشبیہ 2۔استعارہ 3۔مجازِ مُرسل 4۔کنایہ

1۔تشبیہ:

تعریف: تشبیہ کا لفظ شبہ سے نکلا ہے۔ اس کے لغوی معنی مشابہ قرار دینے کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں کسی ایک چیز کو مشترک خوبی کی بنا پر دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے، بشرطیکہ دوسری چیز اس خوبی میں جامع اور معروف ہو۔

مثالیں: 1۔ علی شیر کی طرح بہادر ہے۔
اس جملے میں علی کو اس کی بہادری کی وجہ سے شیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

2۔ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
اس شعر میں زندگی کو انتشار کی وجہ سے طوفان سے تشبیہ دی گئی ہے۔

3۔ پھولوں کی طرح چاک گریباں ہی رہے ہم برسی نہ مگر ہم پہ ترے پیار کی شبنم
اس شعر میں شاعر نے خود کو پیار کی شبنم سے محروم رہنے کی وجہ سے پھولوں سے تشبیہ دی ہے۔

4۔ جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
اس شعر میں شاعر نے جگنو کو اس کی روشنی کی وجہ سے شمع سے تشبیہ دی ہے۔

5۔ نازکی اس کے لب کی کیا کہیے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
اس شعر میں شاعر نے محبوب کے لبوں کو ان کی نزاکت کی وجہ سے گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی ہے۔

6۔ پانی کو چھو رہی ہے جھک جھک کے گل کی ٹہنی جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
اس شعر میں شاعر نے گل کی ٹہنی کو پانی سے چھونے کی وجہ سے کسی حسین کے آئینہ دیکھنے سے تشبیہ دی ہے۔

7۔ کیا بھروسا ہے زندگانی کا آدمی بلبلا ہے پانی کا
اس شعر میں شاعر نے انسانی زندگی کو فانی اور مختصر ہونے کی وجہ سے پانی کے بلبلے سے تشبیہ دی ہے۔

8۔ ابر کی طرح سے کر دیویں گے عالم کو نہال ہم جدھر جاویں گے یہ دیدہ گریاں لے کر
اس شعر میں شاعر نے اپنے رونے کو بادل کے برسنے سے تشبیہ دی ہے۔

9۔ جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے
اس شعر میں شاعر نے اہلِ ایمان کو مسلسل حرکت میں رہنے کی وجہ سے خورشید یعنی سورج سے تشبیہ دی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOC

ارکانِ تشبیہ:

ارکانِ تشبیہ پانچ ہیں۔

1۔ مشبہ: وہ شے جس کو تشبیہ دی جائے۔
2۔ مشبہ بہ: وہ شے جس سے تشبیہ دی جائے اور جو اس خوبی میں جامع اور معروف ہو۔
3۔ وجہ شبہ: وہ مشترک خوبی یا صفت جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں پائی جائے۔
4۔ حرفِ تشبیہ: وہ حروف جو تشبیہ دینے کے لیے استعمال ہوں یا مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان تشبیہ کا تعلق پیدا کریں۔
مثلاً: سا، سی، کی طرح، طرح، مانند، جیسا، مثال وغیرہ۔
5۔ غرضِ تشبیہ: وہ مقصد جس کے لیے تشبیہ دی جائے۔

نوٹ: مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین کہتے ہیں۔

مثالیں۔ ارکانِ تشبیہ

میرا بیٹا چاند جیسا ہے۔

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ
بیٹا	چاند	خوبصورتی	جیسا	بیٹے کی خوبصورتی بیان کرنے کے لیے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے   ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ
زندگی	طوفان	انتشار	یا	زندگی کے انتشار کو ظاہر کرنا

جوں نور نظر تیرا تصور   تھا پیش نظر جدھر گئے ہم

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ
تصور	نورِ نظر	راہنمائی کرنا	جوں	اللہ کا تصور ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتا ہے

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں   ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ
اہلِ ایماں	خورشید	ڈوبنا پھر نکلنا	صورت	اہلِ ایماں کے عروج و زوال کو بیان کرنا

شمع کی مانند ہم اس بزم میں   چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ
ہم (مراد انسان)	شمع	دونوں آبدیدہ رہتے ہیں	مانند	انسان کو غم زدہ قرار دینا

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار   اُودے اُودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ
پھول	پریاں	رنگ برنگ کا ہونا	یا	پھولوں کی رنگینی بیان کرنا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مشق

وہ فرشتوں کی طرح معصوم ہے۔

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ

اس کے دانت موتیوں کی طرح سفید ہیں۔

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے — دل ہے گویا چراغ مفلس کا

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ

پانی کو چھو رہی ہے جھک جھک کے گل کی ٹہنی — جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ

ہائے کیا فرطِ طرب سے جھومتا جاتا ہے ابر — فیلِ بے زنجیر کی صورت اُڑا جاتا ہے ابر

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ

پُر ہوں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا — اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

مشبہ	مشبہ بہ	جہ شبہ	حرفِ تشبیہ	غرضِ تشبیہ

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

2- استعارہ:

تعریف: استعارہ کے لغوی معنی ادھار لینے کے ہیں۔ اصطلاح میں اگر کوئی لفظ مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے مجازی اور حقیقی معانی میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔

مثالیں:

1- کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے — رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

اس شعر میں لفظ **شیر** حضرت امام حسینؓ کے لیے ان کی بہادری کی وجہ سے استعمال ہوا ہے

2- پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے — جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانا ہے

اس شعر میں محبوب کو اس کے حسن و نزاکت کی وجہ سے **گل** کہا گیا ہے۔

3- ایک روشن دماغ تھا نہ رہا — شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

اس شعر میں روشن دماغ کو روشنی پھیلانے کی وجہ سے **چراغ** کہا گیا ہے۔

4- اب جانِ جسمِ خاک سے تنگ آگئی بہت — کب تک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھوئیے

اس شعر میں انسانی جسم کو مٹی سے بنے ہوئے کی وجہ سے **ٹوکری مٹی** کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

5- باغ وہ دشتِ جنوں تھا کہ کبھی جس میں سے — لالہ و گل گئے ثابت نہ گریباں لے کر

اس شعر میں راہِ عشق کے لیے **باغ** اور عاشقوں کے لیے **لالہ و گل** کا استعارہ لایا گیا ہے۔

نوٹ: استعارہ کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

اول: کوئی لفظ اپنے مجازی معنی میں استعمال ہو۔

دوم: اس لفظ کے مجازی معنی اور حقیقی معنی میں تشبیہ کا تعلق ہو۔

اول: **استعارہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی لفظ اپنے حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوگا۔**

ہر لفظ کا ایک لفظی یا لغوی معنی ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار ہم کسی لفظ کو اس کے مجازی معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:

لفظ	لغوی معنی	مجازی معنی	مجازی استعمال
شیر	ایک بہادر جانور	کوئی بہادر انسان	وہ دیکھو شیر آرہا ہے
چاند	خوبصورت آسمانی جسم	کوئی خوبصورت انسان	میرے گھر تو چاند اترا ہے

درج بالا مثالوں میں لفظ شیر اور چاند اپنے مجازی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

دوم: **مجازی اور حقیقی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہونا**

اس مثال کو غور سے سمجھیے:

وہ دیکھو میرا شیر آیا ہے۔

درج بالا مثال میں لفظ شیر اپنے مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ایک بات غور کیجئے کہ اس کے مجازی معنی اور حقیقی معنی میں ایک قدر مشترک ہے یعنی بہادر ہونا۔ جیسا کہ پیچھے پڑھ کر آئے ہیں کہ دو چیزوں میں اگر ایک قدر مشترک موجود ہو تو اُن میں تشبیہ کا تعلق موجود ہوتا ہے۔

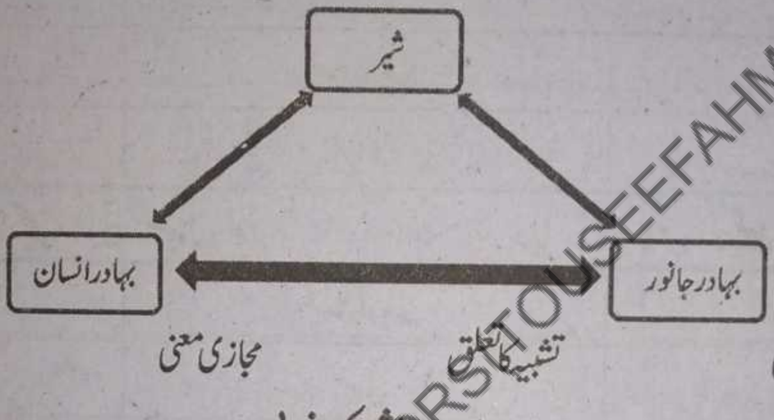

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD)

پس دوسری شرط یہ ہے کہ کسی لفظ کو اُس کے مجازی معنی میں اس طرح استعمال کرنا کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق موجود ہو۔

تشبیہ اور استعارے میں فرق

تشبیہ	استعارہ
۱۔ حقیقی ہوتی ہے۔	۱۔ مجازی ہوتا ہے۔
۲۔ مشبہ اور مشبہ بہ کا ذکر ہوتا ہے۔	۲۔ مشبہ کو مشبہ بہ بنالیا جاتا ہے۔
۳۔ حروف تشبیہ کے ذریعے مانند قرار دیا جاتا ہے۔	۳۔ مانند قرار نہیں دیا جاتا بلکہ وہی چیز بنا دیا جاتا ہے۔
۴۔ ارکان پانچ ہیں۔	۴۔ ارکان تین ہیں۔
۵۔ علم بیان کی ابتدائی شکل ہے۔	۵۔ علم بیان کی بلیغ صورت ہے۔
۶۔ بنیاد حقیقت پر ہوتی ہے۔	۶۔ بنیاد مجاز پر ہوتی ہے۔

ارکانِ استعارہ:

ارکانِ استعارہ تین ہیں۔

مستعار لہٗ: وہ چیز جس کے لیے کوئی لفظ ادھار لیا گیا ہو۔ تشبیہ میں یہی مشبہ ہوتا ہے۔

مستعار منہٗ: وہ لفظ جو کسی چیز کے لیے ادھار لیا گیا ہو۔ تشبیہ میں یہی مشبہ بہ ہوتا ہے۔

وجہ جامع: وہ مشترک خوبی جو مستعار لہٗ اور مستعار منہٗ میں موجود ہو۔ تشبیہ میں یہی وجہ شبہ ہوتا ہے۔

نوٹ: مستعار لہٗ اور مستعار منہٗ کو طرفین استعارہ کہا جاتا ہے۔

مثالیں۔ارکانِ استعارہ

وہ تو چاند ہے۔		
مستعار لہٗ	مستعار منہٗ	وجہ جامع
وہ	چاند	خوبصورتی
پلکوں سے گر نہ جائیں موتی سنبھال لو		دنیا کے پاس دیکھنے والی نظر کہاں
مستعار لہٗ	مستعار منہٗ	وجہ جامع
آنسو	موتی	چمک
یہ تو وہم کا کارخانہ ہے		یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
مستعار لہٗ	مستعار منہٗ	وجہ جامع
دنیا	توہم کا کارخانہ	دنیا کا بے معنی ہونا
میں اس گل کو پیغام دیتا ہزاروں		ہوا ہو گئی پر صبا کہتے کہتے
مستعار لہٗ	مستعار منہٗ	وجہ جامع
محبوب	گل	خوبصورتی
کسی شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے		رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
مستعار لہٗ	مستعار منہٗ	وجہ جامع
حضرت امام حسینؓ	شیر	بہادری
میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا		تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو، داتا دے
مستعار لہٗ	مستعار منہٗ	وجہ جامع
شاعر خود	بلبل	نالہ وفریاد کرنا

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مشق ارکان استعارہ

کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد   تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی

مستعارلہٗ	مستعارمنہٗ	وجہ جامع

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے   جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مستعارلہٗ	مستعارمنہٗ	وجہ جامع

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا   شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

مستعارلہٗ	مستعارمنہٗ	وجہ جامع

کیوں سنے عرضِ مضطرب مومن   صنم آخر خدا نہیں ہوتا

مستعارلہٗ	مستعارمنہٗ	وجہ جامع

پلکوں پہ مچل رہے ہیں انجم   کس چاند سے آنکھ جا لڑی ہے

مستعارلہٗ	مستعارمنہٗ	وجہ جامع

اب جام جس میں خاک سے تنگ آ گئی بہت   کب تک اس ایک ٹوکری [illegible] کو ڈھوئیے

مستعارلہٗ	مستعارمنہٗ	وجہ جامع

پیری میں کیا جوانی کے موسم کو روئیے   اب صبح ہونے آئی ہے، اک دم تو سوئیے

مستعارلہٗ	مستعارمنہٗ	وجہ جامع

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

3۔ مجازِ مرسل:

تعریف: اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے مجازی اور حقیقی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجازِ مرسل کہا جاتا ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ جزو بول کر کل مراد لینا

مثلاً: سنگ زنی کی گل کے بدلے دیں صلواتیں قل کے بدلے

یہاں جزو یعنی "قل" بول کر کل یعنی "سورہ فاتحہ" مراد لی گئی ہے۔

2۔ کُل بول کر جزو مراد لینا

مثلاً: اور لے آئے بازار سے گر ٹوٹ گیا جامِ جم سے میرا جامِ سفال اچھا ہے

اس شعر میں کل یعنی "بازار" کہہ کر جزو یعنی "دکان" مراد لی گئی ہے۔

3۔ سبب بول کر مسبب مراد لینا **مثلاً:** برسے گا آج خوب دھواں دھار ابر ہے

اس مصرع میں سبب یعنی "ابر" بول کر مسبب یعنی "پانی" مراد لیا گیا ہے۔

4۔ مسبب بول کر سبب مراد لینا **مثلاً:** نشہ پلا کر گرانا تو سب کو آتا ہے

اس مصرع میں مسبب یعنی "نشہ" بول کر سبب یعنی "شراب" مراد لی گئی ہے۔

5۔ زمانہ ماضی مراد لینا **مثلاً:** کسی ریٹائرڈ میجر کو میجر صاحب کہنا

6۔ زمانہ مستقبل مراد لینا **مثلاً:** میڈیکل کے کسی طالب علم کو ڈاکٹر کہنا

مشق

مثال	مجازِ مرسل	وضاحت
پہاڑ پر آگ جل رہی ہے	آگ	آگ کہہ کر لکڑی جلنے کا ذکر کیا گیا ہے۔
قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے		
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں		
بھاگیں کانوں میں انگلیاں رکھ کر		
گھر میں کوئی گھر کا اجیالا نہ تھا		
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا		
آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی		

استعارہ اور مجازِ مرسل میں فرق:

استعارہ اور مجازِ مرسل دونوں میں لفظ اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن استعارہ میں اس کے مجازی اور حقیقی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہوتا ہے جبکہ مجازِ مرسل میں ان دونوں معنوں میں تشبیہ کے علاوہ تعلق پایا جاتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSKHOUSEEFAHMADJ

کنایہ:

تعریف: کنایہ کے لغوی معنی پوشیدہ بات کہنے کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح کے طور پر اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکیں تو اسے کنایہ کہتے ہیں۔

مثلاً: سفید بال کہ کے بڑھاپا مراد لینا یا مثلاً چہرے کا نور کہ کر تقوی مراد لینا

مثالیں:

1- شرکتِ شیخ و برہمن سے میر اپنا قصبہ جدا بنائیں گے

یہاں قصبہ جدا بنانے سے مراد الگ رہنا ہے۔

2- زندگی کی کیا رہی اُمید ہوگئے موئے سیاہ ، موئے سفید

یہاں ''موئے سیاہ'' یعنی کالے بال جوانی کے لیے اور ''موئے سفید'' یعنی سفید بال بڑھاپے کے لیے کنایہ ہے۔

کنایہ کی مندرجہ ذیل دو مشہور قسمیں ہیں: 1- کنایۂ قریب 2- کنایۂ بعید

1- کنایۂ قریب:

وہ کنایہ جو فوراً سمجھ میں آجائے اور اس میں زیادہ غور فکر نہ کرنا پڑے۔ یعنی موصوف کی ایسی صفت بیان کرنا جسے ہمارا ذہن فوراً تسلیم کر لے، کنایۂ قریب کہلاتا ہے۔ مثلاً:

1- دامن میں آج میر کے داغِ شراب ہے تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

اس شعر میں ''داغِ شراب'' سے ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ شاعر شراب نوش ہے، اس لیے یہ کنایہ ہے۔

2- وہ صبح اور چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور دیکھے تو غش کرے اَرِنی گوئے کوہِ طور

''اَرِنی گو'' کا لفظی مطلب ہے کہنے والا۔ لیکن ''اَرِنی گوئے کوہِ طور'' سے فوراً ذہن حضرت موسیٰ کی طرف جاتا ہے، اس لیے یہ کنایہ ہے۔

2- کنایۂ بعید:

ایسے کنایے کو کہتے ہیں۔ جس میں چند صفتیں جو مجموعی حیثیت سے ایک موصوف کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہوں اور اگر یہ صفتیں الگ الگ کر دی جائیں تو ہر ایک صفت دوسری چیزوں میں بھی پائی جائے مگر مجموعہ کسی اور چیز میں نہ پایا جائے۔ مثلاً:

ساقی وہ دے ہمیں کہ ہوں جس کے سبب بہم محفل میں آب و آتش و خورشید ایک جا

اس شعر میں ساقی سے خطاب کر کے دراصل شراب کی طرف کنایہ کیا گیا ہے۔ دوسرے مصرع میں شراب کی تمام صفات ''آب''، ''آتش'' اور ''خورشید'' میں الگ الگ کر دی گئی ہیں۔ اس لیے یہ کنایۂ بعید ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

علم بدیع

بدیع کی جمع بدائع ہے۔ اس کے لغوی معنی نادر یا نئی ایجاد کردہ شے کے ہیں۔ بدیع اس علم کا نام ہے جس سے کلام کو سجایا یا سنوارا جاتا ہے۔ الفاظ یا معانی میں ایسے نکات بیان کیے جاتے ہیں کہ کلام زیادہ خوب صورت نظر آنے لگتا ہے اور اس میں معنویت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک صنائع لفظی، دوسرا صنائع معنوی۔

یہاں علم بدیع میں سے چند مشہور اور ضروری صنعتیں دی جا رہی ہیں:

1۔ تلمیح:

تعریف: تلمیح کا لغوی معنی اشارہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی ایک لفظ یا زیادہ الفاظ کے ذریعے کسی مشہور واقعہ، قصہ، تاریخی شخصیت، آیت یا حدیث کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہا جاتا ہے۔

مثالیں:

1۔ ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں ''ابن مریم'' سے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

2۔ کیا کیا خضر نے سکندر سے	اب کسے رہنما کرے کوئی

اس شعر میں ''خضر'' سے حضرت خضرؑ اور ''سکندر'' سے یونان کے بادشاہ سکندر اعظم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

3۔ آرہی ہے چاہ یوسف سے صدا	دوست یاں تھوڑے ہیں بھائی بہت

اس شعر میں ''چاہ یوسف'' سے حضرت یوسفؑ کو کنویں میں پھینکے جانے والے واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

4۔ حسن یوسف، دم عیسیٰ، یدِ بیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس شعر میں ''حسن یوسف'' سے حضرت یوسفؑ کے حسن، ''دم عیسیٰ'' سے حضرت عیسیٰؑ کے معجزے اور ''ید بیضا داری'' سے حضرت موسیٰؑ کے معجزے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

5۔ ابھی یہ کائنات ناتمام ہے شاید	کہ آرہی ہے دمادم صدا کن فیکون

اس شعر میں ''کن فیکون'' سے قرآن کی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چند مشہور تلمیحات

۱۔ طوفان نوح: حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کی اصلاح کی بہت کوشش کی مگر وہ قوم راہ راست پر نہ آئی۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے اس کے لیے بددعا کی۔ چنانچہ ایک طوفان آیا، جو اس قوم کو بہا کر لے گیا۔ مگر حضرت نوحؑ ایک کشتی میں سوار تھے جو محفوظ رہی۔ اس تلمیح میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت نوحؑ نے دراز عمر پائی تھی۔ عمر نوح کی تلمیح بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔

۲۔ کوہ طور: (طور سینا) حضرت موسیٰؑ اور دیدار خداوندی کا سینا پہاڑ سے تعلق ہے، وہیں اللہ نے اپنی تجلی دکھائی تھی۔ یہ تلمیح اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

۳۔ گنجِ قارون: قارون حضرت موسیٰ کی قوم کا ایک فرد تھا۔ اس کے پاس بہت دولت تھی۔ وہ خدا کا منکر اور ظالم تھا حضرت موسیٰ کی ہدایت کے باوجود وہ ان برائیوں سے باز نہ آیا۔ خدا نے اس کو یہ سزا دی کہ اسے خزانے سمیت زمین میں غرق کر دیا۔ گنج قارون کی تلمیح میں اسی طرف اشارہ ہے

۴۔ جامِ جمشید: جمشید کا وہ پیالہ جس میں وہ کوائف عالم کا مشاہدہ کرتا تھا

۵۔ لحنِ داؤدی: حضرت داؤدؑ پر زبور نازل ہوئی تھی۔ ان کی آواز بڑی دلکش اور پر تاثیر تھی۔ وہ جب اپنی دلکش لے میں زبور پڑھتے تھے تو لوگ بے خود ہو جاتے تھے۔

۶۔ بیت العتیق: مراد وہ قدیم، پہلا اور پرانا گھر، یعنی خانہ کعبہ، اسے پہلے حضرت آدمؑ نے اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔

۷۔ بیت الاحزان: وہ گھر جہاں حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کے غم میں گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔

۸۔ چاہِ یوسف: وہ کنواں جس میں حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے ڈال دیا تھا

۹۔ چاہِ بابل: وہ کنواں جس میں دو فرشتے ہاروت و ماروت مقید ہیں

۱۰۔ آتشِ نمرود: نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے الاؤ میں ڈالا، آگ خدا کے حکم سے گلزار بن گئی۔

۱۱۔ درفشِ کاویانی: ضحاک بادشاہ بڑا ظالم تھا۔ اس نے کاوہ لوہار کے بیٹوں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا تھا۔ کاوہ نے اپنی دھونکنی کے چمڑے سے ایک جھنڈا بنایا۔ جو درفش کاویانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر ضحاک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

۱۲۔ باغِ ارم: شداد نے بہشت کے نمونے پر یہ باغ بنوایا تھا۔ مگر اس کی بہاروں سے لذت یاب بھی نہ ہو سکا تھا کہ پیغام اجل آ پہنچا۔

۱۳۔ صبرِ ایوبؑ: حضرت ایوبؑ بڑے صاحب اقبال پیغمبر تھے۔ وہ آزمائش میں ڈالے گئے جائیداد ختم ہو گئی۔ جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ مگر وہ حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ اللہ کی رضا پر شاکر رہے۔

۱۴۔ دمِ عیسیٰؑ: حضرت عیسیٰؑ کا لقب روح اللہ ہے۔ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے آپ مردوں کو زندہ اور بیماروں کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔

۱۵۔ یدِ بیضا: حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ ہے وہ جب اپنے ہاتھ کو آستین سے باہر نکالتے تھے تو وہ سورج کی طرح چمکتا تھا۔

۱۶۔ عصائے موسیٰ: حضرت موسیٰؑ جب اپنا عصا زمین پر پھینکتے تھے وہ اژدھا بن جاتا تھا۔

۱۷۔ سحرِ سامری: سامری ایک جادوگر تھا اس نے ایک بچھڑا سونے سے بنایا جو بیل کی طرح بولتا تھا حضرت موسیٰؑ کی قوم نے اس کی پوجا شروع کر دی تھی۔ بعد میں یہ شخص عذاب الٰہی میں مبتلا ہوا اور مر گیا۔

۱۸۔ مانی و بہزاد: مانی ایک رومی مصور تھا۔ جس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ وہ مصوری کو اپنا اعجاز اور ارژنگ نامی کتاب کو الہامی کتاب قرار دیتا تھا۔ ایران میں بھی اس نام کا ایک شاعر اور مصور گزرا ہے۔ بہزاد، ایک نقاش تھا جس کا تعلق شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانے سے تھا۔

۱۹۔ بزِ اخفش: ایک نحوی تھا جس نے ایک بکری پال رکھی تھی۔ جو کچھ یاد کرتا تھا اسے سناتا۔ وہ سر ہلا دیتی تو سمجھتا کہ یہ چیز از بر ہو گئی ہے۔ تلمیح بغیر جانے بوجھے سر ہلا دینے کے لیے آتی ہے۔

۲۰۔ خاتمِ سلیمان: حضرت سلیمانؑ کی وہ انگوٹھی جس پر اسم اعظم لکھا ہوا تھا اور جن و پری آپ کا حکم مانتے تھے

۲۲۔ جوئے شیر: فرہاد ایک سنگ تراش تھا جو شیریں پر عاشق ہو گیا تھا۔ فرہاد کو کہا گیا کہ وہ پہاڑ کاٹ کر دودھ لانے کے لیے ایک نہر کھودے۔ اس نے شیریں کے لیے یہ کٹھن کام شروع کر دیا نہر کھودی گئی تو اسے کسی نے غلط بتا دیا کہ شریں مر گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے ہی تیشے سے اپنا سر پھوڑ لیا اور جان دے دی۔

۲۳۔ پیراہن یوسف: حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں گرا دیا۔ صرف آپ کا کرتہ حضرت یعقوبؑ کے پاس لائے۔ آپ اس کرتے کو آنکھوں سے لگا کر روتے تھے۔ جب حضرت یوسف مصر کے بادشاہ بن گئے تو انہوں نے اپنا کرتہ جناب یعقوبؑ کو بھیجا جسے ان کے چہرے پر ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD

۲۴۔امام ضامن: یہ آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ کا لقب ہے لوگ مصیبت کے وقت آپ کے نام کا روپیہ بازو پر باندھتے تھے تاکہ خطرات سے محفوظ رہا جائے اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو وہ روپیہ صدقہ کر دیا جاتا ہے۔

۲۵۔آئینہ سکندر: سکندر نے سمندر کے کنارے پر ایک مینار بنوایا اس میں ایک آئینہ لگایا، جس پر بغاوت وغیرہ کے آثار منعکس ہو جاتے تھے اور اسے پتا چل جاتا تھا۔

۲۶۔آب حیواں: وہ چشمہ جس کا پانی اگر کوئی پی لے تو حیات ابدی پا لے حضرت خضر کو اس چشمے کا علم تھا روایت ہے کہ انھوں نے وہاں سے پانی پی لیا اور زندہ جاوید ہو گئے۔ سکندر اور خضر کا قصہ بھی مشہور ہے۔ یہ دونوں قصے من گھڑت ہیں۔

۲۷۔معراج مصطفیٰ: تلمیح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعۂ معراج کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۲۸۔تخت طاؤس: شاہجہان کا وہ خوبصورت تخت جس پر ٦ کروڑ روپے لاگت آئی تھی اور وہ مور کی شکل کا تھا۔

۲۹۔قصر دارا: ایران کے بادشاہ دارا کا عالی شان محل جسے دیکھ کر عقل حیران اور انسان مرعوب ہو جاتا تھا

۳۰۔طائر سدرہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے تو ایک مقام سدرہ (وہاں ایک درخت تھا) پر جبریلؑ رک گئے کہ وہاں سے گزرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ اس لیے حضرت جبریلؑ کو طائر سدرہ کہتے ہیں۔

★★★★★

2۔صنعت مراعاۃ النظیر :

تعریف: مراعاۃ کے لفظی معنی رعایت، مناسبت اور جانوروں کے ساتھ مل کر چرنے کے ہیں۔ مراعاۃ النظیر کا مطلب مثال کی مناسبت سے ہے۔ اسے صنعت تناسب بھی کہتے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرنا ہے جو ایک دوسرے کی مناسبت سے آئیں لیکن ان کے درمیان تضاد یا موازنہ نہ ہو۔ مثلاً باغ کی مناسبت سے شعر میں پھول، خوشبو اور رنگ کے الفاظ استعمال کرنا۔

مثالیں:

1۔ جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی　　اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اس شعر میں کھیت کی مناسبت سے دہقاں، روزی اور خوشۂ گندم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

2۔ شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

اس شعر میں نماز کی مناسبت سے امام، قیام اور سجود کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

3۔ چلتے ہو تو چمن کو چلیے، سنتے ہیں کہ بہاراں ہے　　پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم بادو باراں ہے

اس شعر میں چمن کی مناسبت سے بہاراں، پات، پھول اور بادو باراں کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

4۔ احسان ناخدا کا اُٹھائے مری بلا　　کشتی خدا پہ چھوڑ دوں، لنگر کو توڑ دوں

اس شعر میں ناخدا کی مناسبت سے کشتی اور لنگر کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

5۔ آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا　　دانہ تو، کھیتی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

اس شعر میں دہقاں یعنی کسان کی مناسبت سے دانہ، کھیتی، باراں اور حاصل کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

★★★★★

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

3۔ صنعتِ حسنِ تعلیل:

تعریف: تعلیل کے لفظی معنی وجہ، علت یا سبب کے ہیں اور حسن تعلیل کا لفظی مطلب خوبصورت وجہ کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں اگر شاعر کسی چیز کی ایسی خوب صورت وجہ یا علت بیان کرے، جو درحقیقت اس کی وجہ یا علت نہ ہو، لیکن اس سے کلام میں حسن اور دل کشی پیدا ہو جائے تو اسے صنعتِ حسنِ تعلیل کہتے ہیں۔ مثلاً پھول کے کھلنے کی وجہ یہ بیان کرے کہ وہ بلبل کے نغموں پر مسکرا رہا ہے۔

مثالیں:

1۔ مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ — کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

چاند اور سورج اللہ کے حکم سے اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں لیکن اس شعر میں مہ و مہر کے آوارہ پھرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کسی حبیب کی جستجو کرتے ہیں جو اصل وجہ نہیں ہے۔

2۔ عروجِ نشہ نشوونما سے ڈالیاں جھومیں — ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہوکر

ہم سب جانتے ہیں کہ ڈالیاں ہوا کے زور سے جھومتی ہیں لیکن اس شعر میں شاعر نے ان کے جھومنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ نشوونما کے نشے سے جھومتی ہیں۔

3۔ بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے — ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہوکر

ہم جانتے ہیں کہ صبح کے وقت کلیاں قانونِ قدرت کی وجہ سے کھلتی ہیں لیکن شاعر نے ان کے کھلنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ نسیم صبح گاہی جب ان کی بلائیں لیتی ہے تو وہ خوشی سے کھل جاتی ہیں۔

4۔ کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمہ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہوکر

پھولوں پر گرنے والی شبنم نمی کے فرق سے پیدا ہوتی ہے لیکن شاعر نے اس کی خوب صورت وجہ یہ بیان کی ہے کہ پھول شبنم سے وضو کرتے ہیں اور بلبل کی آواز اذان بن جاتی ہے۔

5۔ ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہوکر

ہم جانتے ہیں کہ شاخیں ہواؤں کے زور سے جھکتی ہیں لیکن شاعر کہتا ہے کہ وہ محبت سے اپنے خالق کے آگے سجدے میں جھک گئی ہیں۔

4۔ صنعت لف ونشر:

تعریف: لف کے لغوی معنی لپیٹنا اور نشر کے لغوی معنی پھیلانا کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں کلام میں پہلے جن چیزوں کا زکر کیا جائے، پھر بعد میں انھیں کی مناسبت سے دوسری چیزوں کا زکر کیا جائے۔ پہلے جز کو "لف" جب کہ دوسرے جز کو "نشر" کہا جاتا ہے۔

مثالیں:

1۔ تیرے رخسار وقد و چشم کے ہیں عاشق زار — گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

اس شعر کے پہلے مصرعے کے الفاظ رخسار، قد اور چشم کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں گل، سرو اور نرگس کا زکر لایا گیا ہے اور اس مناسبت میں ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

2- اک سب آگ ، اک سب پانی دیدہ و دل ، عذاب ہیں دونوں

اس شعر کے پہلے مصرعے کے الفاظ آگ اور پانی کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں دیدہ اور دل کے الفاظ لائے گئے ہیں لیکن ان کی ترتیب الٹ دی گئی ہے۔

3- آتش و آب و باد و خاک نے لی وضعِ سوز و نم و رم وآرام

اس شعر میں پہلے مصرع کے الفاظ آتش، آب، باد اور خاک کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں الفاظ سوز، نم، رم اور آرام لائے گئے ہیں اور ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔

4- کبھی جو زلف اُٹھائے تو منہ نظر آئے اسی اُمید پہ گذری ہے صبح و شام ہمیں

اس شعر میں پہلے مصرع کے الفاظ زلف اور منہ کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں الفاظ صبح اور شام لائے گئے ہیں لیکن ترتیب اُلٹ دی گئی ہے۔

★★★★★

5- صنعت تضمین:

تعریف: تضمین کے لغوی معنی جگہ دینا یا شامل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں اگر شاعر کسی دوسرے شاعر کا مصرع یا شعر اپنے کلام میں شامل کرے تو اس عمل کو تضمین کہا جاتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اس مصرع یا شعر کو واوین میں لکھا جائے۔

مثالیں:

1- غالبؔ اپنا تو عقیدہ ہے بقول ناسخ "آپ بے بہرہ ہیں جو معتقد میر نہیں"

اس شعر میں غالب نے دوسرا مصرع امام بخش ناسخ کا استعمال کیا ہے۔

2- بنا ہے کوٹ یہ نیلام کی دکاں کے لیے صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

سید محمد جعفری نے اپنے اس شعر میں دوسرا مصرع مرزا اسداللہ خان غالبؔ کا استعمال کیا ہے۔

3- یہ کام آئیں نہ آئیں، ہم انھی سے کام لیتے ہیں گلوں سے خار بہتر ہیں، جو دامن تھام لیتے ہیں

سید ضمیرؔ جعفری نے اپنے اس شعر میں دوسرا مصرع ایک نامعلوم شاعر کا استعمال کیا ہے۔

4- ابھی چند میزوں سے گزری ہے فائل مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

انورؔ مسعود نے اپنے قطعے کے اس شعر میں دوسرا مصرع اقبالؔ کے شعر سے لیا ہے۔

5- نظام برق لیا واپڈا نے ہاتھوں میں پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

انورؔ مسعود نے اپنے قطعے کے اس شعر میں دوسرا مصرع میر تقی میرؔ کے شعر سے لیا ہے۔

★★★★★

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

6۔ صنعت تضاد:

تعریف: تضاد کے لغوی معنی ایک دوسرے کے اُلٹ ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں، صنعت تضاد کہلاتا ہے۔

مثالیں:

1۔ خندہ اہلِ جہاں کی مجھے پروا کیا تھی — تم بھی ہنستے ہو، مرے حال پہ رونا ہے یہی

اس شعر میں ہنستے اور رونا سے تضاد پیدا کیا گیا ہے۔

2۔ ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے — اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

اس شعر میں بادشاہی اور گدائی سے صنعت تضاد کا استعمال کیا گیا ہے۔

3۔ کچھ غلط بھی تو نہیں تھا میرا تنہا ہونا — آتش و آب کو ممکن نہیں یک جا ہونا

اس شعر میں آتش اور آب سے تضاد پیدا کیا گیا ہے۔

4۔ ایک نعمت بھی یہی، ایک قیامت بھی یہی — روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا

اس شعر میں نعمت اور قیامت سے تضاد پیدا کیا گیا ہے۔

5۔ تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

اس شعر میں دیکھا اور نہ دیکھا سے تضاد کا رنگ پیدا کیا گیا ہے۔

★★★★★

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ادبی اصناف

ادبی اصناف کو دو بڑی اصناف میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔شعری اصناف   2۔نثری اصناف

1۔شعری اصناف

ہر کلام موزوں کو شاعری یا نظم کہا جاتا ہے۔نظم کی یوں تو بہت سی اقسام ہیں۔لیکن ہم انھیں دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1۔ہیئت کے لحاظ سے نظم کی اقسام 2۔ موضوع کے لحاظ سے نظم کی اقسام

مصرع:

عربی میں اس کے لغوی معنی دروازے کے ایک "تختہ" کے ہیں جسے اُردو میں کواڑ کہتے ہیں۔اصطلاحی طور پر آدھے شعر، بیت یا فرد کے نصف حصے کو یا شعر کی ایک سطر کو مصرع کہتے ہیں کچھ مشہور مصرعے درج ذیل ہیں:

ع   شرم تم کو مگر نہیں آتی

ع   بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

ع   کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

ہیئت کے لحاظ سے نظم کی اقسام

ہیئت یعنی شکل (Form) کے لحاظ سے نظم کی درجِ ذیل اقسام ہیں:

1۔شعر 2۔رباعی 3۔قطعہ 4۔نظم (پابند نظم، معرا نظم، آزاد نظم) 5۔مسمط (مثلث، مربع، مخمس، مسدس)

1۔شعر:

تعریف: شعر کا لفظ شعور سے نکلا ہے۔بیت یا شعر ایسے دو ہم وزن مصرعوں کو کہتے ہیں جن میں ایک مضمون ادا کیا گیا ہو۔

مثالیں:

1۔ کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ   شرم تم کو مگر نہیں آتی

2۔ آج دیکھا ہے تجھ کو دیر کے بعد   آج کا دن گزر نہ جائے کہیں

3۔ دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا   وہ تری یاد تھی، اب یاد آیا

2۔رباعی:

تعریف: رباعی کا لفظ ربع سے نکلا ہے اور ربع کے معنی چار کے ہیں۔اصطلاح میں چار مصرعوں کی ایک ایسی نظم جس میں ایک موضوع یا خیال پیش کیا گیا ہو، رباعی کہلاتی ہے۔عام طور پر رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ و ردیف ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھار تیسرا مصرع مختلف ہوتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مثالیں:

1- رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے — وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی — جو ظرف کو خالی ہے، صدا دیتا ہے

2- ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے — بنگلہ بھی ہے، پاٹ بھی ہے، صابون بھی ہے
لیکن میں تجھ سے پوچھتا ہوں اے ہندی — یورپ کا تیری رگوں میں خون بھی ہے

3- جوانوں کو مری آہِ سحر دے — پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کردے

3۔ قطعہ:

قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں۔ اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ اشعار کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں، جن میں ایک ہی موضوع یا مطلب ادا کیا گیا ہو۔ رباعی اور قطعہ میں یہ فرق ہے کہ رباعی میں چار مصرعوں کے ساتھ ساتھ مخصوص بحروں کی شرط بھی ہے جب کہ قطعہ میں دو سے زیادہ اشعار بھی ہو سکتے ہیں اور بحر کوئی بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

مثالیں:

1- مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی — مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن جا — کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

2- جو چوٹ بھی لگی وہ پہلی سے بڑھ کی تھی — ہر ضربِ کرب ناک پہ میں تلملا اُٹھا
پانی کا، سوئی گیس کا، بجلی کا، فون کا — بل اتنے مل گئے ہیں کہ میں بلبلا اُٹھا

3- تمھاری بھینس کیسے ہے کہ جب لاٹھی ہماری ہے — اب اس لاٹھی کی زد میں جو بھی آئے سو ہمارا ہے
مذمت کاریوں سے تم ہمارا کیا بگاڑو گے — تمھارے ووٹ کیا ہوتے ہیں، جب ویٹو ہمارا ہے

4۔ نظم:

نظم کا لفظی معنی پرونا کے ہیں جیسے موتی لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ یوں تو ہر موزوں کلام نظم کہلاتا ہے لیکن عام طور پر نظم سے مراد وہ صنفِ شاعری ہے جس میں ایک ہی مضمون یا خیال پیش کیا جائے۔ اس کی مزید تین قسمیں ہیں:

ا۔ پابند نظم ب۔ معرا نظم ج۔ آزاد نظم

(ا) پابند نظم:

ایسی نظم جس میں ردیف، قافیے، وزن، بحر کا استعمال پابندی سے کیا جائے، پابند نظم کہلاتی ہے۔ یعنی اس کے تمام اشعار میں ایک ہی وزن اور بحر استعمال کی گئی ہو اور ان میں قافیہ ردیف کی پابندی بھی کی گئی ہو۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں درجِ ذیل نظمیں پابند نظم کی مثالیں ہیں:

ا۔ حمد ب۔ نعت ج۔ نصیحت اخلاقی د۔ اخلاص

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

(ب) معرّا نظم:

نظم معرّا ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں باقاعدہ وزن اور بحر تو ہوتی ہے لیکن قافیہ ردیف کی پابندی نہیں کی جاتی ۔ اگر اتفاق سے کوئی قافیہ آ جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مثال: ہمارے نصاب میں شامل نظموں میں کوئی معرا نظم نہیں ہے۔ ذیل میں اختر الایمان کی ایک معرّا نظم "اتفاق" دی جا رہی ہے:

دیارِ غیر میں کوئی جہاں اپنا نہ ہو
شدید کرب کی گھڑیاں گزار چکنے کے بعد
کچھ اتفاق ہو ایسا کہ ایک شام کہیں
کسی اک ایسی جگہ سے ہو یوں گزر میرا
جہاں ہجومِ گریزاں میں تم نظر آ جاؤ
اور ایک ایک کو حیرت سے دیکھتا رہ جاؤں

(ج) آزاد نظم:

ایسی نظم جس میں قافیہ ردیف استعمال نہ ہو اور بحر کی پابندی بھی نہ کی جائے ۔ لیکن چوں کہ وزن کا استعمال نظم میں ضروری ہے اس لیے بحر کے مختلف ٹکڑے کر لیے جاتے ہیں۔ یوں ہر مصرع بحر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔

مثال: اُردو نظم گوئی میں ڈاکٹر تصدیق حسین خالد نے سب سے پہلے آزاد نظم لکھنی شروع کی۔ اس کے بعد ن۔ م راشد، مجید امجد اور کشور ناہید نے مقبول عام آزاد نظمیں لکھیں۔ ہمارے نصاب میں کوئی آزاد نظم شامل نہیں ہے۔ لیکن ذیل میں ن۔ م راشد کی آزاد نظم "اندھا کباڑیا" دی جا رہی ہے:

شہر کے گوشوں میں ہیں بکھرے ہوئے
پا شکستہ سر بریدہ خواب
جن سے شہر والے بے خبر!
گھومتا ہوں شہر کے گوشوں میں روز و شب
کہ ان کو جمع کر لوں
دل کی بھٹی میں تپاؤں
جس سے چھٹ جائے پرانا میل
ان کے دست و پا پھر سے ابھر آئیں
چمک اٹھیں لب و رخسار و گردن
جیسے نو آراستہ دولہوں کے دل کی حسرتیں
پھر سے ان خوابوں کو سمت رہ ملے!

'خواب لے لو خواب ۔۔۔۔'
صبح ہوتے چوک میں جا کر لگاتا ہوں صدا
خواب اصلی ہیں کہ نقلی؟

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

یوں پرکھتے ہیں کہ جیسے ان سے بڑھ کر
خواب داں کوئی نہ ہو!

خواب گر میں بھی نہیں
صورت گرِ ثانی ہوں بس
ہاں مگر میری معیشت کا سہارا خواب ہیں!
شام ہو جاتی ہے
میں پھر سے لگاتا ہوں صدا
مفت لے لو مفت، یہ سونے کے خواب،،
''مفت'' سن کر اور ڈر جاتے ہیں لوگ
اور چپکے سے سرک جاتے ہیں لوگ
''دیکھنا یہ مفت کہتا ہے''
کوئی دھوکا نہ ہو؟
ایسا کوئی شعبدہ پنہاں نہ ہو؟
گھر پہنچ کر ٹوٹ جائیں
یا پگھل جائیں یہ خواب؟
بھک سے اڑ جائیں کہیں
یا ہم پہ کوئی سحر کر ڈالیں یہ خواب
جی نہیں کس کام کے؟
ایسے کباڑی کے یہ خواب
ایسے نابینا کباڑی کے یہ خواب!

رات ہو جاتی ہے
خوابوں کے پلندے سر پہ رکھ کر
منہ بسورے لوٹتا ہوں
رات بھر پھر بڑبڑاتا ہوں
''یہ لے لو خواب ۔۔۔''
اور لے لو مجھ سے ان کے دام بھی
خواب لے لو، خواب
میرے خواب
خواب میرے خواب
خواب
ان کے دام بھی

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

5۔ مُسمَّط:

شعر یا بیت عام طور پر دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ مسمط اس صنفِ نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی خیال کو تین یا تین سے زیادہ مصرعوں کے بندوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہو۔ اس کی مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے مختلف اقسام ہیں۔ ہم ذیل میں ہر بند میں تین سے لے کر چھ مصرعوں تک والی اقسام کا ذکر کریں گے۔

1۔ مثلث (تین مصرعے) 2۔ مربع (چار مصرعے) 3۔ مخمس (پانچ مصرعے) 4۔ مسدس (چھ مصرعے)

(ا) مثلث:

ایسی نظم جس کے ہر بند میں تین مصرعے ہوں، مثلث کہلاتی ہے۔ اس میں ہر تیسرا مصرع دوسرے مصرع کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔

(ب) مربع:

ایسی نظم جس کے ہر بند میں چار مصرعے ہوں، مربع کہلاتی ہے۔ اس میں ہر بند کا چوتھا مصرع ٹیپ کا ہو سکتا ہے یعنی وہ بار بار آ سکتا ہے۔

مثال: حفیظ جالندھری کی ایک مربع نظم کا ایک بند درج ذیل ہے:

شیروں کو آزادی ہے آزادی کے پابند رہیں
جس کو چاہیں، چیریں پھاڑیں کھائیں ، پئیں، آنند رہیں

(ج) مُخمّس:

ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں، مخمس کہلاتی ہے۔ اس کے پہلے بند کے پانچوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں لیکن پھر بعد میں آنے والے ہر بند کا پہلے چار مصرعے ہم قافیہ جب کہ پانچواں مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔

مثالیں:

ہمارے نصاب میں شامل نظم ''شہرِ آشوب'' اور ''یہ سڑکیں''، مخمس کی مثال ہے۔ اس کے علاوہ نظیر اکبر آبادی کی مشہور نظم ''مفلسی'' بھی مخمس کی ہیئت میں ہے۔ یہاں ذیل میں مفلسی ہی کے دو بند نقل کیے جا رہے ہیں:

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہیے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں تعظیم جس کی کرتے ہیں تو اب اور خاں
مفلس ہوئے تو حضرت لقماں کیا ہے یاں عیسٰی بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈوباتی ہے مفلسی

(د) مُسدّس:

ایسی نظم جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں، مسدس کہلاتی ہے۔ اس کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ ہیئت طویل نظمیں لکھنے کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

مثالیں:

ہمارے نصاب میں شامل نظمیں: دُرِ مراد، تحفتِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب اور اُمید مسدس کی ہیئت میں ہیں۔

اس کے علاوہ میر انیس اور مرزا دبیر کے قریباً تمام مرثیے، الطاف حسین حالی کی "مدو جزرِ اسلام" اور اقبال کی "شکوہ" اور "جواب شکوہ" بھی اسی ہیئت میں ہیں۔ ذیل میں اقبال کی نظم "شکوہ" کا ایک بند دیا جا رہا ہے:

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہمیں چھاؤں میں تلواروں کی

نظم کی اصناف موضوع کے لحاظ سے

نظم کی موضوع کے لحاظ سے دس اقسام ہیں جن میں سے چند درج ذیل شامل ہیں:

حمد:

وہ نظم جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جائے اللہ کی صفات اس کی عظمت کا ذکر کیا گیا ہو۔ یہ نظم کسی بھی ہیئت میں ہو سکتی ہے۔ اس کی خصوصیات میں یہ باتیں شامل ہیں کہ حمد رسمی نہ ہو بلکہ یہ عشقِ الٰہی میں ڈوب کر لکھی جائے۔ ہر لفظ ادب و احترام سے بھرا ہوا ہو۔ شاعر کا لہجہ عاجزانہ ہو۔ زبان پاکیزہ اور شستہ و بلیغ الفاظ والی استعمال کرتا ہو۔ آخری اشعار میں مغفرت اور امت کی بھلائی کے لیے دعا کی گئی ہو۔

نعت:

یہ بھی نظم کی ایک اہم قسم ہے اس میں حضور ﷺ کی ذات، صفات اور اخلاق کی تعریف کی جائے وہ نعت کہلاتی ہے۔ موضوع کی وسعت کے پیشِ نظر کسی بھی ہیئت میں لکھی جا سکتی ہے۔ نعت کے لیے چند صفات کا ہونا لازمی ہے۔ حمد اور نعت کے درمیان حدِ فاصل ہونا ضروری ہے۔ نعت عشقِ رسول میں ڈوب کر لکھی جائے۔ زبان پاکیزہ اور الفاظ آپ ﷺ کے مرتبے کے مطابق ہوں۔ جذبہ عقیدت اور محبت ہو۔ نعت پرسوز اور پرتاثیر ہو۔

غزل:

غزل کا لفظ عربی زبان کا ایک مصدر ہے۔ جس کے معنی "کاتنا" (چرخے پر روئی سے سوت "دھاگہ" بنانا) ہے۔ ادب کی رُو سے غزل کے معنی ہیں عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنا۔

غزل نظم کی ایسی صنف ہے جس میں عشق و محبت (حقیقی و مجازی) کا ذکر ہوتا ہے۔

غزل کے کم از کم اشعار کی تعداد پانچ اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS.TOUSEEFAHMAD

قصیدہ:

یہ عربی کے لفظ قصد سے ہے۔ قصد کے معنی ارادہ کے ہیں۔ چونکہ قصیدے میں شاعر ارادتاً کسی شخص کی تعریف وتوصیف میں اشعار کہتا ہے۔ اس لیے اسے قصیدہ کہتے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی مغز کے ہیں۔ یہ دیگر اصناف سخن میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو جسم میں دیگر اعضا کے ساتھ مغز کو حاصل ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی یا ارکان یہ ہیں:

مطلع۔ تشبیب۔ گریز۔ مدح۔ حسنِ طلب اور دعا۔ اس کے اجزائے ترکیبی کی مختصر وضاحت یہ ہے:

مطلع: یہ تشبیب کا حصہ ہے اور غزل کی طرح قصیدے کا پہلا شعر ہوتا ہے۔

تشبیب: یہ بڑا اہم حصہ ہے۔ اس میں عشقیہ اور بہاریہ مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔ اسی نے بعد میں غزل کی صورت اختیار کر لی۔

گریز: اپنے ممدوح کی تعریف کرنے سے پہلے شاعر موضوع بدلتا ہے اور تعریف کی طرف آتا ہے۔ یہ تشبیب اور مدح کا درمیانی حصہ ہے۔

مدح: یہ قصیدے کا اصل حصہ ہے۔ اس میں شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت، بہادری، انسان دوستی، علم پروری اور دوسری صفات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اس میں عموماً مبالغے سے کام لیا جاتا ہے۔

حسنِ طلب: مدح ختم کرنے سے پہلے شاعر اپنی طلب ظاہر کرتا ہے۔

دعا: اور پھر حسن طلب کے طور پر ممدوح کو دعا دیتا ہے۔

مرثیہ:

مرثیہ عربی زبان کے لفظ رثا سے مشتق ہے۔ جس کے لغوی معنی مرنے والے کی تعریف اور توصیف کے ہیں۔ اصطلاح میں اس صنفِ سخن کو کہتے ہیں جس میں مرنے والے کی تعریف کی جائے۔ عربی کی قدیم شاعری میں شعرا اپنے عزیزوں کے مرثیے کہتے تھے۔ دکن میں اس کا آغاز ہوا لیکن لکھنؤ میں اس کو عروج ملا اور وہاں مرثیہ حضرت امام حسین رض کی شہادت اور واقعات کربلا کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اس کے اجزائے ترکیبی یا ارکان یہ ہیں:

چہرہ یا تمہید۔ سراپا۔ رخصت۔ آمد۔ رجز۔ جنگ۔ شہادت۔ بین۔ دعا وغیرہ ان کی مختصر وضاحت یہ ہے:

چہرہ: اس حصے میں شاعر ادھر ادھر کی باتیں کر کے قاری کو اصل موضوع کی طرف لاتا ہے۔ چناں چہ وہ کبھی بہار کا منظر بیان کرتا ہے تو کبھی کوئی اخلاقی نصیحت کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس حصے کا اگلے حصوں سے ایک گہرا تعلق ضرور قائم رہتا ہے۔

سراپا: اس حصے میں شاعر اپنے ممدوح یا ممدوحین کی صفات، اخلاق، خوبیاں اور اعلیٰ کردار بیان کرتا ہے۔

رخصت: اس حصے میں کرداروں کے کارناموں کا آغاز ہوتا ہے اور ان کے ہتھیار سجانے اور جنگ میں نکلنے کا منظر نظر آتا ہے۔

آمد: اس حصے میں شاعر اپنے ممدوح کی میدانِ جنگ میں آمد کا منظر بیان کرتا ہے۔

رجز: عرب کے قدیم رواج کی طرح شاعر اپنے ممدوح کی فضیلت، حسب نسب اور بہادری بیان کرتا ہے۔

واقعات: اس حصے میں جنگ کا منظر دکھایا جاتا ہے اور ممدوح بہادری کے جوہر دکھاتا ہے۔

شہادت: اس حصے میں شاعر اپنے ممدوح کی شہادت کا منظر انتہائی دل دوز انداز میں بیان کرتا ہے۔

بین: ممدوح کی شہادت پر بین اور گریہ زاری کا منظر دکھایا جاتا ہے۔

دعا: مرثیے کا اختتام ممدوح کے لیے دعائے مغفرت پر ہوتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

شہر آشوب:

اس کے معنی شہر میں فتنہ و ہنگامہ برپا کرنے والے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ نظم جس میں شہر کے اور شہر کے لوگوں کے برے حالات کا ذکر کیا گیا ہو۔۔اس کے لیے کوئی خاص ہیت مقرر نہیں۔ ہر ہیت میں شہر آشوب لکھے جا سکتے ہیں۔

پیروڈی:

یہ لفظ پیروڈیا سے بنا ہے جس کے لغوی معنی تحریف کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ صنفِ ظرافت ہے جس میں کسی نظم یا نثر کی نقل اتاری گئی ہو۔ خیالات کو بدل دیا گیا ہو جس سے مزاحیہ تاثرات پیدا ہو گئے ہوں۔ بعض اوقات حرف اور حرکت کی تبدیلی سے بھی پیروڈی ہو جاتی ہے۔

گیت:

گیت ہندی سے آیا ہے۔ یہ گانے کی چیز ہے اور موسیقی سے اسکا گہرا تعلق ہے۔ اس میں سر تال کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس میں اظہارِ محبت گا کر کیا جاتا ہے۔ اس کا لہجا دھیما اور نسائی ہوتا ہے اس کی کوئی خاص ہیت مقرر نہیں۔

ہجو:

وہ نظم جس میں کسی کی مذمت کی جائے اس کے لیے کوئی بھی شکل رباعی، قطعہ، قصیدہ، مثنوی، مخمس، مسدس استعمال کی جاتی ہے۔

مثنوی:

مثنوی کے لغوی معنی دو کے ہیں۔ یہ لفظ مثنیٰ سے مشتق ہے۔ یعنی ایسی نظم جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔ لیکن ہر شعر میں قافیہ مختلف ہوتے ہیں۔ اس میں ایک ہی بحر اور مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ نظم طویل قصے کہانیاں بیان کرنے کی لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ہم اسے شعری داستان بھی کہہ سکتے ہیں۔ اُردو میں مرزا شوق کی مثنوی "زہر عشق" اور نصاب میں شامل میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" مشہور ہیں۔

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(YOUSEEFAHMAD)

2۔ نثری اصناف

بہترین الفاظ کو سادہ مگر عمدہ طریقے سے بیان کرنا نثر کہلاتا ہے۔ اس میں جملے کی ساخت پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ جملے کو معیاری انداز میں لکھا جاتا ہے۔ اصناف نثر میں افسانے، ناول، آپ بیتی، داستان اور سفرنامے شامل ہیں۔

افسانہ:

افسانہ ادب کی نثری صنف ہے۔ لغت کے اعتبار سے افسانہ جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں لیکن ادبی اصطلاح میں یہ لوک کہانی کی ہی ایک قسم ہے۔ ناول زندگی کا کل اور افسانہ زندگی کا ایک جزو پیش کرتا ہے۔ جبکہ ناول اور افسانے میں طوالت کا فرق بھی ہے۔ افسانہ زندگی کے کسی ایک واقعے یا پہلو کی وہ خلاقانہ اور فنی پیش کش ہے جو عموماً کہانی کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ ایسی تحریر جس میں اختصار اور ایجاز بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ وحدت تاثر اس کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں کوئی افسانہ شامل نہیں ہے۔ لیکن اُردو میں پریم چند، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، منشا یاد، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی بہت مشہور ہیں۔

ناول:

ناول اطالوی زبان کے لفظ ناولا (Novella) سے نکلا ہے۔ ناولا کے معنی ہے نیا۔ لغت کے اعتبار سے ناول کے معانی نادر اور نئی بات کے ہیں۔ لیکن صنفِ ادب میں اس کی تعریف بنیادی زندگی کے حقائق بیان کرتا ہے۔ ناول کی اگر جامع تعریف کی جائے تو وہ کچھ یوں ہوگی کہ ناول ایک نثری قصہ ہے جس میں پوری ایک زندگی بیان کی جاتی ہے۔ جس میں واقعات کو ایک کہانی کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔ ناول کے عناصر ترکیبی میں کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمے، زماں و مکاں، اسلوب، نکتہ نظر اور موضوع وغیرہ شامل ہیں۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں رتن ناتھ سرشار کے ناول "فسانہ آزاد" اور خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" سے ایک ایک سبق ہے۔

آپ بیتی:

اسے سوانح عمری بھی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی زندگی کی کہانی تحریر کرے تو اسے آپ بیتی کہتے ہیں۔ اس میں دو قسمیں ہیں: اول اگر کوئی شخص خود اپنی کہانی لکھے تو اسے خودنوشت سوانح عمری کہا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص کسی کی زندگی کی کہانی لکھے تو اسے سوانح عمری کہا جاتا ہے۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں آپ بیتی سے کوئی سبق شامل نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ہاں احسان دانش کی آپ بیتی "جہانِ دانش" اور قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی "شہاب نامہ" بہت مشہور ہیں۔

داستان:

داستان افسانوی ادب کی قدیم ترین صنف ہے۔ ادب میں نثری قصوں کی وہ قسم جس کی اساس زیادہ تر خیال آرائی پر ہوتی ہے، کردار عموماً مثالی ہوتے ہیں، زبان میں تکلف سے کام لیا جاتا ہے۔ اکثر داستانوں کا ماخذ فارسی یا سنسکرت قصے ہیں، بعض طبع زاد بھی ہیں۔

مثالیں: اردو کی قدیم داستانوں میں قصہ مہر افروز و دلبر، نوطرز مرصع، عجائب القصص، بوستان خیال، داستان امیر حمزہ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ اس کے بعد فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی داستانوں میں باغ و بہار، آرائشِ محفل، مذہب عشق وغیرہ بہت مشہور ہوئیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

سفر نامہ:

سفر نامہ نگاری دنیا کے تقریباً ہر ادب کی ایک مستقل صنف رہی ہے۔ جب کوئی ادیب سفر کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے۔خواہ وہ سفر اندرونِ ملک ہو یا بیرونِ ملک اور وہ اپنے سفر کے تمام احوال قلم بند کرے تو ایسی تحریر کو "سفر نامہ" کہتے ہیں۔

سفرنامے میں وہ کسی خطے یا کسی ملک کی تاریخ بھی شامل کرتا ہے اور اُس کا جغرافیہ بھی، وہاں کی تہذیب و تمدن بھی اور اُس جگہ کے معاشی و معاشرتی حالات کی جھلکیاں بھی۔ان تمام باتوں کو دلچسپ اور پرلطف بنانے کے لیے سفر نامہ نگار اُس میں کہانی کا عنصر شامل کر دیتا ہے۔یعنی سفر نامہ نگار انجانی دنیا کی سیر کے دوران تحیر (تعجب، حیرت) اور تجسس (Suspense) کے جن مراحل سے گزرتا ہے۔ اُنھیں افسانوی رنگ دے کر اپنے سفرنامے کو قاری کے لیے دلچسپ اور معلومات افزا بنا دیتا ہے۔اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سفرنامہ کسی ملک کی جغرافیائی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات کی ایک دلچسپ اور مستند تاریخ ہوتی ہے۔اُردو زبان کا پہلا سفر نامہ نگار یوسف حلیم خان کمبل پوش ہے۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں ابنِ انشا کے سفرنامے "ابن بطوطہ کے تعاقب میں" اور جمیل الدین عالی کے سفرنامے "دنیا میرے آگے" سے ایک ایک سبق لیا گیا ہے۔اس کے علاوہ مستنصر حسین تارڑ اور بیگم اختر ریاض الدین کا نام سفر نامہ نگاروں میں اہم ہے۔

ڈرامہ:

ڈرامہ ایسی کہانی یا قصہ ہے جو اداکاری کے لیے لکھا جائے یا اداکاری کے ذریعے پیش کیا جائے۔ یہ اصطلاح یونانی لفظ (قدیم یونانی: drama,δρᾶμα) سے اخذ ہوئی جس کے معانی حرکت، عمل یا فعل کے ہیں۔اس لفظ کا ماخذ ایک یونانی فعل (قدیم یونانی: δράω, draō) ہے جس کے معانی 'کرنا' یا 'دکھانے' کے ہیں۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے "خوب صورت بلا" اور خواجہ معین الدین کے ڈرامے "تعلیم بالغاں" سے ایک ایک سبق شامل ہے۔

انشائیہ:

انشائیہ ایک شخصی صنفِ ادب ہے۔ انشائیہ نگار کی ذات کو اس صنف میں مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔ انشائیہ نگار اپنی ذات کے حوالے سے شگفتہ اسلوب میں اشیا کے بارے میں اپنا فلسفیانہ نقطہ نظر واضح کرتا ہے۔

یعنی "انشائیہ" ایک داخلی، ذاتی اور ایسی موضوعی (جس کا کوئی موضوع / عنوان ہوتا ہے) تحریر ہے جس کا اسلوب اور بیان کسی خارجی مقصد کا تابع (مطیع، فرمانبردار) نہیں بلکہ لکھنے والے کی شخصیت، اس کی زندگی کے مجموعی تصور اور انفرادی احساس کا اظہار ہے۔عام مضمون نویسی کے برعکس انشائیہ کا لہجہ، سادہ، بے تکلف اور گھریلو ہوتا ہے۔ایک مغربی نقاد کے مطابق: "انشائیہ نگاری ذہنی آزاد خیالی کا نام ہے۔"

سرسید کے بعد انشائیہ لکھنے والوں میں حالیؔ، شبلیؔ، آزادؔ، شررؔ، سجاد حیدر یلدرم، نذیر احمد، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، مشکور حسین یاد اور وزیر آغا کے نام اہم ہیں۔

خاکہ:

خاکہ نگاری کے لیے انگریزی زبان کا لفظ Sketch استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے لغوی معنی تو ابتدائی نقشہ یا ڈھانچہ کے ہیں۔لیکن ادبی اصطلاح میں اس سے مراد کسی شخص کی ایسی لفظی تصویر ہے جس سے اس کے عادات، خدوخال، مشاغل اور خوبیاں واضح ہو جائیں۔اور اسے پڑھ کر ہم اس شخص کے بارے میں ایک تاثر قائم کر سکیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

مثالیں: خاکہ نگاری میں رشید احمد صدیقی، مولوی عبدالحق، چراغ حسن حسرت، شاہد احمد دہلوی اور شوکت تھانوی کے نام اہم ہیں۔

خط:

خط سے مراد ایک ایسی تحریر ہے جس میں ہم دوسروں کو اپنے جذبات اور خیالات سے آگاہ کرتے ہیں یا اپنی خیریت سے آگاہ کرتے ہیں۔ انھیں نجی خطوط کہا جاتا ہے لیکن ان کے علاوہ کاروباری یا رسمی خطوط بھی لکھے جاتے ہیں۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں مرزا غالب اور علامہ اقبال کے خطوط شامل ہیں۔

مضمون:

مضمون سے مراد یہ ہے کہ کسی موضوع پر اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو مربوط انداز میں تحریر کیا جائے۔ مضمون نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس موضوع پر مضمون لکھے، اس کے لیے ضروری مواد جمع کرے اور اپنی بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرے۔ اور پھر آخر میں کوئی نتیجہ اخذ کرے۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں سرسید احمد خان کا ''اپنی مدد آپ''، مولوی ذکا اللہ کا ''جھوٹے آدمی''، ڈاکٹر غلام مصطفی خان کا ''نظریہ پاکستان'' اور ڈاکٹر سید عبداللہ کا ''پاکستانی قومیت کا مسئلہ'' شامل ہیں۔

تنقید:

تنقید عربی لفظ ''نقد'' سے مشتق ہے۔ اس کے معنی پرکھنے یا کھرے کھوٹے کو الگ کرنے کے ہیں۔ اس میں کسی ادب پارے کے حسن و قبح کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یعنی اس کی فنی خوبیوں اور کمزوریوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

مثالیں: ہمارے نصاب میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کا تنقیدی مضمون ''کچھ ادب کے بارے میں'' شامل ہے۔

✪✪✪✪✪

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

قواعد

امدادی افعال

مصدر کیا ہے؟ فعل اور امدادی فعل میں کیا فرق ہے؟ امتحانی پرچے کے یہ سوال کس طرح پوچھا جاتا ہے؟ اور ہم درست جواب کس طرح تلاش کر سکتے ہیں؟ ان تمام سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لیے پہلے ہمیں کچھ بنیادی تصورات سمجھنے ہوں گے۔ اور ان کی مشقیں کرنی ہوں گی۔
تو آیئے سب سے پہلے اس سوال کے تین بنیادی اجزا مصدر، فعل اور امدادی فعل کو سمجھتے ہیں۔

مصدر:

یہ وہ اسم ہے جس سے فعل تو بنائے جا سکتے ہیں مگر اس میں یعنی مصدر میں خود کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا، مثلاً آنا، جانا، سونا، پڑھنا وغیرہ
ذیل میں کچھ مصدر اور ان سے بننے والے افعال دیئے گئے ہیں۔

مصدر	بنائے گئے فعل
رہنا	رہو ، رہا ، رہے ، رہتا ، رہیں
آنا	آیا ، آئے ، آتا ، آ ، آؤ
جانا	جاؤ ، جائے ، گیا ، جاتا ، جا

فعل:

کلمے کی ایک قسم فعل ہے، اس سے مراد وہ کلمہ ہے جس میں کسی خاص زمانے میں کسی کام کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اسے ہم اصل فعل بھی کہہ سکتے ہیں۔

جملہ	فعل	مصدر	زمانہ
وہ روتا ہے	روتا	رونا	فعل حال
میں وہاں جاؤں گا	جاؤں گا	جانا	فعل مستقبل
تم نے کتاب لکھی	لکھی	لکھنا	فعل ماضی

امدادی فعل:

وہ فعل جو دوسرے فعل کی مدد کرے، امدادی فعل کہلاتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ عموماً اصل فعل کے بعد آتا ہے اور اس کے معنی و مفہوم میں وسعت پیدا کر دیتا ہے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS HOUSE EX AHMADY

جملہ	اصل فعل	مصدر	امدادی فعل	مصدر
میں جا رہا ہوں	جا	جانا	رہا	رہنا
بچہ خوف سے چیخ پڑا	چیخ	چیخنا	پڑا	پڑنا
وہ لکھ سکتا ہے	لکھ	لکھنا	سکتا	سکنا
وہ گھر چلا گیا	چلا	چلنا	گیا	جانا ◦
کام وقت پر کیا کرو	کیا	کرنا ◦	کرو	کرنا

◦ ''گیا'' کا مصدر جانا اور ''کیا'' کا مصدر کرنا ہے۔ ◦ یاد رکھیے کہ جملے میں عموماً اصل یا بنیادی فعل پہلے آتا ہے پھر امدادی فعل آتا ہے۔

مشق ۱

اب آپ مشق کے لیے درج ذیل جملوں میں سے اصل اور امدادی فعل الگ الگ کیجیے اور ان کے مصدر بھی تحریر کیجیے۔

جملہ	اصل فعل	مصدر	امدادی فعل	مصدر
علی سو رہا ہے۔	سو	سونا	رہا	رہنا
وہ اپنا کام مکمل کر چکا ہے۔	کر	کرنا	چکا	چکنا
مجھے سکول چھوڑتے جاؤ۔				
میرے لیے کتاب لیتے آنا۔				
بچہ گر پڑا۔				
ہم صبح سیر کے لیے چلے جاتے ہیں۔				
احمد نے اپنا نام لکھ لیا ہے۔				
مجھے دل لگا کر پڑھنا چاہیے۔				
وہ واپس چلا گیا ہے۔				
تم یہاں آسکتے ہو۔				
ڈاکوؤں نے راہ گیر کو مار ڈالا۔				

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMAD

مشق ۲

اس مشق میں آپ جملے میں موجود خالی جگہ میں اصل فعل لگائیں گے اور اس کے ساتھ والے کالم میں اس فعل کا مصدر بھی لکھیں گے۔

جملہ	مصدر
وہ اچانک ------------ پڑا۔	
علی تیز تیز ------------ لگا۔	
اسلام نے لوگوں کے دلوں کو مسخر ------------ لیا۔	
وہ تو جلدی ------------ چکا ہے۔	
میں آپ کا کام ------------ گیا۔	
مجھے ذرا کالج تک ------------ آؤ۔	
پولیس کو دیکھتے ہی چور ------------ اُٹھا۔	
کاش! میں یہ ------------ پاتا۔	
بلی چوہوں پر ------------ پڑی۔	

مشق ۳

اس مشق میں آپ خالی جگہ میں امدادی فعل لگا کر جملہ مکمل کریں گے اور ساتھ ہی اس کا مصدر بھی لکھیں گے

جملے	مصدر
میں نے اسے سب کچھ بتا ------------ ہے۔	
احمد کو یہاں آنے ------------	
وہ بار بار مجھے پکارتا ------------	
وہ صبح سے سویا ------------ ہے۔	
تم یہاں سے چلے ------------	
رضا چار گلاس پانی پی ------------ ہے۔	
اس نے بہت سی رقم بچا ------------ ہے۔	
پولیس چور کا تعاقب کر ------------ ہے۔	

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مشق ۵

اس مشق میں جملے بنائیں جس میں دیے گئے مصدر سے امدادی فعل بنا ہو۔

مصدر	جملے	جملے بنائیں
جانا	وہ سکول چلا گیا۔	
دینا	میری کتاب واپس کر دو۔	
لینا	تم اپنی چیزیں یہاں سے اٹھا لو۔	
رہنا	علی وہاں بہت عرصے جاتا رہا ہے۔	
پڑنا	بوڑھا آدمی زمین پر گر پڑا۔	
ڈالنا	انھوں نے سانپ کو مار ڈالا۔	
چکنا	ہم امدادی افعال پڑھ چکے ہیں۔	
کرنا	صبح سویرے سیر کے لیے جایا کرو۔	
لگنا	وہ اگلی گاڑی میں جا لگا۔	
آنا	میری طرف چلے آؤ۔	
سکنا	میں امدادی فعل والے جملے بنا سکتا ہوں۔	
اٹھنا	چور پولیس کو دیکھ کر بھاگ اٹھا۔	
رکھنا	یہ کام کل پر اٹھا رکھو۔	
پانا	میں اسے نہیں سمجھا پایا۔	
چاہنا	ہمیں دل لگا کر پڑھنا چاہیے۔	
گرنا	گاڑی کھائی میں جا گری۔	
ہونا	وہ اپنا کام بھولا ہوا تھا۔	
بیٹھنا	کوا دیوار پر جا بیٹھا۔	
نکلنا	ہم ایک وادی میں جا نکلے۔	

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مطابقت

تعریف:

مطابقت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ایک جیسا ہونا، تعلق ہونا، موافق ہونا یا برابر ہونا کے ہیں۔ قواعد کے مطابق اس سے مراد فعل کا فاعل، مفعول، ضمیر اور صفت کے ساتھ درست اور ٹھیک استعمال ہے۔

اچھی اور خوب صورت اردو لکھنے کے لیے مطابقت کے اصولوں سے شناسائی بہت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر قواعد میں وضع کردہ مطابقت کے اصولوں کو نبھایا نہ جائے تو تحریر میں دو نقص رہ جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ پڑھنے میں بھدی اور بے ترتیب سی نظر آتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس میں معنی کی سطح پر نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔

مطابقت کی اقسام

اردو قواعد کے ماہرین نے مطابقت کی جو اقسام بتائی ہیں اُن میں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں:-

1- فعل کی فاعل کے ساتھ مطابقت
2- فعل کی مفعول کے ساتھ مطابقت
3- فعل کی اسمِ ضمیر کے ساتھ مطابقت
4- فعل کی صفت اور موصوف کے ساتھ مطابقت
5- فعل کی مطابقت مختلف چیزوں کی تذکیر و تانیث کے حوالے سے

مطابقت کے اصولوں کے مطابق:

اصول ا۔ فعل کی فاعل کے ساتھ مطابقت

- اگر فعل لازم ہو تو وہ فاعل کے مطابق آئے گا یعنی اگر فاعل مذکر، مونث، واحد یا جمع ہوگا تو فعل بھی کے اس مطابق مذکر، مونث، واحد یا جمع آئے گا۔

راشد بہت تیز دوڑا۔
آمنہ جا چکی ہے۔
علی اپنا کام کر رہا ہے۔
عمر اور ناصر بازار جا چکے ہیں۔

- جب ایک سے زیادہ فاعل ہوں تو فعل جمع ہی آئے گا۔

علی اور سہیل کراچی چلے گئے۔
آمنہ اور راشد امتحان پاس کر چکے ہیں

لیکن اس کی تین صورتیں ممکن ہیں۔

1- اگر دونوں فاعل مذکر ہوں تو فعل جمع مذکر آئے گا۔

باپ اور بیٹا گھر کا کام کر رہے ہیں۔
چچا اور بھتیجا بازار جا رہے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

2- اگر ایک فعل مذکر اور دوسرا فاعل مونث ہو تو فعل جمع مذکر آئے گا۔

باپ اور بیٹی دعوت کی تیاری کر رہے ہیں۔
میاں بیوی گھر کو سجا رہے ہیں۔

3- اگر دونوں فاعل مونث ہوں تو "ہیں" اور "تھیں" سے پہلے والا فعل واحد مونث آئے گا۔ لیکن اگر "ہیں" اور "تھیں" جیسے فعل ناقص نہ ہوں تو پھر جمع مونث آئے گا۔

ماں اور بیٹی کام کر رہی ہیں۔
آج اور عورتیں بازار گئیں۔

نوٹ: اگر ایک سے زیادہ فاعل کے درمیان حروف عطف نہ بھی ہوں تو یہی اصول لاگو ہوں گے۔

- اگر فاعل اسم جمع ہو تو فعل واحد ہی آئے گا۔

فوج حرکت کر رہی ہے۔
لشکر نے حملہ کر دیا۔

- اگر جملے میں فاعل کی عزت اور تکریم مطلوب ہو تو فعل آئے گا۔

آپ کب تشریف لائے۔
پرنسپل صاحب دفتر میں ہیں۔

- اگر جملے میں علامتِ فاعل "نے" استعمال ہو تو فعل اور صفت دونوں مفعول کے مطابق ہوں گے۔

میں نے یہاں کے آم میٹھے پائے۔
بشیر نے چار سیب کھائے۔

- جب کسی جملے میں فاعل ایک سے زیادہ ہوں لیکن فعل مجہول (Passive) ہو تو فعل آخری فاعل کے مطابق آتا ہے۔

دروازہ اور کھڑکی ٹوٹ گئی۔
بھیڑیں اور گھوڑے خریدے گئے۔

- اگر فاعل مختلف جنس کے اور جمع ہوں تو فعل آخری فاعل کے مطابق آئے گا۔

گھوڑے اور بھیڑیں گھاس خراب کر رہیں ہیں۔
طوطے اور چڑیاں درخت سے اڑ گئیں۔

- اگر فاعل ایک سے زیادہ ہوں لیکن ایک ہی کلمہ سمجھے جائیں تو فعل واحد آئے گا۔

گھوڑا گاڑی بک گئی۔
قلم دوات وہاں رکھی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS (TOUSEEF AHMAD)

اب ہم مندرجہ بالا اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند غلط جملوں کو درست کرنے کی مشق کریں گے۔

مشق ۱

غلط جملے	درست جملے
آپ کا مزاج کیسا ہے؟	
حامد اور امجد سکول گیا۔	
درخت سے طوطے اور چڑیاں اُڑ گئے۔	
ہجوم نعرے لگا رہے ہیں۔	
سچ اور دیانت داری انسان کو بہادر بنا دیتی ہے۔	
ہم نے ایک چاند دیکھے۔	
اسلم اور اس کا بھائی راستہ بھول گیا۔	
یہ جماعت کیا کر رہے ہیں۔	
گھر عورت کی سلطنت ہوتی ہے۔	
باپ بیٹا آ رہا ہے۔	
دوست دوست سے لڑ پڑے۔	
یہ خبر سنتے ہی اس کا ہوش و حواس جاتا رہا۔	
آپ ہمارے گھر کب آؤ گے۔	
تمھاری قلم بہت قیمتی ہے۔	
علی استاد سے بحث کر رہے ہیں۔	
میں اور احمد لاہور قلعہ گیا تھا۔	
قلم دوات میز پر رکھے ہیں۔	
جماعت اچھا پڑھ رہی ہیں۔	
عورتیں اپنا کام مکمل کر چکیں ہیں۔	

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اصول ۲۔ فعل کی مطابقت مفعول کے ساتھ

- اگر فعل متعدی ہو تو فعل مفعول کے ساتھ آئے گا یعنی اگر مفعول مذکر، مونث واحد یا جمع ہو تو فعل بھی اس کے مطابق مذکر، مونث، واحد یا جمع آئے گا۔

علی نے کھیر کھائی۔
عائشہ نے روزہ رکھا۔

- جب جملے میں ایک سے زیادہ مفعول ہوں تو فعل آخری مفعول کے مطابق آئے گا۔

علی نے چار قلم اور ایک کاپی خریدی۔
انہوں نے مکان اور دکانیں فروخت کر دیں۔

- جب جملے میں علامت مفعول ''کو'' موجود ہو تو فعل اور صفت دونوں واحد مذکر آتے ہیں۔

تم نے کتابوں کو کہاں رکھا تھا۔
ہم نے یہاں کے لوگوں کو گورا پایا۔

- اگر جملے میں ایک سے زیادہ مفعول ہوں اور آخر میں ''سب'' آجائے تو فعل آخری مفعول کے مطابق آئے گا۔

اس کا مال ، اسباب، مکانات، جاگیر سب بک گئی۔
اس کا مال، اسباب، جاگیر، مکانات سب بک گئے۔

- اور اگر جملے میں ایک سے زیادہ مفعول ہوں اور آخر میں ''سب کچھ''، ''کچھ'' یا ''کوئی'' آجائے تو پھر فعل واحد ہی آئے گا۔

اس کا مال، اسباب، مکانات، جاگیر سب کچھ بک گیا۔
اس کے کھیت کھلیان، مکان، جانور، سب کچھ سیلاب میں بہ گیا۔
اس کا باپ، بھائی، دوست کوئی باقی نہ رہا۔
اس کی دکان، گھر، مال مویشی کچھ باقی نہ بچا۔

MDCATBYFUTUREDOCTORSTOUSEEFAHMADI

اب ہم مندرجہ بالا اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند غلط جملوں کو درست کرنے کی مشق کریں گے۔

مشق ۲

غلط جملے	درست جملے
ہم نے کیک کھائی۔	
بچوں نے چار گلاس اور ایک پلیٹ توڑ دیے۔	
ہم نے بازار سے پانچ میز اور ایک کرسی خریدے۔	
ہم نے میزوں کو وہاں رکھے۔	
علی نے یہاں کے آموں کو میٹھے پائے۔	
سیلاب میں اس کا مکان، دکان، ٹریکٹر سب بہہ گئے۔	
اس کے دوست، احباب سب بچھڑ گیا۔	
مال، دولت، جائیداد سب کچھ یہیں رہ جائیں گے۔	

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اصول ۳۔ فعل کی مطابقت اسم ضمیر کے ساتھ

- اگر ضمیر مذکر، مونث، واحد یا جمع ہو تو فعل بھی اسی کے مطابق آئے گا۔

وہ آرہا ہے۔
ہم جا رہے ہیں۔

- اگر ایک سے زیادہ ضمیریں ہوں تو فعل ہمیشہ جمع ہی آئے گا۔

وہ اور میں بازار جائیں گے۔
ہم اور آپ یہ کھیل کھیلیں گے۔

- اگر ضمیر جمع متکلم ہو تو فعل جمع ہی آئے گا۔ چاہے وہ عورتوں کے لیے ہو۔

عورتوں نے کہا: ''ہم آتے ہیں''۔
مردوں نے کہا: ''ہم آتے ہیں''۔

اب ہم مندرجہ بالا اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند غلط جملوں کو درست کرنے کی مشق کریں گے۔

مشق ۳

غلط جملے	درست جملے
میں اور تم یہ کتاب پڑھو گے۔	
وہ اور میں یہاں آتا رہا ہوں۔	
عورتوں نے کہا: ''ہم کھاتی ہیں''۔	
عورتوں نے کہا: ''ہم اب جاتی ہیں۔	

اصول ۴۔ فعل کی مطابقت صفت اور موصوف کے ساتھ

- صفت موصوف کے مطابق واحد، جمع، مذکر یا مونث ہوتی ہے بشرطیکہ اس جملے میں ''کو'' استعمال نہ ہو۔

اسلم نے کپڑے گندے کردیے۔	
علی نے دیوار گندی کر دی۔	

- اگر جملے میں ''کو'' استعمال ہو تو صفت اور فعل دونوں واحد ہوں گے۔

اس نے کپڑوں کو گندہ کرلیا۔	
اس نے دیوار کو میلا کر دیا۔	

اب ہم مندرجہ بالا اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند غلط جملوں کو درست کرنے کی مشق کریں گے۔

مشق ۴

غلط جملے	درست جملے
احمد کو کتابیں اچھے لگتے ہیں	
ہم یہ گلاس اچھی لگیں۔	
عورتیں گا رہیں ہیں۔	
ثمینہ اور علینہ سکول کا کام کر رہیں ہیں۔	

اصول ۵۔ مختلف چیزوں کی تذکیر و تانیث کے حوالے سے

- جملے میں فعل، صفت اور حروف مختلف چیزوں کی تذکیر و تانیث کی مناسب سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔

مثلاً: اخبار۔۔۔۔۔ مذکر، کتاب۔۔۔۔۔ مونث، رسالہ۔۔۔۔۔ مذکر

''دیوان غالب'' چھپ گئی ہے۔	
یہ آج کا اخبار ہے۔	
یہ اس ماہ کا ''تعلیم و تربیت'' کا شمارہ ہے۔	

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

اب ہم مندرجہ بالا اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند غلط جملوں کو درست کرنے کی مشق کریں گے۔

مشق ۵

غلط جملے	درست جملے
''قصص الانبیا'' چھپ گئے ہیں۔	
''نوائے وقت'' اخبار دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے۔	
''مکاتیب غالب'' بازار میں آچکے ہیں۔	
یہ جولائی کے ''پھول'' ہیں۔	
''کلیات مجید امجد'' بہت اچھے ہیں۔	

MDCATBYFUTUREDOCTORBYTOUSEEFAHMAD

اب ہم مطابقت کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مزید کچھ غلط جملوں کو درست کرنے کی مشق کریں گے۔

مشقی جملے مطابقت کے اصولوں کے مطابق

غلط جملے	درست جملے
سچ اور دیانت داری انسان کو بہادر بنا دیتی ہے۔	
اس کا ہوش و حواس جاتا رہا۔	
ماں اور بیٹی کھانا کھا رہیں ہیں۔	
کیا تم نے اخبار پڑھ لی ہے؟	
''تعزیرات پاکستان'' چھپ گئے ہیں۔	
تبلیغی جماعت جا رہے ہیں۔	
تمھاری قلم گر گئی ہے۔	
آپ ہمارے گھر کب آؤ گے۔	
قلم دوات کہاں رکھے ہیں؟	
احمد نے کہانیاں لکھی۔	

اس کا باغ، زمین، دکانیں سب کچھ بک گئے۔	
زندگی کھیل اور تماشا ہوتے ہیں۔	
روپیہ، پیسہ، مال اسباب کچھ نہ بچے۔	
نوائے وقت بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے۔	
مجھے اردو نہیں آتا۔	
بیل اور بکری بندھی ہے۔	
اکرم نے کتاب، کاپی اور قلم خریدے۔	
اس کا ساز و سامان، باغ، جاگیر سب بک گئے۔	
بچے اور بچیاں بازار گئی۔	
اس کا قلم، کتاب اور کاپیاں سب گم گیا۔	
میں اور احمد مسجد گیا۔	
"ادبی دنیا" بند ہو چکی ہے۔	
میں نے "قصص ہند" ایک ہی رات میں پڑھ ڈالے۔	
عورتوں نے کہا ہم ملتان گئی تھیں۔	
میرا والد آیا ہے۔	
پرنسپل صاحب دفتر میں نہیں ہے۔	
یہاں کی دیواریں اُونچیں ہیں۔	
اس کی املا غلط ہے۔	
آپ کی محبت ہمارا سہارا بنا ہوا ہے۔	
احمد نے یہ امر تجویز کی۔	

★★★★★

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

حروف کا استعمال

حرف:

حرف وہ کلمہ ہے جو اکیلا تو کوئی معنی نہیں دیتا لیکن دوسرے لفظوں کے ساتھ مل کر یہ بامعنی ہو جاتا ہے۔ حروف کے بہت سی قسمیں ہیں، مثلاً حروف جار، حروف ندا، حروف تاسف، حروف عطف، حروف اضافت اور حروف تاکید وغیرہ

ذیل میں ہم مختلف حروف کے محل استعمال اور ان کی مشقیں دے رہے ہیں۔

۱۔ چونکہ:

یہ جملے میں کسی چیز کی وجہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کا محل استعمال جملے کے شروع میں ہے جبکہ حرف "کیونکہ" جملے کے درمیان میں آتا ہے۔

چونکہ وہ بیمار تھا اس لیے کالج نہ جا سکا۔
چونکہ وہ ایک اچھا آدمی ہے اس لیے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔
چونکہ علی شہر سے باہر تھا اس لیے وہ امتحان نہ دے سکا۔

۲۔ کیونکہ:

یہ حرف بھی جملے میں کسی چیز کی وجہ بیان کرنے کے لیے آتا ہے، لیکن اس کا صحیح استعمال جملے کے درمیان میں ہے۔

وہ کالج نہ جا سکا کیونکہ وہ بیمار تھا۔
لوگ اس سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ ایک اچھا آدمی ہے۔
علی امتحان نہ دے سکا کیونکہ وہ شہر سے باہر تھا۔

۳۔ بلکہ:

یہ حرف کسی ادنیٰ کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ بنانے کے لیے، کسی چیز کی نفی کے لیے یا کسی دوسری صفت کو پہلی صفت میں شامل کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وہ انسان نہیں بلکہ جانور ہے۔
یہ لکڑی نہیں بلکہ پتھر ہے۔
وہ صرف عادل ہی نہیں بلکہ صالح بھی ہے۔

۴۔ یا، خواہ، چاہو:

یہ وہ حروف ہیں جو کسی ایک چیز کو رد کرنے کے لیے، دو چیزوں میں تعین کرنے کے لیے، دو چیزوں کو جمع ہونے سے روکنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

عامر نیک ہے یا بد۔
خواہ آپ آجائیں، خواہ آپ کا نمائندہ۔
چاہو رہو، چاہو چلے جاؤ۔

۵۔ لیکن، مگر، البتہ:

جب پہلے جملے میں کوئی شبہ واقع ہو تو اسے دور کرنے کے لیے دوسرے جملے سے پہلے یہ حروف استعمال ہوتے ہیں۔

انہیں آنا تھا لیکن وہ بیمار ہو گئے۔
وہ وعدہ تو کرتا ہے مگر پورا کرنے کی نوبت نہیں آتی۔
تم نہیں جا سکتے البتہ علی چلا جائے۔

۶۔ نہ، نہیں:

یہ حرف کسی چیز کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وہ بالکل نہیں جا سکتا ہے۔
اتنا نہ کھیلو کہ بیمار پڑ جاو۔
اسے ہرگز یہ بات نہ بتانا۔

۷۔ ہی، صرف، محض:

یہ وہ حروف ہیں جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ آ کر ایک قسم کی خصوصیت پیدا کرتے ہیں۔

اس کائنات کا خالق اللہ ہی ہے۔
ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔
دنیا محض دھوکے کا سامان ہے۔

- **یاد رہے کہ اسم ضمیر کے ساتھ مل کر "ہی" کی صورت بدل جاتی ہے۔**

یہ ہی ۔۔۔ یہی، وہ ہی ۔۔۔ وہی، ہم ہی ۔۔۔ ہمیں، تم ہی ۔۔۔ تمھی، تجھ ہی ۔۔۔ تجھی وغیرہ

۸۔ اچانک، ناگاہ، دفعتہ، یک بیک:

یہ وہ حروف ہیں جو کسی کام کے اچانک واقع ہونے پر بولتے ہیں۔

وہ چلتے چلتے اچانک گر پڑا۔
ناگاہ اس کی نظر علی پر پڑی تو وہ راستہ بدل گیا۔
اچھا بھلا موسم تھا دفعتہ بارش شروع ہوگئی۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

۹۔ ورنہ:

اس حرف کا استعمال کسی کام کا نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

اپنی حرکتوں سے باز آجاو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔
تمھیں پڑھنا چاہیے ورنہ فیل ہو جاو گے۔
یہاں سے بھاگ جاو ورنہ وہ تمھیں مار ڈالیں گے۔

۱۰۔ اگر۔۔۔۔تو، جو۔۔۔۔تو، جب۔۔۔۔۔۔تب:

یہ حروف کے جوڑے ایسے جملوں میں استعمال ہوتے ہیں جن میں کوئی شرط اور جزا بیان کی گئی ہو۔

اگر وہ محنت کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔
جو وہ تیز بھاگتا تو جیت جاتا۔
جب وہ پڑھتا ہے تب وہ اچھے نمبر حاصل کر لیتا ہے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEF AHMAD)

۱۱۔ اگرچہ۔۔۔۔لیکن:

جملے میں کسی چیز کے ایک سے زیادہ وصف بیان کرنے کے لیے حروف کا یہ جوڑا استعمال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ وہ غریب ہے لیکن ایمان دار ہے۔
اگرچہ وہ پڑھا لکھا ہے لیکن رسم و رواج کا قیدی ہے۔
اگرچہ وہ دین کا علم رکھتا ہے لیکن عمل نہ ہونے کے برابر ہے

۱۲۔ صرف۔۔۔۔بلکہ:

ان دونوں کا استعمال کسی ادنی کو اعلی اور اعلی کو ادنی بنانے کے لیے، کسی چیز کی نفی کے لیے یا کسی دوسری صفت کو پہلی صفت میں شامل کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وہ صرف عادل ہی نہیں بلکہ صالح بھی ہے۔
وہ صرف میرا بھائی نہیں بلکہ دوست بھی ہے۔
ہم صرف بے عمل ہی نہیں بلکہ لاعلم بھی ہیں۔

13۔ چونکہ ۔۔۔۔۔۔ اس لیے:

کسی چیز کی وجہ بیان کرنے کے لیے ان دونوں کا استعمال ہوتا ہے۔

چونکہ وہ بیمار تھا اس لیے کالج نہ جا سکا۔
چونکہ علی اس کا بھائی تھا اس لیے اس نے اسے جانے دیا۔
چونکہ وہ آہستہ چلتا ہے اس لیے پیچھے رہ گیا۔

۱۴۔ جیسے جیسے ۔۔۔۔۔ ویسے ویسے، جوں جوں ۔۔۔۔۔ توں توں:

ان کا استعمال کسی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مسلسل بڑھنے یا کم ہونے کے لیے کیا جاتا ہے۔

جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے ویسے ویسے راستہ دشوار ہوتا گیا۔
جیسے جیسے زمانہ ترقی کر رہا ہے ویسے ویسے لوگوں کا اخلاق گر رہا ہے۔
جوں جوں اُوپر بڑھتے جائیں توں توں راستہ تنگ ہوتا جاتا ہے۔

اب ہم حروف کے استعمال کو مدنظر رکھتے ہوئے چند غلط جملوں کو درست کرنے کی مشق کریں گے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

مشقی جملے حروف کے استعمال کے لحاظ سے

غلط جملے	درست جملے
اگر چہ وہ بیمار تھا اس لیے کالج نہ جا سکا۔	
وہ صرف عالم نہیں عامل بھی ہے۔	
میں نے تو اسے کچھ نہیں کہا عامر نے خوب ڈانٹا۔	
آہستہ چلو اگر گر پڑو گے۔	
یا یہ کتاب لے لو یہ قلم لے لو۔	
ورنہ محنت کرو فیل ہو جاؤ گے۔	
کیونکہ اس نے محنت نہیں کی تھی، وہ فیل ہو گیا۔	
اس نے مجھے مارا نہیں بلکہ برا بھلا بھی کہا۔	

اگر تم وہاں جاؤ گے، اس سے ملو گے۔	
وہ سب کے لیے تحفے لایا اگرچہ مجھے بھول گیا۔	
وہ صرف ذہین نہیں بلکہ محنتی بھی ہے۔	
سزا صرف مجھے ملی کیونکہ قصور ہم سب کا تھا۔	
اگرچہ وہ غریب ہے وہ ایماندار ہے۔	
آمنہ کے سوا لڑکیاں حاضر ہیں۔	
اس کا گلہ خراب ہو گیا چونکہ اس نے آئس کریم کھائی۔	
وہ میرا دوست تو ہے اگر وقت پر کبھی کام نہیں آیا۔	
جیسے جیسے آگے جائیں، راستہ تنگ ہوتا جاتا ہے۔	
گندگی میں ہرگز نہ بیٹھو بیمار ہو جاؤ گے۔	
آپ گھر میں نہ تھے، اس لیے میں نہ آیا۔	
وہ صرف بزدل ہی نہیں، بھگوڑا بھی ہے۔	
اسے سزا ملی، دوسروں کو عبرت ہو۔	
میں اسے ہرگز نہ ملوں گا، میں اسے نہیں جانتا۔	

★★★★★

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

ہدایات برائے پرچہ اردو لازمی برائے جماعت گیارہ (سال 2018ء و مابعد)

سوالات کی تقسیم برائے حصہ معروضی و مختصر جوابات (حصہ اول و دوم)

1- حصہ اول (معروضی) میں سوالات کی تقسیم درج ذیل ترتیب سے کی جائے:

حصہ نثر : 7 سوالات

حصہ نظم : 6 سوالات

حصہ غزل : 4 سوالات

حصہ قواعد : 3 سوالات

2- حصہ دوم (مختصر جوابات) میں سوالات کی تقسیم درج ذیل ترتیب سے کی جائے:

حصہ نثر : 4 سوالات

حصہ نظم : 3 سوالات

حصہ غزل : 2 سوالات

حصہ قواعد : 2 سوالات

سوال نمبر 2 کا جز (xii) تلخیص نگاری کے لیے مختص ہے۔

نوٹ: (i) حصہ دوم کے ہر حصے یعنی نثر، نظم، غزل اور قواعد کے بعد "یا" کی صورت میں ایک اضافی سوال بھی دیا جائے۔

(ii) مصنف/شاعر کے سوانحی نوٹ میں سے معروضی سوال دیا جا سکتا ہے مختصر سوال نہیں۔

3- حصہ سوم میں میں سوال نمبر 6 کے تحت روداد اور مکالمہ میں سے کسی ایک اور سوال نمبر 7 میں خط اور درخواست میں سے کسی ایک عنوان کے تحت سوال پرچہ میں دیا جائے۔

MDCATBYFUTUREDOCTORS(TOUSEEFAHMAD)

سکالرز سیریز کی بہترین کتب

Federal Board Books

STOCKIST

KASHMIR BOOK DEPOT Urdu Bazar, Rawalpindi. Ph: 051-5558321	**REHMAN BOOK DEPOT** College Road, Rawalpindi. Ph: 051-5551226	**CAPITAL BOOK DEPOT** Urdu Bazar, Rawalpindi. Ph: 051-5539589	**The School Mall** Sargodha Ph: 0321-6003651
REHAN BOOKS Karachi Company, Islamabad Ph: 0331-5881127	**IDREES BOOK BANK** Saddar, Rawalpindi.	**Book City** Quetta 081-2836644	**Afzal Book Depot** Skardu Ph: 05816-453445
MR. BOOKS Super Market, Islamabad. Ph: 051-2278843	**Sargodha Book Depot** Sargodha	**ISLAMABAD BOOK CENTER** Blue Area, Islamabad	**ILMI BOOK DEPOT** Aabpara, Islamabad.
COLLEGE BOOK DEPOT Multan. Ph: 061-4541265	**Moazzam Book Depot** Karachi Ph: 0300-2806028	**Shakeel Book Depot** Karachi Ph: 0322-2613433	**Prince Book Depot** Karachi Ph: 0300-2555602
Baba Book Compony Abbottabad Ph: 0300-9117128	**MUSLIM BOOK DEPOT** Main Bazar, Murree.	**SHANI BROTHER** Jehlum	**PUNJAB BOOK DEPOT** Wah Cantt. Ph: 0321-5002670
Niazi Book Depot Hyderabad Ph: 0333-2957912	**Murtaza Book Depot** Gilgit Ph: 0311-1946665	**FARAN BOOK AGENCY** Nowshehra Cantt.	**BANARAS BOOK DEPOT** Abbottabad.

Scholar Publications
Qazzafi market, Urdu Bazar, Lahore
Ph: 042-37231595 - 37241133
Email: scholarpublications@Gmail.com
facebook : @scholarpublications.pk

Sole Distributors
Al Hassan Book Center
Urdu Bazar, Lahore 042-37245800
Aminpur Bazar, Faisalabad 042-37245800